

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیل

① سُورَةُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ

② سُورَةُ كَهْفٍ

③ سُورَةُ مَرْيَمَ

جلد

۱۲

إفادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم سواتی دام مجید

خطیب جامع مسجد نور

گوجرانوالہ پاکستان



گیارھواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل، کہف، مریم) جلد ۱۲
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین - ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسنی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۲۶۵/- دو سو پینسٹھ روپے
تاریخ گیارھواں ایڈیشن	محرم الحرام ۱۴۲۹ھ بمطابق جنوری ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم الوفان فی دروس القرآن جلد ۱۲

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۰	امام الانبیاء کا اعزاز	۱۹	سورۃ بنی اسرائیل
۳۱	موسیٰ علیہ السلام کے لیے تورات	۲۰	درس اول (آیت ۱)
"	آسمانی کتب کا لب لباب	"	آیت و ترجمہ
۳۲	فوح علیہ السلام کی شکر گزاری	"	نام و کوائف
۳۳	شکر کی تعریف	"	فضائل سورۃ
۳۵	اللہ کے شکر گزار بندے	۲۱	مضامین سورۃ
۳۷	درس سوم (آیت ۴ تا ۸)	"	زمانہ واقعہ معراج
"	آیات و ترجمہ	۲۲	مکمل واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۳۸	رابط آیات	۲۳	آغاز واقعہ معراج
۳۹	فدا اور سرکشی	"	شق صد
۴۰	بخت نصر کی کاروائی	۲۴	مسجد حرام سے تہجد قضا تک
۴۱	بنی اسرائیل کی آزادی	۲۵	آسمانوں کی سیر
۴۲	ٹیٹس رومی کا حلقہ	۲۷	تعجب انگیز واقعہ
۴۳	عیسائیوں اور مسلمانوں کا قبضہ	"	بابرکت ماحول
۴۴	مسلمانوں کی حالت زار	۲۹	درس دوم (آیت ۲ تا ۳)
"	سامان عبرت	"	آیات و ترجمہ
۴۷	درس چہارم (آیت ۹ تا ۱۱)	"	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	۳۰	خادمہ فرعون کا مقام

۶۸	۴۷	رہا ہیت بالغہ	۴۷	رہا آیات
۶۹	۴۸	سامانِ عبرت	۴۸	قرآن بطور راہ ہدایت
۷۱	۴۹	درس ہفتم (آیت ۱۸ تا ۲۲)	۴۹	اہل ایمان کے لیے بشارت
"	"	آیات و ترجمہ	"	ترغیب کے بعد ترہیب
۷۲	۵۰	رہا آیات	۵۰	اپنے حق میں بددعا
"	۵۱	دنیا طلبی	۵۱	محضو علیہ السلام کی خصوصیت
۷۳	۵۳	تقسیم برہمنائے خداوندی	۵۳	انسان جلد باز ہے۔
۷۴	۵۴	آخرت طلبی	۵۴	درس پنجم ۵ آیت (۱۲ تا ۱۵)
۷۶	"	عطا ئے الہی	"	آیات و ترجمہ
"	۵۵	ایک دوسرے پر فضیلت	۵۵	رہا آیات
۷۷	"	شکر سے بچاؤ	"	ییل و نہار کا نظام
۷۹	۵۶	درس ششم ۸ آیت (۲۳ تا ۲۵)	۵۶	روحانی کمال اور زوال
"	۵۷	آیات و ترجمہ	۵۷	رزق حلال کی تلاش
۸۰	"	رہا آیات	"	ماہ و سال کی گنتی
"	۵۸	۱۔ توحید فی العبادات	۵۸	انسان کا نامہ اعمال
۸۲	۶۰	۲۔ والدین سے حسن سلوک	۶۰	اتمامِ حجت
۸۵	۶۱	والدین کے لیے دعا	۶۱	مسکلف کی بحث
"	۶۲	رجوع الی اللہ	۶۲	درس ششم ۶ آیت (۱۶ تا ۱۷)
۸۶	"	صلاۃ الاوابین	"	آیات و ترجمہ
۸۷	"	درس ہفتم (آیت ۲۶ تا ۲۷)	"	رہا آیات
"	۶۵	آیات و ترجمہ	"	ہلاکت کا فلسفہ
"	۶۷	رہا آیات	"	آسودہ حالی اور مخالفت اسلام
"	۶۸	۳۔ قرابتداروں کا حق	"	"امر" کے دیگر معانی

۱۱۲	موجودہ دور میں قتل عام	۸۸	اخلاقی یا دوجوبی حق
"	۱۔ اسلاف فی القتل	"	زکوٰۃ کے علاوہ حقوق
۱۱۴	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۳۴ تا ۳۵)	۹۰	مساکین اور مسافروں کا حق
"	آیات و ترجمہ	۹۱	۴۔ اسلاف و تہذیب
"	ربط آیات	"	آمد و خرچ پر پابندی
"	۱۱۔ یتیم کے مال کی حفاظت	۹۲	شیطانوں کے بھائی
۱۱۷	یتیم کا سن بلوغت	۹۳	درس دہم ۱ (آیت ۲۸ تا ۳۰)
"	ابو ذر غفاریؓ کو نصیحت	۹۵	آیات و ترجمہ
۱۱۸	۱۲۔ ایفائے عہد	"	ربط آیات
۱۲۰	۱۳۔ ماپ تول میں دیانت	"	۵۔ رد جیل
۱۲۳	درس سیزدهم ۱۳ (آیت ۳۶ تا ۴۰)	۹۶	حضور علیہ السلام کا اسوہ حسنہ
"	آیات و ترجمہ	۹۷	خرچ میں میانہ روی
۱۲۴	تحقیق کی ضرورت	۹۸	حضور علیہ السلام کے لیے استثناء
"	۱۴۔ کان، آنکھ اور دل کے متعلق سوال	"	منفق اور مسک
۱۲۵	۱۵۔ اکثر اور کجبر کی ممانعت	۱۰۰	مصلحت خداوندی
۱۲۷	اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی	۱۰۲	درس یازدهم ۱۱ (آیت ۳۱ تا ۳۳)
۱۲۸	شرک سے بیزاری	۱۰۳	آیات و ترجمہ
"	شان خداوندی میں گستاخی	"	ربط آیات
۱۳۰	درس چہاردهم ۱۴ (آیت ۴۱ تا ۴۸)	"	قتل اولاد کی ممانعت
"	آیات	۱۰۴	برتھ کنٹرول
۱۳۱	ترجمہ	۱۰۶	۸۔ زنا کی ممانعت
۱۳۲	قرآن بطور نصیحت	۱۰۷	۹۔ قتل ناحق کی ممانعت
"	توحید کی دلیل	۱۰۹	قتل ناحق پر وعید
۱۳۳	خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید	۱۱۰	

۱۶۱	رابط آیات	۱۳۶	قرآن کی برکات سے محرومی
"	معبودانِ باطلہ کی بے بسی	۱۳۸	سحر زدگی کا الزام
۱۶۳	وسیلہ کے مختلف معانی	۱۴۱	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۹ تا ۵۱)
۱۶۴	توسل بالاعمال	"	آیات و ترجمہ
۱۶۵	توسل بالذات (۱) ناجائز وسیلہ	۱۴۲	رابط آیات
۱۶۶	۲۔ جائز وسیلہ	"	کیا دوبارہ زندگی ممکن ہے
۱۶۷	ہرستی کی ہلاکت	۱۴۳	ہاں! اس کی دلیل
۱۷۰	درس ہشتردہم ۱۸ (آیت ۵۹ تا ۶۰)	۱۴۵	وقوع قیامت کا وقت
"	آیات و ترجمہ	"	دوبارہ زندگی پر حصر
۱۷۱	رابط آیات	۱۴۶	دنیا کی فیل زندگی
"	شان نزول	۱۴۸	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۵۳ تا ۵۵)
۱۷۲	ناقۃ النمر کی نشانی	"	آیت و ترجمہ
۱۷۴	نشانی برائے تحریف	"	رابط آیات
۱۷۵	واقعہ معراج بطور آزمائش	۱۴۹	نشانیات
۱۷۶	شیخ ملعونہ	۱۵۰	شیطان دشمن انسان
۱۷۸	سکرشی میں اضافہ	"	اچھی بات کیا ہے؟
۱۷۹	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۶۱ تا ۶۵)	۱۵۲	نبی کی ذمہ داری
"	آیات و ترجمہ	۱۵۳	انبیاء کے درجات
۱۸۰	رابط آیات	۱۵۶	زبور کا خصوصی ذکر
"	ابلیس کا انکارِ سجدہ اور چیلنج	۱۵۷	تلاوتِ زبور اور قرآن
۱۸۲	اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت	۱۵۸	فضیلتِ انبیاء میں احتیاط
"	غلبہ پذیرِ عیہ آواز	۱۶۰	درس ہفترہم ۱۷ (آیت ۵۶ تا ۵۸)
۱۸۳	لاؤ لشکر کا استعمال	"	آیات و ترجمہ

۱۸۳	درس لبت ۲۲ (آیت ۱ تا ۷)	۲۰۷	مال میں شراکت
۱۸۵	آیات و ترجمہ	"	اولاد میں شراکت
۱۸۶	رابط آیات	"	شیطان کے جھوٹے وعدے
۲۰۸	امام کے نام پر پکار	"	عباد اللہ محفوظ ہوں گے
۲۱۰	اعمال ناموں کی تقسیم	۱۸۹	درس لبت ۲۰ (آیت ۶۶ تا ۶۹)
۲۱۱	حشر میں اندھا پن	"	آیات و ترجمہ
۲۱۲	درس لبت ۲۳ (آیت ۷ تا ۱۷)	۱۹۰	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	بحری سفر کے ذرائع
۲۱۵	رابط آیات	۱۹۱	فضل ربی کی تلاش
"	مشرکین کی سازش نہ شرائط	۱۹۲	طوفان میں اللہ کی یاد آوری
۲۱۶	حضور علیہ السلام کا جواب	۱۹۳	نجات ملنے پر دوبارہ شرک
۲۱۷	حضور علیہ السلام کی ثابت قدمی	۱۹۵	خشکی پر سزا
۲۱۹	ہجرت کے بعد تباہی	۱۹۶	سمندری طوفان
۲۲۰	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۱۹۸	درس لبت ۲۱ (آیت ۷)
۲۲۲	درس لبت چہارم ۲۴ (آیت ۸ تا ۱۹)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	"	رابط آیات
"	رابط آیات	"	شرف انسانیت
"	اقامت صلوٰۃ	۱۹۹	فضیلت عامہ
۳۲۳	نمازوں کی تعداد	۲۰۰	انسان کے جسمانی کمالات
"	نماز فجر	۲۰۳	انسان کے روحانی کمالات
۲۰۵	بعض گمراہ فرقے	۲۰۴	انسان کے لیے سواری کا انتظام
۲۲۶	نبی کا قول و فعل بطور دلیل	۲۰۵	پاکیزہ روزی
۲۲۸	نماز تہجد کی اہمیت	۲۰۶	حقیقی شرف

۲۵۰	ربط آیات	۲۳۰	مقام محمود
"	شان نزول	۲۳۱	اصلاح انفس
۲۵۱	روح کے مختلف معانی	۲۳۲	درس سبب پنج ۲۵ (آیت ۸۰ تا ۸۱)
۲۵۲	انسانی روح	"	آیات و ترجمہ
۲۵۳	روح پر نظر پاتی بحث	"	ربط آیات
۲۵۴	روح کی مادیت پر بحث	۲۳۳	ہجرت انبیاء علیہم السلام
۲۵۶	امام شاہ ولی اللہ کا نظریہ	۲۳۴	و دخول و خروج کے دیگر معانی
۲۵۸	روح اعظم کے ساتھ تعلق	۲۳۵	ہجرت اور فتح مکہ
"	تجلی اعظم کا عکس	"	کوہ صفا پر اعلان حق
۲۵۹	روح کے متعلق کم علمی	۲۳۶	نفاذ قانون کی ذمہ داری
۱۶۱	درس سبب ہشت ۲۸ (آیت ۸۶ تا ۸۹)	۲۳۷	اسلام کے خلاف سازش
"	آیات و ترجمہ	۲۳۸	حق و باطل کی کشمکش
۲۶۲	ربط آیات	۲۴۰	درس سبب شش ۲۲ (آیت ۸۲ تا ۸۴)
"	وحی الہی کی ضرورت	"	آیت و ترجمہ
۲۶۳	قرآن کا اٹھ جانا	"	ربط آیات
۲۶۴	ذہاب علم	۲۴۱	قرآن بطور شفا
۲۶۵	صدقہ قرآن	۲۴۳	عقیدے کی درستگی
۲۶۶	قرآن کے علوم و معارف	۲۴۵	مکمل طہارت
۲۶۷	قرآن پاک کی مثالیں	۲۴۶	رحمت خداوندی
۲۶۹	درس سبب نہ ۲۹ (آیت ۹۰ تا ۹۶)	"	شہد میں شفا
"	آیات و ترجمہ	۲۴۷	انسان کی احسان فراموشی
۲۷۰	ربط آیات	۲۵۰	درس سبب ہفت ۲۱ (آیت ۸۵)
۲۷۱	شان نزول	"	آیات و ترجمہ

۲۹۶	درس سی و دو (آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹)	۲۸۲	مشرکین کے بے جا مطالبات
"	آیات و ترجمہ	۲۸۳	نبی کی حیثیت
۲۹۷	رابط آیات	۲۸۵	ہم نوح رسول
"	نزول قرآن باحتی	۲۸۷	اللہ بطور گواہ
۲۹۸	حفاظت قرآن کی گارنٹی	۲۸۸	درس سی ۳۰ (آیت ۹۷ تا ۱۰۰)
۳۰۰	بشیر اور انداز کافر بیضہ	"	آیات و ترجمہ
۳۰۱	قرآن کا تدریج نزول	۲۸۹	رابط آیات
"	فتنہ مرزا بیت	۲۹۰	مکی سورتوں کے مضامین
۳۰۲	سجدہ تلاوت	"	ہدایت اور گمراہی کا قانون
"	تکمیل رسالت کا وعدہ	۲۹۲	گمراہوں کے لیے سزا
۳۰۳	خشیت الہی کا صلہ	۲۹۳	قیامت کا انکار
۳۰۴	تلاوت قرآن پر رقت	۲۹۵	اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے
۳۰۵	درس سی و تیر (آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱)	۲۹۷	انسان کی تنگدلی
"	آیات و ترجمہ	۲۹۸	درس سی پانچ (آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴)
"	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
۳۰۶	مشرکین کی رحمان سے عدالت	۲۹۹	رابط آیات
۳۰۷	تلاوت قرآن میں میانہ روی	"	موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات
۳۰۸	حد باری تعالیٰ	"	دیگر نشانیاں
۳۰۹	اللہ تعالیٰ کی بے نیازی	۳۰۱	درس احکام
۳۱۰	فضائل سورۃ	۳۰۲	موسیٰ علیہ السلام اور فرعونوں میں مکالمہ
۳۱۱	افضل اذکار	۳۰۳	فرعون کا تذبذب
۳۱۲	سورۃ الکہف	۳۰۴	فرعونوں کی غرقابی
۳۱۳	درس اول (آیت ۱ تا ۳)	۳۰۵	حشر میں اجتماع

۳۳۴	عجیب و غریب واقعہ	۳۱۴	آیات و ترجمہ
۳۳۵	اصحاب الکہف والرقیم	۳۱۵	نام اور کوائف
۳۳۶	چند نوجوان	۳۱۶	گزشتہ سورۃ کے ساتھ ربط
۳۳۸	اصحاب کہف کا زمانہ	۳۱۷	مضامین سورۃ
۳۴۰	اصحاب کہف کا مقام	۳۱۸	حماری اور دجالی تہذیب
۳۴۱	اصحاب کہف کی دعا	۳۱۹	فضائل سورۃ
۳۴۲	غینہ اور بیداری	۳۲۰	نزول کتاب کی نعمت
۳۴۳	درس چہارم ۴ (آیت ۱۳ تا ۱۵)	۳۲۱	یہ کتاب قیم ہے
۳۴۴	آیات و ترجمہ	۳۲۲	مقصود نزول کتاب
۳۴۵	ربط آیات	۳۲۳	مؤمنین کے لیے بشارت
۳۴۶	چند ایماندار نوجوان	۳۲۴	درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۸)
۳۴۷	جوانی کا بہترین دور	۳۲۵	آیات و ترجمہ
۳۴۸	ہدایت میں اضافہ	۳۲۶	ربط آیات
۳۴۹	نوجوانوں کی حق گوئی	۳۲۷	تخویف برائے تجویز کنندگان اولاد
۳۵۰	افتراء علی اللہ	۳۲۸	کفائے کا غلط عقیدہ
۳۵۱	درس پنجم ۵ (آیت ۱۶ تا ۱۸)	۳۲۹	مسلمانوں کے غلط عقائد
۳۵۲	آیات و ترجمہ	۳۳۰	بلا دلیل دعویٰ
۳۵۳	ربط آیات	۳۳۱	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی
۳۵۴	بادشاہ کے سامنے پیشی	۳۳۲	زمینی رونق برائے آزمائش
۳۵۵	روپوشی کا منصوبہ	۳۳۳	درس سوم ۳ (آیت ۹ تا ۱۲)
۳۵۶	کئے کا شرعی حکم	۳۳۴	آیات و ترجمہ
	غار میں قیام	۳۳۵	ربط آیات
	تلاش میں ناکامی	۳۳۶	بعض علمی مسائل

۳۸۳	۳۵۷	صحاب کہف کی مشاورت
"	۳۵۸	غار کی حالت
۳۸۵	۳۵۹	ہدایت اور گمراہی
۳۸۶	"	غار میں اصحاب کہف کی حالت
۳۸۷	۳۶۱	درس ششم ۶ (آیت ۱۹ تا ۲۰)
۳۸۸	"	آیات و ترجمہ
۳۸۹	۳۶۲	ربط آیات
۳۹۰	۳۶۳	یہودیوں کی بیداری
۳۹۲	۳۶۴	کتے کے خواص
"	۳۶۵	یہودیوں کا عرصہ
۳۹۳	"	غیر ضروری تفصیلات
"	۳۶۷	کھانے کا انتظام
۳۹۵	۳۶۹	شہر میں پیش آمدہ حالات
۳۹۶	۳۷۱	صحاب کہف کی موت
۳۹۷	۳۷۲	درس ہفتم ۷ (آیت ۲۱ تا ۲۲)
۳۹۸	"	آیات و ترجمہ
۳۹۹	۳۷۳	ربط آیات
۴۰۱	۳۷۴	وقوع قیامت پر دلیل
۴۰۲	۳۷۵	صحاب کہف کی یادگار
۴۰۳	۳۷۶	قبر پر تعمیر وغیرہ کا مسئلہ
"	۳۷۸	صحاب کہف کی تعداد
۴۰۵	۳۸۲	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۳ تا ۲۶)
۴۰۶	"	آیات و ترجمہ

۴۰۷	ظالموں کے لیے آگ	۴۰۷	مال و دولت بمقابلہ صالحات	۴۰۷
۴۰۸	ایمانداروں کے لیے اجر	۴۰۸	خدا کے حضور پیشی	۴۰۸
۴۰۹	سنہری کنگن	۴۱۰	نامہ اعمال بطور کھلی کتاب	۴۱۰
۴۱۰	بہترین لباس	۴۱۱	درس چہارم ۱۲ (آیت ۵۰ تا ۵۲)	۴۱۱
۴۱۱	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۲ تا ۳۶)	۴۱۲	آیات و ترجمہ	۴۱۲
۴۱۲	آیات و ترجمہ	۴۱۳	ربط آیات	۴۱۳
۴۱۳	ربط آیات	۴۱۴	ابلیس سے دوستی	۴۱۴
۴۱۴	درخصوں کی مثال	۴۱۵	سجدہ سے انکار	۴۱۵
۴۱۵	درباعوں کا مالک	۴۱۶	لائحہ کے طبقات	۴۱۶
۴۱۶	صاحب مال کا تکبر	۴۱۷	ابلیس کی دستور اندازی	۴۱۷
۴۱۷	قیامت کا انکار	۴۱۸	شیاطین کے مختلف نام	۴۱۸
۴۱۸	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۳ تا ۴)	۴۱۹	اللہ تعالیٰ کی بے نیازی	۴۱۹
۴۱۹	آیات و ترجمہ	۴۲۰	شکر کا کی بے بسی	۴۲۰
۴۲۰	ربط آیات	۴۲۱	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۵۴ تا ۵۹)	۴۲۱
۴۲۱	مؤمن بھائی کا جواب	۴۲۲	آیات و ترجمہ	۴۲۲
۴۲۲	مؤمن کا حسن ظن	۴۲۳	ربط آیات	۴۲۳
۴۲۳	باغ کی تباہی	۴۲۴	قرآن پاک اور انسان	۴۲۴
۴۲۴	حاصل کلام	۴۲۵	تہذیب انسانی	۴۲۵
۴۲۵	درس سیر و حکم ۱۳ (آیت ۴۵ تا ۴۹)	۴۲۶	ایمان لانے میں رکاوٹ	۴۲۶
۴۲۶	آیات و ترجمہ	۴۲۷	انبیاء کا فرض منصبی	۴۲۷
۴۲۷	ربط آیات	۴۲۸	آیات اللہی سے اعراض	۴۲۸
۴۲۸	دنوی زندگی کی مثال	۴۲۹	قانون امہال و تدریج	۴۲۹
۴۲۹	انسانی زندگی کی ناپائیداری	۴۳۰	ظالموں کی ہلاکت	۴۳۰

۲۸۵	رابط آیات	۲۵۸	مسلمانوں کی حالت زار
"	موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا سفر	۲۶۰	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۶۰ تا ۶۴)
۲۸۶	کشتی کا سفر	"	آیات و ترجمہ
۲۸۸	عجیب و غریب ہرن	۲۶۱	رابط آیات
۲۸۹	بچے کا قتل	۲۶۲	واقعہ کا پس منظر
۲۹۰	ایک بستی میں ورود	۲۶۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نوح جو ان
۲۹۳	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۷۹)	"	مجمع البحرین کا سفر
"	آیات و ترجمہ	۲۶۶	علمی سفر
"	رابط آیات	۲۶۷	مچھلی کا واقعہ
"	واقعہ کشتی کی تیا موسیٰ علیہ السلام سے نسبت	۲۶۸	کھانا طلبی
۲۹۴	کشتی توڑنے کی حکمت	۲۷۱	درس ہفدہم ۱۷ (آیت ۶۵ تا ۷۰)
۲۹۵	مسکین اور فقیر کی اصطلاحات	"	آیات و ترجمہ
۲۹۶	کشتی کی ملکیت	۲۷۲	رابط آیات
"	عیب ناک کی مصلحت	۲۷۳	حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات
۲۹۷	اسلام اور جدید عصری تقاضے	۲۷۴	خضر علیہ السلام کی شخصیت
۲۹۹	دینی مدارس کی عیب ناکی	۲۷۵	حیات خضر علیہ السلام
۵۰۰	درس سترہم ۲۰ (آیت ۸۰ تا ۸۲)	۲۷۶	خضر علیہ السلام کا علم
"	آیات و ترجمہ	۲۷۸	علم لدنی
۵۰۱	رابط آیات	۲۷۹	خصوصی سفر
"	قتل غلام کی حکمت	۲۸۰	پیٹ اور معرفت الہی
۵۰۳	بچے کا نعم البدل	۲۸۱	تعلیم اور تعلم کے لیے شرائط
"	لفظ خشینا کی تشریح	۲۸۳	درس ہترہم ۱۸ (آیت ۸۱ تا ۸۷)
۵۰۴	موسیٰ علیہ السلام کے لیے تنبیہ	"	آیات و ترجمہ

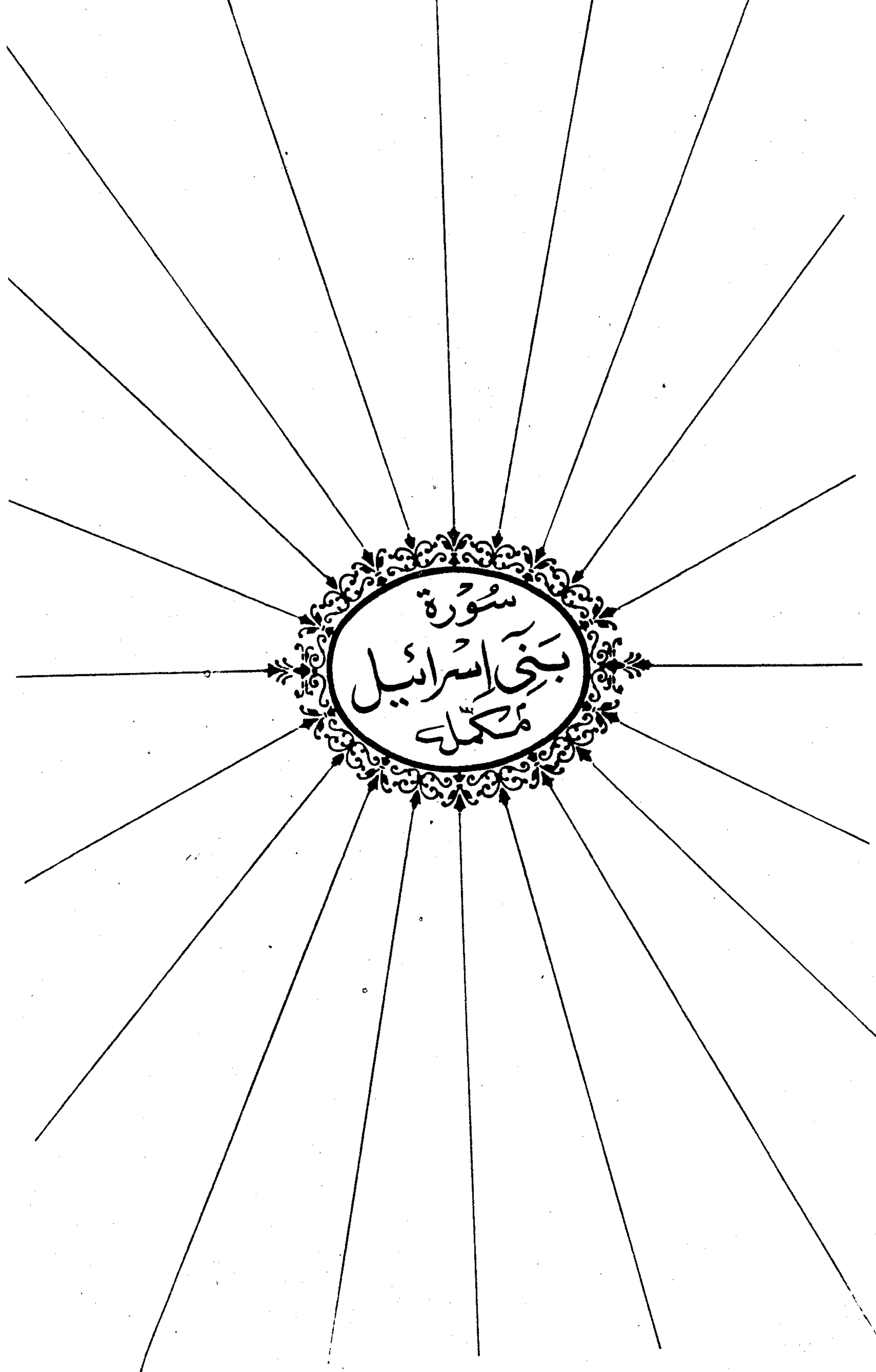
۵۲۹	۵۰۵	یاجوج و ماجوج کی تلاش	دیوار کی درستگی کی حکمت
۵۳۱	۵۰۶	یاجوج و ماجوج کا خروج اور ہلاکت	والدین کی نیکی کا صلہ
۵۳۲	۵۰۷	سورۃ آخر	حضرت علیہ السلام مامور من اللہ تھے
۵۳۳	۵۰۹	وقوع قیامت	درس سبت یک (آیت ۸۳ تا ۸۸)
۵۳۶	"	درس سبت چہار (آیت ۱۰۲ تا ۱۰۸)	آیت و ترجمہ
"	۵۱۰	آیات و ترجمہ	تین واقعات تین اصول
۵۳۷	۵۱۱	خدا کی رحمت کا ذکر	ذوالقرنین کا تعارف
۵۳۸	۵۱۳	کفار کا زعم باطل	قرنین کی وجہ تسمیہ
۵۳۹	"	نذر و نیاز میں شرک	ذوالقرنین پر انعامات
۵۴۰	۵۱۴	خاسر ترین لوگ	مغربی سفر
۵۴۲	۵۱۵	اعمال کا ضیاع	مفسد قوم سے سلوک
۵۴۳	۵۱۶	تمسخر کرنے والوں کے لیے سزا	اہل ایمان کے لیے جزا
۵۴۴	۵۱۸	نیک لوگوں کیلئے جنت الفردوس	درس سبت دو (آیت ۸۹ تا ۹۴)
۵۴۶	"	درس سبت پنج ۲۵ (آیت ۱۰۹ تا ۱۱۰)	آیات و ترجمہ
"	۵۱۹	آیات و ترجمہ	ذوالقرنین کا مشرقی سفر
"	۵۲۰	کلمات علم و حکمت	ذوالقرنین کا شمالی سفر
۵۴۸	"	بشریت رسول	ترجمان کی ضرورت
۵۵۰	۵۲۲	عقیدہ توحید	ذوالقرنین اور قوم کا مکالمہ
۵۵۱	"	شرک کی مختلف قسمیں	اقوام یاجوج و ماجوج
۵۵۲	۵۲۵	شرک خفی	درس سبت ۲۳ (آیت ۹۵ تا ۱۰۱)
"	"	قبولیت عبادت کی شرائط	آیات و ترجمہ
۵۵۳	۵۲۶	فضائل سورۃ	بند باندھنے کی پیش کش
۵۵۵	۵۲۷	سورۃ ص	بند کی تعمیر

۵۷۶	درس اول (آیت ۱ تا ۴)	۵۷۶	درس چہارم (آیت ۱۲ تا ۱۵)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
"	کوالف اور زمانہ نزول	"	ربط آیات
۵۷۷	ہجرت حبشہ	۵۷۷	تمسک بالتورۃ
"	مضامین سورۃ	"	قرآن و سنت پر استقامت
"	حروف مقطعات	۵۸۱	یحییٰ علیہ السلام کا علم و دانش
"	ذکر یا علیہ السلام کی شخصیت	۵۸۱	یحییٰ علیہ السلام کی شفقت اور پاکیزگی
"	چکے چکے دعا	۵۸۳	یحییٰ علیہ السلام کا تقویٰ
"	عجبر و انکاری کا اظہار	۵۸۳	والدین کے محسن
"	درس دوم ۲ (آیت ۵ تا ۶)	۵۸۵	یحییٰ علیہ السلام کے لیے سلامتی
"	آیات و ترجمہ	۵۸۶	درس پنجم (آیت ۱۶ تا ۲۱)
"	حضرت ذکر یا علیہ السلام کی دعا	"	آیات و ترجمہ
"	مئلہ وراثت اور شیعہ حضرات	۵۸۷	ربط آیات
"	صحیح صورت حال	۵۸۷	حیرت انگیز واقعات
"	درس سوم ۳ (آیت ۷ تا ۱۱)	۵۸۸	حضرت مریمؑ کی علیحدگی
"	آیات و ترجمہ	۵۸۹	تنہائی میں فرشتے کی آمد
"	ربط آیات	۵۹۰	حضرت مریمؑ سے گفتگو
"	بیٹے کی بشارت	۵۹۲	اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ
"	بے مثل یحییٰ علیہ السلام	۵۹۳	نشان قدرت
"	حضرت ذکر یا علیہ السلام کی حیرانگی	۵۹۳	درس ششم ۶ (آیت ۲۲ تا ۲۶)
"	اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی	۵۹۶	آیات و ترجمہ
"	پیدائش کی نشانی	۵۹۷	ربط آیات
"		۵۹۷	استقرار حل

۶۱۹	۵۹۸	ضرط مستقیم	زچگی کی حالت
۶۲۰	۵۹۹	بہمی اختلاف	موت کی تمنا
۶۲۲	۶۰۰	سماعت و بصارت سے عاری	حضرت مریمؑ کے لیے تسلی
۶۲۳	۶۰۱	یوم حسرت	خورد و نوش کا سامان
۶۲۶	"	درس ہفتم (آیت ۴۱ تا ۴۵)	حرکت میں برکت
"	۶۰۲	آیات و ترجمہ	چپ کا روزہ
۶۲۷	۶۰۳	ربط آیات	درس ہفتم (آیت ۲۷ تا ۳۳)
"	"	ملت ابراہیمی میں بگاڑ	آیات و ترجمہ
۶۲۸	۶۰۵	ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ	ربط آیات
۶۲۹	"	صابریت اور عفتیت کا دور	حضرت مریمؑ قوم کے پاس
۶۳۰	۶۰۶	ابراہیم علیہ السلام کا باپ	حضرت ہارون علیہ السلام کون تھے؟
۶۳۱	۶۰۸	باپ سے خطاب	ماحول کا اثر
۶۳۲	۶۰۹	ساری مخلوق محتاج ہے	بچے کی شہادت
۶۳۳	۶۱۰	صنم اور وثن	بابرکت مسیح علیہ السلام
۶۳۴	"	قطع علم بذریعہ وحی	نماز اور زکوٰۃ کی تاکید
۶۳۵	۶۱۱	اہل علم کا اتباع	والدین کے ساتھ حسن سلوک
۶۳۶	۶۱۲	شیطان کی عبادت	حدید تہذیب اور والدین
۶۳۷	۶۱۳	غداہ الہی کا خوف	مسیح علیہ السلام کے لیے سلامتی
۶۳۸	۶۱۵	درس ہشتم (آیت ۴۶ تا ۵۰)	درس ہشتم (آیت ۳۴ تا ۴۰)
"	"	آیات و ترجمہ	آیات و ترجمہ
۶۳۹	۶۱۶	ربط آیات	ربط آیات
"	"	باپ کا جواب	عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
۶۴۰	۶۱۷	سنگاری کی دہکی	اولاد سے پاک اللہ تعالیٰ

۶۶۳	آیات و ترجمہ	۶۴۱	سلامتی اور معرفت کی دعا
"	رابط آیات	۶۴۳	ایمان پر ایم علیہ السلام کی علیحدگی
۶۶۴	سجدہ تلاوت	۶۴۴	انعام بصوت الحق اور یعقوب علیہما السلام
۶۶۵	جنت متقین کے لیے	۶۴۶	درس یازدہم (آیت ۵۷ تا ۵۸)
"	جنت کی وراثت کا فلسفہ	"	آیات و ترجمہ
۶۶۶	نزول ملائکہ کا اشتیاق	۶۴۷	رابط آیات
۶۶۹	عبادت خداوندی پر استقامت	"	موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ
"	خدا تعالیٰ بے مثل ہے	۶۴۸	نبی اور رسول میں فرق
۶۷۱	درس چہارم (آیت ۶۶ تا ۷۲)	۶۴۹	موسیٰ علیہ السلام کا تقرب الی اللہ
"	آیات و ترجمہ	۶۵۰	ہارون علیہ السلام کا تذکرہ
۶۷۲	رابط آیات	"	اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ
"	بعث بعد الموت	۶۵۱	وعدے کی سچائی
۶۷۳	محاسبہ اعمال	۶۵۲	نماز اور زکوٰۃ کی تاکید
۶۷۴	جہنم میں ورود	۶۵۳	اللہ کے پسندیدہ بندے
۶۷۵	پلیسٹک کی منزل	"	اورس علیہ السلام کا تذکرہ
۶۷۶	جہنم سے خروج	۶۵۴	آپ کا مرتبہ عالیہ
"	آخرت کی فکر مندی	۶۵۵	درس دوازدهم (آیت ۵۸ تا ۶۲)
۶۷۹	درس پانزدہم (آیت ۷۳ تا ۷۶)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۶۵۶	رابط آیات
۶۸۰	رابط آیات	۶۵۸	انعام یافتہ انبیاء علیہم السلام
"	معیار فضیلت	۶۶۰	نالائق جانشین
۶۸۳	سابقہ اقوام کا انجام	۶۶۱	نیک لوگوں کے لیے جنت
۶۸۴	گمراہی میں اضافہ	۶۶۳	درس سیزدہم (آیت ۶۳ تا ۶۵)

۷۸۴	عقیدہ ابنیت	۷۸۴	عذاب یا قیامت
۷۸۵	حجابِ سوءِ معرفت	۷۸۵	ہدایت میں اضافہ
۷۸۶	خدا اولاد سے پاک ہے	۷۸۶	باقی رہنے والی نیکیاں
۷۸۸	بدترین کلمہ	۷۸۸ (آیت ۷۷ تا ۸۲)	درس ششم ۱ (آیت ۷۷ تا ۸۲)
۷۸۹	ایک اشکال اور اس کا جواب	۷۸۹	آیات و ترجمہ
۷۹۰	ساری مخلوق عاجز ہے	۷۹۰	ربط آیات
۷۹۱	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۹۶ تا ۹۸)	۷۹۱	شان نزول
۷۹۲	آیات و ترجمہ	۷۹۲	مال و اولاد پر فخر
۷۹۳	ربط آیات	۷۹۳	جبری سفارش
۷۹۴	ایمان اصطلاح قرآن	۷۹۴	مشرک کا موعودہ فائدہ
۷۹۵	ارکانِ ایمان	۷۹۵	معبودانِ باطلہ انکار کر دیں گے
۷۹۶	۱۔ توحید	۷۹۶ (آیت ۸۳ تا ۸۷)	درس ہفتم ۱ (آیت ۸۳ تا ۸۷)
۷۹۷	۲۔ رسالت	۷۹۷	آیات و ترجمہ
۷۹۸	۳۔ ملائکہ	۷۹۸	ربط آیات
۷۹۹	۴۔ کتبِ سماویہ	۷۹۹	شیاطین کا تسلط
۸۰۰	یومِ آخرت	۸۰۰	دیگر اسبابِ ضلالت
۸۰۱	خلاصہ ایمان	۸۰۱	نہر میں جلدی کی خواہش
۸۰۲	اعمالِ صالحہ	۸۰۲	متقین کی عزت افزائی
۸۰۳	محبت کا انعام	۸۰۳	شفاعت سے محروم مجرمین
۸۰۴	قرآن عربی زبان میں	۸۰۴	شفاعت کے حقدار
۸۰۵	تبشیر و انداز	۸۰۵ (آیت ۸۸ تا ۹۵)	درس ہشتم ۱۸ (آیت ۸۸ تا ۹۵)
۸۰۶	سابقہ اقوام کی ہلاکت	۸۰۶	آیات و ترجمہ
۸۰۷		۸۰۷	ربط آیات



سُورَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ مَكِّيَّةٌ قَدْ فَتَحَ بِهَا اثْنَا عَشَرَ رُكُوعًا

سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے اور یہ ایک سو گیارہ آیات اور اس میں بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ

لِزَيَارَتِهِ مَنْ آيْتَنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①

ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو

رات کے وقت مسجد حرام سے دُور والی مسجد تک، وہ کہ

برکتیں رکھی ہیں ہم نے آل کے ارد گرد، تاکہ ہم دکھائیں اُس

کو اپنی نشانیوں میں سے۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) سننے والا اور

دیکھنے والا ہے ①

اس کا نام سورۃ بنی اسرائیل ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کا تھوڑا سا حال بیان ہوا

ہے اور اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی

اُس کی ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۵۳۳ کلمات اور ۶۴۰۰ حروف

پر مشتمل ہے

اس سورۃ مبارکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعود

کا سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف اور سورۃ مریم کے متعلق بیان ہے اِنَّهُمْ مِّنَ الْعِتَاقِ

الْأُولَىٰ یہ عمدہ سورتیں میرا نرپا مال ہیں یعنی میں نے انہیں بہت پہلے یاد کر لیا تھا۔ ایک

حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام تقریباً ہر رات سورۃ زمر اور سورۃ نبی کریم ﷺ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ بعض اور سورتوں کی تلاوت کا ذکر بھی ملتا ہے تاہم ان دو سورتوں کو خصوصیت حاصل ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے، مضامین سورۃ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات اور شرک کی تردید، رسالت بطور حجت و ایمان، قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور معاد یعنی قیامت کا ذکر اس سورۃ کے مضامین ہیں۔ اس سورۃ میں اخلاقی تعلیم کا ذکر بھی ہے جو کہ انسان کی ترقی کے لیے ضروری ہے سورۃ ہذا کا ایک اہم مضمون واقعہ معراج ہے جس کا ذکر اس کی پہلی آیت میں کیا گیا ہے، اور پھر سچے ضمناً تذکرہ ساتھیوں آیت میں ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کی آیات بائیس ناچالیس ہیں اسلامی ریاست کا منشور (MANIFESTO) یعنی فیصلہ پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ اسلامی ریاست کی دلغ بیل تو مدنی زندگی میں جا کر پڑی، مگر یہ امر واقع ہے کہ حکومتیں یا جماعتیں اپنا منشور اقتدار میں لے کر پہلے ہی شائع کر دیتی ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ان کا آئندہ پروگرام کیا ہے اسی طریقے پر اسلامی سلطنت کا منشور بھی ریاست کے قیام سے پہلے ہی نازل کر دیا گیا اس سورۃ کا ربط پہلی سورۃ کے ساتھ بھی ہے۔ سورۃ النحل کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو لقا کی ناپسندیدہ حرکات پر صبر کرنے کا درس دیا تھا، تو اب اس سورۃ مبارکہ میں حضور علیہ السلام کا واقعہ معراج بیان کر کے اللہ نے واضح فرمایا ہے کہ آپ کس قدر بلند مرتبت ہیں جو کہ صبر ہی کا نتیجہ ہے۔

زیادہ واقعہ
معراج

واقعہ معراج یقیناً مکی زندگی میں پیش آیا۔ مگر س۔ کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین سنہ نبوی کا ذکر کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل پیش آیا، تاہم راجح بات یہ ہے کہ واقعہ معراج نبوت کے دسویں سال یا گیارہویں سال میں پیش آیا۔ اس لحاظ سے یہ واقعہ ہجرت سے تین سال قبل کا ہے۔

اس سال کئی دیگر اہم واقعات بھی پیش آئے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کی وفات اسی سال میں ہوئی۔ آپ کے چچا ابوطالب بھی اسی برس فوت ہوئے۔ اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے۔ مگر انہوں نے حضور کی ہمیشہ حمایت کی۔ مشرکین کی طرف سے تکالیف حد سے بڑھ گئیں تو آپ کو طائف کا سفر بھی اسی سال اختیار کرنا پڑا۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ چونکہ نماز پچگانہ واقعہ معراج میں فرض ہوئی، اس لیے حضرت خدیجہؓ پانچ نمازیں ادا نہیں کر سکیں۔ اس زمانے میں صرف تین نمازیں تھیں۔ رات کی نماز صرف حضور علیہ السلام پر فرض تھی اور باقی صرف دو نمازیں فجر اور عصر فرض تھیں جیسا کہ سورۃ طہ میں ہے۔ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غَدُوجِہَا یعنی ایک طلوع سورج سے پہلے اور ایک سورج کے غروب ہونے سے پہلے

معراج
النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ واقعہ معراج محض خواب کا واقعہ نہیں ہے۔ روحانی معراج تسلیم کر لیا جائے بلکہ آپ کو یہ معراج روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوا۔ خواب میں دیکھا جانے والا کوئی بھی واقعہ کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا اور نہ اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے، مگر معراج النبی ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ ہے جسے جن کہ مشرکین نے فوراً اعتراضات شروع کر دیے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص رات کے تھوڑے سے حصے میں زمین و آسمان کے درمیان پچاس ہزار سال کی مسافت طے کر لے۔ اس زمانے میں بھی جسمانی معراج کا انکار کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نافرمانوں کی بدتر قسم ہے۔ اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو غلط فہمی کی بنا پر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد احادیث کے بعض الفاظ ہیں جن سے شبہ پیدا ہوتا ہے تاہم جمہور کے نزدیک یہ جسمانی اور روحانی مکمل معراج تھا جس کی تفصیلات خود حضور علیہ السلام نے مختلف اوقات میں بیان فرمائیں اس واقعہ کے راوی چالیس پینتالیس صحابہ کرامؓ ہیں۔ جنہوں نے اس واقعہ کے مختلف حصے بیان کئے ہیں۔ اور آپ

محدثین کرام نے تمام تفصیلات کو سچا کر دیا ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی، منذ احمد وغیرہ ساری معتبر کتابوں میں اس واقعہ کا باب باندھا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے

آغاز واقعہ
معراج

جس رات واقعہ معراج پیش آیا۔ اُس رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی چچا زاد بہن ام ہانیؓ کے ہاں مقیم تھے اُن کا مکان خانہ کعبہ کے بالکل قریب تھا۔ اور آپ اکثر وہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ چونکہ آپ کا گھر وہاں سے ذرا دور تھا۔ اس لیے آپ بعض اوقات اپنی بہن کے ہاں بٹھ جاتے، تاکہ رات کو خانہ کعبہ میں عبادت کر سکیں۔ بعض روایات میں آپ کے اپنے گھر کا ذکر بھی آتا ہے کہ آپ وہاں مقیم تھے مگر محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ام ہانیؓ کے گھر والی روایت صحیح ہے، اور آپ نے چچا کے گھر کو اپنے ہی گھر پر محمول کیا ہے بعض روایات میں حطیم کے قیام کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ آپ کے بیان کے مطابق فرشتے آپ کو ام ہانیؓ کے گھر سے بیدار کر کے حطیم میں لے آئے تھے۔ وہیں شوق صدر ہوا اور پھر وہیں سے آپ سفر معراج پر روانہ ہوئے۔

شوق صدر

حضور علیہ السلام کا بیان ہے کہ فرشتوں نے ام ہانیؓ کے مکان کی چھت چھاڑ کر مجھے وہاں سے نکالا اور پھر خانہ کعبہ کے حطیم والے حصہ میں لے آئے۔ پھر میرے سینہ کو چاک کیا، قلب مبارک کو نکالا، اسے سونے کے طشت میں رکھ کر آپ زم زم سے دھویا، اسے علم و حکمت سے بھر دیا اور پھر اپنے ٹھکانے پر واپس رکھ دیا۔ مسلم شریف کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آپ کا شوق صدر کیا گیا اس وقت آپ زمین پر نہیں تھے بلکہ فرشتوں نے آپ کو ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا۔ ثُمَّ أُنْزِلَتْ پھر جب وہ اپنا کام مکمل کر چکے تو مجھے نیچے اتار دیا گیا

حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں شوق صدر کا واقعہ چار دفعہ پیش آیا ہے پہلا واقعہ چار پانچ سال کی عمر میں پیش آیا جب کہ آپ اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہؓ

کے ہاں زیر پرورش تھے۔ اس عموں بچہ عام طور پر لہو و لعب کی طرف مائل ہوتا ہے مگر آپ کو چونکہ منصب نبوت عطا ہونے والا تھا، اس لیے ابتداء ہی سے آپ کی تربیت مقصود تھی تاکہ آپ کھیل کود کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں۔ پھر دوسری دفعہ شوق صد اُس وقت پیش آیا جب آپ کی عمر مبارک بارہ تیرہ سال کی تھی۔ آغاز شباب میں اکثر نوجوانوں کے خیالات منتشر ہو جاتے ہیں مگر آپ علیہ السلام کو چونکہ ایک عظیم ذمہ داری سونپی جا رہی تھی، لہذا شوق صد کے ذریعے آپ کے قلب مبارک سے وہ تمام چیزیں دور کر دی گئیں جن سے لغزش پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔

منصب نبوت بڑا بوجھل معاملہ ہے۔ اللہ نے سورۃ نزل میں فرمایا: **اِنَّا سُلِّقْنٰ عَلَیْكَ قَوْلًا لِّقَیْلًا** ہم آپ پر ایک بوجھل بات ڈالنے والے ہیں یعنی وحی الہی کا بوجھ اتنا شدید ہوتا تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ شدید سردی میں حضور کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ تو اس بوجھ کو برداشت کرنے کے لیے آپ کا تیسری دفعہ سینہ چاک کیا گیا۔ اور پھر چونکہ شوق صد سفر معراج پر روانہ ہونے سے قبل حطیم میں کیا گیا۔ تاکہ آپ پیش آمدہ عجیب و غریب واقعات کو برداشت کر سکیں۔

حضور علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ شوق صد کے بعد میرے پاس حطیم کے مقام پر ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ یہ سفید رنگ کا جانور اتنا تیز رفتار تھا کہ اس کا ایک ایک قدم حدنگاہ پر پڑتا تھا۔ مجھے اس جانور پر سوار کیا گیا، جبرائیل علیہ السلام مجھ کو ہمراہ تھے۔ ہمارا سفر مسجد اقصیٰ کی طرف شروع ہوا جب مدینہ طیبہ کے مقام پر پہنچے تو مجھے سواری سے نیچے اتارنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ جس جگہ اس وقت مسجد نبوی ہے۔ وہاں میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر میرا گدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر ہوا۔ آپ کی قبر سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ مجھے دکھایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ حدیث میں یہ الفاظ

مسجد حرام
سے مسجد
اقصیٰ بہت

آتے ہیں دَایَتُ مُوسٰی قَابِ مَائِصَکَلٰی فِی قَبْرِہٖ۔ فرماتے ہیں کہ پھر میرا گزر طور کے مقام پر ہوا۔ جہاں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے حکم فرمایا تھا۔ میں نے وہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر مدین کا مقام آیا۔ جہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈر سے مصر سے نکل کر قیام کیا تھا۔ وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت بیت اللحم پہنچے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر بیت المقدس پہنچے اور میں نے جانور کو پتھر کے اس کوڑے کے ساتھ باندھ دیا جہاں دیگر انبیاء اپنی سواری کے جانور باندھا کرتے تھے۔ اس مقام پر بھی میں نے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی۔

فرماتے ہیں کہ اس وقت وہاں مسجد کی شکل و صورت نہ تھی کیونکہ اصل مسجد اور سہیل سلیمانی کو بخت نصر نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور اب وہاں اجڑی ہوئی مسجد کے صرف کھنڈرات باقی تھے۔ فتنہ بخت نصر کے سو سال بعد نبی اسرائیل پھر وہاں پہنچے اور وہ جگہ آباد کی۔ اس کے بعد رومیوں نے اس مسجد کو تہس نہس کر دیا۔ مسجد کی تعمیر کی سہ بارہ کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہو سکی اور واقعہ معراج کے وقت عمارت کی بجائے محض ایک ٹیلہ سا باقی رہ گیا تھا۔ بیت اللہ شریف کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آتا رہا ہے۔ اس کی اصل عمارت کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام اور شیث علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید کی کہر حال مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس کے ارد گرد عمارت موجود تھیں مگر خود مسجد ویران ہو چکی تھی۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں فلسطین فتح ہوا تو سہیل سلیمانی کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ بیت اللہ کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے بیت المقدس ہی قبلہ تھا اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی۔

آسمانوں
کی سیر

مسجد اقصیٰ میں کچھ دیر قیام کے بعد آسمانوں کا سفر شروع ہوا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبرائیل نے تعارف کرایا

کہ یہ آپ کے جدا نجد ہیں۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے مرجا کہہ کر جواب دیا پھر دوسرے آسمان پر پہنچے اور حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام اور چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام ملے۔ پھر پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آخر میں ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تمام نبیوں کے ساتھ سلام و جواب کا تبادلہ ہوا۔ اور پھر وہیں مجھے بیت المعمور بھی دکھایا گیا۔ جس طرح زمین پر انسانوں کے لیے خانہ کعبہ ہے۔ اسی طرح آسمانوں پر فرشتوں کا قیلہ بیت المعمور ہے۔ وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں مگر کسی فرشتے کو ایک سے زیادہ مرتبہ طواف کا موقع نہیں ملتا۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کو سورۃ المنتہی کے مقام تک لے جایا گیا۔ جس کے پاس ہی جنت المادوی ہے۔ پھر اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا ظہور ہوا جسے رویت باری تعالیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جنت اور دوزخ کی سیر کی، جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔ اس کے علاوہ بھی ہزاروں خارق عادت واقعات پیش آئے۔

اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تین خاص چیزیں عطا فرمائیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں مگر موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے آپ ان میں تخفیف کی درخواست کرتے رہے اور پھر آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے ذَلِكْ خَمْسٌ وَ ذَلِكْ خَمْسِينَ یعنی ادا کرنے میں تو پانچ نمازیں ہیں مگر درجے کے اعتبار سے پچاس ہی ہیں۔ بہر حال آپ کو پہلا تحفہ پانچ نمازوں کا ملا، دوسرا تحفہ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات "أَمِنَ الرَّسُولُ" سے میگر علی القوم الکفرین تک اور تیسری خاص چیز اللہ کا یہ فرمان ہے کہ حضور علیہ السلام کی امت کا جو شخص شرک میں ملوث نہیں ہوگا۔ میں اس

کی غلطیاں معاف فرما دوں گا۔

اس تعجب انگیز واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ بِسْمِ اللَّهِ تعجب انگیز واقعہ
 الَّذِي اسْرٰى بِعَبْدِهِ پاك ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت
 لے گئی۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام خود بخود تو معراج کے سفر پر نہیں گئے، بلکہ خود
 اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس کا انتظام فرمایا۔ وہ تمام قوتوں
 کا مالک اور قادر مطلق ہے، تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ لہذا وہ اس
 بات پر بھی قادر ہے کہ اپنے بندے کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ بندے سے بلند تر
 مقام تک لے جائے۔ اب منکرین اور ملحدین جو بھی تاویلیں کریں، اللہ تعالیٰ نے
 لفظ سبحان کے ذریعے سب کا قلع قمع کر دیا ہے۔ اتنا تیز رفتار جانور بھی اللہ تعالیٰ
 ہی مہیا کر سکتا ہے۔ اور پھر خاص بات یہ ہے کہ اتنے طویل سفر کے لیے لمبے
 چوڑے وقت کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ فرمایا کہ لا یہ سب کچھ رات بھر میں ہو
 گیا اور لیلۃ کو نکرہ لانے کا مطلب یہ ہے کہ پوری رات میں بھی نہیں، بلکہ
 رات کے کھوڑے سے صبح میں یہ سارا واقعہ پیش آیا۔ لفظ اسْرٰی خود باب افعال
 ہے جو متعدی ہے۔ پھر اس کے آگے ب لگا کر معیت کا معنی لیا گیا ہے۔ یعنی
 اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے کھوڑے صبح میں لے گیا۔ مِنَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ الْحَکِّ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی دور والی مسجد کی طرف
 اقصیٰ کا معنی دُور ہوتا ہے۔ چونکہ بیت المقدس خطہ عرب سے دُور ہے اس لیے
 اسے مسجد اقصیٰ کا نام دیا گیا ہے۔

فرمایا مسجد اقصیٰ وہ مسجد ہے الَّذِي بَوَّكْنَا حَوْلَهُ جس کے ارد گرد ہم نے بابرکت
 برکات رکھی ہیں اس میں ظاہری اور باطنی دو قسم کی برکات شامل ہیں۔ ظاہری طور پر یہ خطہ
 شہر نبی و شاداب ہے۔ یہاں پر نہریں، چشمتے اور باغات ہیں۔ نیز یہ مقام ہزاروں انبیاء
 کا قبلہ رہا ہے اور ان کی وہاں قبریں بھی موجود ہیں۔ یہاں پر خدا تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل
 ہوتی ہیں، لہذا یہ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے بابرکت مقام ہے۔ مفسرین یہ نکتہ بھی

بیان کرتے ہیں کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیجانے میں یہ حکمت بھی ہے کہ
حشر کا میدان اسی مقام پر قائم ہوگا، اس لیے حضور علیہ السلام کو سب چیزوں سے
متعارف کرادیا گیا۔ پھر آپ کے توسط سے آپ کی امت کو بھی ان چیزوں سے
آگاہ کیا گیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا ایک مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا
لَقُرْبِكَ مِنْ آيَاتِنَا تاکہ ہم اپنے نبی کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور کمالات
دکھائیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ نے آپ کو عالم بالا اور عالم ملکوت کی بہت سی
جگہوں کی سیر کرائی اور اپنی قدرت کی عجیب و غریب نشانیاں دکھائیں۔ اِنَّ
هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو
دیکھتا ہے۔ اُس نے اس واقعہ کے ذریعے اپنے نبی کا مرتبہ بلند فرمایا، اور
اس ایک آیت میں آپ کے فضائل حمیدہ کا تذکرہ کر دیا گیا۔ اگلی دو آیات
میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اور پھر رونے لگے
بنی اسرائیل کی طرف ہو جاتا ہے۔

وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي
إِسْرَءِيلَ إِلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا ② ذُرِّيَّةَ
مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ③ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ④

ترجمہ :- اور دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور بنایا ہم نے
اُس کو ہدایت بنی اسرائیل کے لیے (اور ان کو حکم دیا) کہ نہ بناؤ
میرے سوا کسی کو کارساز ② تم اولاد ہو اُن کی جن کو ہم نے
اٹھایا نوح علیہ السلام کے ساتھ۔ بیشک وہ اللہ کے شکر گزار بندے
تھے ③

ربط آیت

جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا اس سورۃ مبارکہ کی پہلی اور ساٹھویں آیات
معراج نبوی سے متعلق ہیں اور اس واقعہ کا بعض حصہ سورۃ النجم میں بھی بیان کیا
گیا ہے۔ اس کے علاوہ واقعہ معراج کی باقی تفصیلات صحیح احادیث میں مذکور
ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ
فضیلت بخشی کہ آپ کو معراج کی بندیوں تک لے گیا۔ اور مقصد معراج کے متعلق
فرمایا تاکہ ہم اپنے پیغمبر کو اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں دکھائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو اس رات ایسی بہت سی نشانیاں دکھائیں جن میں آپ
کی امت کے لیے تربیت کا پروگرام موجود ہے۔ آپ کو جنت اور دوزخ
کی سیر کرائی گئی اور امت کی تعلیم کے لیے بعض احوال بتلائے گئے۔ جبرائیل علیہ السلام
کو اپنی اصل شکل میں دکھایا گیا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں پر ملاقات
کرائی۔ خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام سے دوبار ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ قبر میں نماز
پڑھتے دکھایا گیا اور دوسری دفعہ نماز میں تخفیف کے سلسلہ میں آپ سے

بار بار گفتگو ہوئی۔

خادمہ فرعون
کا مقام

امام ابن کثیرؒ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ حنت کی سیر کے دوران حضور علیہ السلام کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا۔ جہاں بڑی زبردست خوشبو آرہی تھی۔ آپ علیہ السلام کے دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ یہ بنت فرعون کی خادمہ کا مقام ہے ایک موقع پر یہ خادمہ فرعون کی بیٹی کو کنکھی کر رہی تھی۔ کہ کنکھی اُس کے ہاتھ سے گر پڑی جسے اُس خادمہ نے بسم اللہ پڑھ کر اٹھا لیا۔ فرعون کی بیٹی بڑی حیران ہوئی کہ کیا اُس کے باپ کے علاوہ کوئی اور بھی خدا ہے جس کا نام اس خادمہ نے لیا ہے بات فرعون تک پہنچی تو اس نے خادمہ کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم میرے علاوہ کسی دوسرے کو بھی خدا تسلیم کرتی ہو۔ خادمہ نے جواب دیا کہ ہاں، ہم تو اُس اللہ کو معبود مانتے ہیں جو ہمارا، تمہارا اور سب کا معبود ہے۔ فرعون، جو اس وقت تک بلا شرکت غیر نے خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، خادمہ کی صاف گوئی پر سخت برہم ہوا، اور حکم دے دیا کہ اس کے سارے خاندان کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ تجویز کیا کہ تانبے کے بنے ہوئے ہیل کے مجسمہ کو خوب تپایا جائے اور پھر اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو اس کے پیٹ میں جھونک دیا جائے پہلے ایک شیر خوار بچے کو اس کی ماں کی آنکھوں کے سامنے اس آگ میں جھونکا گیا۔ پھر اس کی ماں کی باری آئی تو وہ ہچکچائی۔ اس پر اس بچے نے بول کر کہا کہ ماں! بلا تیرا اس آگ میں داخل ہو جاؤ کہ تم حق پر ہو۔ اسی طرح خاندان کے تمام افراد کو آگ میں ڈال کر ہلاک کر دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے بتلایا گیا کہ یہ اس خاندان کا مقام ہے جہاں سے اتنی خوشبو آرہی ہے۔

امام الانبیاء
کا اعزاز

پچھلے درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی۔ پھر جب آسمانوں کی سیر کے بعد واپس بیت المقدس پہنچے تو دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام نماز پڑھ رہے ہیں۔

ابھی میں نے اتنا ہی خیال کیا تھا کہ ان کی امامت کون کرے گا تو جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر آگے مصلے پر کھڑا کر دیا پھر میں نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔ حدیث کے الفاظ ہیں **فَأَمَّمْتَهُمْ** یعنی میں نے ان کی امامت کرائی۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کا ہیبت بڑا اعزاز ہے کہ آپ امام الانبیاء ہیں۔

موسیٰ کے لیے
تورات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر توراۃ ملنے کا تذکرہ مختلف سورتوں میں کیا گیا ہے۔ یہاں بھی اس واقعہ کا مختصر ذکر ہے۔ واقعہ معراج سے اس کا رابطہ یوں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تورات عطا کی تھی۔ اسی طرح اللہ نے اپنے پیغمبر آخر الزماں کی عزت افزائی کے لیے معراج کے موقع پر بلند ترین مقام تک پہنچایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تورات کے نزول کا ذکر فرمایا ہے **وَإِنَّا نَزَّلْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ** اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی۔ تورات کا ذکر دراصل نزول قرآن کی تمہید ہے جس کا ذکر اسی رکوع کے آخر میں بایں الفاظ آ رہا ہے **إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يُهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ** اللہ کی یہ آخری کتاب قرآن مجید بہترین راستہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اسی طرح تورات کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی **وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ** اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا۔

آسمانی کتب
کالہ باب

اور واضح کر دیا کہ اس کی تعلیمات کا لب باب یہ ہے **أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَكَيْدًا** کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ قرآن پاک کی تعلیم بھی یہی ہے۔ ابتدائی زمانے کی سورۃ منزل میں فرمایا **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكَيْدًا** اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں لہذا کارساز بھی اسی کو پکڑو۔ گویا اللہ کی توحید ہی تمام کتب سماویہ کا پتھر ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی کسی کی بگڑی نہیں بنا سکتا، نہ کوئی مافوق الاسباب تصرف کر سکتا ہے۔ کوئی نافع اور ضار نہیں۔ خدا کے سوا قادر مطلق اور عالم الغیب

بھی کوئی نہیں۔ کوئی اس لائق نہیں کہ اُسے اپنی حاجات میں غائبانہ طور پر پکارا جائے۔ تو تورات میں بنی اسرائیل کو یہی بات سمجھائی گئی ہے۔ تحریف شدہ تورات میں اب بھی اس قسم کی آیات موجود ہیں کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارا یغور خدا ہوں، میرے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ بنانا۔ اسی مسئلہ میں اگر اکثر لوگ پھسل جاتے ہیں۔ اس وقت دنیا کی چار ارب آبادی کفر و شرک میں مبتلا ہے۔ یاد رکھو! خدا کا شریک بنانا سب سے بڑا گناہ ہے۔ دنیا میں مشکل پانچواں حصہ ایسا سوگما جو توحید کو مانتا ہے مگر اس کے ماننے والوں کی اکثریت بھی کسی نہ کسی طرح شرک میں ملوث ہے اور خالص توحید کو ماننے والے بہت ہی کم ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کار ساز نہ بناؤ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلائی ہے

ذَرِیَّةَ مَنۢ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۖ قُمْ اَنْ لُّوْکُوْنَ کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ بنی اسرائیل کو خطاب ہے۔ کہ تمہارے آباؤ اجداد نوح علیہ السلام پر ایمان لانے اور طوفان نوح سے بچ جانے والے لوگ ہیں۔ اور نوح علیہ السلام اِنۡدَکَ ۚ كَانَ عَبْدًا مَّشْكُوۡدًا اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ وہ اور آپ کے ماننے والے اسی شکر گزاری کی بنا پر بچ گئے اور پھر ان سے آگے نسل انسانی چلی اور جو لوگ مشرک اور ناشکر گزار تھے، ان کو اللہ نے پانی میں غرق کر دیا۔ لہذا اے بنی اسرائیل! خبردار رہو کہ اگر تم نے بھی اللہ کی ناشکرگی کی تو تمہارا انجام بھی قوم نوح سے مختلف نہیں ہوگا۔ لہذا شکر گزاری کو اپنا وظیفہ بناؤ۔ اس شکر گزاری کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے نہ عبادت میں، نہ پکار میں اور نہ نذر و نیاز میں شکر ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے لَیْسَ شَکْرُکُمْ لَا زَیْدٌ لَّکُمْ وَلَیْنَ کَفَرٌمۡ اِنَّ عَذَابَ لَّشَدِیۡدٍ (ابراہیم) اگر میری نعمتوں کا شکر

نوح علیہ السلام
کی شکر گزاری

اداکر گئے تو میں مزید عطا کروں گا۔ اور اگر ناشکری کرے گے تو پھر عذاب بھی
 بڑا سخت ہے۔ بہر حال شکر کی اولین شرط توحید باری تعالیٰ کو تسلیم کرنا ہے۔
 نوح علیہ السلام کی شکر گزاری کا عالم یہ تھا کہ آپ کوئی چھوٹا یا بڑا کام اللہ
 کے ذکر اور اس کی تعریف کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ آپ نے لمبی عمر
 پائی پھر تکالیف اٹھائیں مگر ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رکھا اور اللہ تعالیٰ کا ہر حالت میں شکر
 ادا کرتے رہے شفاعت والی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن لوگ نوح علیہ السلام کے
 پاس جائیں گے اور عرض کریں گے اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَى اَهْلِ الْاَرْضِ
 آپ اہل زمین کی طرف مبعوث ہونے والے اولین رسول ہیں وَقَدْ سَمَّاكَ
 اللّٰهُ عَبْدًا شَكُوْرًا اور اللہ نے آپ کا لقب شکر گزار بندہ رکھا ہے
 لہذا آپ ہماری اللہ کے ہاں سفارش کریں مگر آپ کہیں گے کہ میں اس مقام
 کا اہل نہیں ہوں اِذْهَبُوْا اِلَی غَیْرِیْ کَیْ دُوْرَکَیْ کے پاس جاؤ۔ بہر حال
 اللہ نے نوح علیہ السلام کو عجب شکر رکھا ہے اور بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے۔ کہ
 تم اس جلیل القدر نبی کی اولاد میں سے ہو۔ لہذا تمہیں عبرت حاصل ہونی چاہیے
 کہ طوفان نوح میں صرف وہی لوگ نچ سکے جو اپنے نبی کے متبع اور شکر گزار تھے
 جس طرح صبر اللہ کا ذکر اور شفاء اللہ کی تعظیم اصول دین میں سے ہے
 اسی طرح شکر بھی دین کا اہم جزو ہے جس کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔ بزرگان دین
 فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کا شکر زبان سے ہوتا ہے۔ عابد لوگوں کا اعمال سے
 اور عارف لوگوں کا شکر استقامت احوال سے ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ
 فرماتے ہیں کہ میں ابھی سات آٹھ سال کی عمر میں تھا کہ مجھے میرے استاد اور اموں
 حضرت سہریؒ نے پوچھا، بیٹا، شکر کیا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت استاد
 کی صحبت سے اتنا فیض حاصل ہو چکا تھا کہ میں نے جواب دیا، حضرت !
 شکر یہ ہے کہ اللہ کی کسی نعمت کو معصیت میں نہ لگایا جائے۔ سہری صاحب
 نے فرمایا، تمہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی، کہنے لگے آپ کی مجلس میں بیٹھنے

شکر کی
تعریف

سے۔ غرضیکہ خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کو اگر معصیت کے کام میں لگا دیا تو یہ اس نعمت کی ناشکر گزاری ہوگی۔

ایک شخص نے حضرت سہلؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضرت! میرے ساتھ بہت بڑا سلوک ہوا۔ چور گھر میں داخل ہو کر سارا مال و متاع لوٹ کر لے گئے ہیں۔ آپ نے جواباً فرمایا، خدا کا شکر کرو کہ تمہارے مال کا ہی نقصان ہوا ہے، اگر شیطان تمہارے دل میں داخل ہو کر تو حید ہی کو خراب کر دے، تو تم کیا کرو گے؟ لہذا ایمان سلامت بچ جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ وفد میں سے ایک نوجوان نے گفتگو شروع کی تو آپ نے فرمایا، بھائی! کسی بڑے آدمی کو بولنے دو۔ وہ نوجوان کہنے لگا کہ اگر بات چیت کا دار و مدار صرف بڑوں پر ہی ہے تو پھر آپ منہ خلافت پر کیسے متمکن ہیں جب کہ آپ سے بڑی عمر کے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اس پر آپ نے اُسے گفتگو جاری رکھنے کی اجازت دیدی۔ وہ نوجوان بولا، ہم نہ تو کسی چیز کے حصول کے لیے آئے ہیں اور نہ ہی ہمیں کسی قسم کا خوف یہاں تک کھینچ لایا ہے۔ جہاں تک ہمارے حق کا تعلق ہے، وہ تو ہمیں ہمارے علاقے میں ہی مل جاتا ہے کیونکہ آپ کسی کا حق ضائع نہیں کرتے۔ اور خوف ہمیں اس لیے نہیں کہ آپ کے عدل نے اُسے یقینی بنا دیا ہے۔ ایک چیز سے آپ کے فضل نے ہمیں فائدہ پہنچایا ہے اور دوسری چیز عدل نے ہمیں مامون کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے پوچھا، پھر آئے کس لیے ہو؟ کہنے لگے کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق بخشی ہے کہ آپ خلیفہ عادل ہیں اور عام مخلوق کی آرام و آسائش کا خیال رکھتے ہیں۔

اللہ کے
شکر گزار
بندے

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کی کسی نعمت کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا، مگر اللہ تعالیٰ محتوڑے سے شکر پر ہی راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ نے آل داؤد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ (سبا) اے داؤد کے گھروالو! اللہ کا شکر ادا کیا کرو کہ میرے بندوں میں شکر گزار بندے بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ شدید سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے اور رات کی نماز میں طویل قیام کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے پاؤں پھٹ جاتے تھے اور ان میں ورم آ جاتا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے حتیٰ کہ سورۃ فتح میں آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کی معافی کا اعلان فرما دیا ہے، پھر آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کا جواب یہ تھا اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَاكِرًا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار انعامات سے نوازا ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو انسان کے ایک ایک بال کے ساتھ اس قدر نعمتیں ہیں کہ وہ عمر بھر ان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ باقی نعمتوں کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ نے وجود بخشتا ہے۔ جسمانی اور دماغی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ مال و اسباب، زمین، مکان، دکان، ملازمت اور اولاد عطا کی ہے، مگر انسان نعمتوں کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہے؟ ان نعمتوں کے شکریہ کی صورت یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں کو اطاعت کے کاموں میں لگائے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پختہ یقین رکھے۔ شرک، کفر اور معاصی سے بیزار رہے۔

آثار میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں تو تیرا شکریہ کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتا کیونکہ شکریہ ادا کرنا بھی

تیری ایک نعمت ہے۔ اور جب بھی میں شکر ادا کرتا ہوں تو ایک اور نعمت تلے
 رب جاتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا اے داؤد! اب تم نے مقام شکر کو پایا ہے
 انسان کی طرف سے عجز و انکاری کا اظہار ہی بہت بڑا شکریہ ہے۔ اگر اور کچھ
 نہیں تو انسان کو زبان سے تو بہر حال اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے بھنور علیہ السلام
 کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی بندہ کھانا کھاتا ہے یا مشروب پیتا ہے اور
 پھر الحمد للہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہو
 جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے میرا شکر یہ ادا کیا ہے۔

سبحن الذی ۱۵

بنی اسرائیل ۱۷

درس سوم ۳

آیت ۲ ۸

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ
 فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۵﴾ فَإِذَا
 جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي
 بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿۶﴾
 ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ
 وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرِ نَفِيرًا ﴿۷﴾ إِنْ أَحْسَنْتُمْ
 أَحْسَنْتُمْ لَأَنْفُسِكُمْ تَفَوُّنًا وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ
 وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ
 كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ﴿۸﴾
 عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ أَنْ يَرَحِمَكُمُ ۖ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَ
 جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿۹﴾

وقف لازم

ترجمہ :- اور ہم نے وحی بھیجی بنی اسرائیل کی طرف کتاب میں (اور
 اُن کو آگاہ کیا) کہ تم فساد کرو گے زمین میں دو دفعہ ۔ اور تم
 سرکشی اختیار کرو گے بہت بڑی سرکشی ﴿۵﴾ پس جب آیا ان
 میں سے وعدے کا پہلا وقت تو ہم نے نیچے تمہارے اوپر
 اپنے بندے سخت لڑائی والے ۔ پھر وہ گھس گئے شہروں
 کے درمیان اور تھا یہ وعدہ پورا کیا ہوا ﴿۵﴾ اور پھر ہم

نے پٹا دی تمہارے لیے باری بن پر اور ہم نے مدد دی تم کو مالوں کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ اور بنایا ہم نے تمہیں زیادہ تعداد میں ⑥ اور تمہیں خبردار کیا کہ اگر تم اچھا کام کرو گے تو اچھا کام کرو گے اپنی جانوں کے لیے اور اگر تم بُرا کرو گے تو وہ اپنی پر پڑے گا۔ پس جب آگیا دوسرا وعدہ تو وہ (بندے) بگاڑیں گے تمہارے چہروں کو اور داخل ہوں گے مسجد میں جیسا کہ داخل ہوئے پہلی مرتبہ اور تاکہ تباہ کر دیں اس چیز کو جس پر انہوں نے غلبہ پایا تباہ کرنا ⑦ شاید تمہارا پروردگار رحم کرے تم پر، اور اگر تم پلٹ کر کرو گے (وہی باتیں) تو ہم پلٹ کر (وہی سزا دیں گے) اور بنایا ہے ہم نے جہنم کو، کفر کرنے والوں کے لیے، گھیرنے والا قید خانہ ⑧

ربط آیت

اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت میں واقعہ معراج کا ذکر ہوا، پھر دوسری آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کرنے کا ذکر ہوا جسے اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے سامانِ ہدایت بنایا، پھر اللہ نے تمام کتب سماویہ مع تورات کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا اور میرے ساتھ کسی طرح بھی شرک نہ کرنا۔ پھر بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلانیں اور فرمایا، دیکھو! تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور نوح علیہ السلام اللہ کے شک کو گزار بندے تھے اللہ نے ان کو شک گزار مہی کی حبس طوفان سے محفوظ رکھا اور تمام ناشکراؤں کو غرق کر دیا۔ گویا بنی اسرائیل کو آگاہ کیا اور دوسرے لوگوں کو متنبہ کیا کہ ناشکرا مہی کا نتیجہ بہت بُرا ہوتا ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے۔

اب آج کے درس میں اللہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو بذریعہ

وحی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ تم دنیا میں دو مرتبہ سخت سرکشی اختیار کرو گے اور دونوں مرتبہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ چنانچہ بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کا یہ حال اپنی امت کے سامنے بیان کر کے اپنی امت کو بھی خبردار کر دیا کہ اگر تم بھی بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلو گے، انہی کے غلط عقیدے اور غلط رسوم اپناؤ گے۔ غلط اعمال انجام دو گے، تو پھر تمہارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

فناد اور
سرکشی

ارشاد ہوتا ہے وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ قُضَيْنَا كَالْغُيِّ مَعْنٰی فیصلہ کرنا ہے۔ جب کہ مراد یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بذریعہ کتاب آگاہ کیا کہ تفسد فی الارض مَرَّتَيْنِ کہ تم فساد کرو گے زمین میں دو دفعہ یعنی بڑے پیمانے پر بد امنی پیدا کرو گے وَكُتِبَ عَلَيْكُمُ الْكِتَابُ اور بہت بڑی سرکشی اختیار کرو گے۔ جس کے نتیجے میں دونوں مرتبہ تمہیں خدا کی جانب سے سخت سزا دی جائیگی۔ چنانچہ ان واقعات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهِمْ مَا يَحْزَبُ اُنْ دُوں سے پہلا وعدہ آگیا یعنی بنی اسرائیل کے فساد اور سرکشی کا وقت آگیا، اور وہ خدا تعالیٰ کے احکام کو ٹھکرانے لگے، اپنے انبیاء کی نافرمانی کر کے انہیں ایذا پہنچانے لگے حتیٰ کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل بھی کر دیا اور پھر جو لوگ انہیں حق کی بات بتانے کی کوشش کرتے، انہیں اچھی باتوں کا حکم کرتے اور بُری باتوں سے منع کرتے، یہ اُن کو بھی برداشت نہ کرتے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی زمین پہنچی مغلوب اور برائی غالب آگئی تو پہلے وعدے کا وقت آگیا، اور پھر اس کے نتیجے میں بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا اُولٰٓئِکَ بِاَسْسِ شَدِيْدٍ ہم نے بھیجے تمہارے اوپر اپنے بندے جو سخت لڑائی والے تھے یعنی ہم نے تم پر تم سے بھی زیادہ سخت آدمی مسلط کر دیے جن کے ذریعے تمہیں سخت ترین سزا دی۔ ان بندوں سے مراد کلدانی اور آشوری نسل کے لوگ ہیں جو بابل پر حکمران تھے اور جن کا سر غنہ بخت نصر

وغیرہ تھے۔ یہاں پر عباد کا لفظ تشریح طلب ہے۔ عباد کا لفظ عام طور پر فرمانبردار بندے پر بولا جاتا ہے جیسا کہ اسی سورۃ کی پہلی آیت میں گزر چکا ہے ”اَسْرٰی بِعَبْدٍ“ اپنے بندے کو سیر کرائی۔ یا سورۃ فرقان کی ابتداء میں ہے۔ ”نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدٍ“ ہم نے قرآن پاک اپنے بندے پر نازل فرمایا تاہم بعض اوقات عبد کا اطلاق کافر اور نافرمان بندے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تو آخر اسی خالق کی مخلوق ہیں۔ تو یہاں پر جن سخت لڑائی والے بندوں کو بنی اسرائیل پر مسلط کرنے کا ذکر ہے۔ وہ اسی دوسری قسم کے نافرمان بندے تھے۔

بہر حال فرمایا کہ جب پہلی مرتبہ بنی اسرائیل نے زمین کی پُر امن فضا کو مکدر بنایا اللہ کے قوانین کو توڑا، برائی کا ارتکاب کیا، حلال و حرام کی تمیز ختم کر دی۔ جائز ناجائز کی پروا نہ کی، باطل رسوم کے پیچھے چلنے لگے، کفر و شرک اور بدعت کو اپنا لیا، جملہ معاصی، زنا، قتل، چوری، خیانت کا ارتکاب کر کے فساد فی الارض کا ذریعہ بنے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے ”وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا“ (الاعراف) پُر امن زمین کو فساد میں تبدیل نہ کرو، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بخت نصر جیسے جابر، ظالم اور مستبد بادشاہ کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا کیونکہ اس کا عام قانون یہ ہے ”وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا“ (الانعام) اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ جو حاکم اپنی رعایا پر ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں ان کی سرکوبی کے لیے ان پر ان سے زیادہ جابر لوگ مسلط کر دیے جاتے ہیں۔

اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے بخت نصر جیسے ظالم بادشاہ کو بابل سے اٹھا کر شام و فلسطین میں بنی اسرائیل پر حملہ کرادیا جس نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے ”فَجَاسُوا خِلَالِ الدِّیَارِ“ بابل فوجیں بنی اسرائیل کے شہروں میں گھس گئیں۔ مگر ان کی مزاحمت کی کسی کو ہمت نہ پڑی۔ انہوں نے قتل و غارتگری کا ایسا بازار گرم کیا کہ گلیوں میں خون کی ندیاں

بخت نصر
کی کاروائی

بہ گئیں۔ تاریخ میں چالیس ہزار یا ستر ہزار بنی اسرائیلیوں کے قتل کی روایات ملتی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف انسانوں کو قتل کیا بلکہ بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیا اور وہاں کی کتا ہیں جلادیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس کی تعمیر حیات نے کی تھی اور اس میں قیمتی زرد جواہرات نصب کیے گئے تھے بخت نصر اور اس کے لشکر کی یہ تمام قیمتی چیزیں توڑ پھوڑ کر اپنے ساتھ لے گئے کہتے ہیں کہ یہ قیمتی سامان ایک لاکھ ستر ہزار بیل گاڑیوں پر لاد کر لے جایا گیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ قابل کار آدمیوں کو غلام اور بیشمار عورتوں کو لونڈیاں بنا کر لے گئے۔ بہر حال بنی اسرائیل کی سرزنش کا یہ پہلا وعدہ پورا ہوا۔ اور ان پر انحراف اور غلامی کا یہ دور تقریباً ستر سال تک قائم رہا۔ کہتے ہیں کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے تقریباً چار سو سال بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا۔ اور اس طرح اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔

بنی اسرائیل
کی آزادی

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک دفعہ پھر مہربانی فرمائی اور اس کا ذریعہ ایرانیوں کو بنایا۔ بعض ایرانی بادشاہ اٹھے اور انہوں نے بابلیوں کو شکست دے دی شام و فلسطین پر تسلط جایا، اپنی قدسے انصاف پسندی کا ثبوت دیا اور نہ صرف بنی اسرائیل کو آزاد کر دیا۔ بلکہ اُن کا بچا کچھ سامان بھی واپس کر دیا۔ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ اے بنی اسرائیل! پھر ہم نے پیادہ تمہاری لیے باری اُن پر یعنی تم پھر اپنی اہلی حالت میں آگئے۔ وَأَمَدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ اور مال و دولت اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کی۔ تمہیں دوبارہ عروج حاصل ہو گیا مال و دولت کی فراوانی ہو گئی بیشمار لوگ قتل ہو چکے تھے اُن کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے اولاد بھی کثرت سے عطا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مال و جاہ کے علاوہ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرُ نَفْسٍ ہم نے تمہاری تعداد میں بھی اضافہ کر دیا اور تمہاری قومی زندگی پوری طرح بحال ہو گئی۔ اللہ

نے انہیں ایک اور موقع فراہم کیا اور فرمایا اِنْ اَحْسَدْتُمْ اَکْرَمُ نَجٰی کا کام کرو گے اَحْسَدْتُمْ لَا نَفْسَکُمْ تَمِیْنُ یہی لے کر دو گے، یعنی اس کا فائدہ خود تمہیں ہی پہنچے گا وَاِنْ اَسَاۡتُمْ فَکُھَا اور اگر تم کوئی بُرائی کا کام کرو گے تو اس کا وبال تمہی پر پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اچھائی یا بُرائی کا نتیجہ تمہارے ہی حق میں اچھا یا بُرا نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تمہاری نیکی کا کوئی فائدہ ہے اور نہ تمہاری بُرائی کا اس پر کوئی اثر ہے۔

ط
یڈس روی
کا حملہ

غرضیکہ بنی اسرائیل ایک دفعہ پھر خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے مگر دُنیا کے عیش و آرام میں پڑ کر خدا تعالیٰ اور اس کے احکام کو دوبارہ بھول گئے۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت کی بجائے نافرمانی کرنے لگے، کفر، شرک اور معصیت میں مبتلا ہو گئے اور ایک دفعہ پھر اُن کی وہی حالت ہو گئی جو پہلی سزا کے وقت تھی۔ بنی اسرائیل پر پہلا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا تھا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کے ذریعے انہیں تباہ و برباد کیا۔ پھر دوسرا وعدہ مسیح علیہ السلام کے رفع الی السما کے چالیس، ستر یا ایک سو ستر سال کے بعد رونما ہوا۔ اُس وقت تک بنی اسرائیل میں مسیحی بھی داخل ہو چکے تھے۔ یہودی تو پہلے ہی موجود تھے۔ انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نہایت بے دردی سے قتل کیا حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام کو بھی برداشت نہ کر سکے اور انہیں بھی سولی پر لٹکانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا اور اپنی طرف آسمان پر اٹھالیا۔

بہر حال اس دور میں بنی اسرائیل کی سرکشی ایک دفعہ پھر حد سے بڑھ چکی تھی جس کی وجہ سے اللہ کا غضب دوبارہ بھڑکا۔ اسی دور کے متعلق ارشاد ہوتا ہے فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ پھر جب دوسرا وعدہ آگیا لِیْسُوۡہٗا وَجُوۡہَکُمْ تو وہ بگاڑیں گے تمہارے چہروں کو وَلِیَدْخُلُوۡا الْمَسْجِدَ کَمَا دَخَلُوۡہٗ اَوَّلَ مَرَّةٍ اور وہ مسجد میں داخل ہوں گے

جیسا کہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے وَلِيَتَّبِعُوا مَا عَمِلُوا تَتَّبِعُوا اَمَّا كُمْ
وہ اس چیز کو تباہ و برباد نہیں جس پر انہوں نے غلبہ پایا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر یہ دوسری تباہی ٹیٹس رومی کے
ذریعے آئی۔ روم کا یہ بادشاہ نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ جب اس نے دیکھا کہ بنی اسرائیل
عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں تو اُسے موقع مل گیا۔ اُس نے بیت المقدس پر
حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ بیشمار یہودی اور نصرانی قتل ہوئے
اور اس طرح اللہ کا دوسرا وعدہ پورا ہو گیا۔ ٹیٹس رومی کے لشکر کی دوبارہ اُسی طرح
بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ جس طرح پہلی مرتبہ بخت نصر کے سپاہی داخل ہوئے
تھے اور اس پر قابض ہو گئے۔

عیسائیوں اور
مسلمانوں کا
قبضہ

ٹیٹس رومی کے حملہ کے سو یا ڈیڑھ سو سال بعد نصرانیوں کے دن پھرے
قسطنطین نے عیسائیت اختیار کر لی جس کی وجہ سے عیسائیت کو حوصلہ ملا۔ مگر
یہودی اسی طرح ذلیل و خوار ہی رہے اور یہیکل مقدس بھی ویران ہی پڑا رہا۔ اس کے
بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں شام و فلسطین پر مسلمانوں
کو غلبہ حاصل ہوا۔ اس وقت تک بیت المقدس کی عمارت کھنڈر میں تبدیل ہو
چکی تھی، تاہم اس مقام کو یہیکل مقدس ہی کہا جاتا تھا۔ جس وقت واقعہ معراج پیش
آیا، اُس وقت بھی بیت المقدس ویران حالت میں ہی تھا۔ پھر جب مسلمانوں کا
قبضہ ہوا تو بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور تقریباً اسی سال تک یہ مقدس
مقام مسلمانوں کے قبضہ میں ہی رہا اور اس کے بعد پھر عیسائیوں کے قبضہ
میں چلا گیا۔

اب اس وقت بیت المقدس یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ چار بڑی
طاقتوں نے ملی مجبکت کے ذریعے فلسطین میں اسرائیلی ریاست قائم کر دی
ہے اور فلسطینیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا ہے۔ مسلمان بیت المقدس کی
حفاظت نہیں کر سکے۔ اب ان کی بھی وہی حالت ہو چکی ہے جو کسی وقت

یہودیوں کی تھی۔ اب یہودی بیت المقدس کی جگہ پرانا میکہ سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا میں پچاس کے قریب مسلمان ریاستیں ہیں مگر ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اپنے مقدس مقام کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔ بیت اللہ شریف کی حفاظت تو اللہ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے لہذا وہاں کسی غیر مسلم کا قبضہ نہیں ہونے دیا۔ مگر بیت المقدس کو یہ گارنٹی حاصل نہیں ہے، لہذا یہ بار بار بتا اور اجڑتا رہا ہے۔ یہودیوں کے دور میں بیت المقدس کی دو دفعہ بے عمرتی ہوئی اور اب مسلمان بھی اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔

مسلمانوں
کی حالت زار

حقیقت یہ ہے کہ اب مسلمانوں میں بھی یہودیوں والی بیماریاں پیدا ہو چکی ہیں۔ دعویٰ کچھ ہے اور عمل کچھ اور۔ عراق، شام، ایران، اردن وغیرہ نام تو اسلام کا لیتے ہیں مگر حقیقت کچھ نہیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمان سرکشی اور فساد فی الارض کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ان کی اس سے بڑی ذلت کیا ہوگی کہ ان کے قبلہ اول کی تذلیل ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہے۔ مسلمان دین کو چھوڑ کر عیاشی اور آرام طلبی میں مبتلا ہو چکے ہیں یہودی بھی اللہ کے نبیوں کی مخالفت کرتے تھے۔ جب انہیں شرک، بدعت اور معاصی سے منع کیا جاتا تو مخالفت پر اتر آتے۔ آج مسلمانوں کو بھی یہی عن المنکر کیا جائے تو وہ بھی آمادہ بفساد ہوتے ہیں اور سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے لہذا اپنی کثیر تعداد کے باوجود بیت المقدس کی حفاظت نہیں کر سکے حالانکہ یہ ان کی ذمہ داری تھی۔ اگرچہ ملت ابراہیمیہ کا عظیم قبلہ تو بیت اللہ شریف ہی ہے مگر اللہ نے بیت المقدس کو بھی محترم قرار دیا ہے وہ سارے انبیاء کا قبلہ رہا ہے۔ وہاں پر ایک نماز پڑھنے کا اجر دوسری جگہ کی نسبت پچاس ہزار گنا زیادہ ہے مگر اب مسلمان اس سے محروم ہو چکے ہیں۔

بہر حال اللہ نے اشارتاً یہ بات سمجھا دی ہے کہ اے لوگو! اگر اب بھی

مسلمان
غیر

تم براہیوں سے باز آ جاؤ۔ اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے لگو تو پھر عکسی دیکھو
 اَنْ يُّوْحَمَڪُمْ شَايَڪُمْ تَہَارِیْہِہٖ وَرَدِکَہٗ تَہْمِہٖہٗ رَہْمَہٗ فَرَمَہٗ۔ تمہیں کھویا ہوا وقار
 پھر سے حاصل ہو جائے۔ یہودیوں کا حال تمہارے سامنے ہے۔ بخت نصر
 اور ٹیٹس رومی کے بعد ان کی تیسری شامت اس وقت آئی جب اللہ نے اپنا
 آخری نبی مبعوث فرمایا۔ اُس وقت یہودیوں کی کثیر تعداد خطہ عرب خصوصاً مدینہ طیبہ
 کے اطراف میں آباد تھی اسنوں نے نہ صرف پیغمبر آخر الزماں کا انکار کیا بلکہ ان کے
 پیروکاروں کے خلاف سازشیں کیں۔ مشترکین عرب کا ساتھ دیا۔ مگر اللہ نے
 تیسری مرتبہ بھی ان کو ذلیل و خوار کیا۔ سرزمین عرب پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہوا
 تو کچھ یہودی مائے گئے اور باقی جلا وطن ہوئے۔ عرب سے باہر جا کر بھی ذلیل و
 خوار ہی ہوتے رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر اب بھی سابقہ واقعات سے عبرت
 حاصل کرنے کی بجائے وَ اِنْ عُدَّتُمْ عِدَّتَنَا اِگر تم پھر براہیوں کی طرف
 پلٹ آئے۔ اصلاح کی بجائے فساد فی الارض کے مرتکب ہوئے۔ اللہ
 کی آخری کتاب اور اس کے آخری نبی پر ایمان نہ لائے تو ہم بھی پلٹ کر تمہیں
 دہی سزا دیں گے جو پہلے دیتے رہے۔ چنانچہ ان کو تیسری مرتبہ مسلمانوں کے
 ہاتھوں سزا ملی، مگر آج مسلمانوں پر بھی یہودیوں والی حالت طاری ہو چکی ہے
 وہی مغلوبیت، وہی مظلومیت، وہی مذہب سے بیگانگی، لہو و لعب،
 اور عیش و آرام سے لگاؤ۔ اَلَا بَشَاۃُ اللّٰہِ کَیْہِہٖہٗ لَہٗکَہٗ لَہٗکَہٗ لَہٗکَہٗ
 عربی کا مقولہ ہے اَلشَّاذُّ کَالْمَعْدُوْمِ یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔
 فرمایا جو قوم راہِ راست پر نہیں آئے گی، کفر، شرک، معاصی اور فساد فی الارض
 کا ارتکاب کرتی رہے گی وَ جَعَلْنَا جَہَنَّمَ لِلْکَافِرِیْنَ حَصِیْرًا
 ہم نے کافروں کے لیے گھیرنے والا جہنم تیار کر رکھا ہے جس کا خاتمہ کفر پر
 ہوگا۔ خواہ یہودی ہو یا نصرانی یا کوئی دوسرا کافر ہو۔ وہ بہر حال جہنم میں جانے گا
 یہ آخرت کی سزا کی طرف اشارہ ہے کہ صرف دنیا کی سزا کافی نہیں بلکہ آخرت

کی دائمی منسراجھی کافروں کے لیے تیار ہے۔ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان کردہ کے
 اللہ نے مسلمانوں کو بھی خبردار کر دیا ہے کہ جو کوئی یہودیوں والی خصلتیں اختیار
 کرے گا اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر توہرات کے نزول کو بطور تمہید بیان کیا ہے
 اب آگے اصل بات قرآن کریم کے بارے میں ہوگی۔

سجۃ الذی ۱۵

بخی اسرآیل ۱۷

درس چہارم ۴

آیت ۹ تا ۱۱

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ
 الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ
 أَجْرًا كَبِيرًا ۙ ۙ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
 أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ ۙ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ
 بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۙ ۙ

ترجمہ :- بیشک یہ قرآن راہ دکھاتا ہے اس طریقے کی طرف
 جو سب سے زیادہ درست ہے ، اور خوشخبری دیتا ہے
 ایمان والوں کو جو اچھے کام کرتے ہیں ، بیشک ان کے لیے
 بہت بڑا اجر ہے ۙ ۙ اور (خبردار کرتا ہے) کہ بیشک جو لوگ
 ایمان نہیں لاتے آخرت پر ، ہم نے تیار کیا ہے ان کے لیے
 دردناک عذاب ۙ ۙ اور مانگتا ہے انسان برائی کو جیسا کہ وہ مانگتا
 ہے بھلائی کو ، اور انسان جلد باز ۙ ۙ

ربط آیت

سورۃ ہذا کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے معراج جیسی عظیم نعمت کا ذکر کیا جو اُس نے
 اپنے مقرب بندے اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کی ۔ پھر اللہ نے یہ احسان
 بھی جتلیا کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی ۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام
 کی شکر گزاری کا ذکر کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار
 ہونے والوں کو نجات دی ۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور ناشکر گزاروں پر آنے والے مصائب
 و آلام کا تذکرہ بھی اشارۃً کیا ۔ نوح علیہ السلام کی قوم انبیاء کی مخالفت ، کفر و شرک پر اصرار

اور قیامت کے انکار کی وجہ سے ہلاک کی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی کشتی کا حال بیان فرمایا کہ انہوں نے دو دفعہ کشتی اختیار کی تو اللہ نے انہیں دونوں دفعہ اُن پر جا بوجھ کر انہوں کو مسلط کر کے ذلیل و رسوا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بار بار سمجھاتا رہا کہ اگر سرکشتی سے باز آجاؤ اور نیچی کار راستہ اختیار کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ ورنہ تمام کافروں، مشرکوں اور مخبروں کے لیے آخرت کا عذاب یعنی جہنم کا قید خانہ تو موجود ہے۔ درمیان میں ایمان والوں کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اگر تم بھی بنی اسرائیل کے رستے پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی اُن سے مختلف نہیں ہوگا۔

قرآن بطور
راہ ہدایت

گزشتہ سے پیوستہ درس میں بنی اسرائیل کو کتاب ہدایت عطا کرنے کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وہاں میں نے عرض کر دیا تھا کہ یہ تذکرہ دراصل قرآن کریم کے متعلق آج کی آیت کی تمہید تھا۔ چنانچہ آج کے درس کی پہلی آیت میں قرآن پاک کے متعلق ارشاد ہوتا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ بِشَيْكْ يٰ قُرْآنِ رَہنمائی کرتا ہے اُس رستے کی طرف جو سب سے زیادہ سیدھا اور درست ہے۔ گویا قرآن حکیم تورات سے بھی زیادہ فضیلت والی کتاب ہے۔ تورات صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھی جب کہ یہ کتاب اللہ نے تمام بنی نوع انسان کے لیے اتاری۔ یہ کتاب انسان کی فکر، اُس کے اعضاء و جوارح اور تمام قویٰ کو ایسی شاہراہ پر لگاتی ہے جس پر چل کر انسان ہمیشہ کے لیے فلاح پاسکے ہیں۔

اَقْوَمُ کا معنی درست اور سیدھی راہ ہے۔ لَتَّی کا صمد راستہ بھی ہو سکتا ہے اور ٹگت بھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ قرآن راہ ہدایت ہے جو انسان کے ظاہر اور باطن کی درستگی کا سامان مہیا کرتا ہے یا یہ اُس ٹگت کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ درست ہے اور وہ ٹگت ابراہیمی یا ملت اسلام ہے۔ ملت اسلامیہ ایسی ملت ہے جس کے مقابلے کی کوئی ملت اندر باب اور طریقہ نہیں ہے۔

اہل ایمان
کے لیے
بشارت

اب یہود و نصاریٰ کا فرض بھی یہ ہے کہ وہ اسی راستے کو اختیار کریں جس کے بغیر فلاح کی کوئی صورت نہیں۔ اس راستے پر چلنے والے مومنین کے متعلق فرمایا وَيُكْثِرُ الْمُؤْمِنِينَ قرآن حکیم اہل ایمان کو بشارت سناتا ہے۔ ترغیب و تمہید بھی دین کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ جہاں قرآن پاک برائیوں کے انجام سے ڈراتا ہے وہاں نیکوں کے انجام کی خوشخبری بھی سناتا ہے۔ تو یہ خوشی کی بات ہے کہ قرآن ایمان لانے والوں کو خوشخبری سناتا ہے۔ اور ایمان لانے والے کون ہیں الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ جو فکر کی درستگی کے بعد نیک اعمال انجام دے رہے ہیں۔ فکر تو انہوں نے ایمان لا کر درست کر لی۔ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ خدا کی صفات، انبیاء کی رسالت، ملائکہ اور کتب سماویہ پر ایمان لائے۔ اور صالحات میں ہر قسم کی نیکیاں شامل ہیں۔ بنیادی طور پر نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد نیک اعمال ہیں ان کے علاوہ ہر وہ عمل جسے شریعت نے اچھا عمل تسلیم کیا ہے وہ بھی نیک عمل ہو گا۔ پھر یہ ہے کہ نیک اعمال قلوب سے بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے کسی دوسرے کے بارے میں اچھی نیت رکھنا اور اس کے متعلق اچھا گمان کرنا نیکی میں داخل ہے۔ ”قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا“ (البقرہ) یعنی زبان سے اچھی بات نکالنا بھی نیک عمل ہے۔ اس کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیکی میں داخل ہے۔ فرمایا ایمان لانے کے بعد جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں اُن لَہُمْ أَجْرًا کَبِيرًا بیشک ان کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے اس کے نتیجے میں وہ لوگ خوش کام اور فائز المرام ہوں گے قرآن اُن کو بشارت دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جائیں گے

ترغیب کے
بعد ترہیب

ترغیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں ترہیب بھی بیان فرمائی ہے۔ اہل ایمان کی کامیابی کا ذکر کر کے نافرمانوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، قرآن ان کو خبردار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت کے محاسب کو ہی تسلیم نہیں کرتا، وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ نہایت ہی خطرناک اور دکھ دینے والا عذاب ہے۔ غرضیکہ ترغیب و تمہید کا کام صرف قرآن پاک نہیں کرتا بلکہ خود انبیائے کرام بھی یہ فریضہ ادا کرتے ہیں۔ خود قرآن پاک کا بیان ہے رُسُلًا مَّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ (النساء) ہم نے رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرسانے والے بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

اپنے حق میں بدعا

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے ایک گوشے کو بے نقاب کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ اور مانگتا ہے انسان برائی کو جیسا کہ وہ مانگتا ہے بھلائی کو۔ بھلائی تو ہر آدمی چاہتا ہے اور ہر وقت اسے طلب بھی کرتا رہتا ہے، مگر بعض اوقات اپنے منہ سے برائی بھی مانگ لیتا ہے۔ اس کی مثال خود قرآن پاک نے بھی پیش کی ہے مشرکین مکہ میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کہتے تھے اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ اثْقِلْنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (الانفال) اے اللہ! اگر محمد کا لایا ہوا دین تیری طرف سے برحق ہے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی ہم پر دردناک عذاب بھیج دے۔ انسان کی بیوقوفی کا اندازہ لگائیں کہ ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر دوڑ نکل جاتے ہیں کہ خود اپنی زبان سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ کہتے تھے کہ توحید، رسالت اور معاد کے متعلق حضور علیہ السلام کا نظریہ درست ہے، تو ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں، بیشک تو ہمیں نیست و نابود ہی کیوں نہ کر دے اسی سورۃ میں آگے کفار کا بھی اسی قسم کا

بیان آرہا ہے۔ وہ کہتے تھے "أَوْ تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتِ
عَلَيْنَا كِسْفًا بَلْشَّكْ هُمْ بِرَأْسِ آسْمَانٍ كَا كُوْنِي تُكْرَمُ أَكْرَمًا" ، ہم اس دین کو ماننے
کے لیے تیار نہیں۔ انسان کا بھلائی کی بجائے برائی کا طلب کردہ نہایت ہی قبیح
بات ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ غصے کی حالت میں
جلد بازی میں اپنے یا اپنے اہل و عیال یا اپنے مال کے لیے بددعا نہ کر بیٹھو۔
حدیث شریف کے الفاظ ہیں لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا
أَمْوَالِكُمْ وَلَا أَهْلَكُمْ (مسلم) بعض گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں
جن میں دعائیں بول ہو جاتی ہے اگر ایسے ہی وقت میں تمہاری زبان سے
کوئی بددعا نکل گئی تو تمہیں نقصان پہنچ جائے گا اور پھر تم کھن افسوس منے
لو گے ، لہذا اپنے یا دوست احباب یا اولاد یا مال کے خلاف بددعا کہنے
سے منع فرمایا گیا ہے کہ یہ چیز عجلت میں داخل ہے۔

اسلام
علیہ السلام
حضرت کی
خصوصیت

دعا کے بارے میں صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت حاصل
ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے پیروں و کار سے یہ شرط طے کر
رکھی ہے کہ میں بھی انسان ہوں کبھی غصہ بھی آجاتا ہے ، لہذا اگر میں کسی کے
حق میں بددعا کروں جس کا وہ مستحق نہ ہو ، تو میری بددعا کو اس کے حق میں رحمت
اور پاکیزگی بنائے۔ تو حضور علیہ السلام کی دُعائیں صرف اسی شخص کو ملے گی جو اس کا
مستحق ہوگا۔ امام رازی اور بعض دوسرے مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ایک
موقع پر حضور علیہ السلام نے ایک قیدی کو حضرت سودہؓ کے سپرد کیا۔ جب
اس قیدی کو رسیوں سے جکڑا گیا تو وہ کہہ اٹھا کہ حضرت سودہؓ کے
دریافت کرنے پر قیدی نے بتایا کہ اس کی رسی سخت کسی ہوئی ہے جس کی
وجہ سے اسے تکلیف ہے آپ نے اس پر رحم کرنے سے ہوئے رسی کو ذرا
ڈھیلا کر دیا۔ پھر یہ ہوا کہ جبھی اس قیدی نے موقع پایا رسی کاٹ کر بھاگ گیا
اس بات کی خبر حضور علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے حضرت سودہؓ کو بلا کر دریت

کیا۔ انہوں نے پوری بات بیان کر دی کہ میں نے اس پر رحم کرنے ہوئے
 اس کی رسی ڈھیلی کر دی تھی جس کی جستہ قیدی بھاگ گیا۔ اس پر حضور علیہ السلام
 کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا اَللّٰهُمَّ اقْطَعْ يَدَهَا۔ اے اللہ سورۃ
 کے ہاتھ کاٹ دے کہ اس نے قیدی کے ساتھ کیوں رعایت کی۔ یہ بد دعا
 سن کر حضرت سورۃ سخت پریشان ہوئیں اپنے ہاتھوں کی طرف بار بار
 دیکھتی تھیں کہ کہیں حضور کی بد دعا کی زد میں تو نہیں آگئیں۔ آپ علیہ السلام
 نے فرمایا، سورۃ! یہ بد دعا نہیں لگے گی کیونکہ میرا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے۔ کہ
 میری بد عاصرت اس کے مستحق کو ہی لگے گی۔ کوئی غیر مستحق شخص اس کی زد میں
 نہیں آئے گا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے امیر معاویہؓ کو طلب
 فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ دوبارہ بلایا تو پھر بھی یہ جواب
 ملا کہ کھانا کھا رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا مَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ اللّٰہ اس
 کا پیٹ نہ بھرے۔ یہ بد دعا بھی ان کو نہیں لگی کیونکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے
 حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا
 تھا۔ حضور نے فرمایا، اللہ کے بندے! دائیں سے کھاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ میرا
 دایاں ہاتھ اٹھا ہی نہیں، اس نے تبر سے یہ بات کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا
 کہ اس کا دایاں ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ حضور نے بد دعا فرمائی
 تھی لَا رَفْعَ لَهَا اللّٰہ اللہ تعالیٰ تیرے اس ہاتھ کو نہ ہی اٹھائے۔ یہ شخص تبر
 کی بنا پر بد دعا کا مستحق ٹھہرا۔

حضور علیہ السلام نے نمازی کے آگے سے گزرنے کی سخت وعید فرمائی
 ہے آپ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص چالیس سال تک اپنی جگہ کھڑا ہے
 تو یہ نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہے۔ بعض نے اسے چالیس
 ہفتے یا پچاس ماہ پر بھی محمول کیا ہے، تاہم نمازی کی نماز میں خلل ڈالنا
 سخت محبوب ہے۔ حضور علیہ السلام نماز ادا فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے
 اسی طرح نماز میں خلل ڈالا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص ہمیشہ کے لیے معذور ہو گیا

انسان جلد بازی

بہر حال فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ غصے کی حالت میں جلد بازی کرتے ہوئے اپنے لیے، اہل و عیال یا مال کے متعلق بددعا کرے۔ فرمایا کتنی بُری بات ہے کہ انسان اپنے لیے اسی طرح شر کو طلب کرتا ہے جس طرح کہ خیر کو مانگتا ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا جلد باز ہے۔ وہ جلد بازی میں بہت کچھ کر بیٹھتا ہے۔ کافر لوگ اس جلد بازی کے نتیجے میں ہی اپنے لیے بددعا کر بیٹھتے ہیں۔ قرآن پاک کا انکار جلد بازی کی وجہ سے ہی کرتے ہیں۔ واقعہ معراج کی تکذیب بھی جلد بازی کا نتیجہ تھا، لہذا انسان کی جلد بازی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ
وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ
وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ
فَصَّلَّنَّهِ تَفْصِيلًا ۝۱۲ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي
عُنُقِهِ ۚ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ
مَنْشُورًا ۝۱۳ اقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ
عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝۱۴ مَن اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي
لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ
وَزِيرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ
نَبْعَثَ رَسُولًا ۝۱۵

ترجمہ :- اور بنایا ہے ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں ۔ پس
ہم نے دھیا کر دیا ہے رات کی نشانی کو اور بنایا ہے دن کی
نشانی کو روشن تاکہ تلاش کرو تم فضل اپنے رب سے اور تاکہ
تم جان لو گنتی سالوں کی اور حساب ۔ اور ہر ایک چیز ہم
نے تفصیل کی ہے اس کی تفصیل کرنا ۝۱۲ اور ہر انسان ہم
نے لازم کر دیا ہے اس کے ساتھ اس کا اعمال نامہ اُس
کی گردن میں ، اور نکالیں گے ہم اس کے سامنے قیامت

کے دن ایک نوشتہ جسے وہ کھلا ہوا پائے گا (۱۳) اور اس سے کہا جائے گا کہ پڑھ اپنی کتاب، کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرے (۱۴) جس نفس نے راہ ہدایت پائی پس بیشک وہ ہدایت پاتا ہے اپنے لیے اور جو گمراہ ہوا پس بیشک وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے ہی نقصان میں۔ اور نہیں اٹھائے گا، کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ۔ اور ہم نہیں سزا دیتے یہاں تک کہ ہم بھیج دیں رسول (۱۵)

گزشتہ درس میں قرآن پاک کی ہدایت اور راہنمائی کا ذکر ہوا کہ یہ سب سے سیدھے راستے اور سب سے درست ملت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یہ قرآن اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کو عذاب کی وعید سناتا ہے پھر فرمایا انسان جلد بازی میں آگے نہ بڑھے بلکہ دعا کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کے لیے مناسب نہیں۔ آج کے درس میں اللہ نے اپنی پہچان، توحید اور وقوع قیامت کے سلسلے میں اپنی قدرت کی نشانیوں کو بیان کیا ہے۔ اگر ان میں تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت تامہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اپنی نشانیوں سے قیامت پر یقین بھی پہنچے ہو سکتا ہے۔

نشانِ قدرت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کی دو نشانیوں کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ اور بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں۔ ان نشانیوں کی دو خصوصیات یہ بیان فرمائیں فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ پھر ہم نے محو کر دیا، مٹا دیا، دھیم کر دیا۔ رات کی نشانی کو، یعنی رات کے وقت وہ آب و تاب نہیں ہوتی جو دن کے وقت ہوتی ہے۔ اور دن کی نشانی کے متعلق فرمایا وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً اور بنایا ہم نے دن کی نشانی کو روشن۔ دن کے وقت سورج کی روشنی خوب ہوتی ہے۔ رات کو دھیمی سی روشنی چاند اور ستاروں کی ہوتی ہے جب کہ دن کے وقت سورج دنیا کو منور کر دیتا ہے۔

رابطہ آیت

یہیل و نہار
کا نظام

رات اور دن کی مصروفیات بھی الگ الگ ہیں اور ان میں تفاوت ہی کاروبار کی تقسیم اور اوقات کار کے تعین کا ذریعہ ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے ”وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا“ رات انسانوں اور حیوانوں کے آرام کے لیے بنائی ہے تاکہ اس دوران میں وہ تھکاوٹ کو دور کر کے اپنے قویٰ کو بحال کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو اسی لیے دھیما بنایا ہے کہ آرام و سکون میں تیز روشنی موزوں نہیں ہوتی۔ اسی طرح دن کے متعلق سورۃ النبا میں فرمایا ”وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا“ اور ہم نے دن کو ذریعہ معاش بنایا۔ رات کے آرام کے بعد انسان دن کے وقت کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور یہ کام سورج کی تیز روشنی میں ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ دوکانداری کرتے ہیں، کوئی مزدوری کرتا ہے ملازمت اختیار کرتا ہے، یہ سب کچھ دن کے وقت ہوتا ہے جس سے انسان روزی کھاتے ہیں۔ جانور اور پرندے بھی اپنے اپنے ٹھکانوں سے روزی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا یہ نظام انسانوں اور حیوانوں کی مصلحت اور ضروریات کے مطابق رکھا ہے۔

روحانی کمال
اور زوال

جس طرح رات اور دن کا نظام مختلف اغراض و مقاصد کے لیے قائم ہے۔ اسی طرح اللہ نے روحانیت کا نظام بھی قائم کیا ہے۔ بعض ایسی چیزیں ہیں جن کو اختیار کرنے سے انسان کی روح میں روشنی پیدا ہوتی ہے جو اسے درجہ کمال تک پہنچاتی ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو روح انسانی کو تاریک بنا دیتی ہیں اور انسان خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایمان اور کفر اسی نظام کا حصہ ہیں۔ ایمان کی بدولت انسان میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور اسے کمال حاصل ہوتا ہے جب کہ کفر اختیار کرتے سے تاریکی جنم لیتی ہے جس طرح رات کی تاریکی دن کی روشنی میں تبدیل ہوتی ہے تو انسان کو معیشت کے اسباب حاصل ہوتے ہیں، اسی طرح کفر و شرک کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ

انبیاء کو معیوث کر کے اور کتابیں نازل فرما کر روحانی روشنی کا بندوبست کرتا ہے جو بنی نوع انسان کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

رزق حلال
کی تلاش

فرمایا ہم نے دن کو روشن نشانی بنایا لَتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ
اگر تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ لفظ فضل اپنے اندر وسیع معنوم رکھتا ہے۔ اس میں رزق حلال بھی داخل ہے اور انسان کا ہر کمال فضل ہی کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ عبادت، ریاضت، علم، اچھا اخلاق وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو دن کی روشنی میں حاصل ہوتا ہے اور اللہ نے دن کو اپنی نشانی کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

ماہ و سال
کی گنتی

فرمایا دن رات کے تغیر و تبدل کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَلِتَعْلَمُوا عَٰدَ السِّنِّينَ وَالْحِسَابِ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو ظاہر ہے کہ ماہ و سال کی شناخت دن رات کے تغیر و تبدل سے ہی ہوتی ہے پہلے ایک دن بنتا ہے، پھر مہینہ، پھر مہینہ اور پھر سال۔ مختلف امور کی انجام دہی کے لیے اللہ نے جو نظام الاوقات مقرر کیا ہے وہ سورج کے حساب سے ہو گا یا چاند کے حساب سے اور پھر اس کے مطابق روزانہ، ماہانہ اور سالانہ امور انجام دیے جاتے ہیں۔ گویا دن رات کا ایک مقصد ماہ و سال کی گنتی کا حساب قائم کرنا بھی ہے۔

اس کے ساتھ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَمَا كَلَّ شَيْءٌ فَضْلًا تَفْصِيلًا اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل کھول کر بیان کر دی تاکہ انسان اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر حقیقت کو معلوم کر سکیں، ایمان کی دولت حاصل کر سکیں اور نیکیاں کما سکیں۔ بیل و نہار کا جو وقفہ انسان کو مل رہا ہے، اسے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۢ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا جو شخص نصیحت

حاصل کرنا چاہتا ہے یا اللہ کا شکر گزار بندہ بننا چاہتا ہے اس کے لیے اللہ نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنا دیا ہے دن رات کا تغیر و تبدل عقلمندوں کے لیے بہت بڑا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ ان میں غورو فکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے کہ رات کے وقت میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے دن کے وقت موقع ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ اسی طرح دن میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے رات کو معافی مانگنے اور تلافی کرنے کا موقع ہوتا ہے اور اس طرح انسان اپنی حالت کو درست کر سکتا ہے۔

انسان کا
نامہ اعمال

دن رات کی نشانیوں کے تذکرے اور ان سے نصیحت حاصل کرنے کے بیان کے بعد اللہ نے انسان کی توجہ اس کی آخرت کی طرف دلائی ہے اور بتا دیا ہے کہ دنیا کی کارگزاری یہیں پر ختم نہیں ہو جائے گی، بلکہ اس کا حتمی نتیجہ آخرت میں نکلنے والا ہے۔ اس دنیا میں انجام دیا جانے والا ہر اچھا یا بُرا عمل محفوظ کیا جا رہا ہے اور اس کی صورت یہ ہے وَكُلُّ
إِنْسَانٍ أَلَيْنَا لَهُ كَافَّةٌ فَمَا عُنُقُهُ ہم نے ہر انسان کے ساتھ اس کا طائر یعنی اعمال نامہ اس کی گردن میں لازم کر دیا ہے۔ لغوی طور پر طائر کا معنی پرندہ اور شوگون بھی ہوتا ہے، تاہم یہاں اس سے مراد ہر انسان کا نامہ اعمال ہے جو اس کی زندگی بھر مرتب ہوتا ہے اور پھر موت کے وقت اس کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَخُذْ لَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا جسے ہم قیامت کے دن ایک نوشتے کی صورت میں نکالیں گے يَلْقَاهُ مَنْشُورًا جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ اس کتاب میں ہر انسان اپنی سعادت یا شقاوت کی ہر چیز موجود پائے گا۔ یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے یا اس کی شوخی، قسمت کہ اس کا ہر عمل اس کے گلے کا بار بن چکا ہو گا اور پھر عجیب بات یہ ہے

کہ اُس وقت ہر خواندہ اور ناخواندہ آدمی اس کو خود پڑھ سکے گا اور پھر حیرت کے ساتھ کہے گا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صِفْوَةً وَلَا كِبْرًا إِلَّا أَحْصَاهَا (الکھف) عجیب کتاب ہے جس نے ہر چھوٹی بڑی چیز کو شمار کر رکھا ہے۔ حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت فرمائے گا، اے ابن آدم! اِنِّمَارْهَى اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيَهَا لَكُمْ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں نے تمہارے لیے شمار اور محفوظ کر رکھا ہوا ہے۔ اگر اس نامہ اعمال کو اچھا پاؤ تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اگر اسے اپنے خلاف پاؤ تو اپنے آپ کو ملامت کرو کہ یہ تمہاری اپنی ہی کمائی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر عمل نکلتا بھی اس کے نفس سے ہی ہے اور پھر لوٹ کر نفس کی طرف ہی چلا جاتا ہے اور پھر اس کو شمار کر کے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

بہر حال قیامت کے دن جب انسان کا نامہ اعمال اس کی گمراہی سے نکال کر اس کے سامنے کیا جائے گا تو حکم ہوگا۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ اپنا نوشتہ خود پڑھ لو کَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا آج کے دن تمہارا اپنا نفس ہی تمہارے محاسب کے لیے کافی ہے۔ اس اعمال نامہ کو پڑھنے کے لیے کسی منشی کی ضرورت نہیں تم خود اسے پڑھو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب دجال کا ظہور ہوگا تو اس کی پیشانی پر لفظ ”کافر“ لکھا ہوگا۔ ہر ایماندار اس کو پڑھ لے گا مگر کوئی بے ایمان کافر، مشرک اسے نہیں پڑھ سکے گا۔ اسی طرح ہر آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا جس میں اس کا ہر نیک و بد عمل درج ہوگا۔ اور وہ اسی سے اپنی جزا یا سزا کو معلوم کر سکے گا۔

فرمایا، ہمارا اصول یہ ہے مَاتِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ جس نے ہدایت پائی تو اُس نے اپنے ہی نفس کے لیے ہدایت

پائی، اس سے اُسی کو فائدہ ہوگا۔ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهِكَ اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑتی ہے، اس
کا نقصان خود اس کو ہوتا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، نیکی یا بدی جو
بھی کی ہے اس کا بوجھ خود ہی اپنی گردن پر اٹھانا پڑے گا، اُس وقت
نہ کوئی رشتہ دار مدد کر سکیگا نہ کوئی مزدور ہوگا جو کسی کا بوجھ اٹھائے۔

تمام حجت

اللہ نے ایک اور بھی اہم بات یہاں بیان فرمائی ہے وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ہم کسی قوم کو سزا نہیں دیتے۔
جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔ کسی مجرم کو سزا دینے کے پہلے امامِ حجت
ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے، کتابیں،
نازل فرمائیں اور پھر مبلغین کے ذریعے اپنا پیغام تمام لوگوں تک پہنچایا۔ اگر اب
بھی کوئی شخص ایمان کی بجائے کفر اور نیکی کی بجائے برائی کا مترکیب ہوتا ہے
تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اس پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ سورۃ النساء میں
اللہ کا فرمان موجود ہے۔ کہ ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرنانے والے
رسول مبعوث فرمائے لَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةً
بَعْدَ الرُّسُلِ لَكُمْ رَسُولٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ فَذَرْهُمْ وَلَا يَكُنْ لَهُمْ مَكْرٌ فِي
أَفْسَانِهِمْ۔ رسول کے آنے کے بعد عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی
فرمایا کُلُّكُمْ لِي رَجُلٌ كَذِبٌ أُولُؤْهُمَا يَصْلَحُ أَمْرُهُمْ فَاتُخَذُوا مِنْهُمْ
أُفُوكُمْ۔ ہمارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ اللہ نے
فرمایا فَقَدْ جَاءَكُمْ كِتَابٌ مُّبِينٌ وَذُرِّيَّةٌ مِّنْ ذُرِّيَّتِكُمْ أَكْفَرُ
مِمَّنْ قَبْلُكُمْ يَدْعُونَ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَادْنَوْا تَحْتَهُمْ بَطْشِكُمْ فَاثْقِلْ
فَاصْطَبْحُوا وَخَرُّوا عَلَیْهِمْ فَيُفَكِّدُكُمْ كَمَا فَعَلُوا۔ اگر اب بھی کفر، شرک، معاصی سے باز نہیں
آؤ گے تو پھر کوئی عذر قابلِ قبول اور سموع نہیں ہوگا۔
امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا ہے

کہ اس کو ہرنیکی اور بدی کی جزایا سزا ملے۔ اس کے علاوہ فرشتوں کی دعایا
بدعا بھی انسان کے حق میں مؤثر ہوتی ہے کیونکہ فرشتے نیکی کرنے والے کے
لیے دعا اور برائی کے مرتکب کے لیے لعنت بھیجتے ہیں۔
نیک عمل کرنے والوں کے حق میں قرآن بھی شہادت دیتا ہے۔ بہر حال
اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کی بعثت اور شرائع کے نزول کے بعد
حجرت تمام ہو گئی ہے، لہذا اب ہر شخص کو جزایا سزا ضرور ملے گی۔

مکلف
کی بحث

مفسرین کرام اس بارے میں بحث کرتے ہیں کہ جو لوگ فطرت کے
زمانے میں فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ زمانہ جب کوئی رسول نہیں آیا جیسے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حسنو علیہ السلام کا درمیانی زمانہ۔ اسی طرح کافروں اور
مشرکوں کے فوت ہونے والے چھوٹے بچوں کے متعلق کیا حکم ہے کہ ان
کی گم فیت ہوگی یا نہیں۔ اگرچہ اس ضمن میں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم صحیح
بات یہی ہے کہ رسول سے مراد ایک تو باہر کا رسول ہے جو اللہ کی طرف
سے مبعوث ہوتا ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے
اور ایک انسان کے اندر کا رسول اس کی عقل ہے۔ اگر کسی قوم یا فرد کے
پاس باہر کا رسول نہیں تو اس کے پاس اندر کا رسول یعنی عقل تو موجود ہے جسے
برائے کار لا کر نیکی و بدی اور حق و باطل میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص عقل مند
ہے تو وہ مکلف ہے اور نیکی یا بدی کی جزایا سزا کا مستحق ہے۔ البتہ اگر کوئی
شخص عقل و شعور سے ہی محروم ہے تو وہ مکلف نہیں۔ چنانچہ دیوانے،
اجمق اور بے عقل آدمی عذاب کے مستحق نہیں۔ چھوٹے بچے جو سن شعور
کو پہنچنے سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں، وہ بھی غیر مکلف ہیں اور سزا
کے حق دار نہیں ہیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ قیامت والے

دن اللہ کی بارگاہ میں عذر پیش کریں گے مثلاً میرا آدمی کہے گا مولا کریم! تو نے مجھے سماعت کی نعمت سے محروم رکھا۔ تیرے انبیاء اور کتابیں آئیں مگر بہرہ ہونے کی وجہ سے ان کی بات سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا، لہذا اس مجبوری کی بنا پر مجھے سزا نہیں ملنی چاہیئے۔ دیوانہ آدمی عذر پیش کرے گا کہ مولا کریم! تیرا دین آیا مگر میری حالت یہ تھی کہ لوگ مجھے پتھر مارتے تھے۔ میں شعور سے خالی تھا۔ پورے آدمی کہے گا کہ میرے قوی مضحل ہو چکے تھے اور میں تیرے احکام پر عمل کرنے سے قاصر تھا۔ فترت کے زمانے کے لوگ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول آیا ہی نہیں لہذا ہمیں راہ ہدایت کیسے معلوم ہوتی۔ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اُسی وقت آزمائش کرے گا اور فرمائے گا کہ میں تمہارے پاس ایک فرشتہ بطور رسول بھیجتا ہوں۔ پھر ایک فرشتہ آکر ان کو کہے گا کہ میں خدا کی جانب سے تمہارے پاس قاصد آیا ہوں۔ تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ تم اس جہنم میں چھلانگ لگا دو۔ پھر جو شخص اس حکم کی تعمیل میں جہنم میں کود جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم کو ٹھنڈا اور سلامتی والا بنائے گا۔ اور جو حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ وہ ناکام و ناسرور پھڑکے گا۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک عاقل بالغ شخص کسی ایسی جگہ پر ہے جہاں کوئی دوسرا انسان نہیں پہنچ سکا۔ کسی پیار کی چوٹی ہے یا صحرا کا کوئی گوشہ ہے جہاں اس کی ہدایت کے لیے کوئی سامان نہیں پہنچا تو فرماتے ہیں کہ اگر ایسا شخص کفر یا شرک کا ارتکاب کرے گا تو ماخوذ ہو کر جہنم رسید ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے اسے عقل و شعور جیسی نعمت عطا کی ہے۔ وہ قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اس کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے، لہذا اس کا کفر و شرک قابلِ مواخذہ ہوگا۔ البتہ حلال و حرام کی تمیز میں یا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی عدم ادائیگی میں وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ چیزیں بتانے والا اس کے پاس کوئی نہیں پہنچ سکا۔ مطلب یہ کہ عقل و شعور بھی انسان کو مکلف بنانے کے لیے کافی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا، آگے آؤ۔ وہ آگے آگئی۔ پھر فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ تو وہ پیچھے ہٹ گئی اللہ نے فرمایا بِكَ اخْذُوا بِكَ اَمْنًا میں تیری وجہ سے مؤاخذہ کروں گا۔ اور تیری وجہ سے روکوں گا۔ گویا جس شخص میں عقل نہیں وہ ناقابل مؤاخذہ ہے۔ چھوٹے بچوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ شعور کے تین درجے ہوتے ہیں، سات سال، دس سال اور پھر بارہ چودہ سال۔ لیکن جب تک اس میں پوری عقل نہیں آتی۔ وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں سے مؤاخذہ کرنا اللہ تعالیٰ کے قانونِ عمل کیخلاف ہے کیونکہ وہ ابھی تک مؤاخذہ والی شرط پوری نہیں کرتے۔ غرضیکہ جب دنیا میں رسولوں کے ذریعے حجت تمام ہو جائے اور انسان کے داخلی نظام میں عقل بھی مکمل ہو تو پھر انسان قابل مؤاخذہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اُس وقت تک کسی کو سزا نہیں دیتے۔ جب تک رسول مبعوث کر کے اپنی حجت تمام نہیں کر لیتے۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا
فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ①۶
وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۖ وَكَفَى
بِرَبِّكَ بِذُنُوبٍ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ①۷

ترجمہ :- اور جب ہم چاہتے ہیں کہ ہلاک کدیں کسی بستی کو، تو
حکم دیتے ہیں اس کے آسودہ حال لوگوں کو، پس وہ فسق کرتے
ہیں اس میں۔ پس ثابت ہو جاتی ہے اس پر بات۔ پس ہم
اکھاڑ دیتے ہیں اس کی جڑ بنیاد کو اور اس کو ملیا میٹ کر دیتے
ہیں ①۶ اور کتنی ہی قومیں ہم نے ہلاک کی ہیں نوح علیہ السلام
کے بعد۔ اور کافی ہے تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی
خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ①۷

رابطہ آیت

گزشتہ آیات میں اللہ کے نیک بندوں پر انعامات اور نافرمانوں کی گرفت
کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے ہر انسان کے لیے تیار کیے جانے والے اعمال اور قیامت
کے دن اُن کے ظہور کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہدایت یا گمراہی انسان کے
اپنے ہی فائدے یا نقصان کے لیے ہے۔ ہر شخص کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا
اور کوئی دوسرا شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اللہ نے ایک اصولی بات یہ بھی بیان فرمائی
کہ ہم کسی فرد یا قوم کو اُس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک اُن کے پاس اپنا رسول بھیج
کر تمام حجت نہ کریں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سزا سے متعلق اپنی سنت

بیان کی ہے اس سلسلے میں بعض واقعات کی طرف اشارہ بھی ہے اور مشرکین
عرب اور یہود میں آنے والوں کے لیے وعید بھی ہے کہ اگر وہ بھی کفر، شرک
اور برائی سے باز نہ آئے تو ان کا شرعی پہلی نافرمان قوموں سے مختلف نہیں ہوگا
اب اللہ تعالیٰ نے انسان کی باعنائیوں پر اس کی ہلاکت کا فلسفہ بیان فرمایا
ہے ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً جب ہم
کسی بستی، شہر، علاقے یا ملک کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ أَمَرْنَا مُنْقِذِيهَا
تو ہم اس بستی کے آسودہ اور خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہوتے
ہیں جو ناز و نعمت میں پرورش پاتے ہیں، انہیں تمام سہولتیں یا افراط میسر ہوتی
ہیں اور عیش و آرام میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، ہم ان کو حکم دیتے ہیں۔
فَفَسَقُوا فِيهَا تو وہ اس بستی میں فسق کرتے ہیں فَنُفِثَ فِيهَا انہیں
پھر اس پر بات ثابت ہو جاتی ہے۔ خدا کی گرفت آتی ہے اور وہ ہلاک ہو
جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
خود خوشحال لوگوں کو فسق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں
تو ان پر جرم ثابت ہو جاتا ہے اور وہ سزا میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو فسق کا حکم دیتے ہیں۔
بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (الاعراف)
کہ وہ کبھی بھی بیچینی کا حکم نہیں دیتے۔ مفسرین اس کی توجہ یوں بیان کرتے
ہیں کہ حکم دو قسم کا ہوتا ہے، ایک تشرعی اور دوسرا تکوینی۔ تشرعی حکم ہمیشہ
شرعیات اور قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اور نیکی کرنے اور برائی سے بچنے
کا حکم ہوتا ہے نہ کہ برائی کے ارتکاب کا۔ اور تکوینی حکم کائنات میں طبعی طور پر
جاری ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی یا برائی کا ارتکاب اللہ نے بندے
کے اختیار میں دیا ہے، لہذا کوئی انسان جب بھی کسی اچھائی یا برائی کا ارادہ

ہلاکت کا
فلسفہ

کہ تاہم تو اللہ تعالیٰ اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ یہی تو کوئی حکم ہے۔ جو بندہ خود اپنے ارادے اور اختیار سے انجام دیتا ہے اور اللہ اس کی توفیق کو سلب نہیں کرتا۔ سورۃ النساء میں موجود ہے ”قَوْلُهُ مَا قَوْلُكَ“ کوئی شخص جو صبر کرنا چاہتا ہے ہم اسی طرف اس کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم چاہیں تو اس سے برائی کرنے کی توفیق ہی سلب کر لیں۔ مگر ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کو کوئی حکم کے ذریعے انسان کو آزماتا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو کھلی چھٹی دے دیتا ہے۔ ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“ (الکہف) اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے۔ البتہ فرمایا کہ جو شخص کفر کا طریقہ اپنائے گا تو اس کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے غرضیکہ یہاں پر اَمْسَحْنَا اور فَفَسَقُوا کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یا قوم نافرمانی کا راستہ اختیار کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق کو سلب نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنی مرضی کے مطابق چلنے دیتے ہیں۔

بعض مفسرین اس کا دوسرا معنی بھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مند لوگوں کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ ہم ان کی طرف اپنے نبی بھیجتے ہیں، ان کے نابین اور مبلغین ان کے پاس پہنچ کر انہیں اطاعت اور نیکی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس کے باوجود جب وہ قوم یا بستی کے لوگ نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت کی طرف نہیں آتے قَدْ مَرَّ فَهَذَا تَدْمِيًّا تو پھر ہم اس بستی کو ملبیا میڈے کر دیتے ہیں۔ اُسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیتے ہیں، اور اس طرح انہیں نافرمانی کی سزا مل جاتی ہے۔

آسودہ حالی اور
مخالفت اسلام

اس آیت کریمہ میں آسودہ حال لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تشریعی اور تکوینی احکام ہر قسم کے لوگوں پر نافذ اہم ہوتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر خوشحال لوگوں کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ دین کی مخالفت میں عام طور پر یہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں اور پھر ان کی اقتدا میں دیگر لوگ بھی اسی راستے پر چل نکلتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے کہ اگر حاکم کی اصلاح ہو جائے تو رعیت خود بخود سدھر جائے گی اور اگر کسی قوم یا ملک کا سرپرست ہی بگڑ جائے تو سارے لوگ ہی ایسے ہو جائیں گے۔ بات تو بڑے لوگوں کی چلتی ہے اور باقی ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوتے ہیں۔ فساد فی الارض کی ابتداء ہمیشہ رؤسا کی طرف سے ہوتی ہے۔ تاریخ انبیاء علیہم السلام اٹھا کر دیکھ لیں کہ کمزور لوگ تو اکثر ایمان لاتے ہیں مگر مخالفت کبڑوں نے ہی کی۔ یہ لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کو اپنی چودھڑ ہٹ کے منافی سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے دین کی اطاعت شروع ہو جائے گی تو پھر چودھڑ لویں کی بات کون سنے گا۔ توجیب بھی ان آسودہ حال لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے تو یہ مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ اگر ان کو کوئی وعید سنائی جائے تو کہتے ہیں۔ ”نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَ أَوْلَادًا“ (سبا۔ ۳۵) ہمارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔ ہماری کثیر اولاد ہے، ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ ہم کسی قیامت اور محاسبے کے عمل کو تسلیم نہیں کرتے وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ (الشعراء) ہمیں کون کنرا دیگا۔ فرمایا ایسے ہی لوگوں کو ہم اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں، تو وہ فسق کا راستہ اختیار کرتے ہیں، خروج عن الطاعة کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فسق کا اطلاق نافرمانی کے علاوہ کفر، نفاق اور معصیت پر بھی ہوتا ہے۔ احکام شریعت کے خلاف چلنے والا شخص فاسق کہلاتا ہے پھر جب فسق کی بات ثابت ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کو طیار میٹ کر دیا جاتا ہے

”امر“ کے
دیگر معانی

بعض مفسرین امرنا کی بجائے امرنا قرأت کرتے ہیں جس کا معنی
حاکم بنانا ہے۔ اگر اس قرأت کو پیش نظر رکھا جائے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب
ہم کسی بستی کے آسودہ حال لوگوں کو وہاں کا امیر یا حاکم بنا دیتے ہیں، تو وہ اطاعت
کا راستہ پکڑنے کی بجائے عیاشی، فحاشی اور بدکاری کے رستے پر چل پڑتے ہیں۔
جس کے نتیجے میں ان پر خدا کی طرف سے عذاب آتا ہے۔ یہ لوگ عام طور
پر معاصی کی سیکھیں بناتے ہیں اور نیکی کے کام نہیں کرتے۔

چوتھی تفسیر کے مطابق امر یا امر کا معنی زیادہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ یعنی
ہم جس بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں کے آسودہ حال لوگوں کی تعداد میں
اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں مکے والوں کا حال دیکھ لیں۔ قوم عاد، قوم ثمود
قوم فرعون، قوم لوط، قوم تبع اور سبا والوں کا حال دیکھ لیں۔ یہ سب خوشحال اور
آسودہ حال لوگ تھے۔ بڑی بڑی عمارات اور بڑے بڑے باغات کے مالک
تھے۔ ان کی تمدنیوں کے نشانات آج بھی ٹیکسلا، منجودھاڑ، ایجنڈا اور
اکوڑہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے بارے میں سورۃ العنکبوت میں فرمایا،
کہ شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا اور انہیں صراط مستقیم سے
روک دیا ”وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ“ دنیا کے معاملات میں بڑے مہوشیار
تھے، اپنے فن میں بڑے ماہر تھے۔ مگر معاد کے معاملہ میں فرمایا
”اَفْهَمُ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ“ (الاعراف) بالکل اندھے تھے۔

دفاہیت بالغہ

فرمایا جب ان کی ہلاکت کا وقت آتا ہے تو ہم ان کو زیادہ کر دیتے
ہیں۔ پھر وہ کھیل کود، رسم و رواج، گلے بچلنے اور عیش و عشرت میں مبتلا ہو
کر رہ جاتے ہیں اور پھر ان پر تباہی مسلط کر دی جاتی ہے۔ پرانی قومیں اسی اصول
کے تحت نیست و نابود ہوئیں اور پھر آخر میں مکے والوں کا زمانہ آیا۔ ان کو یاد
دلایا گیا کہ پہلی قوموں کے مقابلے میں تم عشر عشر کے حامل بھی نہیں ہو۔ جب
وہ نہ بسے تو تم کیسے بچ سکتے ہو۔ تم اپنی معمولی طاقت پر کیوں اتراتے ہو

اور اللہ کی نافرمانی کیوں کرتے ہو۔ بہر حال اللہ نے دولت مندوں کو مترف کہا ہے
 قرآن میں اتراف کی مذمت بیان کی گئی ہے اور سابقہ قوموں کا حال بیان کر کے
 مجھے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنی آسودہ حالی کا غلط مطلب نہ لیں۔ سورۃ الوا
 قعہ میں اللہ نے واضح فرمایا ہے "إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ
 وَكَانُوا يُعْسِرُونَ عَلَى الْحَنَثِ الْعَظِيمِ" اس سے پہلے یہ
 لوگ آسودہ حال تھے مگر گناہ عظیم پر اڑے ہوئے تھے۔ اسلامی نظام میں انتہائی
 آسودہ حالی کو رفاہیت بالغہ کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام افراط و تفریط کے ہٹ
 کر میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ نہ تو بالکل میوست والی اور نہ تکثیف والی حالت
 اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بہترین مکان، بہترین لباس اور بہترین غذا
 رفاہیت بالغہ کی تعریف میں آتا ہے جو کہ اتراف کا نتیجہ ہے۔ اس کی بجائے
 عام نوعیت کی چیزیں استعمال کرنی چاہئیں جن سے نہ تو فقر ظاہر ہوتا ہو
 اور نہ غرور و تکبر جھلکتا ہو۔ امام شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں باب باندھ
 کہہ فاکہ سیوں اور رمیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے پاس
 محلات باغات، اچھی سواریاں اور نوکر چاکر ہوں۔ پھر اس مقصد کے حصول
 کے لیے انہیں ٹیکس لگانے پڑتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک
 طبقہ امراء کا وجود میں آتا اور دوسرا طبقہ گدھوں کی طرح بن کر رہ جاتا جنہیں
 کام کے علاوہ عبادت و ریاضت کا وقت بھی نہیں ملتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ
 ہوا کہ اللہ نے رمیوں اور ایمانیوں کی جڑ بنیاد ہی اکھاڑ دی اور اپنے نبی بھیج کر
 دونوں تہذیبوں کو ختم کر دیا اور انبیاء کی وساطت سے اسلامی تہذیب کو
 پیش کیا۔ تو فرمایا کہ حیب ان پر فسق ثابت ہو جاتا ہے، تو ہم انہیں جہڑے
 اکھاڑ دیتے ہیں۔

سلمان عورت

سابقہ اقوام کا ذکر کہہ کر اللہ نے خلاصہ یہ بیان فرمایا فَكَرُّ
 أَهْلِكُنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ہم نے نوح علیہ السلام

کے بعد کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ قرون، قرن کی جمع ہے جس کا اطلاق دس، چالیس، ساٹھ، اسی، سو اور ایک سو بیس پر بھی ہوتا ہے۔ قرن سے مراد ایک زمانے اور ایک تہذیب کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ تو فرمایا ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد عاد، ثمود جیسی کتنی ہی تہذیبوں کو ہلاک کر دیا۔ تمہیں ان کے حالات سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ جب وہ اپنے رسولوں کی تکذیب کر کے سزا سے نہیں بچ سکے تو تم اللہ کی گرفت سے کیسے بچ سکتے ہو؟ اللہ کا آخری رسول آگیا ہے اب حجت تمام ہو چکی ہے۔ وَكَفَىٰ بَرَبًا يَذُنُّوْبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا كَبِيرًا تیرا پورا دگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ہر شخص کا عقیدہ، عمل اور اخلاص اس کے سامنے ہے اور وہ ہر ایک کا محاسبہ کریگا لوگوں کو تباہ حال اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

سبحن الذی ۱۵
درس ہفتم

بنی اسرائیل ۱۷
آیت ۱۸ ۲۲

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ
لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا
مَذْمُومًا مَدْحُورًا ①۸ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى
لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَشْكُورًا ①۹ كَلَّا نُمَدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ
عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ②۰
أَنْظِرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلِلْآخِرَةِ
أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ ۖ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ②۱ لَا تَجْعَلْ
مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقَعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا ②۲

۲۲

ترجمہ :- جو شخص چاہتا ہے جلدی کی زندگی (کافائدہ) ہم جلدی
کرتے ہیں اُس کے لیے اُس میں جو ہم چاہیں اور جس کے
لیے چاہیں ۔ پھر ہم بناتے ہیں اُس کے لیے جہنم ۔ داخل ہو
گا اس میں مذمت کیا ہوا اور دھکیلا ہوا ①۸ اور جو شخص ارادہ
کرتا ہے آخرت کا ، اور وہ کوشش کرتا ہے اس کے لیے
(شایان شان) کوشش ، اس حال میں کہ وہ ایماندار ہے ۔ پس
یہی لوگ ہیں کہ جن کی کوشش مشکور ہو گی (ٹھکانے لگے گی) ①۹
ہم ہر ایک کو فائدہ پہنچاتے ہیں ، ان کو بھی اور ان کو بھی ۔ یہ

تیرے رب کی بخشش سے ہے، اور نہیں ہے تیرے رب کی بخشش روکی ہوئی (۴۰) دیکھو! کس طرح ہم نے فضیلت بخشی ہے بعض کو بعض پر اور البتہ آخرت بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے (۴۱) نہ ٹھہرائیں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ پس بیٹھ جائیں گے آپ مذمت کیے ہوئے اور رسوا کیے ہوئے (۴۲)

رابطہ آیت

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ہلاکت کا فلسفہ بیان فرمایا۔ کہ پہلے ہم اُن کی طرف رسول بھیج کر حجت تمام کرتے ہیں۔ پھر جس بستی کو ہلاک کرنا مقصود ہوتا ہے اُن کی طرف اپنا حکم بھیجتے ہیں۔ جب وہ احکام الہی کا انکار کرتے ہیں۔ تو اُن پر بات ثابت ہو جاتی ہے تو وہ ہلاک کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ نے بطور مثال فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، وہ کفر، شرک اور معاصی کا شکار ہو چکے تھے، انبیاء کی تکذیب کرتے تھے۔ اُن کے اس فسق کی وجہ سے اللہ نے انہیں سزا دی۔ فرمایا تمہیں سابقہ اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

دنیا طلبی

اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ وہ کسی مجرم قوم کو فوراً ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کی اصلاح کے لیے ایسے حالات اور اسباب پیدا کرتا ہے جن میں غور و فکر کر کے لوگ برائی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ جلد بازی سے کام نہیں لیتا۔ اس کے برخلاف انسان عام طور پر جلد باز واقع ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اُس کی فرمائش فوراً ہی پوری کر دی جائے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ جُذِّخْهُ جَلَدِي كَمَا فَادَهُ حَاصِل كَمَا نَاجَاهُ هَا هِيَ

خود دنیا کو بھی عاجلہ کہا گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اسی دنیا میں مفاد حاصل کرنا چاہتا حالانکہ اس دنیا کی زندگی تو بالکل عارضی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے لیے پوری دنیا بھی سمیٹ لیتا ہے تو آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اسی بات

کو سورۃ الاعلیٰ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ”بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا“
 تم تو دنیا کی زندگی کے پیچھے بھاگ رہے ہو، مگر حقیقت یہ ہے ”وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقٰی“ کہ آخرت ہی بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ سورۃ الدھر میں
 ارشاد ہوا ہے ”اِنَّ هَؤُلَاءِ يُمْسِكُونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا“ یہ لوگ جلدی کی زندگی یعنی اس دنیا کے مال و متاع کو پسند
 کرتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔
 تو فرمایا جو شخص اس جلدی والے گھر کو پسند کرتا ہے مجھ لکھ فیہا
 مَا نَشَآءُ تو ہم اس کے لیے اس میں جلدی کرتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں۔
 مطلب یہ ہے کہ جب کوئی دنیا طلب کرتا ہے تو ہم اپنی منشاء کے مطابق
 مطلوبہ چیزیں سے دے دیتے ہیں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ہم ہر طلب گار کو عطا
 نہیں کر دیتے بلکہ لِمَنْ نَّوَدُّ اَعْطَا کرتے ہیں جسے ہم چاہتے ہیں
 مطلب یہ کہ دنیا کے طالبین میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اور چاہتا
 چاہتا ہے اتنا عطا کر دیتا ہے۔ ہر شخص کی ہر فرمائش پوری کرنا اللہ تعالیٰ
 کے لیے ضروری نہیں۔ اسی سلسلہ میں عربی شاعر کہتا ہے :-

مَا أَحْسَنَ الدِّیْنُ وَالْدُّنْيَا إِذَا جُمِعَا
 وَأَقْبَحَ الْكُفْرُ وَالْإِفْلَاسُ بِالرَّجُلِ

یہ کتنی اچھی بات ہے کہ کسی شخص کو دین اور دنیا دونوں کی سعادت
 حاصل ہو جائے۔ اور کتنی بُری بات ہے کہ انسان کفر اور تنگدستی میں مبتلا ہو جائے
 ظاہر ہے کہ دین تو جی بھی حاصل ہو گا جب وہ پورے حقوق ادا کرے گا، اور
 اگر اس کے ساتھ دنیا میں بھی کشادگی حاصل ہو جائے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے
 مگر دنیا میں رزق کی تقسیم کسی کی طلب پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ مصلحت
 خداوندی کے تابع ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ہے ”وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ
 لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ“

تقسیم بہ منشاء
 خداوندی

اگر اللہ تعالیٰ روزی کے دروازے سب کے لیے یکساں کٹاؤہ کر دیتا تو سب کے سب بغاوت پر اتر آتے، بلکہ اللہ تعالیٰ رزق کا نزول ایک خاص انداز سے اور مصلحت کے مطابق کرتا ہے۔ بعض اوقات خواہش کے مطابق یا اس سے زیادہ بھی مل سکتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو دینا ہے اور کتنے دینا ہے۔

فرمایا جو شخص صرف دنیا کا طالب ہے، اُسے یہاں تو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ پھر ہم اُس کے لیے جہنم تیار کرتے ہیں يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا جس میں داخل ہوگا اس حالت میں کہ مذمت کیا ہوا اور دھکیلا ہوا ہوگا اسے نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

آخرت طلبی

دنیا کے طالبین کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ اور جو کوئی آخرت کا ارادہ رکھتا ہے یعنی آخرت میں بہتری چاہتا ہے۔ اور وہ محض خواہش کا اظہار کر کے ہی نہیں بیٹھ جاتا بلکہ وسعی لَهَا سَعِيَهَا آخرت حصول کے لیے حتی الامکان کوشش بھی کرتا ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وہ ہے بھی ایماندار۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے رسولوں اور کتابوں کو تسلیم کرتا ہے اور معاد پر اس کی نظر ہے ثُمَّ إِلَیْهِ لَوُكُلُ شَيْءٍ مُّعْجِنٌ فرمایا فَاُولَئِكَ كَانَ سَعِيَهُمْ مَّشْكُورًا کہ ان کی سعی ضرور ٹھکانے لگے گی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

امام ابو جعفر حباصؒ محدث ابن عجلان راوی سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ ایک موقع پر انہوں نے ذکر کیا کہ جس میں یہ تین باتیں نہ ہوں وہ جنت کا مستحق نہیں ہوگا۔ پہلی چیز نیت صحیحہ ہے دوسری چیز ایمان صادق ہے اور تیسری چیز عمل مصیب یعنی درست عمل ہے۔ اور درست عمل وہی ہوگا جو سنت کے مطابق ہوگا۔

اگر کوئی اچھا عمل بھی بدعت کے طریقے پر انجام دیا گیا تو وہ معین نہیں ہوگا۔ بلکہ
اٹا رہا جانے کا۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا میں یہ بات بھی داخل
ہے کہ آخرت کے حصول کے لیے ایسی کوشش کرے جو اس کی شایان
شان ہے تو پہلی شرط نیت صحیحہ ہے کیونکہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ
تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر نیت درست ہے تو عمل کا فائدہ
ہوگا ورنہ نہیں۔ وہاں پر صرف سچا ایمان قبول ہوگا، جہاں کفر، شرک، نفاق، شک
کی آمیزش ہوگی، وہ ایمان صادق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ
كَهَمُّ الْأَمْنِ وَهُمْ مُّقْتَدُونَ (الانعام) خدا کے عذاب سے
امن اُن لوگوں کو حاصل ہوگا اور ہدایت یافتہ وہ تصور کیے جائیں گے جو ایمان
لائے اور پھر اس ایمان میں کفر و شرک کی ملاوٹ نہ ہونے دی۔ اسی طرح
درست عمل وہ ہے۔ جو سنت کے مطابق ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے
مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ یعنی جس
نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں ہے، تو وہ ناقابل
قبول ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا الدُّنْيَا دَارُ مَقَرٍّ لَا دَارَ لَهُ يَهْدِيهِ دُنْيَا تُوَسِّعُ لَهَا
وَتَضَيِّقُ لَهَا وَتُزِيلُ لَهَا وَتُجْعَلُ لَهَا وَتُجْعَلُ لَهَا وَتُجْعَلُ لَهَا
اور دنیا کی خاطر صرف وہ آدمی مال جمع کرتا ہے جو عقل سے خالی ہے
آج کے دور کی تمام ترقی یافتہ اقوام کا مقصد صرف دنیا ہے ذَلِكُمْ
مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اُن کا مبلغ علم صرف دنیا تک محدود ہے۔
انہیں بزرخ یا آخرت کا کچھ خیال نہیں۔ نہ خدا کی رضا مطلوب ہے، نہ شریعہ الہیہ
لہ۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۰۰ و مسلم ص ۲۰۰ (فیاض)

کے اتباع کی خواہش۔ ان کی ساری تنگ و دور دنیوی زندگی کے لیے ہوتی ہے۔ بہر حال فرمایا جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے کماحقہ کوشش کرتا ہے اور بے بھی ایماندار، تو اس کی کوشش کی قدر دانی کی جائے گی۔

فرمایا كَلَّا نَحْمَدُہُمْ سَبَّ كُوْمِیْۤہِیْۤہُۥ لَآۤءِ وَھُوْۤا لَآۤءِہِۥۤ اِن
 کو بھی اور ان کو بھی عطا نے خداوندی سب کے لیے ہے۔ اس سے نہ ایماندار محروم ہیں اور نہ کافر۔ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کی ضروریات بھی پوری کرتا ہے اور برے لوگوں کی بھی۔ اور دینا اتنا ہے جتنا مناسب سمجھتا ہے اور جو اسکی مصالحت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ تِیْرَے
 پروردگار کی بخشش ہے فَمَا كَانَ عَطَاۤءِ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔
 اور تیرے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے، بلکہ وہ ہر وقت جاری جاری
 ہے۔ وہ دینا رہتا ہے مگر ساتھ یہ بھی سمجھا دیا کہ محض دنیا کے طالبین کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے اور جو کوئی آخرت کے لیے سعی کرے گا تو اس کی کوشش ضرور ٹھکانے لگے گی۔

عطا الہی

ارشاد ہوتا ہے اَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ
 دیکھو! ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے۔ دنیا کی نعمتوں کے معانے میں تو ایک دوسرے پر قوی حاصل ہے، مال و دولت، زمین، مکان، کارخانے وغیرہ ہر ایک کے پاس یکساں نہیں۔ البتہ بعض چیزیں سب کو برابر مل رہی ہیں۔ سورج، چاند، ہوا، پانی، گرمی۔ سردی نباتات ہر نیک و بد کو یکساں میسر ہیں۔ مگر ابدی نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہوں گی۔ اور یہ نعمتیں نیت صالحہ، ایمان صادق اور سچی سمجھ کے ساتھ مشروط ہیں۔

ایک دوسرے پر فضیلت

دنیا کے معاملہ میں حالات بالکل متفاوت ہیں۔ اللہ نے بعض کو بعض پر برتری عطا فرمائی ہے۔ مال و دولت، جاہ و حشمت کے اعتبار سے ایک کو حاکم اور دوسرے کو محکوم بنایا ہے۔ کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے۔ کوئی غنی ہے

اور کوئی محتاج ہے۔ کوئی صحت مند ہے اور کوئی بیمار ہے کوئی باورسائل ہے اور کوئی بے وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ بہر حال دنیا کا یہ اور سچ بیچ تو عارضی ہے وَلَٰكِنَّ خِرَٰقَةً اَكْبَرُ دَرَجَاتٍ اور آخرت کے درجے تو بہت بڑے ہیں۔ دنیا میں تو زیادہ تفاوت نہیں ہے، البتہ آخرت میں درجات و مراتب کے لحاظ سے بہت فرق ہوگا حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ درجات اعلیٰ یعنی بلند درجوں والے علیین والوں کو اس طرح دکھیں گے جیسے زمین پر کھڑا ہو کر افاق سے گزرتے ہوئے بلند ترین سیارے کو دیکھا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی بڑے اونچے درجوں میں تھل گئے۔ اسی طرح پستی والوں کے حال میں بھی بڑا تفاوت ہوگا۔ لیکن جو لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے، اللہ ان سب کو ایسا مطمئن کر دے گا کہ ہر شخص ہی سمجھے گا کہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں۔

فرمایا درجات کے اعتبار سے بہت بڑی ہے وَ اَكْبَرُ تَفْضِيلًا اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ اصل ایمان، اعمال صالحہ، اور اخلاق کے نتیجے تو وہی چل کر ظاہر ہوں گے کہ کس شخص میں کس درجہ کا ایمان، نیکی اور صلاحیت تھی۔ دنیا کا تفاوت تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں آخرت کا تفاوت بہت بڑا ہوگا۔ بہر حال آخرت بڑے درجوں اور فضیلت والی ہے۔

شکر ہے
بچاؤ

آخرت کے اعلیٰ درجات کی بات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا انحصار توجہ خاص پر ہے اَلِهٰذَا لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہرائے۔ وہ ہوتا ہے جو نافع اور ضار ہو۔ تمام مافوق الاسباب پر تصرف رکھتا ہو، علیم کل، قادر مطلق، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہو۔ چونکہ یہ صفات خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتیں اس لیے اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہے اگر تم کسی دوسرے کو بھی معبود ٹھہراؤ گے فَتَقَعُ مَذْمُومًا تَحْذَرُ لَا تَوْفِیْہِ جَزَاءٌ لِّکُمْ اَنْ تَعْبُدُوْہُ لَیْسَ بِہٖ

اور رسوا کیے ہوئے۔ خدا کا شریک ٹھہرانے سے مجرم بن جاؤ گے۔ اگر اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھو گے۔ اُسے مافوق الاسباب پکارو گے، اُس کے نام کی نذرِ نیاز دوو گے، اُس کی بھی ایسی ہی تعظیم کرو گے جیسی اللہ کی تعظیم ہے، تو پھر تمہارا حشر بھی سابقہ کافر و مشرک قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہ آیت اگلے مضمون کی تمہید ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی عبادت کا حکم دے کر توحید کو واضح فرمایا ہے۔

سبحن الذی ۱۵

درس ہشتم ۸

بنتی اسرائیل ۱۷

آیت ۲۳ تا ۲۵

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
 إِنَّمَا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا
 تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا
 كَرِيمًا ۝۲۳ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ
 وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝۲۴
 رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُوا
 صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝۲۵

ترجمہ :- اور فیصلہ کیا ہے تیرے پروردگار نے اس بات
 کا کہ نہ عبادت کرو تم سوائے اُس کے کسی کی ، اور ماں باپ
 کے ساتھ احسان کرو ۔ اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو
 ان میں سے ایک یا دونوں ، پس نہ کہو ان کے لیے اُف
 اور نہ ڈانٹو اُن کو ۔ اور کہو اُن کے سامنے بات ادب ۝۲۳
 اور جھکا دو اُن کے سامنے بازو عاجزی کا نیاز مندی سے ،
 اور کہو اے پروردگار ! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے
 میری تربیت کی ہے بچپن میں ۝۲۴ تمہارا پروردگار خوب
 جانتا ہے اُن باتوں کو جو تمہارے نفسوں میں ہیں ۔ اگر ہو
 گے تم نیکی والے تو بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) ہے رجوع کرنے
 والوں کے لیے بہت بخشنے والا ۝۲۵

دیگر سورتوں کی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں بھی بنیادی طور پر چار بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں یعنی قرآن پاک کی صداقت و حقانیت، توحید باری تعالیٰ، رسالت اور وقوع قیامت۔ ان مضمونوں کے علاوہ سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت میں معراج کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ چونکہ یہ سورۃ واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی، اس لیے اس میں آگے چل کر ہجرت کے متعلق بھی ذکر آتا ہے۔ توحید باری تعالیٰ کا تذکرہ گزشتہ آیت میں ہی آپ کا ہے "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ" کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ۔ اب یہاں سے شروع کر کے پورے دور کو غور میں سورۃ کا مرکزی مضمون بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ پندرہ اصول بیان فرمائے ہیں جو اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہیں۔ ان اصولوں پر کاربند ہو کر اسلام کا اجتماعی نظام ٹھیک طور پر قائم ہو سکتا ہے۔ اسلامی نظام خلافت کے لیے یہ اصول منشور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اصولوں کی پابندی کے بغیر صحیح اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا اور نہ لوگوں کو ظلم و تعدی اور برائیوں سے روکا جاسکتا ہے۔

قرآن کی بعض سورتوں میں اسلام کے معاشرتی نظام کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے مثلاً سورۃ نور میں نظام عفت و عصمت سمجھایا گیا ہے اور سورۃ حجرات میں مسلمانوں کی معاشرتی تنظیم کے سونے سونے اصول بیان کیے گئے ہیں وہاں پر اللہ تعالیٰ نے بارہ اصول بیان کیے ہیں جن پر عمل درآمد سے آپس کے حالات درست رہ سکتے ہیں۔ پھر سات حوامیم سورتیں ہیں جن میں اللہ نے مسلمانوں کا اعتقادی نظام سمجھایا ہے۔ ان سورتوں کو باب القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ تو اس سورۃ میں اللہ نے وہ پندرہ اصول بیان فرمائے ہیں جو اسلامی ریاست کا منشور ہیں اور جن پر ہمارے نظام خلافت کی بنیاد ہے۔ ان میں پہلا اصول توحید فی العبادت ہے۔ یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف عنوانات کے تحت بیان فرمایا ہے۔ یہاں پر ارشاد ہوتا ہے

(۱) توحید فی العبادت

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاهُ اور تیرے پروردگار نے فیصلہ کیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اگر توحید کو عبادت میں تسلیم کر لیا جائے تو پھر باقی باتوں میں بھی اُسے مان لیا جائے گا۔ جو شخص عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرے گا، وہ شرک کی جملہ اقسام سے محفوظ رہے گا۔ جن کا تذکرہ اللہ نے سورۃ النعام میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شرک ہرگز پسند نہیں اس لیے اللہ نے پہلا اصول یہی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔ سورۃ بینہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“ اور اُن کو تو صرف یہی حُم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت کو صرف اُسی کے لیے خاص کرنے والے ہوں۔ اُسی کی غلامی اختیار کریں۔ یہ اہل اصول ہے جو تمام اقوام و ملل میں یکساں رہا ہے۔ صابی قوموں کے لیے بھی یہی قانون تھا اور اب حنیفی اقوام بھی اسی قانون کی پابند ہیں۔ جب یہ اصول تمام اقوام عالم کے لیے ہے تو پھر یہود و نصاریٰ اس سے کیوں بدکتے ہیں انہیں بھی توحید فی العبادت، کو بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیئے۔ قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ مستحق عبادت صرف اللہ کی ذات ہے کیونکہ الوہیت کی صفات اُس کے سوا کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتیں۔ اسی لیے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں اقرار کرتے ہیں کہ اے پروردگار ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ جب خالق، مالک، پروردگار، علیم کل، مختار مطلق نافع، ضار اور مافوق الاسباب متصرف اللہ کے سوا کوئی نہیں تو پھر عبادت کے لائق بھی صرف وہی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خالقیت الوہیت اور تصرف کی صفات کا ذکر کرنے کے بعد الوہیت کا مسئلہ سمجھایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ایسا کہ نابغوت، سرکشی،

ظلم اور کفر ہے۔

عبادت انتہائی صبح کی تعظیم کو کہا جاتا ہے جو اس اعتقاد پر مبنی ہو کہ جس ذات کی تعظیم کر رہا ہوں وہ نفع و نقصان کی مالک ہے اور اُس کے پاس تصرف ہے۔ یہ تعظیم رکوع و سجود کی شکل میں ہوتی ہے یا نذر و نیاز کی صورت میں یا محض مافوق الاسباب پکارت کی صورت میں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے: "فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" (الجن) اللہ کے سوا کسی کو (مافوق الاسباب) نہ پکارو۔ فَأَعْبُوا اللَّهَ صرف اللہ ہی کو پکارا۔ سورۃ النمل میں ہے: "أَمَّنْ يَجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ" کون ہے جو مضطر کی دعا کو سنتا ہے؟ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْعُوا اللَّهَ مَعَ شَيْءٍ" اللہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اللہ ہے۔ غرضیکہ اللہ نے اسلامی ریاست کے منشور کی پہلی شق یہی بیان فرمائی کہ عبادت صرف اللہ کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت مختصہ میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ یہودی نصاریٰ حلت و حرمت کے معاملے میں شرک میں مبتلا ہوئے۔ انہوں نے اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا حالانکہ یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے مگر انہوں نے یہ منصب انسانوں کو سونپ دیا الغرض! اللہ نے پہلی بات یہ بیان فرمائی ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

توحید فی العبادت کے بعد اللہ نے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے۔
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اس میں فعل منحرف ہے اور دراصل پورا جملہ یوں ہے: وَأَحْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا یعنی احسان کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ انسان کو اولین قرب والدین سے ہوتا ہے، ان کی گود میں پرورش پاتا ہے وہی اس کی تربیت کرتے ہیں، لہذا انسانی معاشرے میں حقوق کا سلسلہ والدین سے

(۲۱)
والدین سے
حسن سلوک

شرع ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے
یہ قانون بنی اسرائیل سمیت تمام شرائع میں مشترک رہا ہے کہ اللہ کے سوا
کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ سورۃ بقرہ میں بھی یہی
افاظ آتے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت
نہ کرو "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا" اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ احسان
کا مطلب یہ ہے کہ قولی، فعلی کسی طریقے سے بھی ایذا نہ پہنچائی جائے
کہ یہ حرام ہے۔ اگر والدین محتاج ہیں تو ان کی مالی معاونت کی جائے۔ اگر
محتاج نہیں تو ان کا ادب و احترام اور دیگر خدمت انجام دی جائے۔ کسی
جائز کام میں ان کی مخالفت نہ کی جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے بعض حدود و
قیود بھی بیان فرمائے ہیں کہ اگر والدین کفر، شرک یا بدعت پر لگنا چاہیں، یا
شرعیت کے خلاف کسی کام کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانیں "وَسَاجِدُكُمْ
فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" (تقمان) الیحد دنیا میں رہ کر ان کے ساتھ اچھا
سلوک کیا جائے۔

والدین سے نیک سلوک کرنے کے سلسلے میں ان کا مسلمان ہونا بھی
ضروری نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی
والدہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ آئیں۔ اس وقت حضرت صدیقؓ
اسے طلاق دے چکے تھے اور وہ شرک پر ہی قائم تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ
نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میری ماں آئی ہے اور وہ مشرک ہے
تو کیا اس حالت میں میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ نے
فرمایا صَلِّیْ اُنْسَکِ اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ اس کی خدمت
تواضع کرو، کپڑے دو، کرائے کے پیسے دو وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ ہے
کہ ایک مسلمان کے لیے مشرک والدین کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا
حکم ہے۔

فَرِيًّا امَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا اَلَا
 بِنَجِّ بَابُں تمہارے سامنے وہ بڑھاپے کو ایک یا دونوں فلا تَقْلُ
 لَّهُمَا اَفِيَّا تَوَان کو اوت تک بھی نہ کہو۔ ہماری زبان میں اسے لفظ ہوں
 پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ادنیٰ مرتبے کا لفظ ہے اور اس سے بے ادبی
 کا پہلو نکلتا ہے، لہذا اتنا بھی نہ کہو وَلَا تَنْهَرُہُمَا اور اُن دونوں یعنی
 والدین کو ڈانٹو بھی نہ۔ اُن سے گستاخی کی کوئی بات نہ کرو بلکہ وَقُلْ لِّہُمَا
 قَوْلًا کَرِیْمًا اُن کے ساتھ نہایت ہی ادب سے بات کرو۔ اگر والدین
 غصے میں بھی ہوں، ناراض ہوں، جب بھی ادب کا دامن چھوڑے نہ چھوڑو۔
 ہمارے ملک میں بعض بد بخت ایسے بھی ہیں جو والدین کو گالیاں دینے کے علاوہ
 مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتے بعض والدین کو قتل بھی کر دیتے ہیں۔ ایک
 شخص نے اپنی سوتیلی ماں کو گلوشاہ کے میلے میں آٹھ سو روپے میں بیچ ڈالا۔ بڑے
 بڑے خاندانوں کی عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ بیٹا لندن سے پڑھ کر آیا ہے
 تو بیوی کی بات ہی چلتی ہے، ہمیں پوچھتا ہی نہیں حتیٰ کہ کھانے پینے تک
 کے لیے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے والدین کو گھر سے نکال دیا
 بعض نے صرف زمین کی خاطر باپ کو قتل کر دیا۔ باپ نے دوسری بیوی کی، تو
 بیٹا ناراض ہو گیا کہ اب جائداد میں اور بھی حصے دار بن جائیں گے۔ حالانکہ شریعت
 نے تو نکاح ثانی کی ترغیب دی ہے جب کہ آدمی خیر چاہتا ہو۔ مگر اولاد کی
 ناہنجاری ہے جو والدین کے ساتھ بڑا سلوک کرتے ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی والدہ آخر تک سکھ مت پر رہیں۔ آپ، دیوبند سے
 فارغ ہو کر آئے تو ماں کو اپنے پاس بلالیا۔ اُن کی پوری پوری خدمت کرتے۔
 ناراض بھی ہو جاتی تو خدمت گزاری میں فرق نہ آتا۔ اگر ماں آپ کو جوتے بھی مارتی
 تو آپ اُٹ نہ کرتے۔ یہ اسلامی تعلیمات کی برکات ہیں۔ جب ماں دین پور
 میں فوت ہوئی تو مولانا اُس وقت کابل میں تھے۔ ایک دفعہ ماں نے کہا کہ میں

نے دان میں لگائے دیئے ہیں تو آپ نے اُسے گائے بھی خرید کر دی تاکہ وہ اپنا
 رکم پوری کر لے۔ غییر مسلم ہونے کے باوجود آپ نے ماں کی اتنی خدمت کی۔ یہ
 سعادت مند لوگوں کی نشانی ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ماں باپ پورے
 ہو جائیں تو اُن کا زیادہ خیال رکھو۔ بعض اوقات طبیعت میں چڑچڑاہٹ آجائے
 اس کو برداشت کرتے ہوئے اُن سے نیک سلوک کرو۔

والدین کے
 لیے دُعا

والدین کے متعلق مزید فرمایا وَاحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ
 الرَّحْمَةِ اور اُن کے سامنے عاجزی کا بازو جھکا دو نیاز مندی سے گویا ماں باپ
 کے ادب و احترام کو ہر طریقے سے ملحوظ رکھو۔ اور صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ
 اُن کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دُعا بھی کرو وَقُلْ تَكْبَرُ اَرْحَمُهُمَا
 كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا اے پروردگار! میرے ماں باپ پر اس طرح
 رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی اور مجھ پر مہربانی کرتے
 رہے۔ اولاد کے لیے والدین کی شفقت میں ماں کا حق فائق ہے ترمذی فرماتے
 کی روایت میں آتا ہے کہ کسی نے دریافت کیا حضور! میں والدین میں سے
 کس کے ساتھ نیک سلوک کروں، تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ اُس شخص
 نے دوبارہ اور سہ بارہ دریافت کیا تو حضور علیہ السلام نے یہی جواب دیا کہ ماں کے
 ساتھ پھر چوٹھی دفعہ فرمایا، باپ کے ساتھ۔ باپ کے مقابلے میں ماں زیادہ
 عاجز اور زیادہ شفیق ہوتی ہے۔ وہ بچے کی پرورش میں زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے
 اس لیے حسن سلوک میں اُس کو اولیت دی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے
 قرابتداروں کی باری آتی ہے کہ ان سے بھی حسن سلوک کیا جائے۔

رجوع الی اللہ

وَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نَفْسِكُمْ اور تمہارا رب
 خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے تمہاری نیکی اور صلاحیت
 تمہارا اخلاص اور نفاق، تمہاری فرمانبرداری اور نافرمانی، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے
 واقف ہے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ يَعْنِيْ اَکْرَمُ

صلاحیت اور نیچی کے حامل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں شامل حال ہوں گی
 فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا کیونکہ اللہ تعالیٰ رجوع رکھنے والوں کے
 لیے بہت بخشنے والا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنا ایسا کی سعادت میں سے
 ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا اِنَّهُ اَوَّابٌ (ص) حضرت
 ایوب علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا نَعَمْ الْعَبْدُ اِنَّهُ اَوَّابٌ (ص)
 وہ بہت اچھے بندے اور اللہ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْلٌ مُّوَاَدٍّ
 تُسْنِيْبٌ (ہود) بیشک آپ بہ دیر نرم دل اور رجوع الی اللہ والے تھے۔
 حضور علیہ السلام نے بعض لوگوں کو چاشت کے وقت نماز پڑھتے
 دیکھا تو فرمایا تِلْكَ صَلَوةُ الْاَوَّابِيْنَ حَيْثُ تَوْمُضُ الْفِصَالُ
 یہ رجوع الی اللہ رکھنے والوں کی نماز ہے اور یہ اس وقت ادا کی جاتی ہے جب
 اونٹوں کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگتے ہیں یعنی اس نماز
 کا وقت نو دس بجے دن ہے۔ اس نماز کی کم از کم دو اور زیادہ آٹھ یا بارہ
 رکعت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضور علیہ السلام اکثر چار رکعت ادا فرماتے تھے۔
 فتح مکہ والے دن آپ نے آٹھ رکعت ادا فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس
 کا قول ہے کہ جو لوگ مغرب کے بعد نماز پڑھتے ہیں۔ فرشتے اُن کو گھیر لیتے ہیں۔
 یہ بھی اوابین کی نماز ہے مگر حدیث میں یہ خطاب چاشت کی نماز کو دیا گیا ہے۔
 بہر حال اللہ نے یہ دوسرا اصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک
 کرو۔ اجتماعی منشور کا پہلا اصول توحید فی العبادت تھا، اب دوسرا اصول والدین
 سے حسن سلوک بھڑا۔

صلوۃ
الوابین

سجلن الذی ۱۵

بخی اسراءیل ۱۷

درس نہم ۹

آیت ۲۶ ۲ ۲۷

وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا ۖ (۲۶) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ
الشَّيْطَانِ ط وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلرَّبِّ كَفُورًا ۖ (۲۷)

ترجمہ :- اور دے دو قربت والے کو اس کا حق ، اور مسکین اور
مسافر کو ۔ اور مت اڑاؤ مال کو بیجا (۲۶) بیشک بیجا اڑانے والے لوگ
شیطانوں کے بھائی ہیں ، اور شیطان اپنے رب کا بہت ناشکر گزرا
ہے (۲۷)

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اپنی اجتماعی زندگی جن اصولوں پر گزارنے کی تلقین فرمائی
ہے ، ان میں سے پہلے دو اصول گذشتہ درس میں بیان ہو چکے ہیں یعنی عبادت صرف
اللہ کی اور والدین سے حسن سلوک ۔ اب آج کے درس میں تیسرا اور چوتھا اصول آرہا ہے
تیسرا اصول اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قرابتداروں ، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو ،
اور چوتھا یہ کہ فضول خرچی سے اجتناب کرو ۔

(۳۱)
قرابتداروں
کا حق

ارشاد ہوتا ہے وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ اور قربت والے کو اس کا حق دے دو ، والدین کے حق کے
بعد اللہ تعالیٰ نے قرابتداروں کے حق کو فائق رکھا ہے ۔ قرابتداروں میں قریبی عزیز
بھی ہیں جیسے بھائی ، بہن ، چچا ، ماموں ، خالہ ، بھانجا وغیرہ اور دور کے قرابتدار بھی جھوٹے
بچوں کی پرورش کے قانون میں اللہ نے فرمایا ہے ”وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ“
(البقرہ - ۲۳۳) یتیم بچے کی پرورش کی ذمہ داری اللہ نے متوفی کے وارث پر ڈالی ہے
کہ وہ قریبی عزیز ہے ۔ بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے یہاں پر قرابت دار سے مراد
حضور علیہ السلام کے قرابتدار ہیں ۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام
کے قرابتداروں کے لیے اللہ نے خمس میں حصہ مقرر کر دیا تھا ۔ ”فَكَانَ“

لِللّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلنَّاسِ سَوَدٌ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ الْحَقُّ ۖ الْآيَةُ لِلَّذِينَ لَا يَدْرُونَ الْاَنْفَالَ - (۴۱)
 آپ کے قریبہ اردوں کی اعانت ضروری تھی کیونکہ وہ آپ کے معاون ہوتے
 تھے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے اقرباء کا تعاون تو ختم ہو گیا
 تاہم بطور مسکین اور محتاج اُن کا حصہ بدستور موجود ہے البتہ اس مقام پر قریبہ اردوں
 سے مراد عام مسلمانوں کے قریبی عزیز ہیں اور آیت زیر درس کا حکم بھی ہر مومن کے
 لیے ہے کہ وہ قریبہ اردوں کا حق ادا کرے۔

اخلاقی یا
 وجوبی حق

عام آئمہ کرام اور مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ یہاں پر جس حق کی ادائیگی کا
 حکم دیا گیا ہے، یہ اخلاقی حق ہے اور اس کی حیثیت نفل کی ہے۔ کیونکہ قرعنی حق
 زکوٰۃ کی صورت میں ادا ہو جاتا ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قریبہ اردوں کا
 یہ حق وجوبی حق ہے۔ اگر کسی صاحب استطاعت مومن کے اقربا روزمرہ کے
 نان و نفقہ سے بھی محتاج ہیں تو اس شخص پر اپنے اقربا کا نفقہ اٹھانا واجب
 ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ خود محقق نہ ہو جائیں۔ اسی طرح اگر نابالغ بچے زیر
 کفالت ہیں تو ان کے سن بلوغت تک پہنچنے تک اُن کی معاونت ضروری
 ہے۔ یا اگر لڑکی ہے تو اس کی شادی ہونے تک اس کے اخراجات
 برداشت کیے جائیں۔ اگر کوئی عزیز نابینا ہے، لنگڑا ہے، خود کمانے کے قابل
 نہیں ہے، اس کی کوئی جائداد بھی نہیں ہے تو اس کی کفالت بھی صاحب
 حیثیت عزیز کے ذمہ واجب ہوگی۔ اس نفقہ میں روٹی، کپڑا، رہائش اور دیگر
 ضروریات زندگی شامل ہیں۔

زکوٰۃ کے
 علاوہ حقوق

قرآن پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے مستحقین کے لیے
 زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق رکھے ہیں۔ مثلاً سورۃ المعارج میں ہے وَالَّذِينَ
 فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّمَّا لَوْ لَهُمْ لَلَسَّائِلِ وَالْمَحْضُرُوْمِ
 دولت مند مسلمانوں کے مال میں اللہ نے اُن محتاجوں اور محروموں کا حق بھی رکھا ہے
 جو وسائل معیشت سے محروم ہیں۔ اللہ کا یہ بھی فرمان ہے ”وَآتَى الْمَالَ

عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ
 السَّبِيلِ ۚ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ (البقرہ - ۱۷۷) ایماندار
 لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو خوشی سے اقربا، یتامی، مساکین، مہاجرین
 سالکین اور قیدیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ خرچ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ
 کی ادائیگی کا حکم اس سے متصل علیحدہ دے دیا گیا ہے۔ "وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
 وَآتَى الزَّكَاةَ" کہ ایماندار لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں
 بہر حال یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے اِنَّ فِي الْمَالِ حِكْمًا
 مِسْوَى الزَّكَاةِ کہ اللہ نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی محتاجوں کے حقوق رکھے ہیں
 بہر حال یہ نقلی یا اخلاقی حقوق ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ
 اونٹوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ جو ایسا نہیں کرے گا قیامت میں اسے دن ہی اونٹ اس
 کو روندیں گے اور اس کو کاٹیں گے۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا
 وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وَرْدِهَا یعنی اونٹوں میں ایک حق
 یہ بھی ہے کہ جس دن تم انہیں پانی پلانے کے لیے گھاٹ پر لے جاؤ تو وہاں
 پر موجود غریب مساکین کو اونٹنیوں کا دودھ دودھ کہ پلاؤ۔ عرب میں عام طور پر اونٹنیوں
 دن جانوروں کو پانی پلانے کے لیے لے جایا جاتا تھا اور اس موقع پر غریب لوگ
 بھی جمع ہوتے تھے، فرمایا اِنَّ کا حق بھی ادا کرو جو کہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔
 اس طرح اگر کسی کے پاس سواری کے لیے گھوڑا، گدھا یا بچر ہے تو حضور نے
 فرمایا کہ ان کی پشت میں بھی اللہ نے مستحقین کا حق رکھا ہے اور وہ یہ ہے
 کہ بوقت ضرورت کسی محتاج کو سواری کے لیے دے دیا جائے سواری کے
 جانوروں کا دوسرا حق ان کی گردن پر ہے اور اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ جو
 نصاب کے مطابق ادا کی جائیگی۔ سواری کے جانوروں پر قیاس کرتے ہوئے
 سواری کی دوسری اشیاء سائیکل، موٹر سائیکل، گاڑی وغیرہ بھی اس میں آتی
 ہیں۔ ان میں بھی اللہ نے یہ رکھا ہے کہ کسی ضرورت مند کو سواری کے لیے دی جائے

مسکین اور
مسافروں کا حق

اللہ نے پہلا حق قرابتداروں کا بیان فرمایا۔ دوسرے نمبر پر فرمایا وَالْمَسْكِينِ
مسکینوں کو بھی اُن کا حق ادا کرو۔ مسکین اور فقیر میں تھوڑا سا فرق ہے۔ مسکین وہ
شخص ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو مگر اُس سے اُس کی جائز ضروریات
بھی پوری نہ ہوتی ہوں۔ مثلاً کوئی شخص کثیر العیال ہے۔ محنت مزدوری کرتا ہے
مگر اس سے بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں، مکان کا کرایہ ادا کرنا مشکل
ہوتا ہے یا بچوں کو دودھ میسر نہیں، بچے تعلیم کے قابل ہیں مگر اس کے لیے
کم از کم اخراجات کا تحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے آدمی کی لعنت بھی ضروری ہے۔
فرمایا قَابِلُ السَّبِيلِ اور مسافروں کو بھی اُس کا حق ادا کرو جو آدمی
سفر کے دوران کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے، وہ اگرچہ مسکین نہیں مگر حالات
کی مجبوری کی وجہ سے اس کی معاونت بھی ضروری ہے۔ یہ اتنا ضروری ہے
کہ اللہ نے مسافر کے لیے زکوٰۃ میں بھی حصہ رکھا ہے کہ بوقت ضرورت
اس کی مدد زکوٰۃ کے مال سے بھی کی جاسکتی ہے۔ اگر یہ تمام حقوق ادا کیے
جائیں تو معاشرے میں خرابی پیدا نہ ہو۔ عدم ادائیگی حقوق ہی فتنوں کی بنیاد
 بنتی ہے۔ اس کی وجہ سے حسد، بغاوت اور اشتراکیت جنم لیتی ہے جب
صاحب مال اپنے مال کے حقوق ادا نہیں کرتے تو مستحقین کو سخت تکلیف
اٹھانا پڑتی ہے جس کی وجہ سے ان میں بڑے اخلاق جنم لیتے ہیں۔ ان میں حسد
کی آگ اس حد تک بھڑک اٹھتی ہے کہ اگر ہمارے پاس کچھ نہیں تو اُن کے
پاس بھی کچھ نہیں رہنا چاہیے۔ جس کا نتیجہ اشتراکیت کے حق میں نکلتا ہے
ایک ٹیشن شروع ہو جاتے ہیں اور دنیا میں انقلاب انقلاب کی نعرہ بازی شروع ہو
جاتی ہے۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظام اسلامی نظام معیشت سے
متصادم ہیں مگر وقتی طور پر لوگوں کا رجحان کسی ایک طرف ہو جاتا ہے اور پھر
جب اس کی قباحتیں نظر آتی ہیں تو دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں اصل
بات حقوق کی ادائیگی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ اگر ہر حقدار کو اس کا حق

ملتا ہے تو امیر و غریب کی خلیج کبھی وسیع نہ ہو۔ بلکہ ہر شخص مطمئن ہو اور اپنے اپنے دائرہ کار میں محنت کر کے روزی کھائے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی دو طرح سے مفید ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کے دل سے بخل کا مادہ دور ہوتا ہے اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ محتاجوں کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔

(۴) اسراف و تبذیر

قرابتداروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق کی ادائیگی تیسرا اصول تھا اب چوتھا اصول یہ بیان فرمایا وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا اور مال کو بیجا مٹا ڈالو۔ فَضُولَ خَرْجٍ زَكَاةٍ کیونکہ الْمُبْذَرِينَ كَانُوا أَخْوَاطَ السَّيْطَانِ فضول خرچی نہ کرو، شیطانوں کے بھائی ہیں۔ قرآن پاک میں فضول خرچی کے لیے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ایک اسراف اور دوسرا تبذیر۔ بعض مفسرین دونوں الفاظ کو بالکل ہم معنی قرار دیتے ہیں جبکہ بعض ان میں معمولی سا فرق بتاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ کسی جائے ضرورت پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے جیسے فرمایا كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (الاعراف - ۳۱) کھاؤ پیو، مگر اسراف نہ کرو۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف اور مکہ وہ تحریمی ہے حدیث شریف میں لباس کے متعلق بھی آتا ہے الْبَسُوا مَا شِئْتُمْ مَا لَمْ يَكُنْ تَحِيكَةً وَلَا سَرَفًا جس قسم کا لباس چاہو پہنو، مگر اس میں نہ تو تکبر کا اظہار ہو اور نہ اسراف ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ مرد ریشمی لباس پہننے لگے یا ایسی وضع قطع کا لباس ہو جو تقوے اور پردے کے اعتبار سے نامعقول ہو۔

دوسری چیز تبذیر ہے یعنی بالکل بے محل خرچ کرنا جس کا کوئی جواز نہ ہو۔ جوا، شراب، بدکاری، لہو لعب، فوٹو گرافی، قبروں پر گنبد بنانا، ان کو پختہ کرنا، ان پر چراغاں کرنا، بعض مواقع پر آتش بازی کرنا سب تبذیر میں

شامل ہیں اسی طرح مذہبی تقریبات کے نام پر قبروں پر عرس منانا، چادریں چڑھانا،
 نذر و نیاز دینا، میلاد کی جھنڈیاں لگانا، گیسٹ بنانا، قیمتی روشن کرنا بالکل بے محل
 اخراجات ہیں اور تہذیب میں داخل ہیں۔ عام شہری زندگی میں امیروں، وزیروں کی
 آمد پر استقبالی محرابیں بنانا، بڑے بڑے سٹیج تیار کرنا، بینڈ باجے کا انتظام کرنا،
 پر تکلف دعوتیں دینا قطعاً جائز نہیں اور یہی تہذیب ہے۔ مذہبی اور غیر مذہبی رسومات
 باطلہ کے رد میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے ”اصلاح الرسوم“ کے
 نام سے کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ ہمارے ملک میں
 کن کن تباہ کن رسومات کو پورا کیا جاتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو اسلامی تعلیمات
 قرآن و سنت، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے طریقے کے بالکل خلاف
 ہیں، فقہائے کرام انہیں مکروہ تحریمی میں شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت
 مولانا شیخ الحدیث کی کتاب ”راہِ سنت“ بھی ہمارے دور کی بہترین کتاب ہے
 جس میں شادی اور غمی کی رسومات باطلہ کی تردید کی گئی ہے ان میں سے بعض
 اخراجات اسراف کی مدین آتے ہیں اور بعض تہذیب میں مکروہ ہیں سائے کے سائے
 ناجائز اور حرام۔

آمد و خرچ
 پر پابندی

شریعت نے آمد و خرچ دونوں چیزوں پر پابندی عاید کی ہے۔ حلال اور
 جائز طریقے سے کھاؤ اور حلال اور جائز طریقے پر خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
 ”كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا“ (البقرہ - ۱۶۸) زمین
 میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ، نہ حرام کی کمائی کرو اور نہ اسے استعمال کرو
 اللہ نے یہ بھی فرمایا ”وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ“
 (البقرہ - ۱۸۸) باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ۔ حلال
 راستے سے کھاؤ اور صرف کرتے وقت اس کے فرضی، واجبی اور نفلی حقوق
 ادا کرو۔ اقربا، پڑوسیوں، غریب، مساکین اور یتیموں کا حق ادا کرو۔ کسی ناجائز کام میں
 مال خرچ نہ کرو۔ کسی باطل رسم و رواج میں مال خرچ نہ کرنا حرام ہے۔ اگر مستحقین کے

حقوق ادا کرنے کی بجائے رسومات باطلہ پر بے دریغ روپیہ صرف کرو گے
 تو پچھے طبقے عسرت میں چلے جائیں گے اور یہ تمہارے لیے وبال جان ہوگا۔
 ولیمہ ایک سنت ہے۔ مگر یہ بھی حسب استطاعت ہونا چاہیے، نہ تو اپنی
 حیثیت سے زیادہ خرچ کرے اور نہ ہی نام و نمود کی خاطر بڑھ چڑھ کر اسراف
 سلف صالحین یہ سنت سادہ طریقے سے انجام دیتے رہے مگر اب تو امارت
 کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر نام پیدا کرنا چاہتا ہے
 اور اس طرح کم حیثیت لوگوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب بنتا
 ہے۔ آج کے دور میں سب سے بڑی لعنت کھڑے ہو کر کھانا ہے جو کہ اب
 وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس کی بجائے جائز امور میں خرچ کر دے غریبوں
 محتاجوں کی اعانت کرو۔ ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دو، تبلیغ دین
 میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو، کرنے کے کام تو یہ ہیں، نہ کہ برادری کی خاطر اپنی قیمت
 کو تباہ کر لو۔

شیطانوں
 کے بھائی

فرمایا ہے جمال مست اڑاؤ کیونکہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ امام
 ابو بکر حباص فرماتے ہیں کہ فضول خرچ دو طرح سے شیاطین کے بھائی ہیں۔ اول
 یہ ہے کہ وہ شیطان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی
 مرضیات کے برخلاف شیاطین کی مرضیات پر خرچ کرتے ہیں۔ لہذا شیطان
 کے بھائی ہیں اور بھائی بندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جزائے عمل کا وقت
 آئے گا تو فضول خرچ لوگوں کو رسیوں سے باندھ کر شیطانوں کے ساتھ ہی جہنم
 میں بھینک دیا جائے گا۔ اور اس بات میں تو کوئی شک نہیں وَمَكَانَ
الشَّيْطَانِ لَرَبِّهِ كَقُورٍ کہ شیطان اپنے پروردگار کا ناشکر
 ہے۔ اللہ نے اس کو طاقت عطا کی مگر اس نے اس طاقت کو اللہ کی مرضی
 کے مطابق استعمال کرنے کی بجائے اُسے غلط طریقے سے استعمال کیا
 اور اس طرح خدا تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کی۔ اور ناشکر گزار بن گیا۔ بیجا مال

اڑانے والوں نے بھی اللہ کی اس نعمت کی قدر نہ کی اور مال کو فضول کاموں
 میں اڑا دیا، لہذا یہ بھی شیطان کے بھائی ہیں جس کا راستہ انہوں نے اختیار
 کیا۔ بہر حال خدا تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا یا
 بے محل خرچ کرنا اسراف و تبذیر ہے اور یہ شیطان کے نقش قدم پر چل کر
 اس کا بھائی بننا ہے۔

سجۃ الذی ۱۵

درس دہم ۱۰

بنی اسرائیل ۱۷

آیت ۲۸ ۲ ۳۰

وَأَمَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ أَبْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ
تَرْجُوها فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ②۸ وَلَا تَجْعَلْ
يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ②۹ إِنَّ رَبَّكَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ
بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ③۰

۱۷ بنی

ترجمہ :- اور اگر آپ کبھی اعراض کریں اُن سے اپنے رب کی
رحمت کو تلاش کرتے ہوئے جس کی آپ اُمید رکھتے ہیں ،
تو اُن کے لیے نرمی سے بات کہہ دیں ②۸ اور نہ کریں اپنے
ہاتھ کو جکڑا ہوا اپنی گردن کے ساتھ ، اور نہ کشادہ کریں اُسے
پورے طریقے سے کشادہ کرنا۔ پس آپ بیٹھ جائیں گے ملامت
کیے ہوئے اور تھکے مارے ہوئے ②۹ بیشک تیرا پروردگار
کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے اور تنگ
کرتا ہے (جس کے لیے مناسب سمجھے) بیشک وہ اپنے
بندوں کے ساتھ خبر رکھنے والا ، اور (اُن کے تمام حالات کو)
نگاہ میں رکھنے والا ہے ③۰

رہنمائی

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ پندہ اصول بیان فرمائے ہیں جن پر اسلامی

معاشرہ احسن طریقے سے چل سکتا ہے۔ یہ گویا اسلامی ریاست یا خلافت کا منشور ہے۔

اللہ نے پہلا اصول یہ بیان فرمایا کہ اس کی وحدانیت کو مانو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کے ساتھ نرمی، عاجزی اور تواضع سے پیش آؤ۔ اور بڑھاپے کی حالت میں ان کے ساتھ خاص طور پر احسان کرو۔ اگرچہ ان کے مزاج میں درشتی بھی آجائے تو انہیں اُف تک نہ کہو۔ پھر فرمایا کہ ماں باپ کے لیے نہایت عاجزی سے دُعا بھی کریں کہ اے اللہ! اُن پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔

اللہ نے تیسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ قریبداروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو، ان میں فرضی، واجب اور نقلی تمام حقوق شامل ہیں۔ پھر چوتھا اصول یہ بیان فرمایا کہ فضول خرچی نہ کرو، معامی کے امور میں ہرگز غریج نہ کرو، رسومات باطلہ اور بدعات کے راستے میں فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا سخت ناشکر گزار ہے۔ خدا نے اُسے طاقت اور موقع دیا مگر اُس نے اللہ کو ناراض کیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون و مردود ٹھہرا۔

اسلامی معاشرے کے تیسرے اصول میں اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے مالی حقوق ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اب اس حکم کا دوسرا پہلو بھی بیان کیا ہے کہ اگر کسی وقت آپ اتنے صاحب استطاعت نہ ہوں کہ قریبداروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کر سکیں، تو پھر ان مستحقین سے کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے وَامَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ اور اگر آپ کسی وقت اُن حقداروں سے اعراض کریں۔ آپ کے پاس ادا کرنے کے لیے مال موجود نہیں ہے۔ فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا لو آپ اُن کے لیے نرمی سے بات کریں اور معذرت کر لیں کہ وہ مالی اعانت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جب ہوں گے تو پھر اُن کی خدمت بجالائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ سائلین سے سختی سے پیش نہ آئیں۔ مولانا شاہ شرف علی تھانویؒ نے اس طریقہ تکلم کو رَدِّ جَبَل

(۵)
رَدِّ جَبَل

سے تعبیر کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اجتماعی نظام میں پانچویں اصول کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ درمیان میں اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ ان مستحقین سے اعراض کریں۔ اس حالت میں اِبْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوْهَا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش میں ہیں یعنی مال کے حصول کی کوشش میں ہیں اور اس کی اُمید بھی رکھتے ہیں تو اُن لوگوں سے نہایت نرمی سے گفتگو کریں کہ اگر اللہ نے مال دیا تو ضرور اُن کا حق ادا کریں گے۔

محتاجوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی قطعاً اجازت نہیں دی گئی۔ سورۃ بقرہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے صدقہ و خیرات کا قانون بیان فرمایا وہاں ارشاد ہوتا ہے "قَوْلٍ مَّعْرُوفٍ وَمَغْفِرَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّبْتَغُهَا اَذًى" (البقرہ - ۲۶۳) اچھی اور مغفرت کی بات کہہ کر خوش اسلوبی سے مال دینا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد سائل کو قوی یا فعلی طور پر اپنا سنبھالنی چاہئے، اور یہی ردِ جہل ہے۔

حضرت علیہ السلام
اسوہ حسنہ کا

ایک موقع پر حضور علیہ السلام کے پاس ایک محتاج آیا، اُس نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے لہذا تم میرے حوالے سے فلاں شخص سے جا کر لے لو، میں بعد میں اس کو ادا کر دوں گا حضرت عمرؓ پاس بیٹھے تھے، عرض کیا، حضور! جو چیز آپ کے پاس موجود نہیں ہے اُس کی ادائیگی کے لیے تو آپ مکلف نہیں ہیں، پھر اتنا تکلف کیوں کرتے ہیں۔ اس بات پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ وہیں ایک انصاری نوجوان بھی بیٹھا تھا، اُس نے عرض کیا اِنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اَقْلًا لَا حُضُور! آپ خرچ کریں اور رب العرش سے کسی کمی کا خطرہ محسوس نہ کریں، وہ اپنی رحمت سے بھیجتا ہے گا اور آپ خرچ کرتے رہیں گے۔ یہ بات سن کر حضور علیہ السلام کی ناراضگی دور ہو گئی اور آپ خوش ہو گئے۔

حضور علیہ السلام کے خلقِ عظیم کا تقاضا تھا کہ آپ کبھی کسی سائل کو رد نہیں کرتے تھے۔ یا تو خود دے دیتے تھے اور یا کسی دوسرے کے حوالے کر دیتے تھے۔ بعض اوقات آپ یہ بھی فرماتے کہ بھائی! فلاں وقت آنا۔ غرضیکہ آپ کسی سائل کو نفی میں جواب نہیں دیتے تھے عام لوگوں کے لیے بھی یہی قانون ہے کہ اگر کسی وقت پاس کچھ نہیں ہے تو رجیل سے کام لیتے ہوئے اچھے طریقے سے جواب دیں۔

(۶)
خرچ میں
بیانہ روی

اب تھیٹا اصول یہ بیان کیا جا رہا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ خراج کرنے کے معاملہ میں اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ نہ جکڑ لیں یعنی بخل نہ کریں۔ جو شخص مال کی موجودگی میں خرچ نہیں کرتا اُس کا ہاتھ گویا اُس کی گردن کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ بخل پر سے درجے کی بد اخلاقی اور تباہ کن معاشرتی بیماری ہے۔ قرآن میں اس کو فتنہ بھی کہا گیا ہے غرضیکہ پہلی بات یہ ہے کہ بخل سے کام نہ لیں اور دوسری بات یہ کہ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ اور اپنے ہاتھ کو پوری طرح پھیلا کر بھی نہ رکھیں کہ جو کچھ پاس ہے سب دے دیا اور پھر نادار ہو کر بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں، بلکہ میانہ روی پسند ہے کہ خرچ بھی کرے اور اپنی ضروریات کے لیے پاس بھی رکھو۔ یہ عام لوگوں کے لیے قانون ہے۔

حضور کے لیے
استثناء

امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے۔ آپ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ اُن کے ہاتھ خالی نہ رہتے کہ آپ کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ آتا سب خرچ کر دیتے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہو تو میں ایک یا تین دینار و لویب الاوا قرعے کے سوا اُس میں سے ایک درہم بھی نہ روکوں بلکہ رات سے پہلے سارا تقسیم کر دوں۔ تمام مال مستحقین کو ادا کر دوں۔ آپ کی اتباع میں بعض خواص

ہو، آپ کی سنت پر عمل کرتے تھے اور آپ قبول فرمایتے تھے حتیٰ ابوبکر صدیقؓ اپنا سارا اثاثہ بھی پیش کر کے مطمئن رہتے تھے اور حضورؐ اسے قبول کرتے تھے البتہ عام لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انڈے کے برابر سونے کی ڈلی پیش کی کہ یہ صدقہ ہے اور کہا کہ مجھ میں اس کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں۔ آپ نے وہی ڈلی زور سے اس شخص کی طرف واپس پھینکی کہ اگر اس کو لگ جاتی تو زخمی ہو جاتا۔ فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنا سارا اثاثہ لے کر آ جاتا ہے اور پھر یہ نشان ہو کر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے گھٹا ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ پہلے اپنا ضروریات پوری کرو اور پھر صدقہ کرو۔

ایک دفعہ ایک پھٹے پرانے کپڑوں والا خستہ حال آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے لوگوں کو تہ غیب دلائی تو اس کے لیے کپڑے جمع ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے اس کی حالت کے پیش نظر اس شخص کو دو کپڑے عطا فرمائے۔ آپ نے لوگوں کو پھر صدقہ کی تہ غیب دلائی اس پر وہی شخص اٹھا اور دو میں سے ایک کپڑا صدقہ میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ السلام اس پر بھی ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس شخص کی خاطر میں نے لوگوں کو صدقہ کی تہ غیب دلائی، لوگوں نے اس کے لیے کپڑے دیے اور اس نے ان میں سے ایک پھر واپس کر دیا ہے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اس کی اعانت کے لیے تو یہ ساری کاروائی ہوئی اور اس نے پھر احتیاج کی طرف قدم بڑھایا۔

بہر حال عام لوگوں کے لیے یہی قانون ہے کہ نہ تو بخل سے کام لیں اور نہ سب کچھ خرچ کر کے خود محتاج ہو جائیں۔ اس کی بجائے درمیانہ راستہ اختیار کریں جسے اقتصاد کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **الْقِسَادُ**

فَصَفَّ الْمَعِيشَةَ یعنی میانہ روی آدمی معیشت ہوتی ہے آپ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے مَا عَالَ مَكْنٍ اَقْتَصَدَ جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ ساری خرابی افراط و تفریط کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس سے اجتناب کر کے میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔

منفق اور
مسک

حدیث شریف میں آتا ہے کہ منفق (خرچ کرنے والے) اور مسک (بخیل) کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمیوں کے گلے سے لے کر ہنسی کی ہڈی تک دو بجے ہوں۔ خرچ کرنے والے آدمی کا جبہ پھیلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں بھی اُس میں ڈھک جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف بخیل آدمی کا جبہ کوشش کے باوجود پھیلتا نہیں بلکہ اس کی کٹیاں مزید مضبوط ہو کر جبہ سکڑ جاتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ (حضرت زبیرؓ کی بیوی) نے عرض کیا: حضور! ہمارے پاس مال جمع تو ہوتا نہیں، خاوند جو کچھ کھا کر لاتا ہے اس سے بمشکل گزر رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دروازے پر محتج بھی آجاتے ہیں، تو کیا میں اُس معمولی مال میں سے کچھ خرچ کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، تم عرف کے مطابق بغیر اجازت خاوند خرچ کر سکتی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ غِلُّ مَفْسِدَةٍ اپنے خاوند کے مال کو بگاڑنے والی نہ ہو۔ معقول طریقے سے محتاجوں کی خدمت کرو۔ کسی کو کھانا کھلا دیا، کسی کو پیسی کو ہریہ بھیج دیا وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا اگر تم ہاتھ روک لو گی تو اللہ تعالیٰ بھی ہاتھ روک لے گا، اور اگر سمیٹ سمیٹ کر رکھو گی تو اللہ تنگی ڈال دے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ رات گزار کر صبح جب بندے صحت و سلامتی کے ساتھ بیدار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک فرشتہ دعا کرتا ہے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ مُنْفِقٌ خَلْفًا لِّے اللہ! خرچ کرنے والے کو اُس کے خرچ کا بدلہ عطا کر یعنی اس کی جگہ مزید عطا فرما اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ مُمْسِكٌ تَلْفَا لِّے اللہ! بخیل کے مال کو تلف کر دے امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس شخص کو خرچ کرنی کی توفیق عطا فرما۔

قرابت داروں، محتاجوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرنا بڑا
 نیکی کا کام ہے تو حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَا يُخْرِجُ رَجُلًا
 شَيْئًا مِّنَ الصَّدَقَةِ حَتَّى يَفُكَّ لِحْيَتَيْ سَبْعِينَ شَيْطَانًا
 (مسند رک حاکم و منہاج احمد) کوئی شخص صدقہ نہیں نکالتا۔ جب تک کہ ستر شیطانوں کے
 جبرے نہ ٹوٹ جائیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ کوئی شخص فی سبیل اللہ خرچ نہ کرے
 پھر جب خرچ کرنے والا خرچ کرتا ہے تو گویا وہ شیطانوں کے جبرے توڑ کر
 ایسا کرتا ہے۔

بہر حال قانون یہ بیان فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ جکڑ کر نہ
 رکھو، یعنی بخل نہ کرو، اور نہ ہی ہاتھ کو اتنا کشا رہ کر دو کہ سب کچھ خرچ کر دینے کے
 بعد خود محتاج ہو کر بیٹھ جاؤ۔ فرمایا فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا پھر بیٹھ
 جاؤ گے ملامت کیے ہوئے اور تھکے ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے
 ہیں کہ مَلُومًا کا تعلق پہلے حصے یعنی بخل کے ساتھ ہے کہ اگر بخل کر لو گے
 تو تم پر ملامت آئے گی کہ کتنا بخل آدمی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک
 بھی ہے۔ آيْ ذَا اَذْوَعٍ مِّنَ الْبَخْلِ بخل سے بڑھ کر کون سی
 روحانی بیماری ہو سکتی ہے۔ زہیر بن ابی سلمیٰ شاعر بھی کہتا ہے۔

وَمَنْ يَكُ ذَا فَضْلٍ فَيَبْخُلْ بِفَضْلِهِ
 عَلَى قَوْمِهِ يُسْتَغْنَى عَنْهُ وَيُذَمَّرُ

جو آدمی صاحب مال ہونے کے باوجود اپنی قوم کے مستحقین پر خرچ نہیں کرتا،
 اس سے استغناء برتا جائیگا اور وہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مَحْسُورًا کا تعلق وَلَا تَبْسُطْهَا
 سے ہے یعنی اگر ہاتھ کو زیادہ کشا رہ کر دو گے اور سب کچھ بے بیٹو گے تو پھر
 تمہاری حالت تھکے ہوئے آدمی جیسی ہو جائے گی جو بے بس ہو کر رہ جاتا ہے
 ائمہ اخراج بھی کہہ رہے ہیں جابرہ ضروریات کا بھی خیال رکھو۔ شاہ عبدالقادر دیکھتے
 لے مسند احمد ص ۳۸ و کنز العمال ص ۲۵۷ (فیاض)

ہیں کہ کسی محتاج کو دیکھ کر بے تاب نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اس کی حاجت روائی شرعاً
 نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ مگر یہ باتیں اللہ نے اپنے پیغمبر کو
 فرمائی ہیں۔ جو بے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ البتہ جس شخص سے مال نہ نکل سکے
 اس کو دینے کا پابند کیا ہے۔ بخیل آدمی کی مذمت کی گئی ہے اور اس کو خرچ
 کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کوئی طبیب مریض کی حالت کے مطابق
 گرم طبیعت والے کو سرد اور سرد طبیعت والے کو گرم دوائی دیتا ہے، اسی
 طرح اللہ تعالیٰ بخیل کو خرچ کرنے اور کشادہ ہاتھ کو سنبھل کر چلنے کی نصیحت کرتا ہے
فَرَمَا إِنْ رَيْتَكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ
 بیشک تیرا پروردگار کشادہ کرتا ہے روزی جس کی چاہے اور تنگ کرتا ہے
 جس کی چاہے۔ اس کی مصلحت کو وہ خود ہی جانتا ہے کوئی دوسرا اس سے واقف
 نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ اللہ نے فرمایا
 کہ میرے بعض بندے ہیں کہ ان کے ساتھ مال داری ہی زیادہ مناسب ہوتی ہے
 اگر میں ان کو مال نہ عطا کروں تو ان کا دین ہی بگڑ جائے۔ فرمایا بعض آدمیوں کے
 ساتھ ناداری ہی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ اگر میں ان کو مال دے دوں تو ان کا
 دین ہی بگڑ جائے لہذا میں اپنی حکمت کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہوں اور کسی
 کو کم۔ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا بیشک وہ اپنے بندوں
 کی خوب خبر رکھنے والا اور ہر ایک کی کیفیت، نیت، عمل اور ارادے پر نگاہ
 رکھنے والا ہے۔ وہ ہر ایک کے حال کو بہتر سمجھتا ہے۔ تنگی اور کشادگی اُسی کے
 ہاتھ میں ہے اور اس کی حکمت کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تمہارا فرض ہے
 کہ اُس کے قوانین کی پابندی کرو کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اللہ نے مال دیا ہے
 تو بخیل نہ کرو اور نہ اتنا خرچ کرو کہ خود نادار ہو جاؤ۔ میانہ روی ہی تمہارے لیے دنیا و
 آخرت میں بہتر ہے۔

مصلحت
 خداوندی

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ خَنْ نَزَرُفُهُمْ
وَأَيَّاكُمْ إِنْ قَتَلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ③۱ وَلَا
تَقْرَبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ③۲
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ
قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطَانًا فَلَا
يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ③۳

ترجمہ :- اور نہ قتل کرو اپنی اولادوں کو فقر کے خوف سے
ہم انھیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی . بیشک اُن کا قتل کرنا
بڑی خطا ہے ③۱ اور نہ قریب جاؤ زنا کے . بیشک یہ
بے حیائی کی بات ہے اور بُرا راستہ ہے ③۲ اور نہ قتل
کرو کسی نفس کو ، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے ، مگر حق
کے ساتھ . اور جو شخص قتل کیا گیا مظلوم ، پس بیشک ہم نے
بنایا ہے اُس کے سرپرست کے لیے غلبہ . پس وہ نہ اسراف
کریں قتل میں . بیشک وہ ہے مدد کیا گیا ③۳

اس سے پیشتر اسلامی نظام معاشرت کے چھ اصول بیان ہو چکے ہیں . یعنی ربط آیات
خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر استقامت ، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ، قرابتداروں ، مسکینوں
اور مسافروں کے حق کی ادائیگی ، فضول خرچی سے اجتناب اور اگر کسی وقت مالی حالت
کمزور ہو تو مستحقین کو نرمی سے جواب نہی . بخل سے اجتناب اور اخراجات میں میاری

کو اپنا سب کچھ بیک وقت خرچ کرنے کو بھی غیر مستحسن فرمایا کہ ایسا کرنے سے بعد میں پریشانی لاحق ہوتی ہے۔

(۷)
قتل اولاد
کی ممانعت

اب آگے کچھ مہنات آ رہی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ساتویں اصول کے طور پر مفلسی کے خوف سے قتل اولاد سے منع فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اولاد کا قتل دو وجوہ کی بنا پر بیان کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ النحل میں لڑکیوں کے قتل کا ذکر ہو چکا ہے "وَإِذَا بُسِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ" عرب کے بعض قبائل میں یہ رواج تھا کہ جب انہیں بچی کی پیدائش کی خبر سنائی جاتی تو نام نہاد غیبت کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے اور وہ سوچنے لگتے کہ اس کو کس موقع پر اور کس طریقے سے قتل کر دیا جائے تاکہ شادی کے قابل ہو کر ہمارے لیے باعث ننگ نہ بنے۔ چنانچہ بعض تو پیدا ہوتے ہی دائی کے ذریعے اُسے زندہ دفن کر دیتے یا کچھ بڑی ہونے پر خود گڑھا کھود کر اُس میں دھکائی دیتے یا کسی اور بچی جگہ سے گرا کر ہلاک کر دیتے اللہ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن "وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ" (التکویر) زندہ درگور ہونے والی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا، اُس وقت اس بیچ فعل کے مرتکبین کا حشر قابل دید ہو گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی ارشاد مبارک ہے الْمَوَائِدَةُ وَالْمَوْءُودَةُ فِي النَّارِ یعنی بچی کو جن کو قتل کر دلتے والی ماں اور قتل کرنے والی دائی دونوں جہنمی ہیں۔

قتل اولاد کی دوسری وجہ جو بیاں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ ذرائع آمدنی محدود ہیں تو ایسے میں اولاد (لڑکا یا لڑکی) کی پرورش کیسے ہوگی، ان کی ضروریات زندگی کون ہم پہنچائے گا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ انہیں پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔ اللہ نے اسی فعل سے منع فرمایا ہے وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا لَكُمْ أَوْ لَكُمْ أَوْ لَكُمْ

کو مفلسی اور تنگدستی کی وجہ سے قتل نہ کرو، روزی کی بہم رسانی تمہاری ذمہ داری نہیں ہے بلکہ لَنْ يَرْزُقَهُمْ ہر نومو لو دینکے کو روزی ہم پہنچاتے ہیں نہ صرف انہیں بلکہ وَآيَاكُمْ تمہاری روزی بھی ہمارے ذمہ ہے تم سمجھتے ہو کہ اپنی روزی خود کھاتے ہو۔ نہیں، بلکہ تمام وسائل رزق تو اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہیں، وہ وسائل مہیا کرتا ہے تو تمہاری روزی کا انتظام ہوتا ہے۔ اگر وہ تمہیں کچھ نہ دینا چاہے تو تمہاری تمام تر محنت اور لگ و دو کے باوجود تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف تمام انسانوں کا روزی رسال ہے۔ بلکہ ہر جانور، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، پھلیوں اور میٹھ کوں تک کا سامانِ نیست وہی ہم پہنچاتا ہے، ارشاد ہوتا ہے وَكَايِنُ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللہ یَرْزُقُهَا وَآيَاكُمْ (العنکوت) کہتے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی پشت پر نہیں لاوے پھرتے، بلکہ اللہ ان کو بھی روزی دیتا ہے اور تمہیں بھی۔ اللہ تعالیٰ کو جب تک کسی جاندار کی زندگی منظور ہوتی ہے، وہ اس کی روزی کا بندوبست کرتا رہتا ہے۔ لہذا تم اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کیا کرو۔

صحیحین کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ اسوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا أَيُّ ذَنْبٍ آَخَظُّكُمْ حضرت سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ بِنْدًا وَهُوَ خَلْقَكَ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کا شرک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ ابن مسعود نے پھر عرض کیا۔ حضور! اس کے بعد بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَافَةً مِّنْ يَّطْعَمُهُ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ اس کی خوراک کا بندوبست کون کرے گا۔ گویا شرک کے بعد دوسرے نمبر پر قتلِ اولاد کا جرم ہے۔ اسوں نے تیسری مرتبہ عرض کیا، حضرت!

اس کے بعد کون سا گناہ ہے تو رحمت عالم نے فرمایا اَنْ تَنْزِلَ
حَلِيلَةً جَارِلَةً کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ بدکاری
تو ایسے بھی بہت بڑی حرکت ہے مگر پڑوسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنا تو بہتر
ہی معصوب ہے کیونکہ اللہ نے ہمایہ کے بڑے حقوق رکھے ہیں۔

فرمایا ہم ان نو مولودوں کو بھی روزی پہنچاتے ہیں اور تمہیں بھی یاد رکھو
اِنَّ قَتْلَكُمْ سَمَ كَانَ خِطَاً كَبِيراً بیشک قتل اولاد تو بہت
بڑا جرم ہے اللہ تعالیٰ نے یہ ساتواں اصول بیان کر دیا کہ تنگدستی کے خود
سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

تشریح

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن پاک نے قتل اولاد کی دو
صور میں بیان فرمائی ہیں۔ ایک بچیوں کا قتل تاکہ ان کا کوئی داماد نہ بن سکے اور
دوسرا تنگدستی کے دُور سے عام قتل۔ اب آج کے زمانے میں نسل کشی کے
کچھ دیگر ذرائع بھی معرضِ وجود میں آچکے ہیں جنہیں استعمال کیا جا رہا ہے۔ ان
میں مانعِ حمل اور بیات یا استقاطِ عمل اور بیات شامل ہیں۔ عورتوں کے رحم کا
آپریشن بھی کر دیا جاتا ہے تاکہ حمل ٹھہرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔
برخلاف مختصر طول کی یہ ساری قسمیں شریعت کے نزدیک جرم ہیں۔ اہم شاہ ولی اللہ
فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت تو یہ ہے کہ نسل انسانی کو نکاح کے ذریعے
زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے جو کوئی اللہ کی اس مصلحت کا مقابلہ کرنے
کی کوشش کرتا ہے اور انسانی آبادی کو محدود کرنا چاہتا ہے وہ ملعون ہے
اُس پر خدا تعالیٰ اور ملاو اعلیٰ کی لعنت برپا ہے گی۔ اس خلافِ فطرت
کاروائی کے حق میں آج بھی یہی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ دنیا کی آبادی سبائل
رزق کی نسبت زیادہ بڑھ رہی ہے اگر یہ اسی طرح بڑھتی رہی تو ان کی خوراک
اور دیگر ضروریاتِ زندگی کیسے دیا ہوں گی۔ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی کا کام
کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ اقوام متحدہ کے تحت پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔

بس کے لیے یہ عالمی ادارہ ایسا بھی مہیا کرتا ہے۔ دراصل اس قسم کی منصوبہ بندی میں شرک کا پہلو بھی نکلتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کی صفت رزاقیت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ ان بیوقوفوں سے کوئی پوچھے، کیا روزی تمہاری منصوبہ بندی سے حاصل ہوتی ہے؛ وسائل رزق تو محمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزّٰقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّينُ (الذاریت) رزاق تو وہ رب العزت سے جو زور آور اور مضبوط ہے۔ دنیا بھر میں خوراک کی کمی کا تعلق آبادی کی کثرت سے نہیں بلکہ وسائل رزق کے غلط استعمال سے ہے وسائل خود غلط استعمال کرتے ہیں مگر دعویٰ یہ ہے کہ ہماری پلاننگ سے لوگوں کو معیشت حاصل ہوتی ہے۔

(۸)
زنا کی
مانعت

اب اللہ نے آٹھواں اصول یہ بیان فرمایا ہے وَلَا تَقْرُبُوا الزِّنٰی زنا کا ارتکاب تو بڑی بات ہے، اس کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی زنا کے جملہ لوازمات سے بھی دور رہو تاکہ اس قبیح فعل کی قربت ہی نہ آئے۔ فرمایا یہ اس لیے اِنَّہٗ كَانَ فَاحِشَةً کہ یہ بڑی بیحیائی کی بات ہے وَ سَكَاۗءٌ سَبِيۡلًا اور بہت بُرا راستہ ہے۔ اس کے ارتکاب سے نسب اخلاق اور دین سب تباہ ہو جاتے ہیں۔ شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ بُرے راستے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی عورت پر غلط نگاہ ڈالے گا تو کوئی دوسرا اس کی عورت کے ساتھ بھی وہی سلوک کرے گا، اور اس طرح یہ ایک غلط رویش چل نکلتی گی، جس کا نتیجہ بہت ہی بُرا برآمد ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قبیلہ نذیل کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کی اجازت طلب کی، ایک شعر نے اسے اس طرح بیان کیا، صَلَّیْتَ هٰذِیْلُ سَالَتْ، رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاحِشَةً یعنی نذیل گمراہ ہو گیا کہ اس نے حضور علیہ السلام سے فحش بات کی اجازت طلب کی۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت سختی کے ساتھ اس شخص کو خاموش کرنا چاہا۔

نبی رحمت علیہ السلام نے اس شخص کو شفقت کے ساتھ اپنے پاس بٹھا کر فرمایا، کیا تم یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، خالہ یا چھوٹی کے ساتھ واقع ہونا پسند کرتے ہو، اس نے عرض کیا، حضور! یہ تو میں ہرگز پسند نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی کسی عزیزہ کے ساتھ یہ قبیح حرکت پسند نہیں کرتے، تو تم اس پر کیوں اصرار کرتے ہو؟ وہ شخص سمجھ گیا اور اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کے لیے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے گناہ کو معاف کر دے اور اس کے اعضائے مستورہ کی حفاظت فرما۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حیا دار بن گیا۔ حضور کی دُعا اور نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنی نگاہ ہمیشہ نیچی رکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قصائے شہوت کے لیے جائز ذرائع یعنی نکاح کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور ساتھ و غیرہ بھی کر دی ہے "فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَكَوْنُكَ هُمْ الْعَادُونَ" (المعارج) جو شخص اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کرے گا تو پھر تعدی کرنے والے بن جاوے گا ہر چیز بگڑ جائے گی۔ اللہ کے نزدیک بھی ذلت ہوگی اور قانون کی نگاہ میں بھی مجرم ہوں گے۔ حضرت بریدہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں زنا کا ریلعنت بھیجتے ہیں۔ خاص طور پر الشیخ الزانی (معمّر زنا کار) کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں کی شرمگاہوں سے ایسی سخت بدبو اُٹھے گی جس سے اہل دوزخ بھی پناہ مانگیں گے۔ حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو شخص زنا کا ارتکاب اور اس پر اصرار کرتا ہے، وہ شخص ایسا ہے کعبہ و ثنیں سے بت پرست ہو۔ گویا زنا کا جرم بت پرستی جلیا بڑا جرم ہے تاوقتیکہ کوئی شخص اس سے تائب نہ ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان اُس کے جسم سے نکل کر اُس کے اوپر سا بان

کی طرح لٹکا رہتا ہے۔ پھر حریب وہ اس فعل سے الگ ہو جاتا ہے۔ تو ایمان والیں آجاتا ہے۔ غرضیکہ آٹھویں اصول میں اللہ تعالیٰ نے زنا کے قریب بھی جانے سے منع فرمایا۔

(۹)
قتل ناحق
کی ممانعت

اب نواں اصول اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ خدا تعالیٰ کی حرام کردہ کسی جان کو قتل نہ کرو سوائے حق کے۔ قتل ناحق بھی اکبر الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں سے ہے دنیا میں اس کے بہت بڑے اثرات پھیلتے ہیں۔ بچے۔ یتیم اور عورتیں بڑھاپہ ہو جاتی ہیں۔ باورسائل لوگ بے وسیلہ ہو جاتے ہیں، اور معاشرے میں قسم قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن و حدیث نے اس کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کسی کلمہ گو آدمی کا قتل جائز نہیں ماسوائے اس کے کہ وہ شادی شدہ زانی ہو، مرتد ہو جائے یا قصاص میں قتل کر دیا جائے شریعت شادی شدہ زانی کی نرسنگاری مقرر کی ہے۔ ارتداد کے متعلق سورۃ مائدہ میں ہے "وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ" اپنے دین سے مت پھر و ورنہ سخت نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے النَّارُ كَيْ لَدَيْنَ الْمَفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ جو دین کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتا ہے۔ وہ جماعت المسلمین سے الگ ہو جاتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے مَنْ أَبْدَلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ جس نے اپنا دین تبدیل کر لیا، اس کو قتل کر دو۔ اور پھر قصاص میں قتل کیے جانے کا قانون تو واضح ہے "أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" (المائدہ - ۴۵) کہ جان کے بدلے جان ہے۔ پھر حال اللہ نے ان تین قسم کے قتل حق کے علاوہ ناحق قتل سے منع فرمادیا ہے۔

قتل حق کی بعض دوسری صورتیں بھی شریعت مطہرہ نے بیان فرمائی ہیں مثلاً سرکش، یاغی اور ڈاکو کے متعلق فرمایا اَلَّذِينَ يَحَارِبُونَ

اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا... الآية
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور زمین میں فساد
برپا کرتے ہیں انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھا جائے اور ان کے ہاتھ پاؤں
الٹے کاٹ دیے جائیں۔ اسی طرح جنگ کے دوران کفار کو قتل کرنا بھی روا ہے
بعض ائمہ مجتہدین نے نزدیک بلا عذر تارکِ نماز کو تعزیری طور پر قتل کیا جائیگا۔
البتہ امام ابو حنیفہؒ ایسے شخص کے لیے قید کی سزا کے قائل ہیں۔ اسی طرح
اعلام باز کو بھی سزائے موت ادی جاسکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے
کہ جادو کے ذریعے لوگوں کو نقصان پہنچانے والا آدمی بھی واجب القتل ہے
ترمذی شریف کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ
السَّيْفِ جادوگر کی تعزیر یہ ہے کہ تلوار کے ساتھ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔
کسی جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کو بھی تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب
تعزیری قتل بھی قتلِ حق کا حصہ ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ کسی جان کو تلف کرنا
قتلِ ناحق ہوگا۔

عنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لَزَوَالِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَ
عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ (ترمذی ص ۲۵۹ کتاب الدیات)
یعنی پوری دنیا کی تباہی ایک طرف اور ایک مومن کا قتل ناحق ایک طرف ہے
گویا ساری دنیا کی تباہی ایک قتل ناحق کے برابر ہے۔ ابن ماجہ، ترمذی، نسائی شریف
کی روایت میں آتا ہے لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَوَاتِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ
اگر تمام آسمانوں اور زمین والے مل کر کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہو
جائیں، لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ أَلِی سَبِّحُ كُوْجِنَمِ مِی اوندھے منہ گرائے گا۔ ایک قتل ناحق کے
بدلے تمام روئے زمین و آسمان اسے بننے والوں کو مٹا دیا جائیگا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ ابلیس مہر صبح اپنے شجرہ کو مختلف اطراف میں روانہ کرے کہ

۱۰ ترمذی منی۲۳ (نیاض)

قتلِ
ناہق پر غید

کہتا ہے کہ جو شخص کار ہائے نمایاں انجام دیکھا، میں اُسے تاج پٹنوں کا اور اس کی عزت افزائی کروں گا۔ سب شیطان چلے جاتے ہیں۔ پھر واپس آکر ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں ایک مسلمان کو گمراہ کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ بڑا شیطان کہتا ہے کہ تم نے بڑا اچھا کام کیا مگر ہو سکتا ہے کہ یہ پھر نکاح کر لے، لہذا یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ پھر دوسرا شیطان آکر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کی برابر دوسو سو اندازی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ شخص اپنے والدین کا نافرمان ہو گیا۔ بڑا شیطان کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص تائب ہو کر پھر والدین کا فرمانبردار بن جائے، لہذا یہ بھی کوئی بڑا کام نہیں ہے۔ ایک اور شیطان یہ رپورٹ پیش کرتا ہے کہ وہ فلاں شخص کے پیچھے متواتر لگا رہا، اس کو گمراہ کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ بڑا شیطان خوش ہو کر کہتا ہے کہ اَنْتَ قَم نے بہت اچھا کام کیا، اور اس کے سر پر تاج رکھ دیتا ہے۔ پھر ایک اور شیطان آکر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو درغلایا، اس کو گمراہ کیا حتیٰ کہ اُس نے ناحق قتل کر دیا۔ سردار شیطان اس پر بھی بڑا خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اَنْتَ قَم بڑے قابل ہو۔ شیطان اُس کو بھی تاج پٹنوں کا دیتا ہے۔ بغرض یہ دو جرم شرک بالحد اور قتل ناحق شیطان کو بہت پسند ہیں کیونکہ ان میں بنیادی خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کا اثر سارے معاشرے پر پڑتا ہے۔

رب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا گھیر ڈکرایا، تو انہوں نے مکان کی چھت سے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے تین قتل جائز قرار دیے تھے یعنی شادی شدہ زانی، مرتد اور ناحق قاتل۔ لوگو! تم جانتے ہو کہ میں ان میں سے کسی جرم میں ملوث نہیں، پھر تم کیوں میرے قتل کے لیے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ نے ان میں سے کوئی جرم نہیں کیا مگر آپ کو چھوڑیں گے نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ پھر تم گواہ ہو جاؤ کہ تم

مجھے ناحق قتل کرنا چاہتے ہو۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس کی حرام کردہ کسی جان کو موت قتل کرو۔

موجودہ دور
میں قتل عام

ہمارے دور میں قتل ناحق ایک معمول بن چکا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں
حتیٰ کہ ایک آنے کے تنازعہ پر بھی قتل ہو جاتا ہے۔ جائیداد کے مسئلہ میں بیٹے
کے ہاتھوں باپ کا قتل بھی واقع ہوا ہے۔ ایوب کے زمانے میں اسمبلی میں
جرائم کی رپورٹ پیش ہوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ تین سال کے عرصہ میں پورے
ملک میں سولہ ہزار قتل ہوئے۔ یہ بھی کہ ایک سال میں ایک ضلع میں ایک ہزار
قتل ہوئے۔ ان حالات میں معاشرہ میں امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے؟
قتل کو روکنے کا صحیح طریقہ قانون قصاص ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان
ہے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوَةٌ يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ"
(البقرہ - ۱۷۹) اے صاحب عقل لوگو! قصاص میں ہی تمہارے لیے زندگی
ہے۔ اگر قاتل پر شرعی تعزیر جاری ہوگی۔ چوری اور زنا کی حد جاری ہوگی تو ان
جرائم کا لامحالہ خاتمہ ہو جائے گا اور لوگوں کو امن و سکون کی زندگی میسر آ سکے گی
ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُوْمًا جَوَادِمًۢا مَّظْلُوْمِیَّتِ کِی
حالت میں قتل کیا گیا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِیْہٖ سُلْطٰنًا پس بیشک ہم نے اُس
کے سرپرست کے لیے غلبہ بنایا ہے۔ فَکَلَّا یُسْرِفُ فِی الْقَتْلِ پس
وہ قتل میں اسراف نہ کریں مطلب یہ کہ اگر ایک آدمی قتل ہوا ہے تو اس کے بدلے
میں دو یا زیادہ آدمی قتل نہ کیے جائیں۔ بلکہ قاتل کو ہی قتل کیا جائے بغیر مستحق کو سزا
دینا کبیرہ گناہ ہے۔ اِنَّہٗ كَانَ مَنصُوْرًا بیشک مظلوم مرد کیا گیا ہے
اللہ تعالیٰ نے مقتول کے ورثہ کو قصاص کا حق دیا ہے۔ اور اگر قصاص ممکن نہ
ہو تو دیت کا حق ہے۔ اگر یہ بھی ادا ہو جائے تو آئندہ کے لیے قتل و غارت
گرمی رک جاتی ہے۔ قتل خطا میں دیت کا بوجھ قاتل کے پورے خاندان، دوست
اجاب اور محلے داروں پر ہوتا ہے۔ لہذا ایک دفعہ کی ادائیگی کے بعد وہ چرکنے

(۱۰)
اسراف
فی القتل

ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لیے قتل کی روک تھام کا انتظام کر لیتے ہیں۔ بہر حال قتل ناحق کو روکنے کے لیے قانون قصاص و دیت ہی کارآمد ہیں۔ مظلوم کی مدد کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت قانون شریعت کے مطابق اس کی ضرورت درم کرے گی، اس کے علاوہ جماعت المسلمین کی ہمدردیاں اور مدد بھی مظلوم کے ساتھ ہوگی، لہذا قتل کے معاملہ میں اسراف نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دسواں اصول ہو گیا۔

سبحن الذی ۱۵

بخی اسرائیل ۱۷

درس دوازدهم ۱۲

آیت ۳۲ تا ۳۵

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ
يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مَسْئُولًا ۚ ۳۲ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۚ ۳۵

ترجمہ :- اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے مگر اس
(طریقہ) کے ساتھ جو بہتر ہے، یہاں تک کہ وہ پہنچ
جائے جوانی کو۔ اور پورا کرو عہد کو۔ بیشک عہد ہے سوا
کیا گیا ۳۲ اور پورا کرو ماپ کو جس وقت تم ماپتے ہو
اور وزن کرو سیدھے ترازو کے ساتھ۔ یہ بہتر ہے اور اچھا
ہے انجام کے اعتبار سے ۳۵

ربط آیت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے معاشرتی نظام کے جو پندرہ قوانین ان دور کو عوں میں
بیان فرمائے ہیں ان میں سے دس قوانین گزشتہ درس میں بیان ہو چکے ہیں۔ گزشتہ درس
میں تین دفعات بیان ہوئی تھیں۔ یعنی قتل ناحق، زنا اور اسراف فی القتل کی ممانعت۔
اب آج کے درس میں مزید تین اصول آئے ہیں یعنی یتیم کے مال کی حفاظت، ایفائے عہد
اور ماپ تول میں دیانت۔ اس کے بعد اگلے درس میں آخری دو اصول بیان ہو کر پندرہ کی گنتی
پوری ہو جائے گی۔

گیا رہا اصول یہ ہے وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر درست طریقہ سے جو بہتر ہے۔ یتیموں کی

(۱۱)
یتیم کے مال
کی حالت

پیشکش نگہداشت اور حسن سلوک کے احکام سورۃ بقرہ۔ سورۃ نساء اور بعض دیگر سورتوں میں بھی بیان فرمائے جا چکے ہیں اور ان کا ایک حصہ یہاں بھی موجود ہے۔ کمزور طبقہ میں سے یتامیٰ کی نگہداشت اور ان کے مال کی حفاظت کے متعلق بڑے سخت احکام نازل فرمائے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں ہے "إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَهُمْ سَيَصْلُونَ سَعِيرًا" جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ وہ گویا اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ ڈال رہے ہیں۔ عنقریب ایسے لوگ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ سورۃ بقرہ میں یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ اس صورت میں ملانے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ یتیم کا سرپرست یہ کام یتیم کی بہتری کو ملحوظ خاطر رکھ کر کرے، مثلاً اپنے ساتھ کھیتی باڑی یا صنعت یا تجارت میں لگا دے کہ جس سے یتیم کا مال ضائع ہونے کی بجائے بڑھتا ہے، اللہ کا فرمان ہے "وَأَنْ تَحْلِلُوا هُمْ فَإِنْ خُوفَكُمْ" (البقرہ - ۲۲۰) اگر تم نیک نیتی سے ان کے مال کو ملاؤ گے تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کی ہمدردی کے ساتھ اصلاح کی کوشش کرو تاکہ ان کا مال نہ ضائع محفوظ رہے بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ آج کے افراط زر کے دور میں اگر کوئی رقم جووں کی توں پڑی ہے تو خرچ نہ کرنے کے باوجود اس میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں آئے دن اضافہ محفوظ رقم کی قوت خرید میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ لہذا اب یہ ضروری ہو گیا کہ نقد رقم کو کسی کاروبار میں لگایا جائے اگر اس کی قوت خرید میں اضافہ نہیں تو کمی بھی تو واقع نہ ہو بغرضیکہ یتیموں کے مال کو ان کی بہتری کے لیے اچھے مصرف میں لگانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح ان کے ارشاد کو سرپرست کے ارشاد میں ملا لینا کہ اس سے یتیم کے خرچہ میں بچت ہوگی، یہ بھی درست ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شخص یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ بد نیتی

سے ملتا ہے تاکہ یتیم کا مال خود مضمحل نہ ہو تو اس کی سختی سے مذمت بیان کی گئی ہے۔ "وَلَا تَأْكُلْ أَمْوَالَهُمْ بِالْهَرَبِ" (النساء-۲) یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ ہلا کر مت کھاؤ۔ "وَاللَّهُ يُعَلِّمُ الْمُنْصِفَ مِنَ الْمُصْلِحِ" (البقرہ-۲۲۰) اللہ تعالیٰ فسادی اور اصلاح کنندہ کو خوب جانتا ہے۔ اُسے خوب علم ہے کہ کون یتیموں کا خیر خواہ اور کون ان کا بد خواہ ہے۔ بعض ناہنجار ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو یتیموں کے مال کو جلدی جلدی خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کے سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔ اسی لیے اللہ نے یہ بھی فرمایا "وَلَا تَأْكُلْ أَمْوَالَهُمْ سِرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا" (النساء-۶) یتیموں کا مال مرست کھاؤ فضول خرچی کر کے اور جلدی کر کے کہ بالغ ہونے پر مال ان کے سپرد کرنا پڑے گا۔ فرمایا اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا "إِنْ كَانَ حَقُّكَ كَيْفًا" (النساء-۲) بڑے گناہ کی بات ہے جس کا بھگتان کرنا پڑے گا۔

قرونِ اولیٰ میں یتیمی کے مسائل زیادہ تر جہاد میں شہید ہو جانے والے لوگوں کی وصیت سے پیدا ہوتے تھے۔ شہداء کے بچوں کے ساتھ حسن سلوک اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار رہے۔ اگر شہداء کے پس ماندگان کا پرسانِ حال کوئی نہیں ہوگا تو جذبہ جہاد مست پڑ جانے کا خطرہ تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یتیموں کی نگہداشت کے قانون پر سختی سے غلہ رآمد کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ترغیب بھی دی ہے۔ "وَمَنْ مَّا خَيْرٌ لِّبَيْتٍ مِّنْ بَيْتٍ الْمُسْلِمِينَ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسِنُ عَلَيْهِ" مسلمانوں کے گھروں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم زیر پرورش ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ آپ علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے گھروں میں بڑا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو مگر اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو۔

یتیم کا سن
بلوغت

فرمایا یتیم کے مال کی اس وقت تک نگرانی کرتے رہو حتیٰ یَبْلُغَ
اَشُدَّهُ سِیَاحًا ملک کہ وہ اپنی قوت کو پہنچ جائے۔ یتیم کے قوت، جوانی یا
سن بلوغت تک پہنچنے کی مدت میں فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے
بعض بچے بچپن میں ہی باشعور ہوتے ہیں اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے
کی صلاحیت جلدی حاصل کر لیتے ہیں، البتہ بعض نا سمجھ بھی ہوتے ہیں اور
ان کے مال کی نگہداشت کے لیے زیادہ عرصہ مطلوب ہوتا ہے۔ اسی لیے
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سرپرست پچیس سال کی عمر تک مال کی نگرانی کرے
اور اس کے بعد مال یتیم کے حوالے کر دے۔ بعض آئمہ اس سے بھی زیادہ عرصہ
کے قائل ہیں تاکہ یتیم کا مال ضائع ہونے سے بچ جائے۔ ہاں اگر بچہ باصلاحیت
ہے، اپنے مال کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہے تو ۱۲-۱۵ سال کی عمر میں
بھی اس کا مال اس کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔ اَشُدَّهُ کے لفظ میں یہی بات
نبھائی گئی ہے۔ اور یہ بھی آتا ہے کہ لَا یُتِمُّ بَعْدَ الْبُلُوغِ
یعنی سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔ چونکہ بعض لوگوں میں
شک ہوتا ہے، دماغی صلاحیت زیادہ نہیں ہوتی اس لیے یتیم کی عمر
میں رعایت برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ابو ذر غفاری
کو نصیحت

فَضْرُوعِلِی الصَّلٰوۃَ وَالسَّلَامُ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ سے فرمایا
اِنَّیْ اَرَاکَ ضَعِیْفًا وَّ اَلْوَحَّ اَحَبُّ لَکَ مَا
اَحَبُّ نَفْسِیْ میں تجھے کمزور آدمی خیال کرتا ہوں، اور میں تمہارے لیے
وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ فرمایا لَا تُؤَلِّیْنِ
عَلٰی اِنْسَانٍ وَّلَا تُؤَلِّیْنِ مَالَ الْیَتِیْمِ کبھی ہو آدمیوں
پر بھی حاکم نہ بنا اور کسی یتیم کی سرپرستی قبول نہ کرنا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ جبانی
لحاظ سے کمزور نہ تھے بلکہ آپ کی کمزوری یہ تھی آپ کی طبیعت میں جوش
غضب اور غم نہ رہتا تھا۔ اور آپ پر جذب والی کیفیت طاری رہتی تھی
۱۔ مسلم ص ۱۲۱ ج ۲ (فیاض)

حضور علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ حاکمیت کے لیے طبعیت میں ٹھہرنا اور سوچ بچار کی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ آپ کی طبعیت میں جوش و غضب تھا، تو ایسی حالت میں صحیح فیصلے کی توقع نہیں کی جاسکتی اس لیے فرمایا کہ تم حاکمیت کو قبول نہ کرنا۔ اسی طرح یتیم کی پرورش اور اس کے مال کی حفاظت کے لیے بھی ٹھنڈے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گرم طبعیت آدمی یتیم کی کوئی جائز ضرورت بھی پوری کرنے سے انکار کر دے یا طبعیت میں لالچ کی وجہ سے اس کا مال ہی ضائع کر دے، اس لیے آپ نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمادیا۔ البتہ جہاں تک حضرت غفارؑ کے زہد و تقویٰ کا تعلق ہے، حضور علیہ السلام نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ فرمایا گرد آلود زمین اور نیلے آسمان کے درمیان ابودرغفارؑ سے سچا کوئی آدمی نہیں، اور یہ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔

بہر حال فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔ مگر اس طریقے کے ساتھ جو بہتر ہے۔ معاشرے کی درستگی کا انحصار اس بات پر ہے کہ کمزور طبقات کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اس معاملہ میں یتیمی نہ فرست ہیں اللہ نے بارہا اصول یہ بیان فرمایا ہے وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا بیشک عہد کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے پورا کیا یا نہیں قرآن پاک میں إِنَّمَا يَنْهَى عَنِ الْعَهْدِ کی گئی ہے مثلاً سورۃ مادہ کی پہلی ہی آیت میں فرمایا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ سورۃ الانعام میں ہے وَالْعَهْدَ الَّذِي أَوْفُوا کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرو اور یہاں منشور اسلامی میں اس کا بارہا ہوا

(۱۱)
عہد

نمبر ہے۔ عہد عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ایک مومن آدمی جب اپنی زبان سے کلمہ شہادت ادا کرتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، تو وہ گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول سے عہد کرتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرے گا اور اُن کی ہدایت کی پیروی کرے گا۔ اللہ نے سورۃ الانعام اور دوسری سورتوں میں بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت اور قیامت سے متعلق عہد پیمان کی باز پرس ہوگی۔

انسان اللہ کے ساتھ بصورتِ نذر بھی عہد کرتا ہے کہ فلاں کام کروں گا۔ اب یہ بھی اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس عہد کو پورا کرے روزمرہ زندگی میں انفرادی اور اجتماعی بے شمار قسم کے عہد پیمان ایک دوسرے کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ خرید و فروخت، لین دین، قرضہ، امانت، نکاح طلاق سب عہد ہیں جن کا ایفا ضروری ہے۔ اسی طرح حکومتی سطح پر بھی ملکی جماعتوں یا غیر ملکی حکومتوں کے ساتھ عہد کیے جاتے ہیں۔ ان سب کا پورا کرنا لازم ہے۔ بشرطیکہ جائز ہوں اور اُن میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ بنایا گیا ہو۔ جو شخص جماعت یا حکومت عہد کی خلاف ورزی کرے گی، وہ عذر سمجھی جائے گی، اور رسول اللہ کا فرمان یہ ہے لَا تَعْدِرُوْا عٰدٰی مِتَّ کر و کر یہ بہت بڑا جرم ہے۔ البتہ سورۃ انفال میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ کوئی عہد دیکھ کر جانے کے بعد اگر قسم سمجھتے ہو کہ اُسے نبھا نہیں سکتے "فَاَنْبِذُوْا اِلَيْھُمْ عَلٰی سَوَآءٍ" ط اگر دوسری قوم کی طرف سے بے عہدی کا خطرہ ہو تو آپ اُن کے عہد کو اُن کی طرف برابر سراب بھینک دیں یعنی اُس معاہدے کے خاتمے کا اعلان کر دیں اور اس کے بعد جو کارروائی مناسب سمجھیں کریں۔ بہر حال عہد کی پابندی ضروری ہے۔ عہد شکنی نفاق کی علامت

ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عملی منافق کی ایک نشانی یہ ہے اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ جب وہ عہد کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔ اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ اور اگر اس سے جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پراتے آتا ہے۔

اسلامی معاشرے کا تیر ہوا اصول اللہ نے یر بیان فرمایا ہے وَأَوْفُوا
 الْكَيْلَ إِذَا كُلْتُمْ أَوْ لَوْ رَاكُمْ واپ کو جب تم کوئی چیز پلتے
 ہو، اس میں کمی بیشی نہ کرو، اور جب کسی چیز کا لین دین بذریعہ وزن ہو۔
 وَزِنُوا بِالْقِسْطِ اس الْمُسْتَقِيمِ تودید سے ترازو کے ساتھ پورا
 پورا وزن کرو۔ اس میں ڈنڈی ماننے کی قطعاً اجازت نہیں۔ ایسا کرنا
 خیانت ہے جبکہ حرام ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ بعض قومیں پاپ
 تول میں کمی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم
 کے ایکہ اور مدین والے لوگ سرفہرست ہیں۔ یہ لوگ بن الاقوامی شاہراہ پر آباد
 تھے۔ تاجر پیشہ تھے، مگر واپ تول میں خیانت کرتے تھے مدینہ کے اطراف
 میں یہودی بھی تاجر پیشہ تھے اور یہ خرابی ان میں بھی پائی جاتی تھی۔ اللہ نے
 سورۃ المطففین میں سخت وعید فرمائی وَبَلِّغُوا لِلْمُطَفِّفِينَ ہلاکت، تباہی
 اور بربادی ہے واپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لیے۔ جب
 اپنا حق لینا ہو تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کا حق ادا کرنا ہو تو اس میں
 ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ یہ بڑی ہی قبیح حرکت ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام بازار میں تشریف لے گئے اور تاجروں سے یوں خطاب فرمایا
مَا مَعَشَرَ التَّجَارِ قَدْ وُلِّيْتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتَ فِيهِ
الْأُمَّمُ السَّابِقَةُ قَبْلَكُمْ اے تاجروں کے گروہ! تمہیں دو

لے الترغیب والترہیب ص ۷۶ طے ترمذی ص ۱۹۶ (فیاض)

(۱۳)
ماپ نول
میں مہیت

چیزوں کا ذمہ لیا گیا ہے جن کی وجہ کئی سابقہ اقوام ہلاک ہوئیں۔ فرمایا وہ
 دو چیزیں الْمِکَالُ وَالْمِيزَانُ ماب اور تول ہیں۔ سابقہ قومیں
 ان دو چیزوں میں کمی بیشی کی وجہ سے عذاب کی مستحق ٹھہریں۔ لہذا تمہیں آگاہ
 کرتا ہوں کہ تم ان کے نقش قدم پر نہ چلنا اور کسی کا حق ضائع نہ کرنا۔ حضرت
 شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے کہ جب آپ لوگوں کو اس قبیلہ
 فعل سے منع کرتے، تو وہ کہتے "اے شعیب" أَصْلُوْثُكَ تَأْمُرُكَ
 اَنْ تَنْتَهِیَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْتَ تَفْعَلُ فِیْ
 اَمْوَالِنَا مَا لَشَوْءٍ اَمْ کِیَا تَمْهَارِیْ نَمَازَ تَمْهَیْ حُکْمِ دِیْنِیْ ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد
 کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے مالوں میں اپنی مرضی کا تصرف کرنا ترک کر دیں
 اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا غضب نازل ہوا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔

ماب تول میں کمی بیشی عام طور پر تاجر لوگوں کا کام ہے یہ دھوکہ دینے
 کے مترادف ہے جو کہ قطعی حرام فعل ہے۔ جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسمیں
 اٹھانے سے بکثرت اٹھ جاتی ہے اور مال کی تباہی قریب آجاتی ہے۔ فرمایا
 جھوٹی قسم مال کو توجہ چلا دیگی مگر بکثرت کو بالکل مٹا دیگی۔ ایسا سہرا یہ غلط کاروبار میں ہو
 گا اور پھر مال حرام ہو دیکھ جائے حرام رفت "والا مقولہ صادق آئے گا۔ ہیر پھیری
 اور دھوکہ کے قریب سے بچنا یا ہوا پیسہ باطل رسوم اور لہو و لعب میں ہی ضائع
 ہو جاتا ہے۔ لہذا لین دین اور تجارت میں دیانت کو برقرار رکھنا چاہیے
 کہ اسی میں انسانی حقوق کا تحفظ اور بکثرت ہے۔

جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی موجودگی میں کوئی مال پاتا یا تولتا تو
 آپ فرماتے زَنْ وَادِحٌ یعنی تولو اور زیادہ ہی دو، کم نہ دو اسی لیے
 اللہ نے فرمایا ہے کہ مائتہ وقت پورا پورا مال پورا اور وزن کرتے وقت
 سیدھے ترازو کے ساتھ کہو ذٰلِکَ خَیْرٌ یَّیْ بَہْتَرُہے وَ اَحْسَنُ و
 تَاْوِیْلًا اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔ اس طرح لوگوں کے حقوق

ادا ہوتے رہیں گے کہ ان حقوق کی ادائیگی کے بعد بَقِیَّتُ اللہِ خَیْرٌ لَّكُمْ
 اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ (ہود) جو کچھ بیچ جائے وہی تمہارے لیے بہتر
 ہے۔ اگر تم مومن ہو۔ ایماندار تاجر کے متعلق حضور کا فرمان ہے التَّاجِرُ
 الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ
 وَالشَّهَدَاءِ سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں
 کے ساتھ ہوگا۔ تاجروں کا فرض ہے کہ وہ کاروبار میں دیانت و امانت کی پابندی
 کریں۔ کسی کو دھوکے سے ناقص مال فروخت کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ
 اگر کوئی نقص اُن کے نوٹس میں آگیا ہے تو گاہک کو واضح طور پر بتلا دیں
 کہ بھائی اس مال میں یہ خامی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ماپ تول میں پورا پورا دنیا
 انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

لے سنن دارمی ص ۱۶۳ و ترمذی ص ۱۹۵ (فیاض)

سبحن الذی ۱۵

سبحن اسراۓیل ۱۷

درس نیرودھم ۱۳

آیت ۳۶ آ ۲۰

وَلَا تَقَفْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝۳۶ وَلَا
تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ
وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝۳۷ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ
سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝۳۸ ذٰلِكَ مِمَّا
أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا
مَدْحُورًا ۝۳۹ أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ
مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا
عَظِيمًا ۝۴۰

۴۰

ترجمہ :- اور نہ پیچھے پڑو اس چیز کے جس کا تمہیں علم نہیں ہے
بیشک کان، آنکھیں اور دل، ان سب سے سوال کیا جائے
گا ۝۳۶ اور نہ چلو زمین میں اتراتے ہوئے۔ بیشک تم نہیں
پھاڑ سکتے زمین کو اور نہیں پہنچ سکتے پہاڑوں کی بلندی تک ۝۳۷
ان ساری باتوں کی بُرائی تیرے رب کے نزدیک بہت
ناپسندیدہ ہے ۝۳۸ یہ باتیں اُس میں ہیں جو وحی کی ہے تیری
طرف تیرے پروردگار نے حکمت سے۔ اور نہ ٹھہرائیں اللہ

کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود - پھر ڈال دیے جاؤ گے تم
 جہنم میں ملامت کیے ہوئے اور دھکے ہوئے (۳۹) کیا
 منتخب کیا ہے تم کو تمہارے پروردگار نے بیٹوں کے ساتھ
 اور بنائی ہیں اُس نے فرشتوں سے بیٹیاں - بیشک تم البتہ
 کہتے ہو ایک بہت بڑی بات (۴۰)

(۱۳) تحقیق کی
 ضرورت

اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام کے سلسلے میں اب تک تیرہ اصول
 بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب چودھواں اصول یہ ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ
 بِهِ عِلْمٌ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ مطلب یہ ہے کہ بلا
 تحقیق کسی چیز کو نہ دل میں جگہ دو، نہ زبان سے نکالو اور نہ اس پر عمل کرو حضور علیہ السلام
 کا فرمان ہے كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ
 کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سانی بات کو بلا تحقیق
 آگے چلا دے۔ مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر تحقیق کیے گواہی دے دے، کسی پر ہمت
 لگا دے، بغیر تحقیق کسی سے نفرت و عداوت رکھے یا ایذا پہنچائے۔ رسومات باطلہ
 کی اندھی تقلید بھی اسی فہرست میں آتی ہے کیونکہ یہ بھی قوم، برادری یا آباؤ اجداد سے منسوب
 بلا تحقیق کی جاتی ہے۔ اُن دیکھی اور اُن سنی باتوں کو اس طرح بیان کرنا گویا کہ وہ چشم دید ہیں۔
 خلاف حق باتوں کی حمایت اور جھوٹا خواب بیان کرنا سب ایسی باتیں ہیں جو بلا تحقیق عمل درآمد
 کی مد میں آتی ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ ہر بات کی اندھا دھند پیروی کرنے کی بجائے اُس کے
 متعلق پورا پورا علم حاصل کر لے اور پھر اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرے محض اُنکل پچ اور غیر یقینی
 باتوں پر حکم دینا یا اس پر عمل کرنا ہرگز روا نہیں۔ یہ تو جھوٹا ہونے کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ
 اللہ کے ہاں ماخوذ ہوگا۔

فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ بِشَيْءٍ كَانِ، آنکھ اور دل کُلُّ اُولَٰئِكَ
 كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا اِنْ سَبَّ سَوَال کیا جائے گا۔ انسان سے پوچھ گچھ ہوگی کہ
 لہ مسلم ص ۱۱ (فیاض)

کان، آنکھ اور
 دل کے متعلق
 سوال

اُس نے اللہ کی ان نعمتوں کو غلط طور پر کیوں استعمال کیا وہ ہم و گمان پر مبنی غلط باتیں کانوں میں کیوں ڈالیں؟ آنکھ جیسی عظیم نعمت سے غلط چیزوں کو کیوں دیکھا اور دل تو بہت بڑھی دولت ہے جو اللہ نے انسان کے سینے میں رکھی ہے۔ اعتقاد، اخلاق، عزم اور قوتِ عملیہ کامرکزِ دل ہی ہے۔ اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور یہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے، اس کے متعلق بھی باز پرس ہوگی کہ اتنی بڑی نعمت کو غلط سمجھ اور غلط کاموں پر کیوں لگایا۔ سورۃ ہمزہ میں عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ جَنَّمَ كِي آگ کا اثر سب سے پہلے دل پر ہوگا کیونکہ مرکزِ اخلاق اور ہر فعل کا منبع دل ہی ہے، اس لیے سب سے پہلے یہ ماخوذ ہوگا۔

کان سننے ہیں، آنکھ دیکھتی ہے جب کہ دل غور و فکر کرتا ہے محبت و نفرت دل میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ عزم و ارادہ اسی سے وابستہ ہے توجہ اور ایمان کا مرکز بھی یہی ہے، کفر، نفاق، بد اخلاقی، حسد اور کینہ بھی یہیں جنم لیتے ہیں اور بغض و عداوت کا منبع بھی دل ہی ہے۔ اگر اعتقاد کے معاملے میں دل کو غلط طور پر استعمال کرے گا تو اللہ کا ارشاد ہے "أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغُوا إِلَهُكُمْ" ایسے لوگ جانوروں کی مانند ہیں یا ان سے بھی بدتر۔ اسی دل کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے والے کانوروں کے متعلق فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال) یہ اندھی اور بہری بدترین مخلوق ہے جو عقل کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتی۔ یہ ساری باتیں اللہ نے چودھویں اصول کے تحت بیان فرمائی ہیں۔

اللہ نے پندرہواں اصول یہ بیان فرمایا وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّ اَرْضَہٗنَّ مِیْنِ اِتراتے ہوئے مت چلو، عجز اور اکبرانہ دکھاؤ۔

کیونکہ اُنکے کُنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ تَمَّ عَزْرٌ وَتَجِبَ كَرِّ كَرِّ زَمَنِ كُوْنِهِں بِیَاڑ
 سکتے۔ اور سخت کی بنا، پر کتنا بھی سہو نچا کر وَاَلَمْ تَبْلُغِ الْجَبَالَ
 طُولًا تَمَّ بِیَاڑوں کی بلند ی اُنکے نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارا قد پانچ چھ فٹ سے
 زیادہ نہیں ہو سکتا، لہذا تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ خدا کی زمین پر اکر ٹکر اور گردن
 اوچھی کر کے چلو۔ عاجزی اختیار کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک
 بھی قابلِ عزت ہوتا ہے۔ مگر جو شخص عَزْرٌ وَتَجِبَ کو اپناتا ہے، اپنے آپ میں
 بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے نزدیک ذلیل و
 خوار ہی ہوتا ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ جِوَاللَّهِ
 کی خاطر عاجزی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو بلند کرے گا۔ وَمَنْ تَكَبَّرَ
 كَسَّرَهُ اللَّهُ اور جو تکبر کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی گردن توڑ دیگا۔ اور کسی نہ
 کسی مرحلے میں وہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ اس کو دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت کا
 عذاب تو دائمی ہے۔

قارون کے تجر کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے۔ اللہ نے اُس کو خزانوں
 سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ بخاری شریف میں حسنہ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے
 کہ ایک آدمی بڑی خوشنما قسم کی دو بڑی چادریں پہنے جا رہا تھا۔ غالباً ایک تہنہ
 کے طور پر استعمال کی ہوگی اور دوسری اوپر اڑھی ہوگی۔ تو اللہ نے اُس کے
 تجر کی وجہ سے اُسے زمین میں دھنسا دیا وَهُوَ يَتَجَلَّجِلُ الْخَالِ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ اور وہ قیامت تک دھنسا ہی چلا جائے گا۔ جب قیامت
 برپا ہوگی تو اس کا قدم کہیں جا کر ٹکے گا۔ اللہ نے عاد، ثمود اور قوم فرعون جیسی
 متجبر قوموں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ اُن کے تجر کی وجہ سے اللہ نے انہیں دنیا
 میں ہی سخت سزائیں دیں۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے زمین پر اکر ٹکر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ اس
 کے برخلاف اللہ کے نیک بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے وَعِبَادُ

الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

(الفرقان) اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ جس انسان میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ تبصر ہمیشہ حق کے مقابلہ میں ہوتا ہے حضورؐ نے فرمایا اَلِكِبْرُ بِطَرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ تَكْبِرٌ ہے کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے سچی بات کو بلا سوچے سمجھے ٹھکرا دیا اور چھوٹے آدمیوں کی بات کو کوئی حیثیت نہ دینا تکبر کی علامت ہے۔ حق یہ ہے کہ سچی بات خواہ کسی اعلیٰ کی طرف سے ہو یا ادنیٰ کی طرف سے اس کو تسلیم کرنا چاہیے۔ جو شخص تکبر کی وجہ سے حق بات کو ٹھکراتا ہے اور کسی کو حقیر سمجھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ
کی اپنی ہی

زمین پر اتر کر چلنا منیات میں داخل ہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سی ممنوع باتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ جیسے قتل اولاد، قتل ناحق، اسراف و اتی، اقل۔ زنا، بدعہدی، ماپ تول میں عرالی، یتیم کا مال کھانا، بلا تحقیق کسی چیز پر اعتقاد رکھنا، زبان سے کہنا یا اس پر عمل کرنا۔ ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلِّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا کہ ان کی برائی تیرے پروردگار کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے تیرا رب ان سے بیزار ہے۔ لہذا ان سے بچنے کی کوشش کرو۔

فرمایا ذَلِكُمْ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یہ ساری باتیں ان میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہیں، اور میں بھی یہ حکمت کی باتیں۔ ان باتوں میں علم، دانائی، سمجھ اور فہم پایا جاتا ہے۔ اللہ کے نزدیک حکمت بہت بڑی چیز ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا

کَثِيرًا اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا کرے، اور جسے حکمت عطا کی جاتی ہے، اُسے بہت بڑی عبدالمی حاصل ہو جاتی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ سنت ساری کی ساری حکمت ہے۔ قرآن میں اس کی مختلف مقامات پر تشریح کی گئی ہے۔ تو فرمایا کہ یہ جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ اُن حکمت و دانش کی بانوں میں سے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہیں۔

شکر سے
بیزاری

اب آخر میں اللہ تعالیٰ نے پھر وہی بات کی ہے جو ان پندرہ اصولوں کی ابتدا میں کہی گئی تھی یعنی شرک کی تردید۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، کسی کو نافع اور ضار نہ سمجھو، مشکل کشا اور حاجت روا تسلیم نہ کرو۔ اگر الیا کرو گے فَتَلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ تو جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے مَلُومًا مَّذْحُورًا ایسی حالت میں کہ ملامت کیے ہوئے اور دھکیلے ہوئے ہو گے۔ شرک میں مبتلا ہونا سخت ترین جرم ہے۔ اللہ نے اپنے پاک نبیوں کے متعلق بھی فرمایا لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (النمر) اگر شرک کر دے گے تو تمہارے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والاں میں ہو جاؤ گے۔ ایمان اور اخلاص بڑی حقیقت ہے جس میں کسی صورت میں بھی خرابی نہیں آنی چاہیے۔ اگر کفر، شرک یا بدعتیگی پیدا ہو گئی تو سارے نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ نے شرک کی تاکید دوبارہ تردید فرمائی ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو الہ نہ بناؤ ورنہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

آگے ایک بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا اَفَاَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ عباد کیا منتخب فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ۔ یعنی تم اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو وَاتَّخَذَ مِنْكُمْ

شانِ خلوتی
میں گناہی

الْمَلَكَةِ اَنَاثَا اور اُس نے فرشتوں میں سے اپنی بیٹیاں بنالی
 ہیں۔ یہ دراصل مشرکین کے باطل عقیدے کا رد ہے جو کہتے تھے کہ فرشتے
 اللہ کی بیٹیاں ہیں فرمایا کیسی بے عقلی کی بات ہے کہ لڑکیوں کو اپنے لیے
 توپ نہیں کرتے بلکہ اُسے پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے ہیں مگر اُن کی
 نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے ذرا شرم نہیں کرتے۔ یہ تو احمقانہ
 تجویز ہے۔ فرشتے تو تذکیر و ثانیث سے پاک اللہ کی مخلوق ہیں۔ بجلا
 اُن کو خدا کی بیٹیاں کیسے کہتے ہو؟ فرمایا اِنَّكُمْ كَتَقُولُوْنَ فَتَوَلَّوْا
 عَظِيْمًا بِشْكًا تم بہت بڑی ناشائستہ بات کہتے ہو۔ خدا تعالیٰ کے
 لیے اولاد تجویز نہ کرنا اور خاص طور پر بیٹیوں کی نسبت اس کی طرف کرنا جہنمیں قم
 خود حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو، اللہ کے ساتھ بڑی بھاری گستاخی کی
 بات ہے۔ دوسری جگہ اللہ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز
 کرنا اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطُّ رَنًا
 مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا (مریم) قریب
 ہے کہ آسمان پھٹ جائیں زمین شوق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں
 ”اَنْ دَعَوَالِدَ الْجَنِّ وَلَدًا“ (مریم) کہ انہوں نے خدا کے لیے
 بیٹا تجویز کیا ہے۔ یہ تو بڑی گستاخی کی بات ہے۔ اللہ نے مشرکین کے
 باطل عقیدہ بنات کا رد بھی فرمادیا ہے اور توحید پر کار بند ہونے کی تلقین کی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَكَّرُوا وَمَا
يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ③١ قُلْ لَّوْكَانَ مَعَهُ إِلَهَةٌ
كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَا بُتَغُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ
سَبِيلًا ③٢ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ
عُلُوقًا كَبِيرًا ③٣ تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ
وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ
بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ
كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ③٤ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ
جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
جَبَابًا مَّسْتُورًا ③٥ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً
أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِذَا ذُكِّرْتَ بِرَبِّكَ
فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ آدْبَارِهِمْ نُفُورًا ③٦
خُنْ أَعْلَمَ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ
إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ
تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ③٧ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ
الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ③٨

ترجمہ۔ اور البتہ تحقیق ہم نے (مختلف طریقوں سے) پھر کہہ بیان کیا ہے اس قرآن میں تاکہ لوگ نصیحت پکڑ لیں۔ اور نہیں زیادہ کرتا ان کے لیے مگر نفرت کرنا (۴۱) آپ کہہ دیجئے، اگر ہوتے اس کے ساتھ اور معبود جیسا کہ یہ (شُرک لوگ) کہتے ہیں، تو اس وقت وہ ضرور تلاش کرتے عرشِ والے کی طرف راستہ (۴۲) پاک ہے اُس کی ذات اور بلند و برتر ہے اُن باتوں سے جو یہ کہتے ہیں بہت بلند (۴۳) تبیح بیان کرتے ہیں اُس (خدا) کے لیے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن میں ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تبیح اس کی تعریف کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو، مگر تم اُن کی تبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ بیشک وہ بڑا بددبار اور بنخشے والا ہے (۴۴) اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم کہہ دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک پردہ ڈھانپنے والا (۴۵) اور کہہ دیا ہے ہم نے اُن کے دلوں پر پردہ اس بات سے کہ وہ اس کو سمجھ سکیں۔ اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور جب آپ ذکر کرتے ہیں اپنے پروردگار کا قرآن میں اکیلا، تو وہ پھر جاتے ہیں اپنی پشتوں پر نفرت کرتے ہوئے (۴۶) ہم خوب جانتے ہیں اس بات کو جس کے واسطے وہ سنتے ہیں جب کہ وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور جب کہ وہ سرگوشیاں کرتے ہیں، یہ ظلم

کرنے والوں نے کہہ دیا کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر سحر زدہ آدمی کی (۴۷) دیکھو! کیسے بیان کرتے ہیں یہ آپ کے لیے مثالیں، پس یہ گمراہ ہوئے، اور نہیں طاقت رکھتے یہ راستہ پانے کی (۴۸)

قرآن بطور نصیحت

اسلامی معاشرے کی فلاح کے لیے پندرہ زریں اصولوں کے اوّل و آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں بھی قرآن پاک کی صداقت اور مسئلہ توحید ہی کا ذکر۔ اور شرک کا رد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ ہم نے اس قرآن پاک میں مختلف طریقوں، عنوانوں اور پیرویوں میں پھیر پھیر کر بیان کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ایمانیات، رسالت، معاد اور موجودہ اور دوسری زندگی سے تعلق رکھنے والی ساری باتیں آسانی سے سمجھ میں آسکیں اور دوسرے مقصد یہ ہے لِيَذْكُرُوا تاکہ لوگ ان مثالوں سے نصیحت پکڑیں اور کفر و شرک کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیں۔ مگر حقیقت یہ ہے وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا کہ اس تمام تر تشریح کے باوجود متعصب، ضدی اور عنادی لوگوں کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور قرآن پاک سے کچھ نصیحت حاصل نہیں کر پاتے۔

توحید کی دلیل

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے لَوْ كَانَ مَعَهُ اِلٰهٌ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہوتے كَمَا يَقُولُونَ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مشرک لوگ ایک خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے، حالانکہ گذشتہ پندرہ اصولوں کے اول و آخر میں یہی بات سمجھائی گئی ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ اِلٰهًا اٰخَرَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو ملامت شدہ اور دھکیلے ہوئے بن جاؤ گے اور پھر جہنم میں پھینک دیے جاؤ گے، مگر یہ لوگ اپنی بد عقیدگی سے باز آنے والے نہیں۔

اللہ کا معنی اسے جو برحق ہے جس میں صفات کمال پائی جائیں اور جو حاضر نہ نظر نہ
مختار نہ کل، علیم کل، قادر مطلق، خالق، مربی، نافع و ضار، مدبر اور تمام علوی اور سفلی
کائنات کا متصرف ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ صفات خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسری
ذات میں نہیں پائی جاتیں۔ انبیاء، اولیاء، شہداء، ملائکہ اور جنات میں سے کوئی
بھی ان صفات کا حامل نہیں۔ اگر یہ صفات کمال خدا کے سوا کسی دوسری
ذات میں مانی جائیگی تو انسان مشرک بن جائے گا۔

فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ ہی مورتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں
إِذَا لَبَّثُوا الْخَالِدِينَ الْعَرْشِ سَبِيلًا تَوْفِيقًا
وہ عرش والے کی طرف راستہ تلاش کرتے کیونکہ ہر اللہ کی ہی خواہش ہوتی کہ
وہ ہی غالب آجائے اور دوسرے سب مغلوب ہو جائیں۔ سورۃ انبیاء
میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ
إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا" اگر کائنات ارض و سما میں اللہ کے سوا دوسرے
معبود ہوتے تو کائنات میں فتنہ برپا ہو جاتا اور سکون باقی نہ رہتا۔ شیخ سعدی
نے بھی تو کہا ہے کہ ایک گودری میں دس درویش تو آرام کر سکتے ہیں مگر
ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ اُن میں سے ہر ایک دوسرے
کو مغلوب کر نیچی کوشش کرے گا اور اس طرح ملک میں فتنہ و فساد کا
بازار گرم ہو گا جب ایک چھوٹی سی سلطنت کا یہ حال ہے تو پوری کائنات
میں ایک سے زیادہ اللہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس طرح تو نظام ہی قائم نہیں
رہ سکتا۔

فرمایا سُبْحَانَ اللَّهِ تَعَالَىٰ کی ذات پاک ہے وَقَالُوا عَجَبًا
لَقَوْلُهُمْ عُلُوهَا كَبِيرًا اور بلند ہے اُن باتوں سے جو یہ مشرک
کہتے ہیں، بے اشتہا بلند مطلب یہی ہے کہ مشرکوں کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے
کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرے معبود بھی ہیں۔ وہ تو ایک اللہ پر اکتفا ہی نہیں

خدا تعالیٰ
تسبیح و تحمید

کرتے تھے بلکہ کہتے تھے "أَجْعَلِ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ
 إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ" (ص) کیا اس نے اتنے معبودوں
 کی جگہ ایک ہی معبود بنا لیا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ جو کام اتنے
 خدا مل کر کرتے ہوں۔ وہ اکیلا ہی انجام دے دے۔

فرمایا، وہ شرک سے پاک وحدہ لا شریک ہے، وہ اس قدر عظیم
 کا مالک ہے تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَ
 مَنْ فِيهِنَّ کہ ساتوں آسمان، زمین اور ان کے درمیان موجود ہر چیز
 اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے کہ یہ تسبیح حالی بھی ہو
 سکتی ہے اور قالی بھی۔ حالی تسبیح غیر اختیاری ہوتی ہے اور اس سے مراد یہ
 ہے شجر و حجر، ذرات، پیاز، دریا، چاند، سورج، ستارے غرضیکہ ہر چیز کا وجود
 اُس کے اوصاف اور اس کی حالت بتلاتی ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا
 کوئی ہے وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ تَذَكُّرًا عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ
 ہر چیز میں ایسی نشانی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔
 اس جہان کو عالم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیدا کرنے والے کی علامت
 ہے اُسے دیکھ کر انسان کا ذہن فوراً اس کے خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
 عالم، علم کے مادے سے بھی ہو سکتا ہے اور اس سے بھی یہی مراد ہے
 کہ عالم کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کے متعلق علم حاصل ہوتا ہے۔
 بہر حال تسبیح حالی تو ہر چیز میں پائی جاتی ہے، حتیٰ کہ مشرکوں، کافروں اور
 نہروں کا وجود بھی حالی تسبیح کہہ رہا ہے۔ سورۃ النحل میں بھی گزر چکا ہے
 کہ کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوق میں ایسی چیزیں نہیں دیکھیں "يَتَفَقَّهُوْا
 ظِلُّهُ" جن کے سائے دائیں بائیں لوٹتے رہتے ہیں اور خدا کے سامنے
 "سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ" عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے
 ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے دل و دماغ اور زبان سے اللہ کی توحید کا انکار

ہی کیوں نہ کرتا ہو مگر اس کا وجود اور اعضاء خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں
مگر اس تسبیح کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ گو یا کہ ہر چیز کا حال
ہی خدا تعالیٰ کی قدرت نامہ حکمت بالغہ اور اس کی غفلت و وحدانیت
کی دلیل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تسبیح قالی سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز
اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اپنی زبان سے بھی کرتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر بھی یہی بات
بیان کی گئی ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ہر چیز اللہ تعالیٰ
کی تسبیح و تحمید بیان کرتی ہے وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ
تَسْبِيحَهُمْ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ عام طور پر شجر و حجر
اور دیگر بے جان چیزوں کی تسبیح انسان نہیں سنتے مگر بعض اوقات معجزہ
یا کرامت کے طور پر ایسا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایت
میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ہاتھوں میں سنگہِ نیرے تھے جن سے اس
طرح تسبیح کی آواز آرہی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے بخاری
شریف کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے تھے اور کھانا اللہ کی تسبیح پڑھ
رہے تھے اور سبحان اللہ کہتا جاتا تھا، اسی طرح شیخ ابن عربیؒ فرماتے
ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے درختوں کی تسبیح سنی ہے ایک حدیث
میں یہ بھی آتا ہے کہ مینڈک کو نہ مارو کیونکہ ان کی ٹرٹراہٹ دراصل اللہ تعالیٰ
کی تسبیح ہوتی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی حضور علیہ السلام کی خدمت
میں حاضر ہوا جس نے بڑا فیشنی لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے عالم مجلس سے
یوں خطاب کیا کہ تمہارے یہ صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چرواہوں کو تو بڑا
بلند کر رہے ہیں۔ مگر باعزت لوگوں کو ذلیل کر رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے

اس کے لباس کا کپڑا ہاتھ میں لے کر کہا کہ تم ہمارے لباس عقلمندوں کا لباس معلوم نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا میں تمہیں دو باتوں کا حکم دینا چاہتا ہوں اور دو باتوں سے منع کرتا ہوں۔ پہلی یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کہنا اور تجبر نہ کہنا۔ اور دوسری یہ ہے کہ ہر وقت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتے رہا کرو کیونکہ یہ ایسی تسبیح ہے کہ ایک پلٹے میں یہ ہو اور دوسرے پلٹے میں پوری ارض و سما ہو تو پھر بھی یہ بھاری ہے اور دوسرے حکم یہ ہے کہ ہر وقت سبحان اللہ و بحمدہ کا ورد رکھا کرو کیونکہ کمالات کی ہر چیز اسی کلمہ سے نہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے اور اسی کی بدولت انہیں روزی ملتی ہے۔

باقی رہ گیا ہر چیز کی تسبیح کے الفاظ کا سمجھنا، تو یہ ہمارے پس کی بات نہیں ہے۔ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ زمین و آسمان کا ہر شخص اور پر پیر پیلے ہوئے پرندے بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ سب اپنی نماز اور تسبیح کو جانتے ہیں ”كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ“ اور اس مقام پر بھی فرمایا کہ ارض و سما کی ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُسے سمجھ نہیں سکتے۔

فرمایا اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا عَفُوًّا وَكَيُوْا اُوْه اللّٰهُ تَعَالٰی کس قدر بے دبار اور بخشش والا ہے۔ وہ نافرمانوں کو مہلت دیتا رہتا ہے فوری گرفت نہیں کرتا، مگر اس کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی مجرم کو سزا دیے بغیر چھوڑے گا نہیں۔ جب پکڑے گا تو پھر پورا پورا مواخذہ کرے گا۔

فرمایا وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے درمیان اور آخرت کے

قرآن کی
برکات سے
محرمی

منکرین کے درمیان ڈھانپنے والا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ اُن کی گمراہی اور غفلت کا پردہ ہوتا ہے۔ کوئی بات ان کے ذہن میں نہیں بیٹھتی، اُن کی ہند، عناد، ہٹ دھرمی، اور تعصب کی وجہ سے یہ وہ پڑا ہوا ہے اور وہ قرآن کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے فرمایا وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھ سکیں۔ وہ اس کے معنوم و مطالب کو سمجھنے سے عاری ہو چکے ہیں۔ وَفِي أَذَانِهِمْ وَقْرًا اور اُن کے کانوں میں بوجھ پڑے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے اُن کے کان بڑ ہو چکے ہیں اور وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔ اور پھر خاص طور پر فرمایا وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ بَكَتُمْ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوْ عَلَى أَذْبَانِهِمْ نفوراً جب آپ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کرتے ہیں تو یہ لوگ پشت پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ عقبہ، شیبہ اور البجیل، جیسے لوگ قرآن کو سننے کے لیے بھی تیار نہ ہوتے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ اُن کے دلوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

فرمایا لَنْ يَخُنَّ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ہم خوب جانتے ہیں اس بات کو جس کے واسطے وہ سنتے ہیں جب کہ وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اگر وہ سنتے بھی ہیں تو کس لیے۔ یہ لوگ محض اعتراض کرنے اور قرآن پاک کی تردید کرنے کے ارادے سے کسی وقت اس کا کچھ حصہ سن لیتے ہیں۔ یہ اس تلاش میں مبتلے ہیں کہ اُن کے زعم کے مطابق اسلام کی کوئی کمزوری ان کے ہاتھ میں آجائے جسے اچھال کر وہ دین کے خلاف پراپیگنڈا کر سکیں فرمایا وَإِذْ هُمْ يُجْأَوْنَ جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ دین حق اور پیغمبر اسلام کے خلاف مخفی مشورے کرتے ہیں تو ہم اُن کو جانتے ہیں۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی ارادہ ہمارے علم سے مخفی نہیں۔ ہم اُن کی ایک ایک بات نوٹ کرتے ہیں اور اس کا انہیں پورا پورا بدلہ کریں گے

فرمایا ان کی دین دشمنی کی حد یہ ہے اِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا کہ ان ظالموں نے مسلمانوں کو یہ بھی کہہ دیا کہ تم تو ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کر رہے ہو العیاذ باللہ نبی کی شان میں اس قدر گستاخی کی کہ اس پر جادو کا اثر ہے جس کی وجہ سے وہ بھی باتیں کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد پھر سب لوگ زندہ کیے جائیں گے ابھی اگلے درس میں آ رہا ہے ”وَقَالُوا اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا ؕ اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا“ کتنے تھے جب ہم مر کر بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ تو کیا پھر دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔ یہ تو عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مسخرین نے اکثر انبیاء کو ساحر کہا، خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تو قرآن میں موجود ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی کبھی ساحر کہا کبھی دیوانہ کبھی کاہن اور کبھی شاعر۔

حدیث میں حضور علیہ السلام پر سحر کا اثر ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ یہودیوں نے دھاگے میں گیارہ گرہیں لگا کر اُسے ایک پرانے کنویں میں دفن کر دیا، جس کی وجہ سے آپ بیمار بھی ہو گئے۔ یہ بات یاد ہے کہ بنی کو حسانی بیماری تو لاحق ہو سکتی ہے مگر آپ کے دل و دماغ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ منصب نبوت کے منافی ہے۔ بہر حال اللہ نے فرشتہ بھیج کر جادو کے اثر کو زائل کرنے کا نسخہ بھی بتا دیا۔ حضور علیہ السلام نے جادو کا سامان بھی اُس جگہ سے نکلوا لیا۔ آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی گیارہ آیات ایک ایک کر کے پڑھتے جاتے تھے اور ایک ایک گرہ کھٹکتی جاتی تھی اور اس طرح آپ جادو کے اثر سے بالکل پاک ہو گئے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ مسح، مسح سے نہیں بلکہ سحر سے ہے جس کا مطلب پھینچنا ہے والا انسان ہے۔ مشرک لوگ یہ غلط پرانی کرتے تھے کہ مسلمان ایک انسان کی پیروی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے خیال کے

مطابق انسان پیغمبر نہیں ہو سکتا، بہر حال سحر کا معنی کھانے پینے والا انسان ہے عربی کا ایک شاعر بھی اس لفظ کو اس طرح استعمال کرتا ہے۔

أَرَأَنَا مُوَضَّعَيْنِ لِأَمْرِ غَيْبٍ
وَلَسُحْرٍ بِالطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

ہم اپنی سواریاں ایک امر غیب کے لیے دوڑا رہے ہیں اور ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی غذا دی جا رہی ہے گویا ہم پر اکل و شرب کا سحر چل رہا ہے لبید یا اُمیہ ابن ابی الصلت میں سے کسی ایک کا یہ کلام بھی ہے۔

إِنْ تَسْأَلِنَا فَيُكْمَلُ نَحْنُ فَإِنَّا
عَصَافِيٌّ مِنْ هَذَا الْأَنَامِ الْمُسْحَرِّ

اگر تو ہمارے بارے میں پوچھے کہ ہم کیا ہیں تو ہم اس دنیا کے پرندوں جیسے ہیں جنہیں خوراک دی جاتی ہے۔

بہر حال مسحور سے مراد سحر زدہ بھی ہو سکتا ہے اور کھاتا پیتا انسان بھی۔ مشرکین کسی انسان کو نبی ماننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے ہم انسانوں کی طرف انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجتے ہیں۔ اور اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے اللہ تعالیٰ نے بشریت اور انسانیت کا اعلان خود حضور علیہ السلام کی زبان سے بھی کر دیا قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف) میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں، البتہ اللہ نے مجھے شرف بخشا ہے، مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے۔ نبی اور محصوم بنایا ہے۔ میری اتباع کا حکم دیا ہے۔ بلکہ ہر نبی نے اپنی امت کے لوگوں سے ہی کہا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرَ الشَّعْرِاءِ (لوگو! اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تمہارے سامنے نمونہ بن کر آیا ہوں بہر حال مشرک لوگ پرہیزگار نہ تھے

تھے کہ مسلمان ایک سحر زدہ اور انسان کا اتباع کرتے ہیں۔
 اللہ نے فرمایا اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ دیکھو! یہ لوگ
 کس طرح آپ کے سامنے مثالیں بیان کرتے ہیں۔ حقیقت میں فضلوں
 یہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا اور اب راستہ
 پانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ کسی متعصب
 ضدی اور عنادی آدمی کو صراطِ مستقیم نصیب نہیں ہو سکتا۔

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ؕ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا
جَدِيدًا ۝ ۴۹ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ ۵۰ أَوْ خَلْقًا
مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن
يُعِيدُنَا ۚ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ
أَلْيَكَ رُءُوسَهُمْ ۖ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَلَى
أَن يَكُونَ قَرِيبًا ۝ ۵۱ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ
بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝ ۵۲

۵۱۲

ترجمہ :- اور کہا (کفر کرنے والوں نے) جب ہم ہو جائیں گے
ہڈیاں اور چورہ چورہ تو کیا ہم لوٹائے جائیں گے نئی پیدائش
میں؟ ۴۹ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، تو جاؤ تم پتھر
یا لوہ ۵۰ یا کوئی مخلوق جو زیادہ دشوار ہے تمہارے
دلوں میں۔ پھر یہ لوگ کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ لوٹائے گا؟
آپ کہہ دیجئے، وہی ذات جس نے پیدا کیا تمہیں پہلی
مرتبہ۔ پھر ہلائیں گے آپ کی طرف اپنے سرور کو، اور
کہیں گے کہ وہ کب ہے؟ آپ کہہ دیجئے شاید کہ وہ
قریب ہو ۵۱ جس دن کہ وہ بلائے گا تمہیں۔ پس
جواب دو گے تم اُس کی تعریف کے ساتھ۔ اور تم گمان
کو گے کہ نہیں کھڑے تم مگر بہت مختوراً ۵۲

رہط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا
مشرکین حضور نبی کریم علیہ السلام پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ تو ہمارے جیسا ہی
انسان ہے، جبلا ہم اس کی اتباع کیوں کریں۔ کبھی کہتے کہ اس پر جادو کر دیا
گیاتے جس کی وجہ سے یہ نعوذ باللہ بکھی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس
قسم کے شکوک و شبہات کا رد فرمایا اور مشرکوں کی غلط ذہنیت کو واضح کیا کہ
یہ لوگ محض ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایسے اعتراض کرتے ہیں۔
پھر اللہ نے مسئلہ توحید کے ضمن میں فرمایا کہ ارض و سما کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ
کی تسبیح اور تسنن ہیہ بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت
کا ذکر بھی کیا اور توحید و رسالت اور دوسرے دینی حقائق مختلف عنوانات کے
تحت سمجھائے۔

کیا دوبارہ
زندگی ممکن
ہے

مسئلہ توحید کے بعد اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے معاد کا مسئلہ
بیان فرمایا ہے۔ بنیادی عقائد میں توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت جیسے اہم
مسائل شامل ہیں اور سچی سورتوں میں عام طور پر اپنی مسائل کو مختلف پیرایوں میں بیان
کیا گیا ہے۔ اب بعث بعد الموت کے مسئلہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت
وضاحت کے ساتھ مدلل طور پر بیان فرمایا ہے۔ پہلے مشرکین کا اعتراض
نقل کیا ہے اور اس کے بعد اس کا شافی جواب ارشاد فرمایا ہے۔ وَقَالُوا
يَهْلِكُونَ مَرَّةً وَيُحْيَوْنَ مَرَّةً كَذِبًا عِظَامًا جَبْهًا مَرْكُورَةً هِيَ هِيَ
كَيْفَ يُحْيَوْنَ كَذِبًا عِظَامًا جَبْهًا مَرْكُورَةً هِيَ هِيَ
گے وَرَوْنًا اور بوسیدہ ہو کر بالکل چورہ چورہ بن جائیں گے عِظَامًا
لَمَبْعُوثَاتٍ خَلْقًا جَدِيدًا تو کیا ہم نئی پیدائش میں دوبارہ اٹھائے
جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی انسان مٹی میں دفن ہو جاتا ہے تو اس کا
گوشت پوست بہت جلد گل سڑ کر ضائع ہو جاتا ہے اور باقی صرف ہڈیاں
رہ جاتی ہیں جو گوشت کی نسبت زیادہ سخت ہوتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ ہڈیاں
بھی بوسیدہ ہو کر بھری ہو جاتی ہیں اور ذرا سا چھونے سے بھی ریزہ ریزہ ہو

جاتی ہیں اور اس طرح انسان کا پورا جسم مٹی میں مل کر نابود ہو جاتا ہے سورۃ الذرعت
 میں ”وَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرًا“ کے الفاظ آتے ہیں۔ جب ہم کھوکھلی
 ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا پھر زندہ کیے جائیں گے؟ اسی بات کو سورۃ الحجۃ میں
 اس طرح بیان کیا گیا ہے ”وَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي
 خَلْقٍ جَدِيدٍ“ کیا جب ہمارے جسم کے ذرات منتشر ہو کر بکھر جائیں گے اور ہم
 مٹی میں رمل مل جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے؟

لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانا حضور علیہ السلام کے فرض منصبی میں داخل ہے
 چنانچہ جب آپ مشرکین کی توجہ اس طرف دلاتے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ
 زندہ کیا جائے گا، اللہ کی بارگاہ میں تمہاری حاضری ہوگی اور اس دنیا میں کیے گئے
 ہر نیک و بد عمل کا حساب دینا ہوگا، تو وہ لوگ دوسری زندگی کا انکار کرتے اور
 کہتے کہ آج تک تو ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے یا
 حساب کتاب دیتے نہیں دیکھا۔ آپ تو (نعوذ باللہ) دیوانوں جیسی باتیں کہتے
 ہیں۔ بھلا جو جسم گل رط کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا۔ اُس کو دوبارہ زندگی کیسے حاصل ہوگی
 آگے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا مدلل جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ
 اے پیغمبر! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں کہ انسانی جسم کی ہڈیاں گوشت سے سخت مگر
 کائنات میں پانی جانے والی بعض چیزوں سے نرم بھی ہیں۔ دنیا میں ان ہڈیوں سے بھی
 سخت چیزیں موجود ہیں۔ فرمایا، اِنَّ كَعَصَا جَارِثَةَ
 اَوْحَدٍ يَدُ اَتَمَّ بِحَقْرِنِ جَاوِلًا۔ پتھر بڑی مضبوط چیز ہے جو مٹی میں گلتا سترتا نہیں
 اور لوہا اس سے بھی سخت ہے جو پتھر کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ لوہے کے
 کام پر قرآن پاک میں سورۃ الحديد بھی موجود ہے اللہ نے بطور احسان فرمایا ہے ”وَاَنْزَلْنَا
 الْحَدِيدَ فِيْهِ بَاسٌ شَدِيْدٌ وَمَنْفَعٌ لِّلنَّاسِ“ ہم نے نہایت سخت
 لوہا پیدا کیا جس میں تہلکے لیے بہت سے فائدے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو آج دنیا
 میں ایک تہائی تمدن کا انحصار لوہے پر ہے۔ ضروریات زندگی میں لوہے کو بنیادی

حیثیت حاصل ہے کوئی کل پرزہ اور مشین لمبے کے بغیر نہیں بن سکتی اور یہی
 مشینیں ضروریات کی لاکھوں چیزیں پیدا کر رہی ہیں۔ لوہا معدنیات کی صورت
 میں زمین سے نکالا جاتا ہے، پھر اسے صاف کر کے اس سے مختلف
 چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔

فرمایا تم بچہ جیسی مٹوس اور بے جان چیز بن جاؤ یا لوہے جیسی سخت اور
 زندگی سے بعید چیز بن جاؤ۔ أَوْ خَلَقْنَاكُمْ كِبُورًا فَاصْبِرْ لَهُمْ صَبْرًا
 یا کوئی اور چیز بن جاؤ جو تمہارے دلوں میں ان سے بھی زیادہ دشوار ہے۔
 گوشت پوست اور ہڈیوں میں تو جان موجود تھی اب ان کو دوبارہ زندہ کرنا
 شاید آسان ہو مگر بچہ، لوہے یا کسی دیگر چیز کو تو زندگی سے دور کا بھی واسطہ
 نہیں۔ اگر تم یہ کچھ بن جاؤ۔ فَسَيَقُولُونَ كَيْفَ يُعِيدُكَ تَوْبَةً تو یہ لوگ
 فوراً کہہ دیں گے کہ ہمیں کون دوبارہ لوٹنے کا؟ جب ہمارا تعلق زندگی سے مطلقاً
 منقطع ہو جائے گا تو پھر وہی زندگی کیسے لوٹ کر آئے گی جب کہ ہمارا گوشت
 پوست اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی میں مل چکے ہوں گے۔

اللَّهُ نَسِئُ اس کے جواب میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں۔
الَّذِي فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ تَعْلَمُونَ وہی ذات دوبارہ زندہ کرے گی جس نے
 تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ سورۃ بقرہ میں ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ
 خدا نے تمہیں موت سے زندگی بخشی، تم کچھ نہیں تھے، اللہ نے تمہیں حیات جاگتا
 انسان بنایا۔ تم اپنے آغاز سے واقف ہو کہ اللہ نے تمہیں بغیر مادے، آئے اور
 نمونے کے پیدا کیا، اب اپنا انجام بھی دیکھ لو گے کہ وہ تمہیں کیسے دوبارہ
 زندہ کر کے اٹھاتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ انسان کی پیدائش
 اگر مشکل ہوتی تو پہلی دفعہ ہوتی۔ جب کہ اس کا نمونہ تک موجود نہیں تھا۔ اب
 جب کہ وہ ایک معقول زندگی گزار کر موت سے ہٹا رہا ہے، اس کو دوبارہ
 پیدا کرنا تو نسبتاً آسان ہے، تم مٹی تھے، قطرہ آب تھے، جادو لا یعقل تھے

مگر اللہ نے تمہیں زندگی بخشی، مکمل انسان بنایا تو اب اسی خالق و مالک کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کون سا مشکل کام ہے؟

وقوع قیامت
کا وقت

فرمایا، اے پیغمبر! جب دوبارہ جی اٹھنے کی یہ بھڑوس دلیل آپ اُن کے سامنے پیش کریں گے تو وہ لا جواب ہو جائیں گے فَسَيُخْضَعُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ اور تعجب، انکار اور استہساد کی بنا پر سر ہلا دیں گے۔ پھر اور تو کچھ سن نہیں پڑے گا۔ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ صرف اتنا کہہ سکیں گے کہ اگر آپ کے دعوے کے مطابق دوبارہ زندگی لازمی ہے تو یہ کب ہوگا؟ ہم نے آج تک تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا نہیں۔ آخر یہ سارا معاملہ کب پیش آئے گا۔ اللہ نے جواب میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان کو بتادیں عَسَى أَنْ يَكُونُ قَرِيبًا ممکن ہے کہ وہ وقت قریب ہو جب تم سب دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے کہ اُس نے قیامت کے وقت کو ظاہر نہیں کیا، ورنہ کائنات کا سارا نظام بھٹپ ہو کر رہ جائے۔ وقوع قیامت کے متعلق قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ اس کے وقت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔ اور اُس نے یہ علم کسی دوسری ذات کو نہیں دیا۔ البتہ حضور علیہ السلام نے بعض نشانیوں کا ذکر کیا جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی فرمایا تھا کہ قیامت آنے والی ہے اَكَادُ اخْفِيْهَا لِبَعْضٍ مِّنْ نَّذْرِيْ لَفَسَّ عَلَيْكَ (طہ) مگر میں اس کے وقت کو مخفی رکھوں گا تاکہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ مل سکے۔ قیامت کو قریب اس لیے بھی فرمایا کہ آئندہ آنے والی چیز دن بدن قریب ہی ہوتی ہے کیونکہ اسے بہر حال آنا ہے، البتہ گنہگار ہوا وقت دن بدن بعید ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ اُسے لوٹ کر نہیں آنا ہوتا۔ فرمایا شاید کہ قیامت قریب ہی ہو اور تم ضرور اُسے پا لو گے۔ فرمایا يَوْمَ يَدْعُوكُمْ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ زندگی

دوبارہ زندگی
پر حشر

سبحن الذی ۱۵

درس شانزدہم ۱۶

سبحن آسریل ۲

آیت ۵۳ تا ۵۵

وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ
 الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ
 لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ⑤۳ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ
 إِنْ يَشَأْ يُرْحَمَكُمُ أَوْ إِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَا
 أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ⑤۴ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ
 بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا
 بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ⑤۵

ترجمہ :- اور (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیں میرے بندوں سے کہ
 وہ کہیں وہ بات جو بہتر ہے۔ بیشک شیطان جھگڑا ڈالتا ہے
 اُن کے درمیان۔ بیشک شیطان انسان کے لیے کھلا دشمن
 ہے ⑤۳ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے تمہاری حالت کو
 اگر چاہے تو رحم کرے تم پر یا اگر چاہے تو تمہیں سزا
 دے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان
 بنا کر ⑤۴ اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اُن کو جو
 آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور البتہ تحقیق ہم
 نے فضیلت بخشی ہے بعض نبیوں کو بعض پر۔ اور دی
 ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور ⑤۵

رابطہ آیت گزشتہ آیات میں عقیدے کے بارے میں اہم مضامین کا ذکر ہو چکا ہے

مستقبل کی دائمی زندگی نظر آئے گی تو دنیا کے سو سال بھی معمولی سا عرصہ معلوم
 ہوں گے۔ سورۃ الاحقاف میں آتا ہے کہ کہیں گے "لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا
 سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ" یعنی دنیا میں ایک دن کا محض سا حصہ
 ٹھہرے۔ سورۃ النازعات میں ہے "لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً
 أَوْ صُبْحًا" پچھلے پہر یا پہلے پہر کا محض سا وقت دنیا میں قیام کیا۔ کفر و
 شرک اور معاصی میں گزرا ہوا یہ وقت بالکل قلیل محسوس ہو گا۔ آگے دائمی
 زندگی نظر آئے گی جس میں نہ عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اور نہ موت آئیگی
 فرمایا آج تم یوں تمسخر کرتے ہو لیکن اس دن یہ حالت ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ
 بلائے گا تو حمد کے ترانے گاتے ہوئے آؤ گے اور اس دنیا کی زندگی کو
 بالکل قلیل گمان کر دے گے۔

عطا کر کے اپنی طرف بلائے گا۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ جب قیامت کا بگل بجے گا تو لوگ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑتے ہوئے آئیں گے۔
 "كَانَهُمْ مِنَ الْجُنُوبِ يُؤْفَضُونَ" جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں بغرضیکہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا۔

فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ تَوْقِعْ جواب دو گے اس کی تعریف کے ساتھ اس وقت تمہاری زبانوں سے بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد بیان ہوگی اس وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین آئے گا، مگر اس وقت الحمد للہ کہنا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ البتہ اہل ایمان اللہ کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کریں گے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنْ الْحَزْنَ (رفاظر) اس خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے آج ہمارے تمام غم و اندوہ دور کر دیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ لَيْسَ عَلَى اَهْلِ الْاِيْمَانِ اَللّٰهُ اِلَّا اَللّٰهُ وَحُشَّةٌ فِي الْمَوْتِ وَلَا فِي الْقَبْرِ وَلَا حِينَ يَخْرُجُونَ (ادکما قال) یعنی اہل ایمان کا مٹی بٹھنے والوں پر نہ تو موت کے وقت و حشرت ہوگی، نہ قبروں میں اور نہ قبروں سے دوبارہ نکلتے وقت۔ اُن کی زبانوں پر نہ اِلَّا اَللّٰهُ کے الفاظ ہوں گے اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ میدانِ محشر کی طرف روانہ ہوں گے۔ ایسے لوگ خوشی خوشی حمد و ثنا کا یہ ترانہ بھی گائیں گے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنْ الْحَزْنَ اس اللہ کی سب تعریفیں ہیں جس نے ہم سے غم کا بوجھ اتار دیا۔

فرمایا آج تو تم دوبارہ زندگی کو بعید سمجھتے ہو اور اس کا ذکر محارت کے ساتھ سر ہلا کر کرتے ہو اور پوچھتے ہو کہ وہ کب آئیگی، مگر اس دن تم غیر ارادی طور پر اللہ کی تعریف کر دے گے وَنَظُنُّونَ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا اور تم اس دن گمان کر دے گے کہ تم دنیا میں بہت تھوڑا عرصہ مقیم رہے جب

دنیا کی
 قلیل زندگی

اللہ نے مشرکین کا رد فرمایا، کفار کی مذمت بیان فرمائی اور رسالت کے متعلق شکوک و شبہات کے جوابات دیے اس کے بعد قیامت کا مسئلہ بیان کیا کہ لوگ اس کو بعینہ خیال کرتے ہیں مگر ممکن ہے یہ قریب ہی ہو۔ پھر فرمایا جب قیامت برپا ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کو بلائے گا تو یہ خدا کی تعریف کرتے ہوئے اُس کی طرف دوڑ کر آئیں گے مگر اُس وقت اللہ تعالیٰ کی بات کو قبول کرنے اور اُس کی حمد بیان کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

ثالثہ بات

اب آج کی آیات میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کر کے اہل ایمان کو اچھا اخلاق اختیار کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ مشرکین اکثر ناشائستہ باتیں کرتے تھے اور عمل سے بھی مسلمانوں کو ازیت پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے، ان حالات میں خدشہ تھا کہ کہیں مسلمان بھی مشرکین کے جواب میں غیر اخلاقی اور ناشائستہ راستہ اختیار نہ کر لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اخلاقی تعلیم کا پابند بنایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ اَوْ رَیْےْ غَیْمِرٌ! اَپ میرے بندوں سے کہہ دیں یَقُولُوا اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کہ وہ ایسی بات کریں جو بہتر ہے۔ اخلاق کے منافی ناشائستہ بات یا گالی گلوچ سے اجتناب کریں اور اس ضمن میں مشرکوں کی روش اختیار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں گالی گلوچ کی صریح الفاظ میں ممانعت کر دی ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فِیْسُبُّوا اللّٰهَ عَدُوًّا بِغَیْرِ عَلَیْمٍ غَیْرِ اللّٰهِ کو پکارنے والے مشرکین کو گالی گلوچ نہ دو، اور نہ ان کے معبودوں کے متعلق کوئی ایسی بات کرو، کہیں وہ تمہارے معبود پر حق کو گالیاں نہ دینے لگیں اور تم اس فبیح حرکت کا ذریعہ بن جاؤ۔ سورۃ آل عمران میں ہے کہ اہل ایمان! تم اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی تکلیف دہ باتیں سنو گے فَإِنْ تَصَبَّرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (آیت ۱۸۶)

اور برائی کا جواب بُرائی سے دینے کی بجائے اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو گے تو یہ سچے بات ہے اور اسی کا نتیجہ اچھا ہوگا۔

شیطان
دشمنِ انسان

فرمایا اگر مشرکین کی دیکھا دیکھی تم بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگے تو اس سے شیطان کا کام بن جائے گا کیونکہ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ شَيْطَانُ تُوْرَان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ معاملہ مزید الجھ جائے اور فریقین کے درمیان فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائے لہذا تمہارا کام یہ ہے کہ شیطان کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دو۔ یاد رکھو! شیطان انسان دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، کیونکہ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا وہ تو انسان کا کھلا دشمن ہے اور اس نے اس دشمنی کو بروئے کار لانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت لے رکھی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ مشرکین کی طعن و تشنیع، تمسخر اور دل آزاری سے تنگ دل ہو کر ان کا رویہ نہ اختیار کرو، بلکہ بہتر بات کہو۔ اور بہتر بات وہی ہے جس میں نصیحت کا پہلو نمایاں ہو۔ آگے اللہ کا یہ فرمان بھی آ رہا ہے کہ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ مشرک لوگ ضرور ہی ایمان لے آئیں۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ مشرکین کی تکلیف دہ باتوں کے مقابلے میں تم اگر اچھی بات کہو گے تو نتیجتاً تمہارے اور ان کے درمیان دوستی کا امکان پیدا ہوگا اور اس طرح انہیں تمہاری بات سننے، سمجھنے اور ایمان قبول کرنے کا موقع میسر آجائے گا۔ اور اگر تم سختی سے بات کرو گے تو ان کی ضد اور عناد میں اضافہ ہو کہ ہدایت سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے۔

فرمایا ایک اچھی بات تو یہ ہے کہ مشرکین کی اشتغال انگیز لوگوں کے جواب میں تم اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اچھی بات کرو، اور دوسری یہ کہ تم اپنی زبانوں سے ہر موقع اور محل پر اچھی اور بہتر بات ہی کہو۔ مفسرین کلام

اچھی بات
کیا ہے

فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی بات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور پیغمبر خدا کی رسالت
 کی گواہی دینا ہے شہادۃ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا
 عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ۔ اس کے بعد امر بالمعروف یعنی نیکی کا حکم کرنا اور نہی
 عن المنکر یعنی برائی سے روکنا بھی اچھی بات میں شامل ہے۔ یہ اخلاقی کے
 مقابلے میں اخلاق کا مظاہرہ کرو۔ اور بدخواہی کے مقابلے میں خیر خواہی
 کی بات بھی اچھی بات ہے۔ فرمایا اور رکھو! رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ
 تمہارا پروردگار تمہاری حالت کو خوب جانتا ہے اگر تمہاری حالت اچھی
 ہوگی تو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت نصیب کرے گا، اور اگر حالت بُری ہوئی
 تو وہ ہدایت سے محروم ہی رکھے گا۔ سارا اختیار اس کے پاس ہے اِنْ
 يَّشَاءْ يَرْحَمْكُمْ وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے۔ ایمان، نیکی اور
 اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ اعمال صالحہ انجام دینے کی توفیق مرحمت
 فرمائے۔ اَوْ اِنْ يَّشَاءْ يُعَذِّبْكُمْ بِالْاَلَمِ چاہے تو تمہیں سزا دے دے۔
 یہ بھی اُس کی طرف سے سزا ہی ہے کہ کسی شخص کی ضد اور عناد کی وجہ سے اُسے
 ہدایت سے محروم رکھے جیسے اللہ کا فرمان ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی
 قُلُوْبِهِمْ (البقرة۔ ۷) اللہ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا
 دی ہیں۔ سورۃ النساء میں ہے۔ "بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰیهَا بِكُفْرِهِمْ"
 (آیت۔ ۱۵۵) اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دلوں پر ٹھپے
 لگا دیے ہیں، اب یہ ہدایت قبول نہیں کر سکیں گے۔ سورۃ نساء ہی میں ہے
 کہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جو شخص رسول دشمنی پر قائم رہتا ہے اور
 مومنوں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے "ذُوْلَہٗ مَا تَوَلَّوْا"
 تو پھر جدھر وہ جانا چاہتا ہے، ہم اُدھر ہی کی توفیق دے دیتے ہیں۔ اس کا
 نتیجہ یہ ہوتا ہے "وَفَصْلَہٗ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيْرًا"
 (آیت) کہ وہ جہنم میں داخل ہوں گے جو کہ بدترین ٹھکانا ہے۔

فرمایا اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا
ہم نے آپ کو ان کفار و مشرکین پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ضرور ہی انہیں
راہِ راست پر لے آئیں۔ آپ کا یہ کام نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا کام یہ ہے کہ
آپ لوگوں کے سامنے راہِ ہدایت پیش کریں، ان کے لیے تعلیم و تبلیغ کا
کام کریں۔ کسی کو راہِ راست پر لانا یا گمراہی میں مبتلا رکھنا اللہ کا کام ہے
اسی لیے مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کی ہدایت
کے لیے نبی کو ذمہ دار نہیں بنایا تو امت کے لوگوں کو بھی زیادہ پریشان
نہیں ہونا چاہیے کہ فلاں شخص یا جماعت ہدایت کو قبول کیوں نہیں کرتے
انہیں حتی الامکان کوشش کر کے نتیجہ اللہ جل جلالہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔
مگر مشکل یہ ہے کہ لوگ تبلیغ و تعلیم کے معاملے میں دو فیصد کام بھی انجام
نہیں دے رہے ہیں۔ عام لوگ ذاتی کاروبار اور معاملات میں مصروف ہیں
اور دین کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی جا رہی ہے۔ مشرک کافر تو دنیا
کی زندگی تک محدود ہیں اور وہ اس کے لیے تگ و دو میں لگے رہتے
ہیں مگر مومن کی دُعا ہمیشہ یہ ہوتی ہے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرة - ۲۰۱)

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی۔ یہ دنیا
تو آخرت کا ایک ذریعہ اور پل ہے جس سے گزر کر آخرت کی دائمی
زندگی میں پہنچنا ہے۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ اس سے غفلت
برتنا تباہ کن ہے اور آخرت سے غافل ہونا ابدی خسران اور بد نصیبی
کی علامت ہے۔

بہر حال فرمایا کہ کسی کو راہِ راست پر لانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے
”إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ“ (القصص) آپ اپنی خواہش پر کسی کو ہدایت

نہیں مے سکتے بلکہ منزل مقصود تک پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ یہ اہل ایمان کے لیے تسلی بھی ہے کہ آپ تبلیغ و تعلیم کا کام کرتے رہیں، انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں۔ اگر یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آتے تو یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے "وَلَا تَسْأَلْ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ" (البقرة - ۱۱۹) جہنم والوں کے متعلق آپ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیوں دوزخ میں گئے؟ بلکہ یہ اُن سے سوال ہوگا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟ تم سے صرف یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے انہیں صحیح راستہ بتایا یا نہیں۔ انہیں دین کو قبول کرنے کی ترغیب دی یا عمر بھر کھیل تماشے اور گانے بجانے میں ہی لگے رہے عمارت کی تزئین ہی کرتے رہے یا انسانیت کی بہتری کے لیے بھی کوئی کام کیا۔ فرمایا "وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور تیرا پروردگار آسمان و زمین کی تمام مخلوق ملائکہ، جن اور انسان سب کی حالت کو خوب جانتا ہے۔ جب اللہ ہی بہتر جانتا ہے تو پھر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون شخص اس قابل ہے کہ اُسے ہدایت نصیب ہو اور کون ہے جو گمراہی کے قابل ہے۔ بہر حال ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے اور وہی اس کا فیصلہ کرتا ہے یہ کسی نبی یا امتی کی ذمہ داری نہیں ہے۔

ارشاد ہوتا ہے "وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلَىٰ بَعْضٍ" اور البتہ تحقیق ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ مشرکین کا اعتراض تھا کہ نبوت کا دعویدار تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ ہم اسے نبی کیسے مان لیں۔ اگر اللہ کسی انسان کو ہی نبی بناتا تو کسی بڑے آدمی کو بناتا۔ کہتے تھے "لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ" (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکہ اور طائف کی دو بڑی بستیوں کے کسی سردار پر کیوں نہیں اُترتا۔ کیا البوطی

انبیاء کے
درجہ

کامیاب بھتیجا ہی اس کام کے لیے رہ گیا ہے۔ اس اعتراض کا ایک جواب تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک کی حالت، کیفیت اور استعداد کو جانتا ہے اور اسی کے مطابق کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس کی استعداد کے مطابق منصب نبوت کے لیے منتخب فرمالتا ہے، اس میں کسی دوسرے کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اور اب دوسرا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ نے بعض انبیاء کو بعض پر ان کے کمال اور شرف کی بنا پر فضیلت بخشی ہے۔ نبوت کی تقسیم کسی ظاہری تعلقات کی بنا پر نہیں ہوتی بلکہ روحانی اور نفسانی کیفیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر خلیفہ اللہ کی حیثیت سے نبی کا تعلق ساری مخلوق سے ہوتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کا نبی ہے۔ کیونکہ اس کی روحانی، اخلاقی اور نفسانی حالت کمال درجے کی ہے۔ جیسے اللہ نے داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا "إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ" (ص ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا کی۔ خلیفہ ہونے کے باوجود آپ بڑے عبادت گزار تھے اور اللہ نے آپ کو کمال درجے کی روحانیت بھی عطا فرمائی تھی آپ بطور خلیفہ جہاد بھی کرتے تھے اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ کتاب زبور کی تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ کبھی نصف رات عبادت کرتے تھے، کبھی چھٹا حصہ اور کبھی تیسرا حصہ اور اس طرح آپ عبادت بھی کرتے اور آرام بھی کرتے۔ اور جب جہاد کا موقع آتا وہ کان لایفرا إذا لاقی جب دشمنوں سے ٹھیسر ہو جاتی تو پھر پشت پھیر کر نہیں بھاگتے تھے بلکہ ثابت قدم رہتے تھے۔

اب یہی چیز اللہ نے نبی آخر الزمان میں بھی رکھی ہے۔ آپ جہاد

بھی کہتے تھے اور قرآن کے ذریعے تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔
 ”وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا“ (الفرقان) آپ اس
 قرآن پاک کے ذریعے لوگوں کے ساتھ بڑا جہاد کریں۔ جب تک دنیا
 میں کفر، شرک اور گمراہی موجود ہے جہاد بذریعہ قرآن جاری ہے۔ آپ
 خلیفہ اللہ بھی ہیں اور خدا داد استعداد اور اعلیٰ درجے کی انسانی کیفیت
 کی بناء پر تبلیغ دین کا کام بھی انجام دے رہے ہیں۔ اللہ نے دونوں صلاحیتیں
 آپ کو عطا فرمائی تھیں۔ آپ کمال درجے کے عبادت گزار اور خوفِ خدا
 سے معمور تھے۔ اللہ کے پانچ نبی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت
 ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اولو العزم رسول شمار ہوتے ہیں۔ لہذا آپ
 علیہ السلام کو بھی حکم ہوا ”فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا“ اُولُوا الْعِزْمِ
 مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف - ۳۵) آپ بھی اولو العزم رسولوں کی
 طرح صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ غرضیکہ ان اولو العزم رسولوں میں
 سے بلند ترین مرتبہ حضور کو حاصل ہے۔ آپ صاحبِ کتاب، صاحبِ
 جہاد، صاحبِ عبادت اور صاحبِ معاملہ ہیں اللہ نے آپ کو تمام
 انبیاء پر فضیلت بخشی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے بعض انبیاء کو بعض
 پر فضیلت عطا کی ہے اگرچہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے مگر
 ان کے درجات بہر حال متفاوت ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام
 کے متعلق فرمایا ”وَإِخْذِ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا“ (النساء)
 اللہ نے آپ کو اپنا دوست بنایا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے
 متعلق فرمایا ”وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا“ (النساء) اور موسیٰ
 علیہ السلام کو شرفِ مکلم بخشا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا۔
 ”وَاتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ“

بِرُّوحِ الْقُدُسِ (البقرة - ۸۷) کہ ہم نے انہیں نشانیاں دے کر بھیجا اور روح القدس کے ساتھ ان کی تائید فرمائی۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کو بھی اللہ نے خاص فضیلت عطا فرمائی "إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" (آل عمران) اللہ نے ان انبیاء کو جہاں بھر میں منتخب فرمایا اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کو خلیفہ دوستی کے ساتھ محبوبیت کا درجہ بھی عطا فرمایا انا حَبِيبُ اللَّهِ میں اللہ کا محبوب ہوں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بافقہ شرف عطا فرمایا ہے، لہذا یہ مشرکین اعتراض کرنے والے کون ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے جدیسا انسان ہے۔ ہم اس کی اتباع کیسے کریں؟

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی

زبور کا
خصوصی ذکر

کتاب زبور کا خاص طور پر ذکر فرمایا "وَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا" اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ زبور کے ذکر کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں آخری دور کے نبی اور آپ کی امت کی خلافت ارضی کا ذکر ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ" (آیت ۱۰۵) ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے، اور نیک بندوں کی تشریح میں حضور خاتم النبیین اور آپ کی امت کے لوگ آتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے اس پیشگوئی کو خلافت راشدہ کی صورت میں پورا فرمادیا، دین کو مستحکم کیا اور خوف کو امن میں تبدیل کر دیا۔ نظام اسلام کو تمام باطل قوتوں حتیٰ کہ قیصر و کسری پر بھی غالب کر دیا۔ یہ سلسلہ صدیوں تک قائم رہا، پھر مسلمانوں کی نالافتی کی وجہ سے ان پر زوال آگیا۔ انہوں نے خلافت کو ترک کر کے ملوکیت اختیار کر لی تو ذلیل ہو کر رہ گئے۔ جس بیماری

کو مسلمانوں نے ختم کیا تھا، خود اسی میں مبتلا ہو کر رسوا ہوئے۔ مگر ان کی ترقی کا زمانہ بھی دنیا نے دیکھا۔ بہر حال زبور میں مسلمانوں کے درخشاں مستقبل کی پیشین گوئی تھی۔ اس واسطے اس کا خصوصی ذکر کیا۔

تلاوت زبور
اور قرآن

اس مقام پر زبور کے خصوصی ذکر کی ایک وجہ یہ بھی مفسرین بیان کرتے ہیں کہ زبور اور قرآن کی تلاوت کے سلسلے میں دونوں کتابوں کو ایک خاص شان حاصل ہے۔ زبور کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں جن میں زیادہ تر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اخلاقی تعلیمات ہیں۔ جب آپ زبور کی تلاوت خوش السحانی کے ساتھ کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ آپ کو تلاوت زبور کا اتنا ذوق و شوق تھا کہ خادم کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیتے۔ جب تک خادم گھوڑا اصطبل سے لا کر اس پر کاکھی ڈالتا، آپ اتنے عرصہ میں پوری زبور کی تلاوت فرما لیتے اللہ نے آپ کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ چار پانچ منٹ میں پوری زبور پڑھ جاتے اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کے عہد میں بھی بعض حضرات کو غیر معمولی توفیق حاصل رہی ہے، جیسے حضرت عثمانؓ ایک رات میں پورا قرآن پاک ختم کر لیتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ خانہ کعبہ کے قریب نماز شروع کرتے تو ایک رکعت میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کر لیتے۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے قاضی حمید الدین ناگوری کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو طواف کر رہے تھے آپ انکی روحانیت سے متاثر ہوئے اور طواف میں انکے نقش قدم پر چلنے لگے وہ بزرگ فرمانے لگے طواف میں میرے نقش قدم پر کیا چلتے ہو، اگر کچھ کرنا ہے تو میرے والا کام کرو اور وہ کام یہ تھا کہ آپ رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو دو رکعت میں پورا قرآن پاک اور چار پارے تلاوت کر گئے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کو بھی اللہ نے خاص توفیق بخشی تھی کہ عصر اور مغرب کے درمیان پورا قرآن پاک تلاوت کر لیتے۔ یا صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھتے اور طلوع آفتاب تک

تلاوت مکمل کہہ لیتے۔ یہ ان بزرگوں کی خاص کرامت تھی۔ مولانا شاہ شرف علی تھائی
 ہر روز دس پارے تلاوت فرماتے تھے۔ امام محمدؒ کا بھی یہی دستور تھا۔ حضرت
 مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ بھی دس پارے روزانہ پڑھتے۔ ہمارے شیخ
 حضرت مدنیؒ تمام تر مصروفیات کے باوجود رمضان میں ہر روز سات پارے
 تلاوت کہہ لیتے۔ تاہم عام ایام میں نوافل میں دو اڑھائی پارے ضرور پڑھ
 لیتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ ہر رات ایک قرآن نماز میں ختم کرتے۔ البتہ
 رمضان المبارک میں ایک قرآن پاک دن کو اور ایک رات کو تلاوت کرتے
 حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ ایسے بھی گزرے
 ہیں جو کرامت کے طور پر ہر روز سات سو مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے۔ کسی
 نے پوچھا کہ پھر وہ خیال ہی کرتے ہوں گے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ
 مَلْفُوظًا لَا مَوْهُوْمًا یعنی وہم سے نہیں بلکہ لفظاً بلفظاً تلاوت فرماتے
 ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو بات عقل میں نہیں آسکتی اس کا تعلق کرامت سے
 ہوتا ہے۔ بہر حال زبور اور قرآن میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں کتابوں
 کی تلاوت غیر معمولی طور پر قلیل وقت میں کہہ لی جاتی ہے۔

تلاوت زبور کو واقعہ معراج سے بھی نسبت ہے۔ جس طرح داؤد علیہ
 زبور کی تلاوت چند منٹ میں مکمل کہہ لیتے تھے، اسی طرح اللہ نے حضور
 علیہ السلام کو ارض سما کی سیر بھی چند منٹ میں کرادی۔ اس کا ذکر اس سورۃ کی
 پہلی آیت میں گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے۔ تو گویا زبور کے ذکر کی
 ایک یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے۔

فرمایا کہ اللہ نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام
 کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی نبی کی فضیلت کا ذکر اس انداز میں نہ کرو کہ کسی دوسرے
 نبی کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا لَا تَفْضِلُونِي بَيْنَ
 الْأَنْبِيَاءِ مجھے باقی انبیاء پر اس انداز میں فضیلت نہ دو کہ کسی دوسرے نبی

فضیلت
 انبیاء میں
 احتیاط

کی تحقیر ظاہر ہوتی ہو مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کی لغزش کے مقابلے میں
 حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے۔ کسی نبی کی شان میں تحقیر کا کوئی پہلو روا نہیں
 ایسا کہہ کر گئے تو ایمان سلب ہو جائے گا۔ ہر نبی کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے
 ہوئے اُن کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے بات کہہنی چاہیئے۔ کسی
 ایک نبی کی تعریف اور دوسرے کی توہین کفر کی بات ہے۔

سُجُنَ الذِّی ۱۵

بَنَىٰ اسْرَآئِیْلَ ۱۷

دَرْسِ ہَفْصِہُمْ ۱۷

آیت ۵۶ تا ۵۸

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا
يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۵۶﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ
الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَ
يَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾
وَأَنَّ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ
فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ بلاؤ تم اُن کو جن
کو تم اللہ کے سوا خیال کرتے ہو۔ پس نہیں مالک وہ
مکلیف دُور کرنے کے تم سے اور نہ تبدیل کرنیکے ﴿۵۶﴾
یہی لوگ ہیں جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ تو تلاش کرتے
ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون اُن میں سے زیادہ قریب
ہو۔ اور اُمید رکھتے ہیں اُس کی رحمت کی، اور خوف کھاتے
ہیں اُس کے عذاب سے۔ بیشک تیرے پروردگار کا عذاب
ڈرنے کے قابل ہے ﴿۵۷﴾ اور نہیں ہے کوئی بستی مگر
ہم اس کو ہلاک کرنے والے ہیں قیامت سے پہلے، یا
اس کو سزا دینے والے ہیں سخت سزا۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ﴿۵۸﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی کہ وہ مشرکین سے عداوت کی بناء پر اپنی زبانوں سے کوئی غلط بات نہ نکالیں، بلکہ ہمیشہ اچھی بات کہیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان جھگڑا کھڑا کر کے اپنا الو سیدھا کرے کیونکہ وہ انسان کا صریح دشمن ہے۔ فرمایا شیطان کے پیچھے لگنے کی بجائے ہمیشہ سچی بات کہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرمایا کہ آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ہر شخص ضرور ہی ہدایت قبول کرے، آپ کا کام تبلیغ کہنا اور لوگوں کو سمجھانا ہے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اُس نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے خاص طور پر داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا کہ انہیں خلافت عطا کی، صاحب نبوت اور صاحب جہاد بنایا اور اسی طرح نبی آخر الزماں کو صاحب کتاب و جہاد بنایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام امو خلافت انجام دینے کے باوجود اللہ کے سر سے زیادہ عبارت گزار بندے تھے۔ دنیا کے کام ان کے تعلق باللہ میں حائل نہیں ہوئے۔

معبودانِ باطل
کی بے بسی

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے معبودانِ باطلہ کی پرستش کرنے اور ان کو اپنی حاجات میں پکارنے والے مشرکین کا رد فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ فَلِیْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِیْ اے پیغمبر! آپ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ اللہ کے سوا تم جن کے متعلق گمان کرتے ہو کہ وہ تمہاری حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتے ہیں، ان کو پکارو۔ اُن کو مدد کے لیے بلاؤ اور پھر دیکھ لو۔ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا مَخْرَجًا کہ وہ اس بات کے مالک نہیں ہیں کہ تم سے کوئی تکلیف دور کر سکیں یا اسے تبدیل کر سکیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ تمہارے معبود خواہ

فرشتے ہوں، جنات ہوں، انبیاء ہوں یا اولیاء، کسی کو بھی پکار کر دیکھ لو، وہ تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکیں گے، فرشتے تو اللہ کی پاک مخلوق ہیں، اللہ نے ان کو ایک حد تک اختیار بھی دے رکھا ہے مگر وہ بھی وہی کام کرتے ہیں جس کا اللہ انہیں حکم دیتا ہے۔ خود بخود وہ کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں کر سکتے۔ یہی حال انسانوں اور جنوں کا ہے۔ وہ بھی مافوق الاسباب کسی کی مدد نہیں کر سکتے کہ کسی بیمار کو شفا عطا کر دیں، کسی ملزم کو بری کر دیں یا کسی کو حادثے سے بچا سکیں۔ نفع و نقصان تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے گا تو تکلیف کو دور کر دے گا اور چاہے گا تو نقصان میں ڈال دے گا البتہ جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ کوئی تکلیف دور کرنے یا اسے تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی مصیبت میں کمی کر دیں یا ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال دیں، فرمایا یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ جب فرشتوں، انسانوں اور جنوں کو یہ اختیار حاصل نہیں، جن کو اللہ نے کسی حد تک اختیار بھی دیا ہے تو پھر پھرتوں، درختوں اور بتوں سے یہ کیسی امیدیں لگائے بیٹھتے ہیں جو کہ خود بے جان اور حرکت کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ مصلیٰ وہ ان کے کام کیسے آسکتے ہیں۔

فرمایا اُولَئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ حَتّٰى كُوْنُوْا لَهَا حَاجَتُوْنَ
پکارتے ہیں، اُن کی حالت تو یہ ہے يَجْتَفِعُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ
اَلْوَسِيْلَةَ وَهٖ تَوْخُوْذُ بِنِزْوَةِ رَبِّكَ مِنْ كُلِّ مَرْتَبَةٍ
اَيُّهُمْ اَقْرَبُ كَرُوْنَ اُنْ مِنْ زِيَادَةٍ قَرِيْبٍ هُوَ سَجَارَةُ شَرْفِ مِيْنِ
موجود ہے کہ دور جا ملہیت میں بعض مشرکین جنات کی پوجا کرتے تھے اور
ان کو اپنی حاجات میں پکارتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی،
تو یہ جن تو مسلمان ہو گئے، مگر مشرک لوگ بدستور ان کی پرستش کرتے رہے
اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ دیکھو! جن کو یہ مشرک پکارتے ہیں وہ

تو ایمان لے آئے ہیں اور خدا کے قرب کے لیے وسیلہ کے متلاشی ہیں، مگر یہ مشرک لوگ ابھی تک انہی کی پوجا کیے جا رہے ہیں۔ یہ کتنی حماقت کی بات ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرب کا بہترین وسیلہ ایمان اور نیک اعمال ہیں تو جن کو مشرک پکارتے ہیں، وہ خود ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دے رہے ہیں تاکہ اللہ کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہو جائے۔ بعض مفسرین اٹھتے آتے ہیں کہ یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ جو زیادہ مقرب ہیں وہ بھی مزید تقرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں مگر یہ بد بخت انہی کی پوجا کیے جا رہے ہیں۔ جب مقربین بھی وسیلہ کے متلاشی ہیں تو دور والوں کا کیا حال ہو گا وہ تو قرب الہی کے زیادہ محتاج ہیں۔ ایسے لوگوں کو حاجات میں پکارنا تو ویسے ہی قرین قیاس نہیں۔

فرمایا اللہ کے یہ مقربین اس کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں وَيَسْجُدُونَ رَحْمَتَهُ اور ساتھ ساتھ رحمت خداوندی کی امید بھی رکھتے ہیں کہ وہ ضرور انہیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوفزدہ بھی ہیں کیونکہ عَذَابُ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا بیشک تیرے پروردگار کا عذاب ایسی چیز ہے کہ اس سے خوف ہی کھانا چاہیے۔

وسیلہ کے
مختلف
معانی

وسیلہ کا لفظ سورۃ المائدہ میں بھی موجود ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرجاؤ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً اس سے وہ چیز مراد ہوتی ہے جس کے ذریعے دوسرے کا قرب حاصل کیا جائے۔ وسیلہ کا ایک معنی حاجت بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت نافعؓ نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت وسیلہ کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا حاجت

انہوں نے پھر دریافت کیا کہ کیا عربی زبان میں اس کا کوئی ثبوت موجود ہے
آپ نے فرمایا، ہاں، کیا تم نے زمانہ جاہلیت کے عربی شاعر ابن شداد کا یہ
یہ شعر نہیں پڑھا؟

إِنَّ الرَّجَالَ لَهُمُ إِلَيْكَ وَسِيلَةٌ
أَنْ يَأْخُذُوا بِكَ تَحْتَلِي وَتَخْضَبِي

عشق و محبت کے تعلق سے شاعر عورت کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ
مردوں کو تیری حاجت ہے، لہذا تم آنکھوں میں سرمہ اور ہاتھوں میں مہندی
لگا کر بن سنور کر رہا کرو۔ ان معانی میں ”وَابْتَغُوا إِلَيْكَ الْوَسِيلَةَ“
کا مطلب یہ ہو گا کہ اپنے رب کے ہاں حاجت طلب کرو۔

وسیلہ کا ایک معنی ”درجہ اور مرتبہ“ بھی ہے جیسا کہ آذان کے بعد الی دعا
میں سکھایا گیا ہے اَلتَّ حَكْمَكَ الْوَسِيلَةَ الخ لے پروردگار
نبی رحمت کو اعلیٰ ترین مرتبہ عطا فرما۔ حضرت مولانا شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ کہ
وسیلہ حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سے بلند ترین مقام کا نام ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا دعائیں کسی کا توسل جائز ہے یا نہیں۔ توسل
دو قسم کا ہے۔ توسل بالاعمال یہ ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کو پیش کر کے
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے کہ مولا کریم! میں نے فلاں نیک کام
تیری رضا کی خاطر کیا تھا، اگر تجھے یہ منظور ہے تو اس کی برکت سے میرا فلاں
کام کر دے۔ یا فلاں تکلیف رفع کر دے۔ بخاری شریف کی روایت میں تین
آدمیوں کا ذکر آتا ہے جو کسی غار میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ غار کے منہ پر
ایک بڑا پتھر آگرا تھا جسکی وجہ سے باہر نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آتا
تھا۔ جب وہ لوگ ظاہری اسباب سے بالکل مایوس ہو گئے تو ان میں
سے ہر ایک نے اپنے اپنے ایک نیک عمل کے توسل سے اللہ تعالیٰ
سے رہائی کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس پتھر کو

توسل
بالاعمال

غار کے منہ سے سہر کا دیا اور وہ تین آدمی باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ
توسل بالاعمال ہے اور سب کے نزدیک جائز ہے۔

توسل بالذات
(۱) ناجائز و طبعی

اپنی دعائیں کسی کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا دو طرح سے ہے ایک
طریقہ وہ ہے جو مشرک لوگ اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ کی
بارگاہ میں اس طرح وسیلہ بناتے ہیں کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض، یہ معبود ہمارا
کام ضرور بنادیں گے۔ اس قسم کے توسل کو شفیع غالب یا شفیع قاہر کا عقیدہ کہا
جاتا ہے جسے مشرک اختیار کرتے ہیں اور یہ باطل اور ناجائز ہے۔ مشرک
اپنے معبودان کے متعلق کہتے تھے ”مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا
إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ“ (الزمر) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ
یہ ہمیں اللہ کا قرب دلادیں۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ معبود ہماری حاجتیں
اللہ سے پوری کر دیتے ہیں۔ یہی عقیدہ یہودیوں کا بھی تھا۔ وہ بھی کہتے تھے
کہ ابراہیم علیہ السلام کسی غلتہ شدہ یہودی کو دوزخ میں نہیں گمرے دیں گے۔
بلکہ اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ اس قسم کا عقیدہ امت مسلمہ کے
بعض فرقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو سمجھتے ہیں کہ امام حسینؑ کا نعرہ مار لینے
ان کا جلوں سے نکالنے اور قائم کرنے سے ہی نجات حاصل ہو جائیگی۔ انہیں
نہ نماز کی فکر ہے۔ نہ روزے کی، نہ حج کی اور نہ زکوٰۃ کی۔ وہ امام حسینؑ کی خوشنختہ
محبت کی بناء پر ہی جنت کے وارث بننا چاہتے ہیں۔ بعض اپنے پیروں
کے متعلق بھی اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا عرس کر لو ختم دلادو۔ اور
قوالی کر دو تو بات بن جائے گی، باقی کسی فرض واجب کی ضرورت نہیں۔ یہ
جبری شفاعت والا مشرکین کا عقیدہ ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو
دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں۔ کہ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے امیر،
وزیر یا مصاحب کی بات کو نہیں ٹال سکتا کہ ایسا کرنے سے ملک میں بغاوت
کا خطرہ ہوتا ہے، اسی طرح (نعوذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے مقربین کے

سامنے مجبور سمجھتے ہیں کہ وہ اُن کی سفارش کو رد نہیں کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اُس کی مشیت میں کوئی دم نہیں مار سکتا بلکہ اُس کا فرمان تو یہ ہے "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ" (البقرہ) اُس کے حکم کے بغیر تو کوئی ذات اس کے سامنے سفارش کرنے کی صرات جی نہیں کر سکتی چہ جائیکہ اُس سے کوئی بات زبردستی منوائے۔

(۲)
جائز وسیلہ

البتہ ذات کا ایک توسل جائز بھی ہے، مثلاً کوئی شخص مستعان اور معبود صرف ذات حق کو سمجھتے ہوئے یوں کہے کہ اے اللہ! ملائکہ، انبیاء یا اولیاء کے وسیلہ سے میری یہ حاجت پوری کر دے۔ کسی نبی، ولی یا قبرِ مائے برہان سے طلب کرنا تو بلاشبہ شرک ہے مگر اُن کا محض وسیلہ و الذاروا ہے۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ لوگ یہ وظیفہ پڑھتے ہیں "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ" یعنی اے پیر عبدالقادر جیلانی خدا کے واسطے سے ہمیں کوئی چیز دے دے فرماتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے وسیلے کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر اس وظیفہ کو الٹ دیا جائے اور یوں کہا جائے۔ "یا اللہ شینا لشیخ عبدالقادر جیلانی" یعنی اے اللہ! شیخ عبدالقادر جیلانی کے وسیلہ سے ہماری حاجت پوری کر دے، تو یہ درست ہوگا۔ اسی طرح کوئی شخص کہتا ہے کہ اے اللہ! سید علی ہجویریؒ کی برکت سے میرا یہ کام کر دے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سید تیرا ایک مقبول بندہ تھا۔ میں اُن کو اپنا ہادی و راہنما سمجھ کر ان سے محبت کرتا ہوں۔ میری اُن سے محبت اور تعلق ہی میرا عمل ہے جس کا میں وسیلہ پیش کر رہا ہوں، لہذا میری مراد پوری فرمے اس وسیلہ کو علمائے دیوبند بالاتفاق جائز قرار دیتے ہیں۔ مولانا حسین علیؒ واں بچہ ایں والے فرماتے ہیں کہ کسی نیک آدمی کی ذات کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے، وہ ایمان، اتباع اور محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہی محبت اور حسن عقیدت اللہ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرنا

بالکل درست ہے۔ اور یہ دراصل اعمال ہی کا وسیلہ ہوتا ہے۔
 اب ذات کا وسیلہ کسی نیک اور مقرب ہستی کی زندگی میں بھی روا ہے
 اور وفات کے بعد بھی۔ زندگی میں نبی یا ولی یا کسی بزرگ سے دُعا کرائی
 جائے گی اور اس کی وفات کے بعد محض توسل پیش کیا جائے گا۔ بعض
 لوگ کہتے ہیں کہ وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟ بھی! درست ہے، بیشک
 براہ راست دُعا مانگو، لیکن اگر کوئی درمیان میں وسیلہ ڈالتا ہے تو اس
 میں عرج کیا ہے؟ دیکھو! حضرت مجید الصفت ثانیؐ کی دعاؤں میں یہ الفاظ
 موجود ہیں۔ ”بِحُرْمَتِ النَّبِيِّ وَالْأَمَةِ“ یعنی اے اللہ! نبی اور آپ کی آل کی
 حرمت سے ہماری فلاں مراد پوری کر دے۔ بخاری شریف میں حضرت
 عمر کا یہ عمل موجود ہے کہ قحط کے زمانے بارش کی دُعا کے لیے حضرت
 عباسؓ کا وسیلہ پکڑا۔ عرض کیا، اے اللہ! پہلے ہم نبی علیہ السلام کا توسل
 پکڑتے تھے، آپ کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا
 کی درخواست کیا کرتے تھے، اب وہ ہم میں موجود نہیں لہذا ہم تیرے
 نبی کے چچا کا توسل کر رہے ہیں۔ لہذا بارانِ رحمت نازل فرما۔
 بعض کہتے ہیں کہ یہ تو زندگی میں توسل ہے۔ وفات کے بعد
 کیسے جائز ہوا؟ تو عرض ہے کہ ترمذی شریف کی صحیح حدیث میں عثمان
 ابن حنیفؓ کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے اس طرح دُعا کی کہ اے اللہ!
 میں تیرے نبی رحمت کا واسطہ پیش کرتا ہوں کہ اُن کی وجہ سے میری
 حاجت پوری فرما۔ البتہ کسی نبی یا ولی سے اللہ کے علاوہ براہ راست
 طلب کرنا شرک میں داخل ہے۔ اُن کو یہود و مشرکین کی طرح شفع قاہر
 ماننا بھی سراسر گمراہی ہے۔

سبستی کی
ملکت

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ مِّنْ قَرِيْبَةٍ إِلَّا نَحْنُ مَهْلِكُوهَا
قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور کوئی بستی نہیں ہے مگر ہم اسے قیامت

سے پہلے ہلاک کر دے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس ہلاکت کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ہم سزا کے طور پر فحط، وبا، طوفان یا زلزلہ وغیرہ بھیج کر کسی بستی کو ہلاک کر دیں گے یا پھر ساری بستیاں طبعی طور پر ہلاک ہو جائیں گی۔ صحیح حدیث میں آتا ہے اَخِرُ الْبُكَدَانِ خَرَابًا اَلْمَدِیْنَةُ یعنی قیامت سے پہلے سب سے آخر میں ختم ہونے والی بستی مدینہ ہوگی۔ سزا یا چرواہے اپنی بکریاں شہر کی طرف لائے ہوں گے۔ شہر میں انسانوں کی بجائے درندے ہوں گے۔ قیامت کا طوفان برپا ہو چکا ہوگا۔ اور وہ بھاگ بھاگ کر شہر کی طرف آ رہے ہوں گے۔ وہ چرواہے شہر کے دروازے کے مقام پر پہنچیں گے۔ تو وہیں گے کہ ہلاک ہو جائیں گے مطلب یہ کہ سزا کے طور پر یا طبعی طور پر ہر بستی ہلاک ہوگی۔ اور مدینہ طیبہ سب سے آخر میں ہلاک ہوگا۔

بعض مشرکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فلاں فلاں ہماری بستیوں کے ”شاہ ولایت“ ہیں جو ہماری مصیبتوں کو ٹالتے رہتے ہیں۔ بعض جنات کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ سب غلط ہے۔ کوئی شاہ ولایت کسی کا دکھ دور نہیں کر سکتا اور نہ آنے والی مصیبت ٹال سکتا ہے۔ بین الاقوامی جنگوں میں کتنی تباہی آتی ہے مگر کوئی شاہ ولایت اس کے آڑے نہیں آتا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ملکوں کے ملک تباہ ہو گئے، فرانس، جرمنی، روس اور بلجیم وغیرہ کی اینٹ کے اینٹ بج گئی، جیسا کہ امن ہوا تو پھر آباد ہوئے۔ اب دنیا میں اگلی جنگ ایسی جنگ ہوگی، خدا جانے دنیا کا کتنا حصہ تباہ ہوگا، جنگ فحط سالی، زلزلہ وغیرہ سب خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا ہوتی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ملکوں کے ملک تباہ کر دیتا ہے اس قسم کی سزائیں ملتی رہتی ہیں اور پھر آخر میں طبعی طور پر تمام بستیاں ختم ہو جائیں گی۔

فرمایا، کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں۔
 اَوْ مَعَذِبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا اَيَّاسے سخت سزا میں مبتلا کریں

فرمایا کہ اِنَّ ذٰلِكَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا یہ سب کچھ لوح
 محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں۔ کہ ہر شہر اور بستی کے
 لوگ ایک ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی پناہ میں ہیں۔ جیسا کہ میں نے
 ابھی شاہ ولایت کا تصور عرض کیا۔ مگر وقت آنے پر کوئی کسی کو پناہ نہیں دے
 سکے گا لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (ہود) کوئی کسی کو مصیبت
 سے نہیں بچا سکتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمائے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا
الْأَوَّلُونَ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا
بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخَوِيفًا ۝۵۹ وَإِذْ
قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا
الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ
الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَخَوَّفَهُمْ بِمَا يَزِيدُهُمْ
إِلَّا طَغْيَانًا كَبِيرًا ۝۶۰

ترجمہ:- اور نہیں روکا ہمیں کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر (اس
چیز نے) کہ جھٹلایا ہے ان (نشانوں) کو پہلے لوگوں نے
اور دی تھی ہم نے قوم ثمود کو ایک اونٹنی، روشن نشانی
پس ظلم کیا انہوں نے اس کے ساتھ اور نہیں بھیجتے ہم
نشانیاں مگر خوف دلانے کے لیے ۝۵۹ اور جب کہ
دیا ہم نے آپ کے لیے کہ بیشک آپ کا پروردگار اچھا
کرتا ہے لوگوں کو، اور نہیں بنایا ہم نے وہ دکھلاوا جو
دکھایا تھا آپ کو مگر لوگوں کی آزمائش کے لیے۔ اور
(ایسا ہی) وہ درخت جس پر پھٹکار کی گئی ہے قرآن میں۔
اور ہم خوف دلاتے ہیں اُن کو، اور نہیں زیادہ ہوتی ان
کے لیے مگر سرکشی بہت بڑی ۝۶۰

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا کہ وہ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں، وہ نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو خود اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں، انہیں کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ پھر اللہ نے قیامت سے پہلے تمام بتوں کی ہلاکت کا ذکر کیا کہ انہیں سخت سزا دیں گے اور یہ بھی کہ اللہ کے علم میں یہ حتمی فیصلہ ہے کہ ایسا ضرور ہوگا اور نافرمانوں کو انہی نافرمانی کی ضرور سزا دی جائیگی۔

شان
نزول

اب آج پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو حضور علیہ السلام سے طرح طرح کی نشانیاں اور معجزات طلب کرتے تھے۔ اس آیت کے شان نزول میں طبرانی اور بعض دوسرے مفسرین نے حضرت سعید ابن جبیرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ سے روایات نقل کی ہیں۔ مشرکین مکہ نے حضور سے کہا کہ آپ خود بتلاتے ہیں کہ پہلی امت کے لوگوں نے اپنے اپنے انبیاء سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے، کسی نبی نے مادر زاد اندھوں کو بینا اور مردوں کو زندہ کیا اور کسی کی لاشوں نے عجیب و غریب کام کیے لہذا آپ بھی ہماری خواہش کے مطابق یہ نشانی ظاہر کریں کہ وہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں۔ مکے کی سرزمین خشک پہاڑیوں پر مشتمل ہے، ان پہاڑوں کو ہٹا کر اس زمین میں چشمنے اور نہریں جاری کر دیں تاکہ ہم کھیتی باڑی کر سکیں۔ اگر آپ ہماری یہ فرمائش پوری کر دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے اس کے علاوہ بعض دیگر نشانیوں کا ذکر بھی آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے بہر حال ان لوگوں نے ایمان لانے کے لیے یہ پیشگی شرط عائد کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! میں اس بات پر قادر ہوں کہ انہی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کر دوں، لیکن آپ ان پر واضح کر دیں کہ یہ نشانیاں پا کر بھی اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر انکو بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جیسا کہ پہلی قوموں کو ہلاک کیا گیا، دوسری بات یہ ہے کہ نشانیاں ظاہر کرنی بجائے میں ان کو مہلت دیتا ہوں اور ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہوں تاکہ یہ ایمان لاسکیں

اس پر حضور علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولا کریم! نشانیاں ظاہر کرنے کے بعد ان کو ہلاک کرنے کی بجائے ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھ، شاید یہ ایمان لے آئیں۔

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان کیا ہے وَمَا مَنَعَنَا
أَنْ نُّسَلِّ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ اور
نہیں روکا ہمیں نشانیاں یا معجزات ظاہر کرنے سے مگر اس بات سے
کہ ایسی ہی نشانیوں کو پہلے لوگوں نے بھی جھٹلادیا۔ اور اگر نشانیاں پانے
کے باوجود ان لوگوں نے بھی تسلیم نہ کیا۔ تو پھر انہیں بھی ہم ہلاک کیے بغیر نہیں
چھوڑیں گے۔ سابقہ ابیاد کے معجزات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے عصا اور ید بیضا وغیرہ کے معجزات ہیں جنہیں دیکھ کر فرعون نے ایمان نہ
لائے اور پانی میں غرق کر دیے گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
مردوں کو زندہ کرنے، کوڑھیوں کو ٹھیک کرنے اور مادر زائد اذہنوں کو
بنا کرنے کے معجزات دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہ لائے اور طرح طرح
کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ آگے خاص طور پر حضرت صالح علیہ السلام
کی اونٹنی کا ذکر آ رہا ہے کہ انہوں نے یہ معجزہ خود طلب کیا مگر اللہ کی
اس نشانی کو خود ہی قتل کر دیا جسکی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے
تو اللہ نے فرمایا کہ ان مشرکین کی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کرنے سے ہمیں
اس بات نے روک رکھا ہے کہ کہیں یہ بھی انکار کر کے عذاب کے
مستحق نہ بن جائیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً اور ہم
نے قوم ثمود کو اونٹنی دی روشن نشانی۔ اگر مَبْصِرَةً سے پہلے آیت
مخذوف سمجھ لیں تو مطلب ہوگا۔ ایک ایسی نشانی جو بصیرت پیدا کرنے
والی تھی مبصرۃ کا معنی بہت واضح اور روشن بھی ہوتا ہے۔ گویا

ناقۃ
کی نشانی

اونٹنی کی نشانی ایک ایسی منہ مانگی نشانی تھی جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی
فَطْلَمُوا بِهَا مِکْرَاسِ قَوْمِ نَے اُس اونٹنی کے ساتھ ظلم کیا اور اُسے ہلاک
کر ڈالا۔ پھر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور تین دن کی مہلت کے بعد یہ
قوم ہلاک ہو گئی۔ دراصل قوم ثمود نے خود صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ
پر اس صورت میں ایمان لائیں گے کہ ہمارے سامنے اس چٹان سے دس ماہ
کی گاہیں اونٹنی پیدا ہو اور وہ ہمارے سامنے بچہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی
یہ فرمائش قبول فرمائی اور اُس پتھر سے اتنی بڑی اونٹنی برآمد ہوئی جو نئے فٹ
جگہ پر بیٹھتی تھی۔ اُس کا بچہ بھی کم و بیش اسی قد کاٹھ کا تھا۔ یہ اونٹنی دودھ
بھی بہت زیادہ دیتی تھی جس سے سب لوگ سیراب ہوتے تھے۔ پانی
بھی بہت زیادہ پیتی تھی۔ چنانچہ اس اونٹنی اور باقی جانوروں کے درمیان
پانی کی باری تقسیم ہو چکی تھی۔ سورۃ القمر میں موجود ہے اِنَّ الْمَاءَ
قِسْمًاۤ اٰتَيْنَاهُمْ اَیْکَ دِنِ یَہ اونٹنی چیتے کا سارا پانی پی جاتی تھی
جب کہ دوسرے دن باقی سارے جانور پیتے تھے۔ معجزانہ طور پر یہ پیدا ہونے والی
اس اونٹنی کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے وَلَا تَمْسُوْہَا بِسُوْءٍ
فَیَاْخُذْکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ (رہود) اس اونٹنی کو برائی کے
ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ عذاب کے مستحق بن جاؤ گے۔ مگر اُن بد بختوں نے
اللہ کی اس وعید کی پروا نہ کی وَکَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ
رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (النمل) شہر میں نو غنڈے آدمی
تھے جنہوں نے فساد مچا رکھا تھا۔ اُن میں سے اُن کے سرغنہ قیدار بن سالف
نے تلوار کے ذریعے اللہ کی اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس سے وہ
ہلاک ہو گئی اور پھر قوم پر خدا کا قہر نازل ہو گیا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے
قوم ثمود کو ایک واضح نشانی اونٹنی کی شکل میں دی مگر انہوں نے اس کے
ساتھ بھی ظلم کیا۔ اللہ نے یہ بات سمجھا دی کہ جب کوئی قوم منہ مانگی نشانی پا کر

بھی ایمان نہیں لاتی تو پھر اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ فرمایا ہمیں نشانیاں ظاہر کرنے سے اسی بات نے روک رکھا ہے کہ پہلے لوگ بھی ان کی تکذیب کر کے ہلاک ہوئے۔

نشانی
برائے
تخویف

فرمایا وَمَا ذُرِّيَّتُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ہم نہیں نشانی بھیجتے مگر خوف دلانے کی غرض سے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نشانیاں طلب کرنا محض نہ ماننے کا بہانہ ہوتا ہے۔ وگرنہ سچے لوگ بغیر نشانی دیکھے ہی ایمان لے آتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے بعض دیگر مواقع پر بھی لوگوں کی تخویف کی ہے مثلاً چاند اور سورج گرہن کے متعلق فرمایا إِنَّ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا (صحیحین) سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کا گھن کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ لہذا جب تم ایسی چیز دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ اس کی بڑائی بیان کرو۔ نماز کی طرف رجوع کرو اور صدقہ خیرات کرو۔ دوسری حدیث میں آتا ہے فَادْعُوا اللَّهَ ذِكْرُ اللَّهِ وَدُعَايِهِ وَاسْتَغْفَارُ اِلَيْهِ مَوْقِعُ لِلَّهِ تَعَالَى كَذِكْرِهِ دُعَاؤُهُ اسْتَغْفَارُهُ کی طرف جلدی کرو۔ مطلب یہ کہ ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلانے کے لیے ظاہر ہوتی ہیں کہ جب سورج اور چاند جیسی بڑی بڑی چیزیں بھی گھنا سکتی ہیں تو انسان تو ایک حقیر سی چیز ہے، اس کی کیا حیثیت ہے۔ لہذا ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اس کی گرفت نہ آجائے، افسوس کا مقام ہے کہ جدید دنیا کے لوگ اللہ سے ڈرنے کی بجائے ایسے مواقع پر سورج یا چاند کی فوٹو اتارنا شروع کر دیتے ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ سے بے خوفی

کی علامت اور اس کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔
فَرَمَا وَادَّ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَجَبَكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ
 اور جب کہ ہم نے کہہ دیا کہ بیشک آپ کے پُر دگار نے لوگوں کا
 احاطہ کر رکھا ہے۔ یعنی وہ سب کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے
 اور جس طرح چاہے اُن کے ساتھ سلوک کرنے پر قادر ہے آپ گھبراہٹیں
 نہیں اللہ تعالیٰ اِن مکرزہن کو سزا دیے بغیر چھوڑے گا نہیں۔

واقعہ معراج
 بطور
 آزمائش

سورۃ ہذا کی پہلی آیت میں واقعہ معراج بیان ہوا تھا۔ اب اس آیت
 کریمہ میں اسی واقعہ کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا
جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ
 اور ہمیں نبیاہم نے دکھلائے کہ جو آپ کو دکھلایا گیا تھا مگر لوگوں کے
 لیے آزمائش۔ دکھلائے سے مراد واقعہ معراج اور اس سے متعلقہ تمام
 مشاہدات ہیں جو آپ کو رات کے ایک بھٹوڑے سے جھٹے میں کھڑے
 کئے۔ چونکہ مشرکین مکہ اس واقعہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور اس
 کے خلاف پراپیگنڈا کرتے تھے تو اللہ نے فرمایا یہ واقعہ ان کے لیے آزمائش
 کا سبب بن گیا۔ اسے اہل ایمان نے تو فوراً تسلیم کر لیا مگر مخالفین اللہ طعنہ
 زنی کرنے لگے۔

رؤیا کا اطلاق خواب پر بھی ہوتا ہے اور بیداری میں ظاہری آنکھ سے
 دیکھنے پر بھی۔ مگر یہاں پر اس سے مراد خواب نہیں بلکہ آنکھ سے دیکھنا ہے
 تفسیر درمنثور اور تفسیر منطہری وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت
 منقول ہے رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمِعْرَاجِ وَالْاَسْرَى یعنی جو واقعہ
 اللہ نے معراج کی رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھایا۔ وہ آنکھ کا دکھلاؤ
 تھا نہ کہ خواب کا واقعہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت، دوزخ، سدۃ المنتقی

عالم بالا، انبیاء سے ملاقات وغیرہ حالت بیداری میں ظاہری آنکھ سے دکھلائے
تھے۔ اس پر سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ کسی چیز کا خواب میں دیکھنا تو کوئی
حقیقت نہیں رکھتا، کیونکہ انسان خواب میں بہت کچھ دیکھنے کے باوجود
اس پر تعجب نہیں کرتا۔ اگر مشرکین اسے خواب کا واقعہ سمجھتے تو اتنا دواویلا
نہ کرتے اُن کو تو مخالفت کا موقع ہی اس لیے ملا کہ حضور علیہ السلام نے
تمام واقعات بالمشافہ دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔

بعض گمراہ فرقے بھی اسے خواب پر محمول کرتے ہیں۔ اُن کی دلیل
یہ ہے رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ وَحْيٌ یعنی انبیاء علیہ السلام کے خواب سچے
ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی میں بیٹے کو ذبح
کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب من و عن سچا ثابت
ہوا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خوابوں کا ذکر قرآن پاک میں
موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کے عمرہ کرنے کے متعلق سورۃ الفتح میں
موجود ہے "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ التَّوْبٰتِ يٰۤاِلٰهَ الْاَرْنَہٗمَ
اپنے رسول کا خواب سچا کہ دکھایا۔ بہر حال معراج کا واقعہ خواب میں پیش
نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت تھی۔ اس بارے میں پروردگار، سرسید
اور اصلاحی وغیرہم کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ جمہور محدثین اور مفسرین
اس بات کے قائل ہیں کہ واقعہ معراج حالت بیداری میں پیش آیا۔ احادیث
میں پینتالیس صحابہ کرام سے یہ واقعہ منقول ہے اور اس کا ذکر حضور علیہ السلام
نے مختلف مجالس میں بار بار کیا ہے۔ بغرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس
واقعہ کو آزمائش کا سبب بنادیا کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون
اس کا انکار کرتا ہے۔

شجر طعنہ

فرمایا ایک تو واقعہ معراج کو آزمائش بنایا اور دوسرا وَالشَّجَرَةُ
الْمَلْعُوْنَةُ فِي الْقُرْآنِ اُس درخت کو بھی ذریعہ آزمائش بنادیا

جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ملعون کا معنی اللہ کی رحمت سے دوری ہے،
 اس سے مراد معصوم کا درخت ہے جس کے متعلق فرمایا "لَا يَكُونُ
 مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُوتٍ" (الواقعه) جھٹلانے والے گمراہ
 لوگوں کو کھانے کے لیے معصوم دیا جائے گا۔ بہت کڑوا اور بدبودار
 معصوم ہوگا جسے اس دنیا کے معصوم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ معصوم کے
 درخت، رحمت خداوندی سے اس لحاظ سے بھی دوری ہے۔ کہ یہ
 درخت "فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ" جہنم کے گہرے گڑھے میں ہوگا۔
 جو خدا کی رحمت سے بہت ہی بعید ہوگا! ملعون سے یہ مراد بھی لیا جا
 سکتا ہے کہ اس درخت کو کھانے والے لوگ ملعون ہوں گے۔ اس لیے
 اسے شجر ملعونہ کہا گیا ہے

ابو جہل اور اس کی پارٹی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ جہنم
 آگ کا گڑھا ہوگا اور اس کے ساتھ وہاں پر درخت کی موجودگی کو بھی مانتے
 ہیں، بھلا آگ اور درخت اکٹھے کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر کہتے کہ ہم تو زقوم
 کھجور اور مکھن کے مرکب کو کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں چیزیں ملنڈواتے
 اور کھجوریں اور مکھن ملا کر کھاتے اور کہتے کہ ہم زقوم کھاتے ہیں
 اس قسم کا تمسخر بھی کرتے۔ جہاں تک آگ کے اندر درخت کی موجودگی کا
 تعلق ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ہے۔ وہ جو چاہے کمرے
 اسے کون کسی کام سے روک سکتا ہے؟ تاہم اس قسم کی بعض مثالیں دنیا
 میں موجود ہیں۔ مثلاً مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ترکی کے بعض علاقوں میں
 سمندر نامی پرندہ ہوتا ہے جس کے جسم کی پشت سے کپڑا تیار کیا جاتا ہے
 مگر حیران کن بات یہ ہے کہ اگر اس پرندہ کو آگ میں پھینک دیا جائے تو
 وہ جلنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اور یہ آگ میں اسی طرح خوش ہوتا ہے
 جس طرح مچھلی پانی میں ہوتی ہے آپ شتر مرغ کو دیکھ لیں۔ یہ جانور طلبا

ہو اکوٹہ بلکہ لوہے کا سُرخ گرم گولہ یا سلاخ نکل جاتا ہے اور اس پر کوئی منفی اثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح جہنم کی آگ میں درخت کا ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔ جو لوگ اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں، وہ اللہ کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں جب کہ اسکی وحدانیت کے منہمک ہمیشہ شک وارتیاب میں پڑے رہتے ہیں۔ خدا کی قدرت کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے متعلق فلسفہ تاریخ کے امام ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ ایسا زہا ہے جسے کوئی شخص سارے نرم و نازک کانٹے پر سپار کو تولنا چاہے۔ ایسا ہی ان واقعات کو اپنے ترازو میں تولنا نہایت بے سمجھی کی بات ہے۔ اگر یہ چیز عقل میں نہیں آتی تو اسے چھوڑ دو۔ اس پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے واقعہ معراج اور حضور کے درخت کو لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ فرمایا ہم اس قسم کے واقعات بیان کر کے اور لوگوں کو آزمائش میں ڈال کر وَنُخَوِّفُهُمْ اَنْ كُوْنُوْا كَافِرًا کہہ دلاتے ہیں۔ مگر یہ مشرک، کافر اور بدعتیہ لوگ اس سے خوفزدہ نہیں ہوتے فَمَا يَنْبِيْهِمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا بلکہ ان کی سرکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ تمام نشانیاں اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کے دل، نیت اور عزائم فاسد رہتے ہیں۔ جو کہ سرکشی میں مزید اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ وہ ایمان لانے کی بجائے طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ کوئی کاہن کہتا ہے کوئی شاعر اور کوئی جادوگر۔ چاند کو دو ٹکڑے ہوتا دیکھا تو کہنے لگے سَيَمُوتُ الْمُشْتَمِرُ (القص) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے جو پہلے بھی ہوتا تھا اور اب بھی چلتا ہے، فرمایا، آپ فکر نہ کریں، اللہ ان سب کا احاطہ کرنے والا ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ اس کے فکر، بدعتیہ اور عمل کے مطابق سلوک کرنے لگا۔

سرکشی میں
اضافہ

سجّٰن الذی ۱۵

سبحٰ اسرءیل ۱۷

درس نوزدہم ۱۹

آیت ۶۱ تا ۶۵

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا
 إِبْلِيسَ ۖ قَالَ أَسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۖ ﴿٦١﴾
 قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ
 إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا خُتَيْكَنَ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا
 قَلِيلًا ۖ ﴿٦٢﴾ قَالَ أَذْهَبُ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ
 فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۖ ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزَزَ
 مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلَبَ عَلَيْهِمْ
 بَخِيلُكَ وَرَجِيْلُكَ وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ
 وَعِندَهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ الْأَغْوَرُ ۖ ﴿٦٤﴾
 إِنَّ عِبَادِي لَكَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰ
 بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۖ ﴿٦٥﴾

ترجمہ :- اور (اس بات کو بھی دھیان میں لاؤ) جب کہا ہم
 نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کے لیے ۔
 پس سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے ۔ کہا (ابلیس نے)
 کیا سجدہ کروں میں اُس کے لیے جس کو پیدا کیا ہے تو
 نے مٹی سے ﴿ ۶۱ ﴾ اُس نے کہا ، بھلا بتلائیں یہ شخص
 ہے جس کو تو نے بزرگی بخشی ہے مجھ پر ۔ اگر تو مہلت

مے گا مجھے قیامت تک، تو میں قابو کروں گا اس کی اولاد کو مگر بہت تھوڑے (۶۲) فرمایا (اللہ نے) جاؤ، جو پیروی کریگا ان میں سے تیری، پس بیشک جہنم تمہارا بدلہ ہو گا پورا پورا بدلہ (۶۳) اور قابو کرلو جس کو تم طاقت رکھتے ہو ان میں سے تم اپنی آواز کے ساتھ اور کھینچ کر لاؤ ان کے اوپر اپنے سوار اور پیدل، اور شریک ہو ان کے ساتھ مالوں میں اور اولاد میں اور ان کو وعدہ مے - اور نہیں وعدہ دیتا شیطان مگر دھوکے کا (۶۴) بیشک میرے بندے نہیں ہے تیرے لیے ان پر غلبہ، اور کافی ہے تیرا پروردگار کارساز (۶۵)

رابطات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد فرمایا اور ان کے یہودہ اعتراضات کا جواب دیا۔ ان کی منہ مانگی نشانیوں کے متعلق واضح کیا کہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اللہ نے یاد دلایا کہ وہ سب لوگوں کا احاطہ کرنے والا ہے اور کوئی فرد واحد اس کی پہنچ سے باہر نہیں ہے۔ پھر اللہ نے واقعہ معراج کے تذکرہ میں بتایا کہ یہ واقعہ لوگوں کے لیے ذریعہ آزمائش بن گیا اور اسی طرح دوزخ کا درخت ملعونہ بھی ایمانداروں اور بے ایمانوں کے لیے وجہ امتحان بن گیا۔ فرمایا اس قسم کی نشانیاں ہم محض خوف دلانے کے لیے ظاہر کرتے ہیں مگر یہ لوگ تعصب میں سرگردان ہو جاتے ہیں۔

ابلیس کا انکار
سجدہ اور چیلنج

گمراہ لوگوں کی گمراہی کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ ایک تو خود ان کی ذات میں سرکشی کا مادہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوتے ہیں اور دوسری وجہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے جو لوگوں کے دلوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی سرکشی اور لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کا تذکرہ فرمایا

ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ
اور اس بات کو دھیان میں لاؤ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام
کے لیے سجدہ کریں فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ تو ان سب نے سجدہ کیا
سوائے ابلیس کے۔ اُس نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی بلکہ اترتے
ہوئے بولا قَالَ أَسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيبًا کیا میں ایسی
ذات کے سامنے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ دوسری جگہ ہے
کہ پروردگار! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اور آدم کو مٹی سے، تو بھلا
میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کے سامنے کیسے سجدہ کر سکتا ہوں؟ پھر مزید حقارت
سے کہا قَالَ أَرَأَيْتَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ بھلا
بتلاؤں، دیکھیں تو یہ شخص ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے
أَرَأَيْتَ يَتَكَبَّرُ فِي تاکید کے لیے ہے اور مطلب ہوتا ہے أَخْبِرْنِي
مجھے بتلاؤں، خبردار کریں۔ تو شیطان نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ یہ
بات کی۔ پھر اُس نے چیلنج کر دیا إِنْ أَنْتَ تَنْتَظِرُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ اے اللہ! اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت
دے دے لَا أَخَذُكَ ذُرِّيَّتَكَ إِلَّا قَلِيلًا تو میں آدم علیہ السلام
کی اولاد کو پوری طرح قابو میں کر لوں گا مگر بہت تھوڑے أَحْتَنَانًا
کا معنی 'استحصال' بھی ہوتا ہے یعنی اولاد آدم کی جڑ بنیاد اکھاڑ دوں گا۔
جب کسی جانور کو قابو کرنے کے لیے اُس کے نچلے جھڑے میں رسی ڈال دی
جاتی ہے یا گھوڑے کو لگام دے دی جاتی ہے تو اُسے بھی حناک کہا جاتا،
شاہ عبدالقادر اس کا معنی اڑھانی لگانا کہتے ہیں۔ جب گدھے کو کھانے
پینے سے روکنا مقصود ہو تو اس کے منہ کے ارد گرد اسی باندھ دی جاتی ہے
ہندی محارے میں اسے ڈھانی لگانا کہتے ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ شیطان
نے چیلنج کر دیا کہ اگر اسے قیامت تک مہلت دے دی جائے تو وہ اولاد

آدم کو پوری طرح قابو میں کر لیا۔ اور اُسے اللہ کے راستے کی طرف نہیں جانے دیا۔ سورۃ اعراف میں شیطان کا یہ بیان اس طرح منقول ہے ”قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَكُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ“ اے مولا کریم! چونکہ تو نے مجھے گمراہ ٹھہرا ہی دیا ہے تو اب میں اولادِ آدم کے راستے میں بیٹھوں گا۔ اور انہیں صراطِ مستقیم اختیار نہیں کرنے دوں گا۔ قَالَ أَذْهَبَ اللَّهُ فِرْيَا، اچھا جاؤ۔ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اُولَادِ آدَمَ مِمَّنْ سَبَّ كُوْنِي تیری پیروی کر لیا فَإِنْ جَهِتُمْ جَزَاءُكُمْ جَزَاءُ مَوْفُورًا تو جہنم تمہارا بدلہ ہوگا۔ جو کہ پورا پورا بدلہ ہوگا۔ تمہارے اعمال و کردار کی سزا ہوگی۔ فرمایا جاؤ تمہیں اجازت ہے وَاسْتَغْنَيْنَا مَنْ اسْتَطَاعَتْ مِنْهُمْ تَمَّ اِنْ مِیْنَ سَبَّ حَسْبُ بِرِ طَاقَتِ سَکْھتے ہو قابو پا لو۔ انسانوں کو ورغلا نے کی حتی الامکان کوشش کر لو۔ استغفر از کا معنی ابکا کرنا اور کمزور بنا کر قابو پالینا ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسے کمزور خیال کرتے ہو اُس پر قابو پا لو۔

اللہ کی
طرف سے
مہلت

آگے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی طرف سے اولادِ آدم کو بہکانے کے لیے چار ذرائع کا ذکر فرمایا ہے یعنی آواز کے ذریعے، اپنا لاؤ لٹو پیرھا کر اُن کے مال و اولاد میں شراکت کر کے اور اُن سے جھوٹے وعدے کر کے فرمایا جاؤ تمہیں اجازت ہے، ان تمام ذرائع سے اولادِ آدم کو گمراہ کر کے دیکھ لو تمہیں اس کام کے لیے قیامت تک کے لیے مہلت دی جاتی ہے شیطان سے فرمایا، ان پر قابو پاؤ بصوتِ تِلْکَ اپنی آواز کے ساتھ۔ آواز سے مراد شیطان کی دعوت اور اس کی وسوسہ اندازی ہے اس کے علاوہ ہر بُرا نعرہ اور بُری دعوت صوتِ شیطانی میں داخل ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے غنا اور آلات موسیقی بھی مراد ہیں۔ اس زمانے میں ریڈیو اور ٹیلیوژن کے ذریعے گانے اور موسیقی کی آواز

غلبہ پذیر ہے
آواز

ہر گھر میں پہنچ رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس سے انسان کے فطری جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔ بھائی! فطری باتیں بھی کسی حد تک ہوتی ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں اٹھاؤ گھنٹے تک گانے بجانے سے فطری تسکین حاصل کرتے رہے تو باقی امور اور آرام کے لیے کون سا وقت بچے گا۔ سازو آواز توازن کے بہمانہ جذبات کو اجبار کر انسان کو گناہ کی طرف مائل کرتی ہے۔ شعرو شاعری جو گانے کی بنیاد ہے، خود شیطان کا آلہ ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کو شہوانیت کی طرف مائل کرتا ہے۔ آگے سورۃ الشعراء میں اُنیکا وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ شاعروں کے اکثر پیروکار گمراہ لوگ ہوتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کچھ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْبَتَّةُ وَهٗ شَعْرًا مُّسْتَنٰی اَہْلِ الْاٰیْمَانِ لَآئِیْہِ جہنوں نے نیک کام کیے اور جو خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہے ایسے لوگ تو ہزاروں میں اکاد کا ہی ملیں گے وگرنہ اکثریت کا تعلق پہلے گمراہ سے ہی ہے۔ اہل ایمان شعراء میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ کا نام سرفہرست ہے۔ زمانہ جاہلیت میں تو ان کا کلام دیگر شعراء سے مختلف نہ تھا مگر اسلام کی دولت نصیب ہونے پر ان میں مکمل انقلاب پیدا ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی تعریف میں مستند شعر کہے۔ بعد کے دور میں جانی اور سعدی جیسے شعراء پیدا ہوئے۔ ہمارے دور میں اقبال کو یہ اعزاز حاصل ہوا وگرنہ عام طور پر تو دیوان شیطانی آواز سے ہی بھرے ہوئے ہیں۔ وہی عشق و محبت کی داستانیں اور اخلاق سوز کلام ہر زبان اور ہر دور میں ملتا ہے۔ یہی شیطانی آواز ہے۔

بعض آثار میں آتا ہے کہ شیطان نے عرض کیا، پروردگار! کہ تو نے رسول بھیجے کتابیں نازل کیں، تو اب میرا کیا بنے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ تیرے

لیے یہ شعر و شاعری جو موجود ہے، تو اس کے ذریعے اپنا کام کرنا رہ اور لوگوں کو درغلانا رہ۔

شریعت محمدی نے گانے بجانے کو اس قدر مذموم قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن پاک جیسی مقدس کتاب بھی گانے کی طرز پر پڑھے گا۔ تو مکروہ تحریمی کا مرتکب ہو کر گنہگار ہو گا۔ البتہ اچھی آواز اور خوش السحانی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت باعث اجر و ثواب ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی خوش السحانی عطا فرمائی تھی کہ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو آپ کے ساتھ پہاڑ اور پہنڈے بھی تسبیح و تحمید میں شامل ہو جاتے تھے۔ یہ حال شیطان کی دعوت، وسوسہ اندازی اور پھر گانا بجانا، آلات موسیقی اور شعر و شاعری کی طرف سے

عربوں میں جن کے ذریعے وہ اولادِ آدم کو درغلانا ہے۔
اللہ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز کا جادو جگا کر لوگوں کو گمراہ کر لو۔ وَاجْعَلْ لَّهِمْ جَنَّتَکُمْ وَجَنَّتَکَ اور سوار اور پیادے بھی ان پر کھینچ کر لے آؤ تا کہ اولادِ آدم کو گمراہ کر کے صراطِ مستقیم سے ہٹا سکو۔ جب دو قلیوں یا دو جماعتوں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو پھر ہر فرقہ اپنے تمام وسائل استعمال کر کے دشمن پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے کھڑے سوار بھی لے آتا ہے اور پیدل فوج کو بھی مارچ کا حکم دیتا ہے۔ موجودہ رٹن میں ہوائی جہاز، توپ خانہ، بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک سبھی کچھ میدانِ جنگ میں جھونک دیا جاتا ہے تو اللہ نے شیطان کو بھی کہا کہ تم انسانوں کے خلاف جنگ میں پسے وسائل استعمال کر کے دیکھ لو۔ اپنی تمام فوجوں کو ان پر چڑھا لاؤ اور پھر دیکھو کہ کون تمہارے پھندے میں پھنستا ہے۔

اللہ نے شیطان سے فرمایا کہ اولادِ آدم کو درغلانے کے لیے تیرے پاس ایک صربہ یہ بھی ہے وَشَارِکْهُمْ فِی الْأَمْوَالِ کہ ان کے مالوں میں شراکت اختیار کر۔ شیطان کی مال میں شراکت کا مطلب یہ ہے

مال کی
شراکت

کہ مالِ عرامِ راستے سے حاصل کیا جائے اور حرام اور مکروہ راستے میں خرچ کیا جائے۔ اسراف، تبذیر، رسم و رولج، لہو و لعب، کھیل تماشے، سینما اور ٹھیٹر اور بدعات میں خرچ کرنا، شیطان کو شریک کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح جو مال رشوت، سمگلنگ، حیانت، ڈاکہ زنی اور حق تلفی کے ذریعے حاصل کیا جائے، اس میں بھی شیطان کی شرکت ہوتی ہے کیونکہ وہی ایسے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور ناجائز امور کو مہین کر کے دکھاتا ہے۔ اللہ کے نبیوں نے تو یوں کہا ہے ”بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنَّ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ“ (ہود - ۸۶) تمام حقوق ادا کرنے کے بعد جو مال بچے ہے تمہارے لیے وہی بہتر ہے، اگر تم سچے مومن ہو۔ اللہ نے فرمایا ”لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالِکُمْ بَیْئَکُمْ بِالْبَاطِلِ“ (البقرة) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ غرضیکہ اسلام نے کسب اور خرچ دونوں جگہ پر پابندی لگائی ہے اور جو شخص اس پابندی کی پاسداری نہیں کرتا، اس کے مال میں شیطان حصے دار ہوتا ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جاؤ مال کے ذریعے بھی اولادِ آدم کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

اولاد
میں شرکت

پھر فرمایا ”وَالْاَوْلَادِ تَحْمِلُوْنَ اَوْلَادِمْ“ بھی انسانوں کے ساتھ شرکت کے کہنے کی کوشش کر لو۔ امام بیضاوی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ شیطان کی اولاد میں شرکت یہ ہے کہ وہ دوسرے اندازی کر کے انسان کو حرام راستے سے اولاد پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد میں شیطان کی شرکت ہوگی۔ اگر اولاد صحیح النسل بھی ہو تو اُن کے مشرکانہ نام رکھ کر شیطان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اسی طرح بیٹے یا بیٹی کی پیدائش پر غیر اللہ کی نذر و نیاز سے کہ شیطان کو اپنے ساتھ شریک کیا جاتا ہے۔ بیٹا خدانے دیا مگر نیاز علی ہجویری، خواجہ اجمیری یا بہاؤ الحق زکریا ملتانی کی دی جا رہی ہے بعض لوگ کسی بزرگ کے نام کی

چوٹی نیچے کے سر پہ رکھ لیتے ہیں۔ کبھی جسم پر کوئی خاص نشان لگا لیتے ہیں۔ یہ سب شیطانی وسوسہ کا نتیجہ ہوتا ہے جو انہیں اس قسم کی شرکیہ اور بدعتیہ افعال پر ابھارتا ہے اور یہی شیطان کی شرارت ہے۔

شیطان کے اللہ نے فرمایا، لوگوں کو بیکانے کے لیے وَعِدْهُمْ اَنْ سے جھوٹے وعدے بھی کر کے آزمالو۔ شیطان بُری چیزوں کے متعلق ایسا فلسفہ کھڑا ہے اور انہیں ایسا مفرین کر کے دکھاتا ہے کہ لوگ اس کی بات میں آجاتے ہیں۔ کہتا ہے کہ ترقی اسی بات میں ہے کہ عورتیں بے پردہ ہو جائیں اور غیر مردوں کے ساتھ سیر عام غلط ملط ہوں، عزت اسی میں ہے کہ شادی بیاہ کی رسوم میں دل کھول کر اسراف کیا جائے۔ تقرب الہی اور محبت رسول کا ذریعہ بدعات ہی رہ گئی ہیں۔ شیطان اس قسم کے غلط کاموں پر لوگوں کو لگا کر وعدہ کرتا ہے کہ اسی میں تمہاری دنیا میں عزت ہے اور اسی کے ذریعے تم آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ مگر اللہ نے فرمایا۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا اور نہیں وعدہ دیتا انہیں شیطان مگر دھوکے کا۔ جب شیطان جھوٹے وعدے کرتا ہے اور لوگوں کو بہر باغ دکھاتا ہے تو احمق لوگ اس کے فریب میں آجاتے ہیں۔ مگر قیامت والے دن صاف مکہ ہلے گا اور کہے گا کہ میں نے تو تمہیں غلط راستے کی طرف صرف دعوت دی تھی۔ مگر ساری غلط کاروائی تو تم نے خود کی۔ میں نے تو وعدہ کیا تھا اور تم نے انبیاء کی بات ٹھکرا کر میرے وعدے پر یقین کر لیا، اب خود اپنے آپ کو ملامت کرو، میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ پھر حال اللہ نے شیطان سے فرمایا کہ اولادِ آدم کو اغوا کرنے کے یہ سارے ذرائع تمہارے پاس ہیں، اب تو ان کو آزمائے۔

مگر یاد رکھو، اب حَبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تو غلبہ نہیں پاسکے گا۔ وہ تیرے جہان سے

عباد اللہ
محفوظ
ہونگے

میں نہیں آئیں گے کیونکہ ان کا تعلق اللہ کے ساتھ ہر وقت درست ہوتا ہے وہ اپنے ایمان اور استقامت کی فکر کرنے نہیں گئے اور شیطان ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ ایمان، ذکر اللہ، عبادت، نیکی اور اطاعت ایسی چیزیں ہیں جو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ جب بھی شیطان و وسوسہ اندازی کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کے نیک بندے فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے ”وَلَا تَكُنْ مِثْلَ الْبَاطِلِ“ (الاعراف - ۲۰۰) جب بھی شیطان چھیڑ چھاڑ کرے یعنی وسوسہ ڈالے تو فوراً اللہ کی پناہ پکڑو اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہہ کر شیطان کی بات کو رد کر دو۔

منا احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
 الْمُؤْمِنُ كَيْفَ يُضَيِّ شَيْطَانُهُ كَمَا يُضَيِّ أَحَدُكُمْ
 كَعِزَّةٍ فِي السَّكْرِ (او کما قال) یعنی ایماندار آدمی اپنے
 شیطاں کو اس طرح کمزور اور لاغر کر دیتا ہے۔ جس طرح آدمی اپنے اونٹ
 کی سواری کو سفر کے دوران کمزور کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پرانے زمانے
 میں اونٹوں کے ذریعے سینکڑوں میل کا سفر کیا جاتا تھا۔ دوران سفر ٹھوک
 اور پیاس سے اونٹ کمزور ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ان کی چربی پگھل جاتی
 تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت
 عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ شیطان تمہیں دیکھ کر گلی تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ تم
 سے اس قدر دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ تو اپنے
 تمام حربے استعمال کر لے مگر میرے جو مومن بندے ہیں۔ ان پر تو غلبہ
 حاصل نہیں کر سکے گا۔ تیرا غلبہ ان لوگوں پر ہو گا جن کا ایمان کامل نہیں، جو
 بہیمیت اور شہوت سے مغلوب ہیں، جو کتاب اللہ اور قیامت پر
 یقین نہیں رکھتے اور جو روحانیت سے بے بہرہ ہیں۔

فرمایا وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا اور تیرا پروردگار ہی تیرے لئے کارساز
 کافی ہے۔ اگرتعم اللہ پر توکل کرو گے تو وہ ہر نہج پر تمہاری دستگیری
 کرے گا کیونکہ کارساز وہی ہے۔

سبعین الذی ۱۵

بخی اسراءیل ۱۷

درس بستم ۲۰

آیت ۶۶ تا ۶۹

رَبُّكُمْ الَّذِي يُزِيحُ لَكُمْ الْفَلَكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا
 مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۞ (۶۶) وَإِذَا مَسَّكُمُ
 الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَاهُ
 فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ
 الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۞ (۶۷) أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخَسِفَ
 بَكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا
 ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۞ (۶۸) أَمْ أَمِنْتُمْ
 أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
 قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ
 ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۞ (۶۹)

ترجمہ :- تمہارا پروردگار وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے
 لیے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو اُس کے فضل
 سے ۔ بیشک وہ تمہارے ساتھ مہربان ہے (۶۶) اور
 جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے
 ہیں وہ جن کو تم پکارتے ہو ، مگر اُسی کی ذات
 ہوتی ہے پس جب کہ اُس نے نجات دی تم کو
 خشکی کی طرف تو تم اعراض کرتے ہو اور ہے انسان

ناشکر گزار (۶۷) کیا تم بے فکر ہو گئے ہو اس بات سے کہ وہ دھنا دے تم کو خشکی کے کنائے پر یا بھیج دے تم پر آندھی، پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے کسی کو کار ساز (۶۸) کیا تم بے فکر ہو گئے ہو اس بات سے کہ لوٹا دے تمہیں دوبارہ اسی (سمندر) میں۔ پس بھیج دے تم پر سخت ہوا۔ پس غرق کر دے تم کو اس وجہ سے کہ تم نے کفر کیا پھر نہ پاؤ گے تم اپنے لیے ہمارے برخلاف کسی کو مطالبہ کرنے والا (۶۹)

رابط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کا مضمون بیان فرمایا۔ پھر شیطان کی نافرمانی اور وسوسہ اندازی کا ذکر ہوا کہ جس کے ذریعے وہ انسانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اب آج کی آیات میں ایک تو اللہ تعالیٰ نے بحری نقل و حمل کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ہے اور دوسرے اسی مناسبت سے شرک کی تردید فرمائی ہے کہ جب ان کی کشتی بھتور میں پھنس جاتی ہے تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اس مصیبت سے نجات مل جاتی ہے تو پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے وعید بھی فرمائی ہے کہ اگر تم کفر پر اصرار کرتے ہو یا اس کی نعمتوں کی ناشکر گزاری کی تو وہ تمہیں خشکی پر بھی سزا دینے پر قادر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے رَبُّكُمْ الَّذِي يُنَزِّلُ لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ تَهَارًا بِرَدِّكُمْ

بحری سفر کے ذرائع

ہے جو تمہارے لیے کشتیاں اور جہاز سمندر میں چلاتا ہے۔ کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز بنانے کا طریقہ بھی اللہ ہی نے انسانوں کو سکھلایا اور پھر ہواؤں کے زور پر ان کو چلانا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی ہے پرانے زمانے میں بادبادنی جہاز ہوتے تھے۔ جو ہوا کے رخ پر چلتے تھے۔ اب ترقی کے زمانے میں تیل اور بھاپ کے ذریعے ہزاروں ٹن وزنی جہاز سمندر کی سطح پر تیرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ البتہ جب سمندر

میں طوفان آتا ہے اور اوپر سے بارش بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے تو بڑے
 بڑے جہاز بھی تنکے کی طرح ہچکولے کھانے لگتے ہیں۔ بڑی بڑی موہیں
 اٹھتی ہیں اور تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود جہاز کے حادثے کا شکار
 ہو جانا خارج از امکان نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی شفقت
 کا نتیجہ ہے کہ اتنی اتنی ہزار ٹن وزنی جہاز اپنے بوجھ سے دگنا وزن اٹھا کر
 سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی
 جہازوں میں آگ لگ جانے اور ان کی غرقابی کی داستانیں اخبارات کے
 صفحات پر آتی رہتی ہیں۔ آمد و رفت کے جہاں دیگر ذرائع میں ترقی ہوئی ہے
 وہاں بحری جہازوں کی نقل و حرکت بھی بہت بڑھ گئی ہے اور یہ جہاز لاکھوں
 ٹن وزنی سامان ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک پہنچا رہے ہیں تاہم
 یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مرہونِ منت ہے۔

فضلِ ربی
 کی تلاش

فرمایا تمہارا پروردگار تمہارے لیے دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں
 چلاتا ہے جس سے مقصود یہ ہے لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ
 تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کر سکو۔ تمام جائز امور کے لیے بکری سفر کرنا فضلِ ربی
 میں شامل ہے۔ مثلاً علم کے حصول کے لیے سفر کرنا، حج و عمرہ جیسی عبادات،
 دین کی تبلیغ اور فرائض جہاد کی ادائیگی کے لیے سفر اسی میں آتا ہے۔ نیک لوگوں
 کی ملاقات اور بہی نوع انسان کی فلاح کے لیے تجربات حاصل کرنا بھی عرض
 سے جانا بھی فضلِ ربی کی تلاش میں شامل ہے۔ البتہ ان تمام امور میں جو کام
 سرفہرست ہے وہ تجارت کے ذریعے رزقِ حلال کی تلاش ہے۔ لوگ
 روزی کے حصول کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں تاکہ اپنی معیشت
 کو مضبوط بنا سکیں۔ آج کل یہ کام زیادہ تر حکومتی سطح پر ہو رہا ہے۔ ایک
 ملک دوسرے ملک کو کوئی سامان دے رہا ہے اور کچھ سامان اس سے لے
 رہا ہے۔ بین الاقوامی طور پر بڑے بڑے تجارتی معاہدے ہوتے ہیں جن

کے تحت کروڑوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتا ہے۔ اگرچہ اب سامان کی نقل و حمل کے لیے بڑے بڑے ہوائی جہاز بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں مگر بھاری سامان کا بیشتر حصہ آج بھی سمندری راستوں سے ہی پہنچتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال نہ ہو اور حالات ناسازگار ہو جائیں تو جہازوں کی آمد و رفت میں آج بھی خلل پڑ جاتا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہ کشتیاں اور جہاز اللہ تعالیٰ ہی چلاتے ہیں تاکہ تم اپنے لیے رزقِ حلال تلاش کر سکو۔ اِنَّكَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا

بیٹیک وہ تمہارے ساتھ بڑا ہی مہربان ہے دریاؤں اور سطحِ سمندر پر دوڑتی ہوئی کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز اُس مالکِ الملک کی کارسازی ہی کا نمونہ ہیں اب اگلی آیت میں بحری سفر ہی کے تناظر میں مشرکین کا رد کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ رَبَّ سَمِّرْ میں سفر کے دوران تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ طوفان آجاتا ہے کشتی بھڑ میں پھنس جاتی ہے، تو پھر کیا ہوتا ہے ضَلَّ كَمَنْ تَدْعُوْنَ اَلَا اِيَّاهُ تو وہ تمام گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جن غیر اللہ کو اپنی حاجات میں پکارتے ہو، نذر و نیاز دیتے ہو، جن کی دہائی دیتے ہو اور جن کو نفع نقصان کا مالک سمجھتے ہو، مصیبت کے وقت وہ سب بھول جاتے ہیں اور اللہ وعدہ لا شرک ہے ہی یاد رہ جاتا ہے جو کہ حقیقی کارساز اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔

طوفان میں
اللہ کی
یاد آوری

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی دشمنِ اسلام تھا۔ مکہ فتح ہوا تو وہ جان کے خوف سے بھاگ گیا۔ جدہ پہنچ کر جہاز میں سوار ہو گیا تاکہ کہیں حبشہ وغیرہ کی طرف چلا جائے۔ اتفاق کی بات کہ دورانِ سفر سمندر میں زبردست طوفان برپا ہوا جس میں جہاز پھنس گیا۔ ملاحوں نے کہا کہ ان حالات میں اگر اللہ چاہے تو جہاز رنج سکتا ہے، وگرنہ نہ اور کوئی ہستی نہیں جو اس مشکل وقت میں کام

آسکے۔ یہ سن کر عکرمہ کے دل پر چوٹ لگی اور وہ یہ سوچتے پر مجبور ہو گیا کہ اگر سمندر میں اللہ کے سوا کوئی کار ساز نہیں تو خشکی پر اُس کے سوا کون مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر ہم لات، منات اور غزنی وغیرہ کی پرستش کس لیے کرتے ہیں۔ اس نے دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ اگر اللہ نے اس طوفان سے بچا لیا تو پھر سیدھا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دوں گا کیونکہ یہی وہ نکتہ ہے جو وہ سمجھاتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی کار ساز و مددگار نہیں۔ کوئی نفع اور ضرر نہیں اور نہ ہی کوئی عبادت کے لائق ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں محیر کو مہربان اور شفیق پاؤں گا۔

خدا کی قدرت جہاز بچ گیا۔ جہاز سے اتر کر عکرمہ سیدھا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑا۔ اُس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ اُس نے حضور علیہ الصلوٰۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر عکرمہ کے لیے امان چاہی آپ نے قبول کر لی اور اپنی خاص نشانی بھی اُس کو دی کہ جاؤ جا کر اپنے خاوند کو لے آؤ۔ الغرض! بیوی راستے میں ہی مل گئی جو انکو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ آپ نے دیکھا تو عکرمہ کو خوش آمدید کہا مَرَحَبًا يَا لَرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ فرمایا تم ہجرت کر کے آہے ہو، ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ حضرت عکرمہؓ نے سچے دل سے اسلام قبول کیا اور اسلام کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ جہاد میں بھی بڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں عجمیوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ فرمایا مصیبت کے وقت تو تم خالص اللہ ہی کو پکارتے ہو کہ اس کے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں قَلَمَّا نَجَّيْتُمْ جب تمہیں مشکل سے نجات حاصل ہو جاتی ہے الْحَيُّ اللہ سمندر کی تاریکیوں سے نکل کر خشکی پر پہنچ جاتے ہو أَعْدَضْتُمْ تو پھر وہی اعراض کرنے لگتے ہو مالک حقیقی، وحدہ لا شریک سے منہ موڑ کر پھر غیر اللہ کو پکارتے ہو

نجات ملنے
پر دوبارہ
شرک

اپنی کی نذر و نیاز شروع کر دیتے ہو اور پھر شرکیہ رسوم ادا کرتے گتے ہو۔ فرمایا
 وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا انسان تو بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔ یہ اپنے
 محسن حقیقی کی قدر نہیں کرتا۔ جب یہ موت کی آغوش کے قریب ہوتا
 ہے تو اسی کو پکارتا ہے مگر جب وہ اپنی رحمت سے مصیبت کو
 دور کر دیتا ہے تو اس نجات کو غیروں کے ساتھ منسوب کرنے لگتا ہے
 مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ پُرانے زمانے کے مشرکوں کا یہ حال تھا
 کہ مصیبت کے دوران جب تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے تو وہ
 خالص اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے کہ سب سے بڑا وہی ہے
 اور وہی اس مصیبت سے نجات دے سکتا ہے مگر افسوس کا مقام ہے
 کہ موجودہ زمانے کے مشرکین اُن سے بھی گئے گزرے اور بد نصیب ہیں
 کہ مصیبت کے وقت بھی غیروں کو پکارتے ہیں۔ کوئی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
 کو پکار رہا ہے، کوئی علی ہجویریؒ کو آوازیں دے رہا ہے، کوئی خواجہ اجیریؒ
 کی طرف نظریں جمائے بیٹھا ہے، کوئی بہاؤ الحقؒ کی درگاہ پر حاضر ہے
 اور کوئی شہباز قلندرؒ کی نذرمان رہا ہے۔ یہ سارے بزرگ تو اللہ کے برگزیدہ
 بندے تھے، وہ تو خود اللہ سے مدد طلب کرتے رہے، وہ خود خدا تعالیٰ
 کے تقرب چاہنے والے تھے۔ ایسے میں بھلا۔ انبیاء، ملائکہ، جنات اور
 اولیاء تمہاری کیا مدد کریں گے۔ وہ خود اُسی سے دعا کرتے رہے۔ پریشانی
 میں ڈالنا اور اس سے نجات دینا صرف اللہ کا کام ہے، لہذا اُسی کو
 پکارتا چاہیئے اور اُسی سے مدد طلب کرنی چاہیئے، اللہ کا فرمان ہے کہ
 جس دن قیامت برپا ہوگی، اللہ کے سوا تمام معبود دشمن بن جائیں گے جب
 لوگ اُن سے مدد کی درخواست کریں گے کہ ہم دنیا میں تمہاری پرستش
 کرتے رہے، اب ہمارا کام بناؤ تو وہ صاف جواب دے دیں گے۔
 ”هَآكُنْتُمْ اَيَّانَا تَعْبُدُونَ“ (یونس - ۲۸) تم ہماری عبادت کہاں

کرتے تھے تم تو اپنے نفس اور شیطان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہماری پوجا کرو اور ہماری نذر و نیاز دو۔ وہ سب ان کے خلافت گواہی دیں گے۔ اللہ کے فرشتے، انبیاء اور اولیاء اللہ کے حضور نہایت عاجزی سے عرض کریں گے، پروردگار! ہم نے دنیا میں تیرے سوا کسی کو کار ساز نہیں بنایا تو ہم ان سے اپنی کار سازی کیسے منوا سکتے تھے غرضیکہ حقیقی کار ساز اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ نافع و ضار ہے۔ اُس نے اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کئے، نہ حقیقی طور پر اور نہ مجازی طور پر۔ اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ غنی اور صمد ہے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ“ (فاطر - ۱۵) اے لوگو! تم سب اللہ کے فقیر ہو۔ نبی، ولی، فرشتے، جنات، اپنی حیات میں بھی اُس کے محتاج ہیں۔ اور بقائے حیات میں بھی اُسی کے محتاج ہیں بغنی اور تعریفوں والا صمد

وہی ہے۔

خشکی پہنزا

اگے اللہ نے وعید کے طور پر فرمایا أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ خشکی کے کنارے پر دھنسا دیے جاؤ۔ جب خدا کا قہر نازل ہو تو تم خواہ جنگل میں ہو یا صحرا میں یا زمین کے کسی بھی خطے میں، وہ تمہیں ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ اُس نے قارون کو اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا۔ اللہ نے قوم فرعون اور قوم نوح کو پانی میں ڈبو کر زمین میں دھنسا دیا۔ اس قسم کے واقعات زلزلے کی صورت میں آج بھی دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا۔ جس کی وجہ سے زمین میں ہزار ہزار میل لمبی دراڑیں پڑ گئی تھیں اور لوگ زمین میں زندہ دھنس گئے تھے۔ اس سانحہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ انسان موت

سبحن الذی ۱۵

درس بست یک ۲۱

بخی اسیر آریل ۱۶

آیت ۴۰

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ
عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝۴۰

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے عزت بخشی ہے اولادِ آدم
کو اور ہم نے اُن کو سواری دی ہے خشکی اور سمندر
میں - اور ہم نے روزی دی ہے اُن کو پاکیزہ (اور عمدہ
سے عمدہ) چیزوں سے - اور ہم نے اُن کو فضیلت بخشی
ہے بہت سی مخلوق پر جس کو ہم نے پیدا کیا ہے،
بڑی فضیلت ۝۴۰

رابط آیات

پہلے اللہ نے شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات بیان کیا - پھر انسان کی عاجزی
اور بے چارگی کا ذکر کیا کہ مصیبت کے وقت وہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کو پکارتے
ہیں مگر جب وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے تو دوبارہ شریک کیے کام کرنے لگتے ہیں -
اللہ نے فرمایا ہے کہ انسان بہت ہی ناشکر گزار ہے اس کے بعد اللہ نے وعید
سنائی کہ لوگوں کو اس بات سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خشکی
میں دھنسا دے یا دوبارہ سمندر میں جانے پر مجبور کر دے اور وہیں ان کو ڈبو دے، اور
اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔

شرف انیت

گزشتہ سے پیوستہ درس میں گزر چکا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے
کہا تھا "رَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَىٰ" مجھے بتلاؤ کہ کیا تم نے اس شخص
(آدم علیہ السلام) کو مجھ پر فضیلت بخشی ہے - اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تو مجھے قیامت

چیز کا عطا کرنے والا وہ ہے مگر تم نے غیروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کے آگے درست سوال دراز کیا۔ فرمایا جب خدا تعالیٰ سزا دینے کا فیصلہ کرے ثُمَّ لَا تَجِدُ وَاكُم عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيعًا۔ پھر نہ پاؤ گے تم اپنے لیے ہمارے خلاف کسی کو باز پرس کرنے والا جو پیچھے لگا ہوا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو اپنے انعامات سے نوازنے یا کسی کو سزا میں مبتلا کرنے، اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں، کہ ایسا کیوں کیا۔ محاسبہ کرنے اور باز پرس کرنے والی ذات تو خود خدا تعالیٰ کی ہے، مجھلا اس سے کون پوچھ سکتا ہے کہ مولا کریم! تو نے فلاں فیصلہ کیوں اور کیسے کیا؟

بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ناشکر گزاری اور غفلت کے پیش نظر اپنی وحدانیت کا اثبات اور شرک کا ابطال ایک دو کسر عنوان کے ساتھ کر دیا ہے کہ کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی کسی قسم کی سزا دیتے پر قادر ہے۔

کی آغوش میں چلے گئے اور اتنے ہی زخمی بھی ہوئے۔ اس وقت مصری شاعر شوقی نے کہا تھا۔

قِفْ بِتَوَكُّيْوَ وَطَفْ عَلَى يَوْكُوْهُمَا
وَسَلِ الْقَرِيَّتَيْنِ كَيْفَ الْقِيَمَةِ

ٹوکیو اور یوکیو ہا کی حالت پر افسوس ہے۔ ان دو بستیوں سے پوچھو کہ قیامت کیسی ہوتی ہے۔ ان پر زلزلے کی صورت میں قیامت وارد ہو چکی ہے۔ جب قیامت کبریٰ کو پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی تو ایسی ہی حالت ہوگی۔

فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسنے اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا یا تم پر تند و تیز آندھی بھیج دے جو پتھر برسنے والی ہو، جس طرح کہ اُس نے قوم لوط پر پتھروں کی بارش کی تُمْ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيدًا۔ پھر تم نہ پاؤ گے اپنے لیے کوئی کار ساز جو تم سے اس طوفان کو دور کر کے تمہاری جانوں کو بچا سکے۔

سمندری
طوفان

فرمایا اَمْ اَمَدُكُمْ اَنْ يُعِيْدَ كُمْ فِيْهِ ثَاۡتَةً اُخْرٰی کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اُسی سمندر میں لے جائے جہاں سے اُس نے تمہیں نجات دی تھی فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ پھر وہ تم پر سخت ہوا بھیج دے جو توڑنے والی ہو۔ قصف کا معنی توڑنا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اتنی تیز ہوا تم پر بھیجے کہ تم آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ جاؤ اور بالآخر ہلاک ہو جاؤ۔ فَيَغْرِقْكُمْ دِمًا کَفَرْتُمْ پھر وہ تمہارے اس کفر کی وجہ سے تمہیں وہیں سمندر میں غرق کر دے۔ یہاں پر کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے کہ تم نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر دانی نہ کی۔ ہر

تک مہلت دے دے تو میں اس کی اولاد کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ شیطان کے اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آج کی آیت کریمہ میں اولاد آدم کی فضیلت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اور البتہ تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت اور بزرگی بخشی ہے آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے اس فضیلت کی بعض باتوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو فضیلت بخشی ہے، وہ دو قسم سے ہے۔

فضیلت عامہ تو عام بنی نوع انسان کو حاصل ہے جس میں اہل ایمان اور کافر مشرک شامل ہیں۔ جبکہ فضیلت خاصہ اللہ نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت عطا کر کے اسے باقی مخلوق پر فضیلت بخشی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے عقل کو پیدا کر کے فرمایا، سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئی۔ پھر اللہ نے فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اللہ نے فرمایا، میں جو کچھ بھی انسان کو دوں گا تیری وجہ سے ہی دوں گا اور تیری وجہ سے ہی مؤخذہ کروں گا۔ تو گویا انسان عقل کی وجہ سے ہی مکلف ہے۔ فرشتے اگرچہ اللہ کی مقدس ترین مخلوق ہیں اور صاحب عقل بھی ہیں مگر ان میں شہوت کا مادہ مفقود ہے، جس کی وجہ سے ان کا محاسبہ بھی نہیں ہے کیونکہ ان کی طرف سے اللہ کی نافرمانی کا کوئی امکان نہیں۔

امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو اس لیے فضیلت بخشی ہے کہ اسے زبان حاصل ہے جس کی بنا پر یہ گفتگو کرتا اور اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا ہے۔ پرانے یونانی منطقی انسان کو حیوانِ ناطق یعنی بولنے والا جاندار کہتے تھے۔ یہ ایسا کمال ہے جو کسی دوسری مخلوق چرند، درند، پرند وغیرہ کو حاصل نہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ انسان کی تعریف زیادہ بہتر طریقے پر کرتے ہیں الَّذِي يَتَفَكَّرُ وَيَعْمَلُ بِأَلَا لَاتٍ یعنی انسان وہ ہستی

فضیلت عامہ

ہے جو غور و فکر کرتی ہے اور کام کاج کے لیے آلات استعمال کرتی ہے۔ اب خورد و نوش میں ہاتھوں کا استعمال بھی انسان کی ہی خصوصیت ہے۔ دیگر جانور اور پرندے اپنی خوراک منہ سے کھاتے ہیں جب کہ بہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ ہاتھوں سے پکڑ کر خوراک منہ میں ڈالتا ہے۔ یہ عبداللہ بن عباسؓ کی توجیہ ہے۔

صاحب کتاب الخراج امام ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دور میں چریت حبش کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ متقی، محدث اور فقیہ تھے۔ ایک دفعہ ہارون الرشید نے کھانے کی مجلس قائم کی جس میں امام صاحب بھی مدعو تھے۔ خلیفہ نے کھانے کے ساتھ دسترخوان پر چمچے بھی رکھوائے تاکہ حسب ضرورت وہاں ان کو بھی استعمال کر سکیں۔ جب امام صاحب نے یہ دیکھا تو خلیفہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کے لیے انگلیاں بنائی ہیں اور ہم نے اولادِ آدم کو فضیلت بخشی ہے، لہذا انگلیوں کے ساتھ کھانا کھانا ہی انسان کا کمال ہے اور چمچوں کا استعمال محض تکلف ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید پر اس نصیحت کا اس قدر اثر ہوا کہ اُس نے فوراً دسترخوان سے چمچے اٹھوا دیے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے کیونکہ ساری انگلیوں کا استعمال حرص کی علامت ہے انسان کے شرف کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور روحانی کمالات عطا فرمائے ہیں۔ انسان کا اولین جسمانی کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے درت قدرت سے پیدا فرمایا۔ سورۃ ص میں اللہ کا فرمان ہے "مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ"

ان کے
جسمانی کمالات

اے ابلیس! جس ہستی کو میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اس کے سامنے
سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص
کی روایت میں جسے امام طبرانی نے بیان کیا اور امام ابن کثیر نے نقل کیا ہے
محضو کا فرمان ہے۔

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ قَالَتْ يَا رَبَّنَا أَتَيْتَ بَنِي آدَمَ
الدُّنْيَا يَأْكُلُونَ فِيهَا وَيَشْرَبُونَ وَيَلْبَسُونَ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَلَا نَأْكُلُ وَلَا نَشْرَبُ
وَلَا نَلْبَسُ كَمَا جَعَلْتَ لَهُمُ الدُّنْيَا فَاجْعَلْ
لَنَا الْآخِرَةَ قَالَ أَجْعَلُ صَالِحَ ذُرِّيَّةٍ مِمَّنْ
خَلَقْتُ بِكَدِّ كَمَنْ قُلْتُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ
بیشک فرشتوں نے کہا، اے ہمارے پروردگار! اولادِ آدم
کو تو نے دنیا عطا کی۔ وہ دنیا میں کھاتے پیتے اور لباس پہنتے
ہیں۔ اور ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور نہ
کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ کھیل کود کرتے ہیں۔ تو جس طرح
تو نے اولادِ آدم کے لیے دنیا بنادی اس طرح ہمارے لیے
آخرت بنائے۔ اللہ نے فرمایا کیا میں اپنے ہاتھ سے پیدا کردہ
ہستی کی نیک اولاد کو ان کے برابر کردوں جن کو میں نے
”ہو جاؤ“ تو وہ ہو گئے؟

اللہ نے نوح انسانی کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے ”هُوَ الَّذِي
يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ“
(ال عمران) خدا تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں مادری تصویر بناتا ہے
جس طرح چاہے۔ انسان کی شکل و صورت قطرہ آب پر بن جاتی ہے،
کیا یہ کم شرفِ انسانی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسن صورت بھی عطا فرمائی ہے روئے زمین کی تمام مخلوق میں انسان خوبصورت ترین مہستی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النین میں فرمایا ہے ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت عطا کی۔ اس کا یہ بھی احسان ہے کہ انسان کو سیدھا قد عطا کیا، حالانکہ مخلوق میں سے کچھ جاندار بیڑھے ہیں کچھ چار پاؤں پر چھکے ہوئے ہیں اور کچھ بالکل زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو پاؤں دیے اور اس کا سر اونچا رکھا۔ حکماء کہتے ہیں کہ سر کی بندی کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا مقصد بھی بلند ہے یعنی خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تک پہنچنا۔ انسانی جسم کے اعضا کی جوڑ بندی بھی کمال درجے کی ہے۔ ہر عضو اپنی اپنی جگہ کمال طریقے سے موزوں کیا ہے اور اس کا رخ بھی سامنے کی طرف کر دیا ہے۔ انسان میں موجود روح الہی اور نفسِ ناطقہ بھی کمال درجے کی چیز ہے۔ غذا کے معاملے میں بھی انسان کو دوسری مخلوق پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ اناج اور پھل کا مغز استعمال کرتا ہے جب کہ چھدکا وغیرہ دوسرے جانوروں کی خوراک بنتا ہے اللہ نے انسان کا سلسلہ تولید بھی کمال درجے کا مقرر کیا ہے۔ انسان کو یہ سارے شرف حاصل ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو کمال درجے کا متمدن بنایا ہے۔ یہ نظافت پسند ہے اور طہارت اس کی فطرت میں داخل ہے۔ جانور کے آگے گندی جگہ پر بھی چارہ رکھ دیا جائے تو کھا لیتا ہے مگر انسان کسی گندے برتن میں بھی کھانا پسند نہیں کرتا۔ حضور علیہ السلام چمچے کا دسترخوان زمین پر پھچکا کہ کھانا کھاتے تھے۔

انسان کو دوسری مخلوق پر اس لحاظ سے بھی شرف حاصل ہے کہ اللہ نے اس میں فہم، تمیز اور تحقیق و تجسس کا مادہ بھی رکھا ہے جس کی وجہ سے

چیزوں کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ اللہ نے انسان کو مزید شرف اس لحاظ سے دیا ہے کہ اسے دوسری چیزوں پر تسلط حاصل ہے۔ انسان تمام جانوروں، درختوں، ہواؤں، پتھروں اور پانیوں سے کام لیتا ہے اللہ نے اسے حکومت کرنیکی استعداد بھی بخشی ہے انسان اپنے لیے معیشت کی تدبیر بھی کرتا ہے اور آخرت کی تدبیر بھی، انسان عقل و فہم کی بناء پر اچھے اعتقادات اور عمدہ اخلاق بھی حاصل کر سکتا ہے۔

اللہ نے انسان کی روح میں نور معرفت کا مادہ بھی رکھا ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی شخص اپنی غلطی کے نتیجے میں اس نور معرفت کو ضائع کر دے اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے اکثر لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اللہ نے انسان کو یہ فضیلت بھی عطا کی ہے کہ اسے کھنا پڑھنا سکھایا جس سے دوسرے جاندار بے بہرہ ہیں۔ ظاہری شکل و صورت میں اللہ نے مردوں کے لیے وارثی اور عورتوں کے لیے بالوں میں جن رکھا ہے۔ انسان کے مزاج میں اعتدال رکھا ہے جو کسی دوسری ہستی میں نہیں ہے۔ انسان کو صنعت و حرفت کی اعلیٰ درجہ کی استعداد عطا کی ہے جس کی بناء پر یہ لاکھوں اور کمرٹوں اشیاء تیار کرتا ہے یہ عام فضیلت کی باتیں ہیں جن میں مومن، کافر یا برے بھلے کی تمیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان میں بہت سے روحانی کمالات بھی رکھے ہیں مثلاً اولین کمال یہ ہے کہ اُس نے انسان کا ڈھانچہ بنا کر اس میں حبان پھونکی۔ پھر اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے اُس کی تمام اولاد کو نکال کر اُن سے عہد لیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی (الاعراف) بھلا بتلاؤ تو کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب روحوں نے بے زبان

انسان کے
روحانی
کمالات

کہا، کیوں نہیں؟ مولا کریم تو ہی ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ نے یہ روحانی شرف بھی بخشا کہ بنی نوع انسان میں نبوت کا سلسلہ رکھا۔ اللہ نے ان کی طرف اپنے رسول اور کتابیں بھیجیں۔ خدا کے مقرب بندے اولیاء بھی ان کی روحانی تربیت کے لیے آتے رہے۔ اللہ نے انہیں ایمان اور اسلام کی دولت سے مشرف کیا، آداب اور اخلاق سکھائے۔ عالم بالا اور عالم لاہوت کی طرف ترقی عطا فرمائی۔ خطیرۃ القدس اور مقام علیین تک رسائی نصیب فرمائی۔ اور اس طرح بنی نوع انسان خصوصاً اہل ایمان کو عزت بخشی۔ قرآن میں اللہ نے ایمانداروں کو خیر البریۃ یعنی مخلوق کا بہترین حصہ اور کافروں کو شر البریۃ یعنی بدترین مخلوق قرار دیا ہے۔

اب اللہ نے تو فرمایا ہے کہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت اور شرف بخشا ہے مگر شیطان لعین ہے جس نے سب سے پہلے اولین انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی اور کہا کیا اس مٹی کے پتلے کو تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے؟ "قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ" (ص ۳) میں اس سے برتر ہوں کیونکہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے جب کہ آدم کو خاک سے۔ اس کے بعد کافروں نے اللہ کے پاک نبیوں کا انکار کیا۔ بڑی حقارت سے کہتے تھے "اَبَعْدَ هٰذَا يَهْدُوْنَ ذٰلِكَ" (التغابن) کیا یہ انسان ہماری راہنمائی کرے گا۔ ہم نہیں مانتے، حالانکہ بشر کو اللہ تعالیٰ نے بڑا شرف عطا کیا ہے، خاص طور پر اگر اُسے ایمان کی دولت حاصل ہے تو وہ سب سے برتر ہے۔ تاہم رسولوں کی بشریت کا انکار مشرکانہ عقیدہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایک اور احسان کا ذکر فرمایا ہے وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوَلَدِ وَالْبَحْرِ اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں سواری مہیا کی، جانوروں کی سواری صرف انسان ہی کے لیے اللہ نے بنائی ہے، خود جانور ایک دوسرے کی سواری نہیں بنتے۔ انسان کے نقل و حمل

انسان کے
لیے سواری
کا انتظام

کے لیے خشکی پر اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ ہیں جب کہ مہندروں اور دریاؤں میں سفر کے لیے اللہ نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز بنادیے ہیں۔ جن کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔ آج کے زمانہ میں زمینی سفر کے لیے بیشمار قسم کی سواریاں موجود ہیں۔ بائیسکل، موٹر سائیکل، کار، ریل گاڑی اور بڑی بڑی بسیں انسان کی خدمت کے لیے موجود ہیں۔ اب تو ہوا کو بھی اللہ نے ہر انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ "تَصْنِیْعُ الرِّیْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَحَّرِ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" (البقرہ - ۱۶۴) پہلے زمانے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال موجود ہے کہ انہیں ہواؤں پر سیکھل تسلط حاصل تھا۔ آپ کا تخت اور فوج بغیر پیڑوں کے ہول کے دوش پر سفر کرتا تھا۔ آج یہ سہولت تمام لوگوں کو حاصل ہے۔ اب ہوائی سفر دنیا کا تیز ترین سفر ہے جسے فوجی اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے بری بحری اور ہوائی سفر کی سواریاں مہیا فرمائی ہیں، یہ بھی اس کے شرف کی علامت ہے۔

فرمایا، اللہ نے انسان کو اس لحاظ سے بھی بڑی عطا فرمائی ہے۔

وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ کہ اسے پاک ستھری اور عمدہ روزی عطا کی جو کسی دوسرے جاندار کو میسر نہیں۔ ہر بنی، پھل اور آج کا بہترین گودا انسان کی خوراک ہے جب کہ چھلکا اور جھوسہ وغیرہ جانوروں کی خوراک بنتے۔ فرمایا وَقَضَّيْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا اور ہم نے اپنی بہت سی پیدا کردہ مخلوق پر انسان کو فضیلت بخشی۔ بہت بڑی فضیلت۔ ظاہر ہے کہ اللہ نے انسان کو حسن صورت، عقل اور تدبیر سے نوازا۔ دنیوی اور اخروی مفاد کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی، دوسری مخلوق اس کے تابع کر دی، ہر قسم کی سواری مہیا کی، آرائش و آرام کے لیے عمدہ لباس اعلیٰ

پاکیزہ
روزی

مکانات اور باغات عطا فرمائے۔ پھر آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ یہ سب شرف انسانی کی علامات ہیں۔ جو اللہ نے ظاہر فرمائیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس تمام تر عزت و شرف کے باوجود انسان کو حقیقی عزت و تکریم اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے خالق و مالک کے قانون کی پابندی اختیار کرے گا۔ اللہ کے ہاں کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ پر صدق دل سے ایمان لائیں گے، قیامت پر یقین رکھیں گے، انبیاء کا اتباع کریں گے۔ اور اس کے احکام کا اتباع کریں گے فرمایا جو ایمان اور نیکی سے خالی ہوں گے "ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِیْنَ" (التین) وہ نہایت ہی پستی میں چلے جائیں گے۔

حقیقی
شرف

حضرت مولانا شیخ الاسلام حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس موقع پر یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ فرشتوں اور بشر میں افضل کون ہے؟ فرماتے ہیں کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ ہی نہیں کرتی، تاہم امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے پیروکار کہتے ہیں کہ انسانوں کے رسول فرشتوں کے رسولوں سے بہتر ہیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام جبرائیل، میکائیل وغیرہ سے افضل ہیں۔ اور عام ایماندار عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کے علاوہ عام مخلوق سے باقی فرشتے افضل ہیں مطلب یہ ہے کہ عام انسانوں میں سے بھی جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔ وہ عام فرشتوں سے بہتر ہیں۔ اور جن کو ایمان نصیب نہیں ہوا، ان سے عام فرشتے افضل ہیں۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُولٰٓئِكَ
كِتٰبُهُ بِيَمِينِهِ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُونَ كِتٰبَهُمْ وَلَا
يُظْلَمُوْنَ فِتْيًا ۝۱۷ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهِ اَعْمٰی
فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۱۸

ترجمہ :- (اُس دن کو دھیان میں لاؤ) جس دن ہم بلائیں گے ہر
ایک گروہ کو اُن کے امام کے ساتھ۔ پس جس کو دیا گیا اُس
کا اعمالنامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں، پس یہی لوگ ہیں جو پڑھیں
گے اپنے اعمالنامے، اور نہیں ظلم کیا جائے گا اُن پر ایک
دھاگے کے برابر بھی ۝۱۷ اور جو شخص اس دُنیا کی زندگی میں
انصاف ہوا، پس وہ آخرت میں بھی انصاف ہوگا، اور بہت
زیادہ گم کردہ راہ ہوگا ۝۱۸

گزشتہ آیات میں باقی مخلوق پر انسان کی فطرتی برتری کا ذکر تھا۔ اللہ نے فرمایا ربط آیات
کہ ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی اور اس کے لیے بری اور بحری سواریاں مہیا کیں۔
اب انسان کو فضاؤں پر بھی تسلط حاصل ہے۔ اور انہیں ہوا کے دوش پر تیز ترین سفر
کی سہولتیں حاصل ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہم نے انسان کو روزی کے طور پر پاکیزہ اور عمدہ چیزیں عطا
فرمائیں اور اس طرح اللہ کی مخلوق میں سے اکثریت پر اسے فضیلت عطا فرمائی۔ اب
اصل سوال یہ ہے کہ اللہ نے انسان کی جو عزت افزائی کی ہے اس نے اپنے آپ کو
کس حد تک اس کا اہل ثنابت کردہ کے اسے قائم رکھا ہے۔ آگے محاسبہ اور جزا عمل

کی منزل آنے والی ہے۔ اُس وقت پتہ چلے گا کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو ان نوازشات کا اہل ثابت کیا ہے یا اُس نے اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر لیا ہے۔ آج کی آیات اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

امام کے
نام پر پکار

ارشاد باری تعالیٰ ہے **يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنْاسٍ**
اِلٰى مَكَامٍ مِّنْ اُسْ وقت کو دھیان میں لاؤ جب ہم ہر گروہ اور فخر
کو اُس کے امام کے ساتھ پکاریں گے۔ اُس وقت سے مراد وہ وقت
ہے جب سب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور محاسبہ اعمال شروع
ہونے والا ہوگا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اپنی اپنی جماعت
کے قائدین کے ساتھ آواز دیں گے کہ فلاں گروہ اور اُس کے رہنما ادھر
آجائیں، اور فلاں فرقہ اپنے لیڈر سمیت اس طرف ہو جائیں۔
مفسرین کہہ ام نے لفظ ”امام“ کی مختلف تفسیریں کی ہیں جو سب
کی سب درست ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ امام سے مراد اعمالِ نامہ ہے جس
کا تسلسلِ آیت کے اگلے حصے میں بھی برقرار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔
کہ تمام لوگ اپنے اپنے اعمالِ ناموں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ بعض مفسرین
امام سے نبی مراد لیتے ہیں کہ ہر امت کو اپنے اپنے نبی کی قیادت میں طلب
کیا جائے گا۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا **اِخْرَجْنَا**
جَا عِلَّكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا رَّابِقَةً (۱۲۴) میں تجھے لوگوں کا امام بنانے
والا ہوں۔ اسی طرح گویا میدانِ حشر میں اس طرح آواز دی جائے گی ”اے
نوح علیہ السلام کی امت“۔ ”اے ابراہیم علیہ السلام کی امت“ اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی امت“ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے انبیاء سمیت پیش ہو جاؤ۔
بعض فرماتے ہیں کہ امام سے مراد کتبِ سماویہ ہیں۔ ہر امت کو
ان کی کتاب کے ہمراہ پکارا جائے گا۔ **يَا اَهْلَ التَّوْرَةِ، يَا اَهْلَ**

الْأَنْحِيلُ يَا أَهْلَ الزُّبُورِ يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ ادْهَرَا كَمَا أَهْلُ الْإِسْلَامِ
محاسبہ پیش کردہ۔

امام اس ہستی کو بھی کہتے ہیں جس کی اقتدا کی جائے اور جو کسی امرت
یا گروہ کا پیشوا ہو۔ اس کی مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سکھلائی ہوئی ختم
قرآن کی دعائیں موجود ہے۔ اے اللہ! قرآن پاک کی برکت سے میری قبر
میں انس کا سامان پیدا کر دے، اے اللہ! قرآن پاک کی برکت سے مجھ
پر رحم فرما۔ وَأَجْعَلْهُ لِي إِمامًا وَنُورًا وَهُدًى وَرَحْمَةً
اور اسے میرے لیے امام، نور، ہدایت اور روشنی بنا دے۔ اس دعائیں گو یا قرآن
کو بھی امام کہا گیا ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق امام سے مراد
امامِ زمان یعنی اپنے اپنے دور کے پیشوا اور لیڈر بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ہر
دور کے پیشوا سچے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور جھوٹے بھی۔ امام ضلالت یعنی لوگوں
کو گمراہ کرنے والے پیشوا بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، جیسے شیطان کا اتباع
کرنے والوں کو اس کے نام پر پکارا جائے گا کہ ادھر آ کر اپنا حساب
کتاب چکاؤ۔ یہ بڑا خوفناک منظر ہوگا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ امام، اُم کی جمع ہے جیسے خفاف
خف کی جمع ہے اور اُم کا معنی چونکہ ماں ہے، لہذا امام کا مطلب یہ
ہے کہ لوگ اپنی ماؤں کے نام پر پکائے جائیں گے، یہ تفسیر مرجوح نہیں
ہے کیونکہ زیادہ قوی روایات کے مطابق لوگوں کو باپ کے نام پر آواز
دی جائے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اچھے نام رکھا کرو اور برے
اور شرکیہ ناموں سے پرہیز کرو۔ البتہ جس کا باپ نہیں ہوگا، اُسے ماں کے
نام سے پکارا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یحییٰ ابنِ
مَرْیَمَ کہہ کر بلا یا جائیگا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کا نام باپ سے اور
نہ ماں، لہذا انہیں قدیم کے نام سے پکارا جائے گا یعنی اے آدم علیہ السلام!

را دھرتوجہ ہوں۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ ارشاد ہوگا۔ جنتیوں اور دوزخیوں کو الگ الگ کر دو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے، مولا کہیم! دوزخی کتنے ہیں اور جنتی کتنے؟ ارشاد ہوگا کہ ایک ہزار افسردہ ہیں سے نو سو تیناویس دوزخی ہیں جب کہ صرف ایک جنتی ہے۔ بہر حال مفسرین نے لفظ امام کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

اعمال ناموں
کی تقسیم

آگے ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ أَوْفَىٰ بِوَعْدِهِ بِمِثْلِهِ جس کو اس کی کتاب یعنی اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں مل گیا فَأُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَهُمْ پس وہ اپنے اپنے اعمال نامے پڑھیں گے اور بڑے خوش ہوں گے۔ سورۃ الحاقہ میں آتا ہے کہ ایسے لوگ اپنا اعمال نامہ دوسروں کو دکھا کر کہیں گے "هَكَأُوذُكُمْ أَقْرَعُ" اِکْتَبَیْکَ۔ دیکھو یہ اعمال نامہ پڑھو مجھے حساب کتاب کے عمل پر یقین تھا۔ وہ آدمی سمجھے گا کہ مجھے پروانہ نجات مل گیا۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ میدان حشر میں اعمال نامے اڑیں گے اور اڑ کر کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں میں پہنچیں گے کسی شخص کو اس کا اعمال نامہ سامنے سے ملے گا اور کسی کو پیچھے سے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے ایک شخص کا قدر دراز فرمائیں گے، اس کا چہرہ نورانی ہوگا اور اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں سے دیا جائے گا۔ وہ اعمال نامہ لے کر جب اپنی جان پہچان والے لوگوں کے پاس پہنچے گا، تو وہ بھی اسے دیکھ کر خوش ہوں گے وہ شخص ان سب کو خوشخبری دے گا کہ تم بھی میری طرح خوش نصیب ہو نہیں ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ملنے والے ہیں اور یہ کامیابی کی علامت ہے۔ اس کے برخلاف جس شخص کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا اس کا چہرہ سیاہ اور شکل منحوس ہو جائے گی۔ جب وہ اپنے لوگوں کے قریب پہنچے گا۔ تو وہ کہیں گے کہ تم منحوس ہو، ہمارے قریب نہ آنا۔ وہ کہے گا

کہ میں تو منحوس ہوں مگر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہونے والا ہے۔ غرضیکہ اعمال ناموں کی تقسیم کی یہ کیفیت بھی بیان کی گئی ہے۔

حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حشر میں بعض مواقع ایسے بھی آئیں گے جب کوئی کسی کی طرف دھیان نہیں کرے گا اور سب کو اپنی اپنی پرٹی ہوگی جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ وہ بڑے خوش ہوں گے اور دوسروں کو بھی دکھائیں گے۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو جو لوگ جس جس معبود کی پوجا کرتے تھے، ان کے پیچھے لگ جاؤ۔ وہ سب اپنے اپنے معبود کے پیچھے قطار بنالیں گے جو انہیں لے کر سیدھا جہنم میں پہنچا دے گا۔ سورج، چاند، درخت اور پتھروں کے پجاریوں کے معبودان کے سامنے مشکل ہو کہ آئیں گے اور جہنم تک پہنچا دیں گے۔ جن لوگوں نے اپنے اپنے انبیاء کی پرستش کی ان سے دور کر طریقے سے بات کی جائیگی۔ یہودی اور عیسائی شدت پیاس کی جیسے پانی طلب کریں گے تو انہیں سُرَاب دکھایا جائیگا کہ جاؤ اُدھر پانی ہے۔ جب وہ پانی کی تلاش میں اس طرف جائیں گے تو آگے جہنم ہوگا۔

فرمایا کہ جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ اُسے بڑھکے خوش ہو جائیں گے وَلَا يَظْلَمُونَ قَتِيلًا اور ان پر دھاکہ برابر بھی نہ دیتی نہیں کی جائے گی۔ ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائیگی۔ قتیل اُس بتی کو بھی کہتے ہیں جو چراغ میں ڈالی جاتی ہے۔ اور کھجور کی گٹھلی کی درار میں جو باریک سا دھاکہ ہوتا ہے، اُسے بھی قتیل کہتے ہیں۔ تو فرمایا ایک باریک دھاکے کے برابر بھی کسی سے ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حشر میں
اندھیان

فرمایا، يَادْرِكُوهَا وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی

جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا فَهُوَ فِي الْأَخِرَةِ أَعْمَى
وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھایا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں
کہ اس اندھا پن سے مراد ظاہری آنکھوں کی بینائی سے محرومی نہیں،
کیونکہ یہ محض عوارض کی بنا پر ہوتا ہے، بلکہ اندھے سے مراد وہ آدمی ہے
جو اس دنیا میں ہدایت کے راستے سے محروم رہا۔ اللہ نے دنیا میں ہدایت
کے تمام اسباب مہیا کر دیے تھے۔ انسان کو عقل اور سمجھ عطا کی، افس
کی راہنمائی کے لیے کتابیں اور انبیاء مبعوث فرمائے۔ ہادی اور منذر بھیجے
پڑھانے اور سکھلانے والے بھیجے، اس کے باوجود جو شخص دنیا میں ہدایت
کے راستے کو نہ پاسکا، وہ اگرچہ ظاہری آنکھیں رکھتا ہے مگر اس کے دل
کی آنکھیں نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ بصیرت سے محروم ہے۔ سورۃ
حج میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ اُن کی ظاہری
آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ اُن کے سینوں میں رکھے ہوئے دل اندھے ہوتے ہیں۔
بہر حال اللہ نے دنیا میں ہدایت کے تمام وسائل مہیا کر دیے ہیں۔ تاکہ
کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے پتہ نہیں چلایا مجھے کسی نے سمجھایا نہیں۔
اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ارد گرد دھناروں اور لاکھوں ایسی
نشانیوں بکھیر دی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لا
سکتا ہے۔ اس کے باوجود جو شخص اس دنیا میں راہ ہدایت سے محروم رہا۔
وہ آخرت میں امن و سلامتی کے راستے سے محروم رہ جائے گا۔ اُس کے
سامنے تباہی، بربادی اور جہنم کا راستہ ہوگا اور نجات کے راستے کی طرف
سے اندھا ہی رہے گا۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ جو شخص یہاں پر ہدایت کی راہ
سے اندھا رہا۔ وہ آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا رہے گا۔ بہشت
کی راہ اُس سے بہت دور ہوگی جہاں وہ کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔

ذرا یا ایسا شخص آخرت میں اندھا ہوگا وَأَضَلُّ سَبِيلًا اور بہت زیادہ
 گم کردہ راہ ہوگا۔ جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے۔ اس کے پاس
 تلافی کے ذرائع موجود ہیں، وہ توبہ کر کے اور ایمان صالح سے مالا مال ہو
 کر راہ ہدایت حاصل کر سکتا ہے، مگر آخرت میں پہنچ کر یہ امکان بھی ختم
 ہو جائے گا۔ وہاں یہ انسان کی عملی دنیا ختم ہو چکی ہوگی اور وہ صرف عزرا کے
 عمل سے گزرے گا۔ پچھلی سورۃ النحل میں گنہگار چمکا ہے کہ جس دین ہم ہدایت
 سے گواہ اٹھائیں گے، اُس دین کافروں کو بات کرنے کی بھی اجازت
 نہیں ہوگی وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ انہیں کوئی موقع دیا
 جائیگا کہ وہ اپنے پروردگار کو مناسکیں۔ اس وقت وہ شخص پریشانی میں
 مبتلا ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے اسی دنیا میں موقع ہے کہ وہ راہ راست
 پر آجائیں، وگرنہ آخرت میں وہ بہت ہی گم کردہ راہ ہوں گے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ
خَلِيلًا ۝ (۳) وَلَوْلَا أَنْ تَبَتُّنَا لَقَدْ كَدَّتْ تَرْكُنُ
إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ (۴) إِذَا لَذَقْنَا ضِعْفَ
الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ
عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ (۵) وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفْرِزُونَكَ
مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا
يَلْبَثُونَ خِلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (۶) سُنَّةَ مَنْ
قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا
تَحْوِيلًا ۝ (۷)

ترجمہ :- اور بیشک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو فتنے
میں مبتلا کریں اُس چیز سے جس کو ہم نے آپ کی
طرف وحی کیا ہے تاکہ تو افتراء کرے ہم پر اس
کے علاوہ دوسری بات ۔ اور اُس وقت البتہ بنا لیں
گے یہ تجھ کو اپنا دوست ۝ (۳) اور اگر ہم آپ کو
ثابت قدم نہ رکھتے تو البتہ تحقیق قریب تھا کہ آپ
اُن کی طرف مائل ہو جاتے مٹھوڑا سا میلان ۝ (۴) اُس

وقت ہم چکھاتے آپ کو دُگنی سزا دنیا کی زندگی میں اور دُگنی سزا دوسری زندگی میں۔ پھر آپ نہ پلتے اپنے لیے ہمارے اوپر کسی کو مددگار ﴿۷۵﴾ اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کے قدم ہلا دیں زمین سے تاکہ یہ آپ کو اس سے نکال دیں۔ اور اُس وقت یہ نہیں ٹھہریں گے آپ کے پیچھے مگر بہت تھوڑا ﴿۷۶﴾ یہ دستور ہے اُن کا جن کو ہم نے بھیجا آپ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے۔ اور نہ پائیں گے آپ ہمارے دستور میں کوئی تفاوت ﴿۷۷﴾

پہلے اللہ نے مشرکین کا رد فرمایا، پھر انسان کی برتری اور عزت و احترام کو بیان کیا اس کے بعد محاسبے کا ذکر کیا کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو اپنے پیشواؤں سمیت بلائے گا، اُس دن بہت ہی خوفناک منظر ہوگا۔ لوگوں کو اعمال نامے دیے جائیں گے۔ جنہیں وہ پڑھیں گے اور اس سلسلے میں کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی زیادتی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اس دنیا کی زندگی میں ہدایت کے راستے سے انحصار ہا وہ آخرت میں بھی ہدایت کے راستے سے انحصار ہے گا، اور گم کردہ راہ بن کر بہت دور جا پڑے گا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کے خلاف مشرکین کی عداوت کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ طائف کے مشرکین کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی بہت میں حاضر ہوا، اور انہوں نے آپ پر ایمان لانے کے لیے چند شرائط پیش کیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ آپ ہمیں تمام عربوں پر اتیازی حیثیت دلائیں۔ دوسری بات یہ کہ مکے اور طائف کے درمیان واقع ہماری ”وادی وجہ“ کو مکہ معظمہ کی طرح حرام قرار دیں تاکہ یہاں پر عبادت اور اجر و ثواب بڑھ جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں زکوٰۃ کی ادائیگی

مشرکین کی
سازش و سازش

سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اور یہ بھی کہ ہم تمہارے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ جہاں تک ہمارے معبودوں کی بات ہے ہم انہیں اپنے ہاتھ سے نہیں توڑیں گے۔ ان معبودوں کو مکمل طور پر ترک کرنے کیلئے ایک سال کی عہدت دی جائے۔ اس دوران ہم ان کی عبادت تو نہیں کریں گے مگر ان کے سامنے پیش کیے جانے والے نذرانے وصول کرنے کے حقدار ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ رکوع و سجود کی ادائیگی ہم پر گہرا گہر رتی ہے لہذا ہمیں نماز سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

وَفِی طَائِفٍ مِّنْہُمْ شُرَکَآءُ لَهُمْ فِرْعَوْنُ وَہَارُونَ وَکَافُرٌ مِّنْہُمْ
دِیْنٌ لَّا تُکْوَعُ وَلَا سُجُودٌ فِیْہِ یعنی جس دین میں رکوع اور
سجود نہیں ہے، اُس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ یہ تو کمال درجے کی عبادت
ہے، لہذا تمہیں نماز سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بتوں کو اپنے ہاتھوں
سے نہ توڑنے کے متعلق آپ نے فرمایا، کوئی بات نہیں، انہیں
توڑنے کے لیے دو کمر لوگ کافی ہیں۔ اس زمانے میں اکثر و بیشتر
ایسا ہوا تھا کہ اسلام قبول کرنے والوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے
عبادت خانے گرائے اور ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کیں اور بتوں کو اپنے
ہاتھوں سے توڑا۔ تاہم حضور نے طائف والوں کی یہ بات قبول کر لی
کہ وہ خود بت نہیں توڑیں گے۔ اسی طرح آپ نے مشرکین کے دوسرے
مطالبات یعنی عربوں میں امتیازی حیثیت دلانے، وادی کو حرام قرار دینے
اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے استثناء بھی مسترد کر دیے۔

در اصل مشرکین چاہتے تھے کہ حضور علیہ السلام سے ”کچھ لو اور کچھ دو“
کے اصول پر سمجھوتہ ہو جائے۔ وہ اپنی چرب زبانی اور سازش کے ذریعے
پیغمبر اسلام کو دین کے اصولوں سے ہٹانا چاہتے تھے اس قسم کی سازش
کا ذکر سورۃ القلم میں بھی موجود ہے ”وَلَا تُؤْتِنَا زُكُوفًا وَلَا جُفُوفًا“

وہ چاہتے ہیں کہ تھوڑا سا آپ ڈھیلے پڑ جائیں اور کچھ وہ نرم ہو جائیں۔
 کہتے تھے آپ ہمارے معبودوں کے خلاف بدگوئی نہ کریں تو ہم آپ کی
 مخالفت نہیں کریں گے۔ کفار و مشرکین آپ علیہ السلام کی سیادت
 تسلیم کرنے کی پیش کش بھی کرتے تھے، اچھے سے اچھا رشتہ لا کر دینے کا لالچ
 دیتے تھے، مال و دولت ڈھیر کر دینے کی بات کرتے تھے مگر آپ
 نے فرمایا، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر آپ
 سوچ کر میرے ایک ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو دو سر ہاتھ پر، تو پھر
 بھی میں تمہاری بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گا بلکہ اپنے
 پروردگار کی طرف سے عاید کردہ فریضہ تبلیغ ادا کرتا رہوں گا۔

انہی حالات و واقعات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہاں پر
 ارشاد فرمایا ہے وَإِنْ كَادُوا كَيْفَ تَنْوِذُكَ عَنْ
الذِّعَةِ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ اور بیشک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ
 کو فتنہ میں ڈال دیں اس چیز سے جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے
 یعنی وہ اپنی کمال ہوشیاری اور چرب زبانی سے آپ سے کوئی چیز منوالیں
 اور اس طرح آپ لَتَنْفَتِرِيَ عَلَيْنَا غِيْرَةً ہم پر قرآن کے علاوہ
 کوئی دوسری بات افتراء کر دیں۔ مثلاً یہ کہ آپ طائف والوں کی وادی
 کو حرم قرار دینے پر آمادہ ہو جائیں یا انہیں نماز اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیں
 تو فرمایا کہ اگر آپ ان کی کوئی بات مان لیں تو پھر وَإِذَا لَاتُخَذُوكَ
خَلِيْلًا وہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنالیں گے اور آپ سے
 مراسم قائم کر لیں گے۔ فرمایا یہ بات درست نہیں ہے۔ بلکہ آپ اپنے
 دین پر قائم رہتے ہوئے فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں اور ان مشرکین کی
 سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

حضور علیہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَوْ لَا اَنْ تَبَيَّنْتَ لَكَ اور اگر ہم کی ثابت قدمی

آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے لَقَدْ كَذَبْتَ تَوَكَّنْ إِلَيْهِمْ
 شَيْئًا قَلِيلًا تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف حضورِ آسمان
 ہو جاتے۔ رکون کا معنی ہوتا ہے کسی ایک طرف کو جھک جانا یا مائل
 ہو جانا۔ دوسرے مقام پر ہے وَلَا تَرْتَكُوا الْكَيْدَ
 ظَلَمُوا فَتَمَسَّ كُمُ النَّارُ (ہود) اے ایمان والو! ظالموں
 کی طرف مت جھکو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھی جہنم کی آگ کے مستحق بن
 جاؤ گے، اس میں حضور علیہ السلام کی تعریف کا پہلو بھی نکلتا ہے کہ اللہ
 نے آپ کو عصمت کا درجہ عطا کیا ہے۔ اگر آپ کا جھکاؤ اُس
 طرف ہوتا بھی تو بہت ہی قلیل ہوتا۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر جھکاؤ ہو ہی جاتا ہے تو پھر اذًا ذَنَابُكَ
 ضَعُفَ الْحَيَاةِ وَضَعُفَ الْمَمَاتِ ہم آپ کو چکھاتے دگنی
 سزا دنیا کی زندگی میں بھی اور دوسری زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے
 کہ خاص لوگوں کو تنبیہ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر گرفت ہو
 جاتی ہے حالانکہ ایسی معمولی باتوں پر عوام سے باز پرس نہیں کی جاتی۔ اس
 قسم کی مثال سورۃ الاحزاب میں بھی موجود ہے اللہ کے نبی کی ازواجِ مطہرات
 خواص میں سے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق فرمایا لَيْسَ آءُ النَّبِيِّ
 لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنْكَ النَّسَاءُ تم عام عورتوں کی طرح نہیں
 ہو، اس لیے مِّنْ يَّاتٍ مِّنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ
 يُضَعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ اگر تم میں سے کوئی غیر احتلاقی
 بات کرے گی تو اس کو دگنی سزا دی جائیگی۔

اس مقام پر بھی نبی علیہ السلام سے خطاب کہہ کے یہی بات بیان کی
 گئی ہے کہ اگر آپ کا جھکاؤ دوسری طرف ہو جاتا تو ہم آپ کو دگنی سزا
 دیتے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْكَ عَلَيْنَا نَصْرُكَ پھر آپ اپنے لیے

ہمارے اوپر کوئی مددگار بھی نہ پاتے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی آپ کی داورسی کرنے والا نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تہیہ بھی فرمادی۔ ظاہر ہے کہ جب پیغمبر بھی غلطی سرزد ہونے پر گرفت میں آسکتے ہیں تو عام مسلمانوں کو تو زیادہ محتاط رہنا چاہیئے اور اللہ کی پکڑ سے خوف کھانا چاہیئے۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دو زانو ہو کر انتہائی خشیت کے ساتھ اللہ کی شان جلال و جبروت میں غور کرتا چاہیئے اور وہی درخواست کرنی چاہیئے جو خود حضور علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کی تھی اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِي اِلَى نَفْسِي طَرَفَةً عَيْنٍ اے اللہ! آنکھ جھپکنے کے برابر بھی مجھے میرے نفس کی طرف نہ سونپ، میری ہر وقت دشگیری فرماتا کہ غلطیوں سے محفوظ رہوں اور نیکی کے رستے پر استقامت نصیب ہو گویا اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی رعب کی عاجزی اختیار کرنی چاہیئے۔

ہجرت کے
بعد تباہی

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور اصول بیان فرمایا ہے وَ اِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنْ اَلْاَرْضِ اَوْ قَرِيبٍ تَخَافُ يَهْجُوكَ دُنْيَا اَوْ كَمُزُورٍ كَرَّكَ كَسِي حَظِيْرٍ يَاقُوْبًا لَيَتَا هُوَ اَيْ جِيسے کسی دیوار یا درخت کو جھٹکنے سے کہ کمزور کہ لیا جاتا ہے اور پھر اسے گمراہ لیا جاتا ہے۔ فرمایا مشرکین بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا تَاكُرَّ اَبْ كُوْمِكُمْ كِي بَسْتِي سَ نَكَال دِس۔ فرمایا اگر انہوں نے یہ کام کیا وَ اِذَا لَا يَكْبُثُوْنَ خَلْفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا تو پھر یہ بھی آپ کے بعد نہیں ٹھہر سکیں گے مگر بہت عرصہ طلب یہ ہے کہ اگر مشرکین نے آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا تو پھر وہ خود بھی زیادہ عرصہ مکہ میں قیام نہیں کر سکیں گے۔ اگلی آیت میں بھی یہ اصول

بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں ان میں یہ دستور رہا ہے کہ جب انہوں نے اللہ کے پیروں کو نکل جانے پر مجبور کر دیا تو پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گیا اور وہ دنیا میں باقی نہیں رہے۔ سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے کہ مشرکین نے اپنے حق میں بددعا کی اگر محمد کا دین سچا ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا، مگر اللہ نے فرمایا "وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ" جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجے گا۔

بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب قریش مکہ کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں مسلمانوں کی دو جماعتیں حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھیں۔ باقی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ پھر حضور علیہ السلام کے قتل کی سازش بھی کی گئی تو آپ کو مجبوراً مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ کے نبی کو مکہ چھوڑنے ایسی ڈیڑھ برس بھی گزرنے نہ پایا تھا۔ کہ معرکہ بدر واقع ہوا۔ حضور نے جماعت المسلمین سے فرمایا، اے ایمان والو! آج مکہ کے سارے جگہ گوشے میدان بدر میں جمع ہو گئے ہیں، آج اللہ ان سے انتقام لے گا۔ حضور علیہ السلام نے ائمۃ الکفر کی موت والی جگہ کی نشاندہی بھی کر دی کہ فلاں فلاں جگہ پر فلاں فلاں کافر جہنم رسید ہو گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ نے ان سے ایسا انتقام لیا کہ ان کی موت نشان زدہ جگہ سے ایک انچ بھی ادھر ادھر واقع نہ ہوئی۔ کافروں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کی اتنی کمزور اور بے سر سامان جماعت اسلحہ سے ایسی بڑی تعداد پر غالب آجائے گی، مگر یہ اللہ کا وعدہ تھا جو پورا ہو کر رہا۔

فرمایا سُنَّۃً مِّنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ

رُسُلِنَا بِهٖ اَنْ رُّسُوْلُوْنَ كَا دَسْتُوْرٍۭ بِهٖ جَنٰہِیْنَ ہِمْنِیْ اَپْ سِیْلَہٖ بِہِیَا
جب کسی رسول کی قوم نے اپنے نبی کو ہجرت پر مجبور کیا۔ اور اُسے اپنی بستی

حضور علیہ السلام
کے لیے تسلی

سے نکال دیا تو پھر وہ لوگ خود بھی عذاب الہی کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ مشرکین
 مکہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ جب انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو خود بھی تباہی سے دوچار ہوئے اور پھر
 آہستہ آہستہ اتنے کمزور ہو گئے کہ فتح مکہ کے دن وہ مکمل طور پر مریض
 ہو گئے۔ فرمایا یہ ہمارے پہلے رسولوں کا دستور ہے وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا
 تَحْوِيلًا اور آپ ہمارے اس دستور میں کوئی تفاوت یا تبدیلی نہیں پائیں
 گے۔ آپ کے لیے بھی یہی قانون ہے جب یہ لوگ آپ کو نہیں جانتے
 دیں گے تو پھر ان کا رہنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اور یہ تباہ ویرباد ہو کر
 رہیں گے۔

اقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُولِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ
وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۷۸﴾ وَ
مِنَ اللَّيْلِ فَسُجِّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ
يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿۷۹﴾

تہجد قائم کریں آپ نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات
کی تاریکی چھا جانے تک اور فجر کا قرآن پڑھنا۔ بیشک فجر
کا قرآن پڑھنا حاضری کا وقت ہے ﴿۷۸﴾ اور رات میں سے
(کچھ وقت) پس آپ تہجد پڑھیں اس (قرآن) کے ساتھ
یہ زائد ہے آپ کے لیے۔ قریب ہے کہ کھڑا کرے
گا آپ کو آپ کا پروردگار تعریف ملے مقام پر ﴿۷۹﴾

رہنما آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے مشرکین کا رد فرمایا اور انسان کی تحکیم کا مسئلہ بیان
فرمایا۔ پھر دنیا کی زندگی میں ہدایت اور گمراہی کی بات ہوئی اور مشرکین کی سازشوں کا بیان
ہوا جس کے ذریعے حضور خاتم النبیین کو راہِ راست سے ہٹا چاہتے تھے، مگر اللہ
نے فرمایا کہ مشرکین اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو تسلی بھی دی کہ اگر یہ لوگ آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے تو پھر یہ بھی
یہاں پر زیادہ دیر تک نہیں ٹھہریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا شکار ہو جائیں گے۔
مشرکین مکہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو سخت تکالیف پہنچا رہے
تھے جس وجہ سے اہل حق کو پریشانی کا لاحق ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ اب آج کی آیات
میں اللہ تعالیٰ نے اس پریشانی کا حل تجویز کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَقِمِ الصَّلَاةَ

اقامت
صلوٰۃ

آپ نماز قائم کریں۔ مصیبت کے وقت نماز اور صبر کے ذریعے استعانت
 پکڑنے کا اصول سورۃ البقرۃ میں بھی بیان ہو چکا ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ الْإِيمَانَ وَالْوَجْدَ
 تَمَاهِيْلَ كُوْنِي تَكْلِيْفٍ نَحْنُ تَوَصِّرُ اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو۔“ إِنَّ اللَّهَ
 مَعَ الصَّابِرِينَ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے
 صبر بھی ملت ابراہیمیہ کا بہت بڑا اصول ہے۔ اور نماز کے متعلق
 حدیث شریف میں آتا ہے اَمْرُ الْعِبَادَاتِ الْمُقَرَّبَةِ يَعْنِي اللّٰهُ كَا
 قَرَبٍ دَلَانِے والی عبادات میں سے نماز سب سے اہم عبادت ہے۔
 نماز، ذکر، مناجات، قلب و جسم کی عاجزی، زبان کے ساتھ خدا تعالیٰ
 کے لیے کلماتِ تعظیم اور کلامِ الہی کی تلاوت کا مجموعہ ہے۔ نماز کے ذریعے
 انسان کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز کا قیام طہارت اور
 پاکیزگی پر قائم ہوتا ہے۔ جو کہ بذاتہ ایک اعلیٰ اخلاق ہے۔ نماز آپس میں
 محبت اور مساوات پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ ”وَاحِ كَعُوْا مَعَ التَّكْوِيْنِ“
 (البقرۃ) انسانی برادری کا کمال نمونہ پیش کرتا ہے۔ اکیلے نماز پڑھنے کا ایک
 نماز کا ثواب ہوتا ہے جب کہ باجماعت نماز کا ثواب ستائیس گنا بڑھ
 جاتا ہے نماز میں وقت کی پابندی اور تنظیم جیسے زیر اصولوں پر عمل ہوتا
 ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پختہ ہوتا ہے۔

نمازوں کی
تعداد

فرمایا، نماز قائم کرو، مگر کب؟ لَوْلَا الشَّمْسُ الْخَالِ
 غَسَقَ الْيَسَلِ سَوَاجِ دُحْنِے سے لے کر رات کی تاریکی تک۔ ولول
 کا معنی امیلاں ہونا یا ڈھلنا ہوتا ہے۔ دوپہر کے وقت جب سورج پچھلے
 پہر کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کو سورج کا ڈھلنا بازوال کہتے ہیں ظاہر
 ہے کہ زوال سے لے کر رات کی تاریکی تک مسلسل ایک ہی نماز تو نہیں
 ہو سکتی، اسی لیے مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس عرصہ میں چار نمازوں یعنی

ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کا اشارہ ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے بھی آثار میں منقول ہے کہ انہوں نے اس حصہ آیت سے چاروں نمازیں مروی ہیں۔ تاہم قرآن پاک میں ہر نماز کے وقت کا فردا فردا ذکر بھی آیا ہے۔ بہر حال اس آیت کے مطابق زوال کے وقت ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ اس کے بعد عصر کا وقت ہوتا ہے۔ جس کی سخت تاکید کی گئی ہے کیونکہ یہ مشاغل دنیا کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ”حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (البقرة) نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص کہ نماز وسطیٰ یعنی عصر کی نماز کی اسی طرح حَیْنَ تُمْسُونَ وَحِیْنَ تَصْبِحُونَ (الروم) میں شام اور صبح کی نمازیں آتی ہیں۔ وَعِشَاءً وَحِیْنَ تَظْهَرُونَ (الروم) میں عصر اور ظہر کی نمازوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا (طہ) میں فجر اور عصر کا ذکر ہے۔

نماز فجر

بہر حال اس حصہ آیت میں چار نمازیں آتی ہیں۔ آگے فرمایا وَقُرْآنَ الْفَجْرِ اور فجر کا قرآن یعنی نماز فجر بھی۔ اس طرح گویا اس آیت کہ میرے پانچوں نمازوں کا ذکر آگیا ہے۔ پانچ نمازوں کی فرضیت معراج کی رات ہوئی۔ اس سے پہلے قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (وَمِنَ اللَّیْلِ رَق۔ ۴۰) کے مطابق فجر، عصر، اور رات کی تین ہی نمازیں تھیں۔ تاہم سورۃ بنی اسرائیل چونکہ واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی۔ اس لیے اس میں پانچوں نمازوں کا ذکر آگیا ہے فرمایا فجر کا قرآن پڑھنا اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا بیشک فجر کا قرآن پڑھنا حاضری کا وقت ہے۔ اس وقت میں فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ”يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ لَيْلًا وَنَهَارًا“ رات اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے

ہیں۔ یعنی جن فرشتوں کی ڈیوٹی انسانوں کے اعمال کی حفاظت ہوتی ہے وہ فجر اور عصر کی نماز کے وقت ڈیوٹیاں تبدیل کرتے ہیں عصر کی نماز کے وقت دن کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں۔ اسی طرح فجر کے وقت رات والے چلے جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں۔ ہر جانے والا گروہ اللہ کی بارگاہ میں اس کے بندوں کی رپورٹ پیش کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے کہ فرشتو! تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو نیک بندوں کے فرشتے کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حالت میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح خدا کی یاد سے بے بہرہ لوگوں کے متعلق فرشتے رپورٹ پیش کرتے ہیں کہ مولا کہیم! تیرے فلاں فلاں بندے غفلت میں پڑے ہوئے تھے یا وہ برائی میں لگے ہوئے تھے۔ غرضیکہ فجر کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔

نماز فجر کے ساتھ قرآن کا خصوصی ذکر اس وجہ سے ہے کہ سنت کے مطابق فجر کی نماز میں قرآن کی تلاوت قدرے زیادہ کی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام بالعموم فجر کی نماز میں چالیس سے لے کر سو آیات تک تلاوت فرماتے تھے۔ گویا اس نماز میں باقی نمازوں کی نسبت قرأت لمبی ہوتی ہے۔

بعض گمراہ
فرقے

بعض گمراہ فرقے پانچ نمازوں کے قائل نہیں ہیں۔ ایک گروہ ایسا بھی ہے جو صرف فجر کی نماز ادا کرتا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو سارا دن کام کرتا تھا مگر فجر کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا۔ دریافت کرنے پر کہا کہ نماز صرف ایک ہی ہے۔ بعض منکرین قرآن صرف دو نمازیں پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا“ (صلۃ) کے مطابق صرف فجر اور عصر کی نمازیں فرض ہیں۔ بعض لوگ تین نمازوں کے اور بعض چار کے قائل ہیں۔ پرویز کہتا ہے کہ ہماری یہ نماز

حقیقت میں حقیقی نماز ہی نہیں ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ جب ہماری حکومت قائم ہوگی اور وہ نماز کا حکم دیگی تو وہی حقیقی نماز ہوگی۔ اس نے یہ بات اپنی کتابوں اور رسالوں میں واضح طور پر لکھی ہے کہ ہماری موجودہ نماز محض رسمی نماز ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ عقیدہ اصلاً کافرانہ ہے کیونکہ نماز وہی ہے جو حضور علیہ السلام نے، اور آپ کے صحابہؓ نے پڑھی اور جس کی تلقین بھی کی۔ یہی نماز تواتر کے ساتھ ثابت ہے جس کا بدعتیہ لوگ انکار کر رہے ہیں۔

نبی کا قول فعل
بطور دلیل

نمازوں کی تعداد اور رکعات کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول اور عمل ہی ہمارے لیے حجت ہے۔ اسی لیے تمام مذاہب حقہ پانچ نمازوں کی فرضیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر نماز کی رکعات کی تعداد کے متعلق بھی کوئی اختلاف نہیں۔ تمام اہل ایمان فجر کے دو، ظہر کے چار، عصر کے چار، مغرب کے تین اور عشاء کے چار فرضوں کے قائل ہیں، اسی لیے شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس کی بعض ہدایات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے اور ان میں سے بعض ہدایات سنن میں داخل ہیں اور بعض مستحبات میں۔ جہاں تک فرض اور واجبات کا تعلق ہے، وہ اختلافات سے پاک ہیں۔ اختلافی ہدایات میں رفع یدین آمین، ہاتھوں کا باندھنا وغیرہ شامل ہیں مگر ان مسائل میں ہر قسم کی روایات موجود ہیں اور ہر ایک کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنے کی گنجائش بھی ہے۔

نماز کے بہت سے ارکان ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں مگر ہم وہ ارکان نبی علیہ السلام کے قول اور عمل کے مطابق تواتر کے ساتھ ادا کر رہے ہیں، لہذا کسی رکن کا قرآن میں عدم ذکر اس کی شرعی حیثیت کو مشکوک نہیں بنا سکتا۔ حضرت عمران ابن حصینؓ کے سامنے ایک شخص

نے ذکر کیا کہ آپ لوگ مقام محمود والی آیت کی تشریح میں شفاعت الیٰ تعالیٰ پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے اس پر حضرت عمرانؑ ناراض ہو گئے، اور فرمایا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے فجر کی دو رکعت کی تین اور ظہر عصر اور عشاء کی چار چار رکعتوں کا ذکر وہاں پڑھا ہے؟ کہنے لگا، نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم نے یہ تعداد رکعات کہاں سے لی؟ فرمایا، کیا تم نے یہ ساری باتیں ہم سے اخذ نہیں کیں؟ اور ہم نے یہ عمل خود حضور علیہ السلام سے لیا۔ پھر پوچھا، کیا تو نے زکوٰۃ کا نصاب قرآن میں کہیں پڑھا ہے کہ سونے چاندی پر اتنے فیصد اور مویشیوں پر اس حساب سے زکوٰۃ واجب ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ قرآن میں تو یہ تفصیل نہیں ہے، فرمایا، پھر یقیناً مقررہ نصاب ہم سے لیا ہے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا تھا۔ حضرت عمرانؑ نے اس شخص سے یہ بھی کہا کہ قرآن پاک میں ہے "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ" (الحج) اور چاہئے کہ اللہ کے قدیم گھر کا طواف کرو۔ اب بتاؤ کہ طواف کے سات چکروں کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ اور پھر یہ بھی کہ طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھو۔ فرمایا، کیا یہ ساری باتیں تم نے ہم سے اور ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل نہیں کیں؟ وہ شخص کہنے لگا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرانؑ نے فرمایا کہ قرآن میں یہ کہاں ہے لَا تَشْخَرُ فِيهِ إِلَّا سَلَامٌ یعنی اسلام میں ملے سٹے کا نکاح جائز نہیں حالانکہ ہم سب اس حدیث کے قائل ہیں۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسا نکاح بالکل باطل ہے کیونکہ اس میں جانبین کی طرف سے دونوں شتے طے کر کے درمیان سے مہر اڑا دیا جاتا ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نکاح تو ہو جائے گا مگر مہر مثل ادا کرنا پڑے گا

تو یہ مسئلہ بھی ہمیں سنت میں ہی ملا ہے۔ فرمایا، اللہ نے اپنی پاک کتاب میں فرمایا ہے "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (الحشر۔) جو کچھ اللہ کا رسول تمہیں دے دے۔ اُسے لے لو، اور جس چیز سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔ تو فرمایا جن چیزوں کی صراحت قرآن میں موجود نہیں ہے ہم نے یقیناً انہیں اللہ کے رسول سے اخذ کیا ہے جس کا ثبوت آپ کی زبان اور آپ کا عمل ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین کا عامل بنا کر بھیجا، تو فرمایا، وہاں پر اہل کتاب رہتے ہیں۔ پہلے انہیں توحید و رسالت کی دعوت دینا۔ اگر وہ تسلیم کر لیں تو پھر کہنا کہ اللہ نے رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ واقعہ معراج میں جہاں نمازوں کی فرضیت کا ذکر ہے۔ وہاں یہ الفاظ آتے ہیں ذٰلِكَ خَمْسٌ وَاذٰلِكَ خَمْسِينَ یعنی یہ ہیں تو پانچ نمازیں مگر ان کا اجر و ثواب پچاس کے برابر ہے کیونکہ ہر عمل کا کم از کم اجر دس گنا ہے۔ بہر حال اس آیت میں اشارۃً پانچ نمازوں کا ذکر آگیا ہے۔

پانچ نمازوں کے ذکر کے بعد اگلی آیت میں فرمایا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ رَآتِ الْقَدِّسِ قَدِّسَ لَكَ یہ آپ کے لیے زائد ہے۔ ہجود کا معنی اٹھنے کے بعد سیدار ہونے کے ہیں۔ چونکہ یہ نماز پچھلی رات سو کر اٹھنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے اسے نماز تہجد کہا جاتا ہے۔ نماز کے فضلوں کے علاوہ سنن، مستحبات اور نوافل وغیرہ کو نفل ہی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ فرض سے زائد ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر بعض محققین فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز فرض نہیں بلکہ نفل ہے تاہم اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ فرض

نماز تہجد
کی اہمیت

نمازوں کے بعد افضل ترین نماز کون سی ہے۔ تو آپ نے فرمایا "رات کی نماز" بعض فرماتے ہیں کہ "نافلکۃ" لگے ہیں ضمیر واحد کے ذریعے حضور علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ یہ نماز بھی محض آپ کے لیے بطور زائد فرض ہے جب کہ باقی لوگوں کے لیے نہیں۔ اگر وہ بھی ادا کریں گے تو بہت زیادہ ثواب ہوگا، اور اگر ادا نہ کریں گے تو باز پرس نہیں ہوگی۔

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام متجدد کی نماز میں طویل قیام اور لمبی قرأت کرتے تھے حتیٰ کہ موسمی اثرات کی وجہ سے کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں بعض اوقات متورم ہو جاتے تھے، اور دوسری کے موسم میں تو پاؤں بعض دفعہ پھٹ بھی جاتے تھے۔ حضرت ام المومنینؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے عرض کیا حضور! آپ تو گناہ سے بالکل پاک ہیں اور معمولی لغزشوں کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا فرمان ہے، ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے "لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (الفتح) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام گلی پچھلی لغزشیں معاف کر دے۔ تو پھر آپ اس قدر مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں کہ نماز میں کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا، جب اللہ نے مجھ پر اتنی مہربانی فرمائی ہے اَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟ بہر حال دونوں تفسیریں آتی ہیں کہ یہ نماز سب کے لیے زائد ہے اور دوسری یہ کہ حضور علیہ السلام کے لیے فرض اور امت کے لیے نفل ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ابتداء میں رات کی نماز سب کے لیے فرض تھی جیسا کہ سورۃ منزل سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام

کو خطاب کر کے فرمایا "يَا أَيُّهَا الْمُدْمِلُ ۚ قُمْ الْبَلَّالَ
 قَلِيلًا" اے کھیل اور ڈھنسنے والے! آپ رات کو قیام کریں مگر محض اُردھ
 پھر دوسرے رکوع میں صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ
 تم میں بعض بیمار ہوں گے اور دوسری طبقہ وہ ہے جو زمین پر سفر کریں گے
 اور اللہ کا فضل تلاش کریں گے اور بعض جہاد کے لیے جائیں گے، لہذا
 آپ قرآن میں سے اتنا حصہ پڑھیں جتنا آسان ہو۔ فرماتے ہیں کہ بعد میں یہ
 فرضیت اٹھا دی گئی۔

فرمایا عَسَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا مقام محمود
 امید ہے کہ آپ کا بہرہ ور دگار آپ کو مقام محمود (تعریفوں والے مقام)
 پر کھڑا کر دے گا۔ مقام محمود کا ذکر احادیث میں کثرت سے آیا ہے
 یہ وہ جگہ ہے جسے شفاعتِ کبریٰ کا مقام بھی کہا جاتا ہے۔ جہنم کے
 میدان میں لوگ پریشانی کے عالم میں مبتلا ہوں گے۔ ہر شخص اپنے اپنے
 میں ڈوبا ہوا ہو گا۔ لوگ چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں
 تاکہ اس تلخی سے چھٹکارا پاسکیں۔ اس کام کی سفارش کے لیے لوگ
 مختلف انبیاء کے پاس جائیں گے کہ آپ اللہ کے ہاں سفارش کیے
 حساب کتاب شروع کرادیں، مگر ہر کوئی جواب دے دیگا۔ اِذْهَبُوا
 الْحَالِ غَيْرِي کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ بالآخر لوگ حضور علیہ السلام
 کی خدمت میں حاضر ہوں گے جو اس کام کا بیڑا اٹھانے پر تیار ہو جائیں گے
 آپ مقام محمود پر سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ بعض روایات کے مطابق آپ
 ایک ہفتہ اور بعض کے مطابق دو ہفتہ تک مسلسل سجدے میں پڑے رہیں
 گے۔ بعض تفسیری روایات میں دس سال کا ذکر بھی آتا ہے۔ بہر حال اس
 عرصہ میں آپ اللہ تعالیٰ کی ایسے کلمات کے ساتھ تعریف و توصیف بیان
 کریں گے۔ جو اللہ تعالیٰ اس وقت آپ کو الہام کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ

فرمائے گا اَرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ اے محمد ! اپنا سر اٹھائے۔
 آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائیگی، اور آپ سوال کریں
 آپ کو دیا جائے گا۔ یہی شفاعتِ کبریٰ ہے جو پوری مخلوق میں آپ
 کے حصے میں آئیگی۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام امت کے
 حق میں بار بار سجدہ رنید ہو کر سفارش پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ
 کی سفارش قبول کرے گا اور لوگ عذاب سے نکلے رہیں گے۔
 بہر حال اسی مقام کے متعلق یہاں اشارہ ہے کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
 آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا، لہذا اسی انعام کے شکریہ کے طور پر
 آپ رات کی نماز (تہجد) ادا کریں۔

مفسرین کرام نماز تہجد کی ایک اور حکمت بھی بیان کرتے ہیں، اور اصلاح نفس
 وہ یہ کہ اس کے ذریعے انسان کے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ جب
 تک اصلاح نفس نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات صحیح نہیں ہو سکتے
 اور نہ ہی ایسا شخص دنیا کے اجتماعی نظام کو ٹھیک کر سکتا ہے۔ نماز تہجد
 تربیت کا پہلا مرحلہ ہے۔ صحابہ کرام یہ تربیت مکمل کر کے ہی دنیا کی فرائز و فرائض
 کے لیے نکلتے تھے۔ اگر تعلق باللہ درست نہیں ہے تو اجتماعی نظام میں
 خود غرضی، ظلم و جور اور فتنہ و فساد کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ لوگ مادی
 لحاظ سے کتنی بھی ترقی کر جائیں۔ حتیٰ کہ دوسرے سیاروں تک پہنچ جائیں
 مگر اصلاح نفس کے بغیر کوئی بھی درست طور پر کام نہیں کر سکتا۔ ایسے
 لوگوں کی قیادت میں عیاشی، فحاشی، حق تلفی اور کھیل تماشہ تو ہو سکتا ہے
 مگر لوگوں کو امن اور چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس کام کے لیے
 اصلاح نفس کی تربیت حاصل کرنا، ہوگی جس کا پہلا درس نماز تہجد ہے۔

سجّن الذی ۱۵

درس بہت مینچ ۲۵

سبئی اسرائیل ۱۷

آیت ۸۰ تا ۸۱

وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ
مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا
نَّصِيْرًا ۝۸۰ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱

تجہ۔ اور (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، اے پروردگار! داخل کر دے مجھ کو
داخل کرنا سچائی کے ساتھ اور نکال مجھ کو نیکان سچائی کے ساتھ۔ اور بنا
مے میرے لیے اپنی طرف سے ایک غلبہ جو مددگار
ہو ۝۸۰ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا ہے اور باطل
مٹ گیا ہے۔ بیشک باطل ٹٹنے والا ہے ۝۸۱

رابط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے تعصب کا ذکر کر کے اُن
کا رد فرمایا۔ پھر اُن کی سازشوں اور ایذا رسانیوں کا علاج اقامتِ صلوٰۃ کی صورت میں تجویز
فرمایا۔ اللہ نے تہجد پڑھنے کی طرف رغبت دلائی تاکہ مخالفین کی حیلہ سازیاں آپ اور
آپ کے ساتھیوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اللہ نے اشارۃً پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا اور نماز تہجد
کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی۔ پھر حضور علیہ السلام کے مقامِ محمود پر فائز ہونے کی بات کی۔
اب آج کی دو آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف
ہجرت کا اشارہ دیا ہے کہ کفار و مشرکین کی بڑھتی ہوئی ایذا رسانیوں کے پیش نظر آپ
کو یہاں سے ہجرت کرنا پڑے گی اور دوسری آیت میں اللہ نے فتح مکہ کی پیش گوئی
فرمائی ہے۔

ہجرت
انبیاء

اکثر انبیاء علیہم السلام کو زندگی میں ہجرت کا مرحلہ پیش آیا۔ جب قوم و ملک کے تمام لوگ مخالف ہو گئے۔ انہیں اتنی تکالیف پہنچانی گئیں کہ ان کا اپنے وطن میں رہنا محال ہو گیا تو پھر اللہ کے حکم سے نبی کو اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف پوری قوم اکٹھی ہو گئی تھی کہ باپ بھی دشمنوں کے ساتھ مل گیا تو آپ کو کہنا پڑا، **اِخْرِجْ ذَا هَبْ رَحِمًا رَبِّي سَيَهْدِيْنِ** (الصفۃ) میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ وہی مجھے راستہ دکھائیگا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی ایسے حالات پیدا کر دیے گئے کہ آپ کا مکے میں رہنا دو بھر ہو گیا اور اللہ نے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ ہجرت تمام اہل ایمان کے لیے فرض قرار دے دی گئی تھی کیونکہ کفار کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامیابی کا راز اسی میں پنہاں تھا۔ ایسی حالت میں ہجرت سے مستثنیٰ صرف عورتیں اور بچے ہوتے ہیں یا وہ کمزور لوگ ہوتے ہیں جو سفر کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں یا جن کو راستہ بتانے والا کوئی نہ ہو۔ اگر کوئی صاحب استطاعت آدمی ہجرت پر آمادہ نہیں ہوتا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ہجرت کا حکم دینے کے بعد ہجرت کی دعا سکھلائی ہے۔ **وَقُلْ اے پروردگار! پیغمبر! آپ کہہ دیجئے رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ اے پروردگار! داخل کر مجھے داخل کرنا سچائی کا۔ یہ اس آیت کا عام مفہوم ہے اور مطلب یہ ہے کہ مولا کریم اجائے ہجرت یعنی مدینہ منورہ میں مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما۔ **وَاٰخِرُ حُجَّتِيْ صِدْقٍ** اور نکال مجھے سچائی کے ساتھ نکالتا۔ یعنی مکہ مکرمہ سے میرا خروج بھی سچائی کے ساتھ ہو۔ سچائی کے ساتھ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہجرت کر کے جہاں جاتے**

ہیں۔ وہاں حق و صداقت کا بول بالا ہو اور حق و صداقت ہی کو بدترین حاصل ہو۔
 اسی طرح جس شہر سے ہم رخصت ہو رہے ہیں۔ وہاں سے ہمارا خروج عزت و ابرو
 کے ساتھ ہو۔ دشمن چونکہ بے آبروئی پر تلے ہوئے تھے اور جان کے لیے
 تھے، اس لیے اللہ نے یہ دعا سکھلائی کہ مکہ سے نکلنے وقت ہمیں کسی
 پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے بلکہ اپنی حفاظت میں ہمیں امن و سکون کے
 ساتھ نکال دے۔

اس مقام پر بعض مفسرین کہہ ام نے دخول اور خروج کے بعض دیگر معانی
 بھی کیے ہیں۔ مثلاً امام بیضاویؒ نے اس ہجرت کو آخرت کی زندگی پر محمول
 کیا ہے اور دعا کا یہ معنی آگیا ہے کہ اے پروردگار! جب موت دے تو مجھے
 قبر میں سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور جب قیامت کو دوبارہ زندہ کئے
 تو اسی قبر سے نہایت عزت و ابرو کے ساتھ نکالنا۔ علیٰ ہذا القیاس
 خروج سے مراد اس دنیا سے خروج اور دخول سے مراد جنت کا داخلہ بھی ہو
 سکتا ہے۔ سورۃ یونس میں اہل ایمان کے متعلق فرمایا اِنَّ لَهُمْ
 قَدْرَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ کے لیے اپنے پروردگار کے
 ہاں سچائی کا پایا ہے۔ سورۃ القمر میں بھی ہے۔ "فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ
 عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ" یعنی وہ بڑے طاقتور بادشاہ یعنی رب العالمین کے
 پاس نہایت عزت و احترام کی جگہوں پر بیٹھیں گے۔

اس دنیا سے سچائی کے ساتھ نکلنے سے مراد یہ ہے کہ انسان، ایمان،
 نیکی، اطاعت، حق کی بندگی و بدترین کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو۔
 اس کا ہر قول و فعل اور ہر کوشش حق کی سر بندگی کے لیے وقف ہو۔ اس کے
 برخلاف برائی کے ساتھ نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی بھر کفر، شرک،
 اور معاصی میں پھنسا رہے اور اسی پر اسے موت آجائے، اُس کی ساری کاوش
 برائی اور باطل کے لیے ہوتی رہی ہو تو یہ نکلنا اُس کے حق میں ہرگز مفید نہیں

ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہی دعا سکھلائی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت ہمیں حق و صداقت کی حمایت میں رخصت کرنا تاکہ ہمارا دامن کفر، شرک اور معصیت سے پاک ہو۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس آیت سے فتح مکہ کا اشارہ بھی ملتا ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! ہمیں ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے حق و صداقت کے ساتھ نکال اور پھر ہمیں عزت و آبرو کے ساتھ دوبارہ اسی مکہ مکرمہ میں داخل فرما۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ دس ہزار قیدیوں کی یہ جماعت نہایت امن و سلامتی کے ساتھ فتح کا پرچم لہراتی ہوئی مکہ میں داخل ہوئی مکے کی طرف جاتے وقت حضور علیہ السلام سواری پر سوار تھے اور سر پر خود پہن رکھا تھا۔ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے خود اتار دیا اور سر پر پگڑی پہن لی۔ اللہ نے آپ کو نہایت عزت و وقار کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل کیا۔ مکہ مکرمہ میں صحابہ کا داخلہ تین اطراف سے ہوا تھا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنے پہلو پر رکھا حضرت زبیر بن عوفؓ کو بائیں پہلو پر اور حضرت ابو عبیدہؓ کو پیچھے پر مقرر کیا آپ نے حکم دیا کہ قریش میں سے جو کوئی منہ رحمت کرے اسے کاٹ کر رکھ دیں۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے راستے پر پھوڑی سی منہ رحمت ہوئی مگر وہ جلدی ہی ختم ہو گئی اور آپ امن و امان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے انصار کو کہہ دیا کہ صفا پہلنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

کو صفا پر اعلان حق

یہ وہی مقام ہے جہاں پر آپ نے حق کا اولین اعلان فرمایا تھا آپ کی آواز پر چالیس آدمی اکٹھے ہوئے تھے اور جب آپ نے توحید کی دعوت پیش کی تو ابولہب نے آپ کو گالیاں دی تھیں اور آپ کو سمجھتا رہے تھے آج ایک دفعہ حضور علیہ السلام اسی مقام پر جلوہ افروز تھے اور آپ نے پھر اعلان حق فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْجَزَ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ

وَهَذَا الْحَرَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْئًا بَعْدَهُ اِسْنَدُ تَعَالَى
 کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی نصرت
 فرمائی اور تمام لشکرِ زل کو اکیلے نے ہی شکست دے دی اور اس کے بعد
 کفار و مشرکین ایں کوئی سکت باقی نہ رہی، آپ نے یہ بھی فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ
 وحدہ لا شریک ہے۔

بہر حال یہ اس دُعا کی قبولیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مکہ مکرمہ
 سے بھی اطمینان کے ساتھ نکالا۔ مشرکین نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا
 مگر اللہ نے آپ کی حفاظت مکان میں بھی کی اور راستہ بھر بھی آپ کو محفوظ
 و مامون رکھا، مدینہ طیبہ میں آپ کا داخلہ بڑی عزت و احترام کے ساتھ ہوا
 اور پھر اللہ نے آپ کو دورہ مکہ میں شان و شوکت کے ساتھ داخل فرمایا
 اس وقت تو لوگ اس دُعا کو محض خوش فہمی پر محمول کرتے تھے مگر نو دس
 سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے حقیقت میں تبدیل کر دیا۔

مکے سے خرمن اور پھر داخلے کی دُعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام
 کی زبان سے یہ دُعا بھی کہلائی وَاجْعَلْ لِّمَنْ لَّدُنْكَ
سُلْطٰنًا قٰصِيًا اور بتائے میرے لیے اپنی طرف سے ایک
 غلبہ، حکومت یا تسلط جو مددگار ہو۔ مطلب یہ کہ مولا کریم! مجھے ایسا غلبہ
 عطا فرما جس کے ساتھ تیری مدد شامل حال ہو، حق کو برتری نصیب ہو اور
 مخالفین حق ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اسلام
 کا ظاہری غلبہ ہے کیونکہ دنیا میں کوئی قانون اس وقت تک نافذ العمل
 نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پیچھے قوت نافذہ موجود نہ ہو۔ ایک
 روایت میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَيَضَعُ بِالسُّلْطٰنِ مَآكِلَهُ
 يَضَعُ بِالْقُرْآنِ یعنی اللہ تعالیٰ حاکم عادل کے ذریعے وہ نتیجہ برآمد کر

نفاذِ قانون
 کی ذمہ داری

دیتا ہے جو محض قرآن سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن پاک تو قانون کی کتاب
 ہے مگر اسے جاری کرنے کے لیے جماعت اور امیر جماعت کی ضرورت
 ہے جس کے لیے حضور علیہ السلام سے دُعا کرائی جا رہی ہے۔ چنانچہ
 اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دُعا بھی قبول فرمائی۔ صحابہ کرام کی جماعت پیدا
 ہوئی جو خود بھی قانون خداوندی پر عمل پیر ہوئی اور دوسروں سے پابندی
 کرنے کا بھی بیڑا اٹھایا۔ حضور علیہ السلام کی قیادت میں اسی جماعت نے
 کلمہ حق بلند کیا۔ جب آپ اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ کے
 خلفائے راشدین نے اس مٹھن کو آگے بڑھایا۔ بہر حال یہاں پر سلطان نصیر
 کی دُعا فرمائی جس کے ذریعے اقامت نظام حق کا فریضہ بھی ادا کیا جائے۔
 اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام کو صحابہ جیسی جماعت نصیب ہو گئی۔
 جنہوں نے اسلام کے نظام عدل کو نافذ کرنے کے دکھا ہاں مگر افسوس کا مقام ہے
 کہ تاتاریوں کے حملے کے بعد اہل اسلام کی جمعیت ختم ہو کر پوری امت مسلمہ
 انحطاط کا شکار ہو چکی ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو بہت بُرے
 طریقے سے ختم کیا۔ دنیا میں اسلامی خلافت کا رعب و دبدبہ تھا۔ یہودی اور
 عیسائی اس کے نام سے ہی ڈرتے تھے۔ انگریز بڑے سوچ و بچار کے
 بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ جب تک مسلمانوں کی اجتماعیت کو ختم نہیں کیا جاتا۔
 انہیں دنیا میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، چنانچہ انہوں نے پوری دنیا میں
 تمام غیر مسلم اقوام کے ساتھ مل کر ایسی منصوبہ بندی کی جس سے مسلمانوں کا
 نہ صرف شیرازہ بکھریا بلکہ وہ ایک دوسرے کی بدد کے قابل بھی نہ رہے
 جب پاکستان بنا تو تیرہ کروڑ مسلمانوں کی اجتماعیت انگریزوں، یہود اور
 ہنود کو پھر کھٹکنے لگی۔ چنانچہ وہ اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے
 جب تک پاکستان کو دو تخت نہیں کر دیا۔ اسلام دشمن طاقتیں تو مسلمانوں
 کو کبھی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوتے نہیں دیکھ سکتیں۔ اُن کی خواہش

اسلام کے
 خلاف سازش

ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ مسلمان آپس میں درست و گمربیان ہوتے رہیں اور ایک دوسرے کی مدد کے قابل نہ رہیں۔ ایسے ہی حالات میں اللہ کے نبی نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ مولا کریم! ہمیں غلبہ، تسلط اور امیر میسر فرما جو مدد کرنے والا اور دین کے مشن کو آگے بڑھانے والا ہو۔

حق و باطل
کی کشمکش

ہجرت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی خوشخبری بھی سادی۔ ارشاد ہوتا ہے وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ اے پیغمبر! اب کہہ دیں کہ حق آگیا وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور باطل چلا گیا۔ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا بیشک باطل ٹٹنے والا ہی ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک چھتری تھی۔ آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت کعبہ کی چھت، دیواروں اور درگاہ درتین سو ساٹھ بیت رکھے ہوئے تھے۔ آپ اپنی چھتری سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور زبان مبارک سے یہی الفاظ دہرائے جاتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا حق آگیا اور باطل چلا گیا، بیشک باطل جانے والا ہی تھا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے سورۃ سبا کے یہ الفاظ بھی دہرائے جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ حق آگیا اور باطل نہ تو پہلی بار پیدا کیے سکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرے گا مطلب یہ کہ باطل بالکل مایا میٹ ہو گیا۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے یہ آیت فتح مکہ سے نو یا دس سال پہلے نازل ہوئی تھی جس میں فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اُس وقت تو کافروں نے اس آیت کا تمسخر اڑایا تھا مگر دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ نے حق کو کس طرح غلبہ عطا فرمایا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ

اللہ نے مکہ مکرمہ میں اسلام کو ایسا غلبہ عطا فرمایا کہ قیامت تک کے لیے اسے
ایمان کا مرکز بنا دیا۔ اب اس پر کوئی دوسری طاقت غلبہ حاصل نہیں کر
سکتی۔ دراصل بیت اللہ شریف کو یہ شرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے زمانے میں ہی حاصل ہو گیا تھا مگر درمیان میں چار پانچ سو سال کا
عرصہ یہ ارض مقدس پھر مشرک کا گڑھ بنی رہی۔ اب اللہ نے حضور علیہ السلام
کے دست مبارک سے اسے پاک صاف کیا۔ اب قیامت تک اس
کے تقدس میں فرق نہیں آئے گا۔ اور یہ حرم مرکز ایمان اور مرکز توحید
کے طور پر قائم و دائم رہے گا۔

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ
 لِلْمُؤْمِنِينَ ۚ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝۸۲
 وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بَجَانِبَهُ
 وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرْكَانَ يُوَسَّسًا ۝۸۳ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ
 عَلَى شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى
 سَبِيلًا ۝۸۴

ترجمہ:- اور آتے ہیں ہم قرآن میں وہ چیز جس میں شفا
 ہے، اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ اور نہیں
 زیادہ کرتا وہ ظالموں کے لیے مگر نقصان ۝۸۲ اور جس
 وقت ہم انعام کرتے ہیں انسان پر تو وہ اعراض کرتا
 ہے؛ اور پہلو تہی کرتا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے اس کو
 برائی تو وہ مایوس ہوتا ہے ۝۸۳ (اے پیغمبر!) آپ کہہ
 دیجئے، ہر شخص عمل کرتا ہے اپنے طریقے پر۔ پس تمہارا
 پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو زیادہ سیدھے راستے
 پر ہے ۝۸۴

رابط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا مکی زندگی
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء کو بے حد پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، اس
 لیے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ دُعا سکھلائی کہ مولا کریم! ہمیں حق و صداقت

کے ساتھ نکال اور حق و صداقت کے ساتھ ہی داخل فرما۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبان سے یہ بھی کہلوا دیا کہ حق آگیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے کیونکہ باطل مٹنے والی چیز ہی ہے۔ یہ گویا فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز آپ علیہ السلام اپنی چھٹری سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور یہی آیت تلاوت فرماتے تھے اور اس طرح آپ نے خاتمہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے بالکل پاک کر دیا۔

اب آج کی پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا ذکر کیا جس کے ذریعے حق آتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔ اور یہی اس آیت کی گزشتہ آیت کے ساتھ مناسبت ہے جس طرح یہ قرآن دوسری کتب سماویہ کے برخلاف بتدریج نازل ہوا، اسی طرح باطل بھی بتدریج مٹا چلا گیا۔ اس آیت کریمہ کا تعلق رکوع اول میں آمدہ آیت پاک "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ" سے بھی ہے کہ یہ قرآن اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔ اب اسی قرآن کی بعض صفات کا ذکر یہاں بھی ہو رہا ہے۔

قرآن بطور
شف

ارشاد ہوتا ہے **وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ** اور ہم اتارتے ہیں قرآن کریم میں وہ چیز جس میں شفا ہے۔ اس شفا کا تعلق دراصل روحانی بیماریوں کی شفا سے ہے۔ جیسا کہ سورۃ یونس میں بھی گمنہ رہ چکا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت **وَشِفَاءٌ لِّكُلِّ دُاعٍ** اور دلوں میں موجود بیماریوں کی شفا آچکی ہے اگرچہ قرآن پاک دوسرے درجے میں بہا اوقات ظاہری بیماریوں کے لیے بھی شفا بن جاتا ہے مگر اصل اس کی شفا روحانی لوگوں کے لیے ہی ہے جب بھی قرآنی آیات نازل ہوتی ہیں تو وہ روحانی بیماریوں کی شفا کا سبب بنتی ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ روحانی بیماریوں کا تعلق عقیدے، اخلاق اور اعمال سے ہوتا ہے۔ قرآن پاک سب سے پہلے باطل عقیدے کی اصلاح کرتا ہے۔ کفر، شرک، منافقت، الحاد، شک وغیرہ ایسی روحانی بیماریاں ہیں جن کا اثر انسان کی روح، قلب، جان اور دماغ پر پڑتا ہے۔ گندہ عقیدہ انسان کے دل و دماغ کو ناپاک کر دیتا ہے اور انسان کی فکر بھی نجس ہو جاتی ہے۔ اسی گندہ فکر کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے ”إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ“ (التوبہ - ۲۸) یعنی بیشک مشرک لوگ ناپاک ہیں۔ اسی طرح منافقوں کے متعلق فرمایا ”فَزَادَ قُبُحَهُمْ رَجَسًا“ (التوبہ - ۱۲۵) قرآنی آیات کی وجہ سے ان کی گندگی میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ بہر حال اس نجاست سے مراد ظاہری نجاست نہیں بلکہ ان کے نفاق کی گندگی مراد ہے۔ عقیدے سچے بھی ہوتے ہیں اور باطل بھی۔ تو مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن پاک باطل عقیدے کی روحانی بیماری کے لیے بمنزلہ شفا کے ہے۔

عقیدے کے بعد دوسرے نمبر پر اخلاقی بیماریاں ہیں جن میں حسد، بغض، کینہ، خیانت، جھوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن پاک ان اخلاقی بیماریوں کو بھی شفا بخشتا ہے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان تمام قبیح بیماریوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تیسرے نمبر پر وہ روگ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے۔ ان بیماریوں میں چوری، قتل، ڈاکہ، اغوا، زنا، کھیل تماشہ، عریانی، فحاشی، ظلم، غرور و تکبر، غیر اللہ کی عبادت، خوشامد، رسومات باطلہ وغیرہ آتی ہیں۔ قرآن کریم ان تمام برے اعمال کی درستگی کے لیے لائحہ عمل بتاتا ہے جس پر عمل درآمد سے انسان غلط اعمال کی بیماریوں سے بھی شفا پا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے لوگو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو۔

اور اُن کی نافرمانی کر کے "وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ" (محمد - ۳۲) اپنے اعمال کو باطل نہ کر لو۔ اور نیک اعمال کا ابطال اُس وقت ہوتا ہے جب اس میں سے خلوص نکل جائے اور ریا داخل ہو جائے۔ اس کے علاوہ وہ کام بھی باطل ہو گا۔ جو اگرچہ بذاتہ اچھا ہے مگر حضور علیہ السلام کے طریقے کے خلاف انجام دیا گیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے مَن لَعَمَلِ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرٌ نَّافِعٌ وَرَدٌ فَهُوَ رَدٌّ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہماری طریقے کے مطابق نہیں ہے تو اللہ کی بارگاہ میں وہ کام بھی مردود ہو گا اور وہ آدمی بھی۔ غرضیکہ قرآن پاک غلط اعمال کی اصلاح بھی کرتا ہے۔

اس سلسلے میں بزرگان دین دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی تخلیہ اور تخلیہ۔ تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک تمام باطل عقائد، باطل اخلاق اور باطل اعمال سے انسان کو پاک کرتا ہے اور تخلیہ یعنی صحیح عقائد، صحیح اخلاق اور اعلیٰ اعمال سے مزین کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک گندی اور رذیل باتوں سے انسان کو پاک کرتا ہے اور تمام اچھی صفات کے ساتھ مزین کرتا ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ یہی قرآن کی شفا ہے۔ جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفا یابی کے لیے ایک چمیز قدر مشترک ہے کہ دونوں صورتوں میں پہلے فاسد مادے کو خارج کیا جائے گا۔ تاکہ اس کی جگہ صالح مادہ پیدا ہو کر صحت کامل ہو سکے۔ ڈاکٹر یا حکیم جب بھی کسی جسمانی بیماری کا علاج کرتے ہیں تو پہلے اُسے مہل دیا جاتا ہے جس سے تمام فاسد مادے انسانی جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ مادے کبھی آنتوں کے ذریعے نکلے جاتے ہیں، کبھی مٹانے کے ذریعے، کبھی پسینے کے راستے سے اور کبھی بلغم کی صورت میں۔ لہذا اوقات گند اخون نکلنے کے لیے پھینچنے یا نگیاں لگائی جاتی ہیں۔ جب تمام گند امیاد نکل جاتا ہے تو پھر اس کو ایسی

عقیدہ کی
درستگی

دوائی دی جاتی ہے جس کے ذریعے خون، بلغم، سودا اور صفرا میں اعتدال قائم ہو کر انسانی اعضا ٹھیک طور پر کام کرنے لگتے ہیں۔ روحانی عوارض کے علاج کا بھی یہی طریق کار ہے۔ جب تک انسان گندے عقائد، گندے اخلاق اور گندے اعمال سے پاک نہ ہو اس میں اعلیٰ عقائد، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ اعمال پیدا نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے تمام انبیائے کرام اور بزرگان دین سب سے پہلے عقیدے کی درستگی پر زور دیتے ہیں۔ جب تک انسان کے دل و دماغ کو عقیدے کی نجاست سے پاک نہ کیا جائے۔ اس وقت تک صحیح عقیدہ، اعلیٰ اخلاق اور اعمال صالحہ پیدا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان یعنی عقیدے کو ہر حالت میں مقدم فرمایا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے ”فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ“ جس شخص نے کوئی اچھا عمل کیا اُس کی نافرمانی نہیں کی جائیگی، بلکہ اُسے قبول کر لے گا اس کا اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اگر ایمان ہی میں خرابی ہے۔ اس میں شرک ریا یا اتفاق کی ملاوٹ ہے تو ایسا عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے ایمان اور عمل صالح کو آپس میں لازم و ملزوم قرار دیا ہے، اور جگہ جگہ فرمایا ”اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ“ (الکہف) بہتر جزا اور اعلیٰ مقام ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ایمان و عقیدہ کی درستی کے ساتھ نیک اعمال انجام دیے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ عمل کا مدار تو نیت پر ہوتا ہے اور نیت تب درست ہوگی جب ایمان صحیح ہوگا۔ اور ایمان کی درستگی کا معیار یہ ہے۔ فَادْعُوهُ خُلُصًا لَّهِ الَّذِیْنَ (المومن) کہ خالص اللہ کی اطاعت کا جذبہ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ اگر عقیدے اور نیت میں ذرا بھی فتور ہوگا تو ایسا عمل بیکار محض ہوگا چاہے وہ کتنا ہی بڑا عمل کیوں نہ ہو۔ امام ابو جبر حصاصؒ فرماتے ہیں کہ جب تک ایمان میں شرک

لے بخاری ص ۱ ج ۱ (فیاض)

اور اتفاق کی ملاوٹ ہوگی، انسان میں اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا اور جب تک اخلاص نہیں آئے گا کوئی عمل مقبول نہیں ہوگا۔

مکمل طہارت

قرآن پاک نہ صرف گندے عقائد کی اصلاح چاہتا ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر موڑ پر پیش آنے والے ہر قسم کے گندے ردائیل سے انسان کی مکمل طہارت کا قائل ہے۔ انسانی برادری میں، ملکی، بین الصوبائی اور بین الاقوامی تعلقات میں طہارت ضروری ہے۔ زبان، رنگ اور نسل کے معاملے میں قرآن انسان کو ہر قسم کے تعصب سے پاک کرنا چاہتا ہے قرآن کریم کے نزدیک ظلم و زیادتی کسی کے لیے بھی روا نہیں۔ جن قوموں نے تعصب اور برٹ دھرمی کو اختیار کیا، اللہ نے ان کو مغضوب اور ملعون قرار دیا۔ جب تک انسان کے اندر کسی قسم کے ردائیل بھی موجود ہیں اُسے شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ کہ روحانی بیماریوں سے نجات دلانا قرآن پاک کا موضوع ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مفسرین کی طرف سے مختلف آیات کے شان نزول بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کی اصطلاح میں خود قرآن کا شان نزول یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی کسی قسم کی برائی پائی جاتی ہے، وہاں وہاں قرآن پاک کی وہ تمام آیات چسپاں ہوں گی۔ جن میں برائی کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جس جس مقام پر اچھائی کی ضرورت ہے، وہاں قرآن پاک کے تمام اوامر فرمائے ہیں۔ قرآن تو علی الاعلان کہتا ہے "وَلَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ" بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف - ۵۶) اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اور فساد فی الارض میں لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد، قتل و خلفشار، گالی گلوچ وغیرہ کے علاوہ کفر، شرک، نفاق، بد اخلاقی اور بد عملی بھی آتی ہے۔ لہذا صحیح نتائج اخذ کرنے کے لیے ان تمام قبائح سے

مکمل طہارت کی ضرورت ہے۔

رحمتِ
خداوندی

فرمایا نزولِ قرآن میں ایک توشفا ہے اور دوسری چیز فرمایا۔ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ اہل ایمان کے لیے رحمت ہے۔ جب انسان صحیح ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی انجام دے رہا ہو تو پھر اللہ کی رحمت بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ غور فرمائیں کہ یہاں پر رحمت کا تعلق صرف ایمان والوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے اس بات میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو لوگ اپنی فطرتِ سلیمہ کو بگاڑ کر اللہ کی عطا کردہ صلاحیت ہی کو ختم کر لیتے ہیں، ان کے لیے قرآن پاک میں کوئی شفا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا جو لوگ ظلم پر اڑے رہیں ان کے حق میں قرآن پاک نقصان ہی میں اضافہ کرے گا۔ ان کے عقیدے میں یہود و نصاریٰ اور منافقین کی طرح مزید بگاڑ پیدا ہو گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا فَرَادَتْهُمْ رَجْسًا وَرَجْسُهُمُ الرِّجْسُ ان کی نجاست میں تو اضافہ ہی ہوتا ہے گا۔ جب قرآن کی آیات نازل ہوتی ہیں تو یہ اہل ایمان کے لیے شفا کا کام دیتی ہیں، ان کے دلوں میں سکون پیدا ہوتا ہے، ان میں فضائل کی آمد ہوتی ہے اور ان کی روحانیت درجہ کمال تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح انسان نیکی اور اچھے اخلاق کے ساتھ مزین ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خلافت جب یہی آیات صدی، عبادی اور مہٹ دھرم لوگوں پر پیش کی جاتی ہیں تو ان کی گندگی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ کھنر، شرک، نفاق، مخافت اور رسوماتِ باطلہ پر مزید پختہ ہو جاتے ہیں۔

شہد میں
شف

اس آیت کرمیہ میں تو قرآن کرم کو روحانی بیماریوں کے لیے شفا قرار دیا گیا ہے۔ البتہ گذشتہ سورۃ النحل میں شہد کو انسان کی جسمانی بیماریوں کے لیے

باعث شفا بتایا گیا تھا۔ "فِيهِ شِفَاءٌ لِّلْكَاسِ" (آیت ۶۹) روحانی
اور جسمانی دونوں قسم کی بیماریوں سے بچاؤ کے لیے اللہ کے نبی نے یہ
تسخیر تجویز فرمایا ہے عَلَيَّكُمْ بِالدِّثَانِ لَئِنْ لَوْ كُورِ الشَّغَاكِ دُوحِيزِو
کو لازم پکڑو۔ اَلْقُرْآنُ وَالْعَسَلُ ایک قرآن ہے جو روحانی بیماریوں
سے شفا دیتا ہے اور دوسری شہد ہے جو جسمانی عوارض

کے لیے باعث شفا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص
نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضور! میرے بھائی
کے پیٹ میں اسہال ہو رہے ہیں اس کے لیے علاج تجویز فرمائیں آپ
نے فرمایا، اس کو شہد پلاؤ، حسبِ الحکم شہد پلایا گیا تو مریض کے اسہال میں
اضافہ ہو گیا۔ وہ شخص پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور مریض کی حالت
بیان کی۔ آپ نے فرمایا اُسے شہد پلاؤ۔ اُس نے جا کر دوبارہ شہد پلائی
تو اسہال پھر بھی بند نہ ہوئے حضور علیہ السلام نے تیسری اور چوتھی دفعہ بھی شہد
استعمال کرنے کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا کلام سچا ہے تمہارے
بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب
یہ تھا کہ تیرے بھائی کے پیٹ میں گندے مواد بھرے ہوئے ہیں جب
یہ کہ وہ خارج نہیں ہوں گے، اُسے شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو بہر حال
چوتھی دفعہ شہد پلانے سے مریض کے اسہال بند ہو کر اُسے شفا حاصل ہو گئی۔

انسان کی
احسان
فراموشی

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا آتَيْنَاكَ عَلَى الْإِنْسَانِ
أَعْرَضَ وَنَا بَیْجَانِبَہِ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں کسی نعمت
سے نوازتے ہیں تو وہ اعراض کر رہے اور پہلو ہتی کر رہے۔ انسان کی عمری
فطرت ایسی ہی ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت کی قدر دانی نہیں کرتا۔ اللہ نے

اَلْ دَاوُدُ كُوْشَعُ كُنْزِ اَرِي كِي مُقِيْنِ فِرْمَانِي اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا وَقَلِيلٌ
 مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِيْنَ (سبا - ۱۳) کہ میرے شکر گزار بندے
 بہت قلیل ہیں۔ لوگوں کی اکثریت اللہ کی طرف سے انعام پاکر عذر و تبحر
 میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اسے اپنی ذاتی قابلیت اور استعداد کا مرہون منت
 سمجھنے لگتی ہے۔ فارون نے بھی تو یہی کہا تھا اَلْكَمَّ اَوْ تَيْبَةً
 عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِيْ (القصاص - ۷۸) کہ یہ سارے خزانے تو مجھے
 میرے علم و ہنر کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں، اس میں کسی کا مجھ پر کیا احسان
 ہے۔ یہ تو میری اپنی کمائی ہے۔ جب اس کی دیدہ دلیری اس حد تک بڑھ
 گئی تو اللہ نے اُسے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ آج تاجروں اور
 صنعت کاروں کا بھی یہی حال ہے۔ ہر شخص اپنے علم، تجربے، سائنس
 اور ٹیکنالوجی کو آمدنی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور پھر اسے عیاشی، فحاشی، شرابیہ نشی
 اور دیگر معاصی پر خرچ کرنے لگتا ہے، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جب ہم
 کسی انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ اس کو انعام الہی تسلیم کرنے سے ہی
 انکار کر دیتا ہے۔

اس کے برخلاف وَاِذَا مَسَّكُمُ الشُّرُكٰۤى كَانُ كَيْفُوْسًا جَب
 اُسے کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو کر کہہ بیٹھ جاتا ہے۔ فرمایا ناشکری
 اور مایوسی دونوں حالتیں بُری ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان داروں
 کے لیے یہ دونوں حالتیں اچھی ہوتی ہیں۔ جب انہیں راحت پہنچتی
 ہے تو وہ شکر کرتے ہیں اور جب مصیبت آتی ہے تو صبر کا دامن تھام
 لیتے ہیں اور جزع و فزع نہیں کرتے۔

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں كَلِّ لَعْمَلٍ عَلٰی
 شَاكِلَتِهٖ کہ ہر شخص اپنے دُھب کے مطابق کام کرتا ہے۔ مگر
 حقیقت یہ ہے فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا

تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ ہدایت کے راستے پر کون ہے۔ ہر شخص اپنی فکر اور سمجھ کے مطابق اپنے کام میں مگن رہتا ہے مگر صحیح راستے پر کون ہے اور صحیح کام کون کر رہا ہے، یہ اللہ کے علم میں ہے، ہر انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور انبیاء کے طریق کار کے مطابق اپنے اعمال و اخلاق کی افزائش کرے۔ باقی اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی کوششیں مشکور ہوگی اور کس کی سعی میں کیا خرابی ہوگی۔ تم حتی المقدور سیدھے راستے پر سفر جاری رکھو۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي
وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝۸۵

ترجمہ :- اور سوال کرتے ہیں یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں ۔ آپ کہہ دیجئے 'روح میرے رب کے امر سے ہے ۔ اور نہیں دیا گیا تم کو علم میں سے مگر بہت تھوڑا حصہ ۸۵

رابط آیات

گذشتہ درس میں اللہ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا کہ یہ روحانی بیماریوں کے لیے شفا بخش اور اللہ کی مہربانی اور رحمت کا ذریعہ ہے ۔ ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ قرآن پاک کی شفا اور رحمت سے مستفید ہونے کے لیے استعداد اور صلاحیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ظالموں کے حق میں یہ نقصان ہی کو زیادہ کرتا ہے ۔ اللہ نے انسان کی ناشکری کا ذکر بھی فرمایا اور یہ بھی کہ محاسبہ اعمال یقیناً ہوگا ۔ اللہ تمام انسانوں کے اعمال اور کوائف سے باخبر ہے اور وہ بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت کے راستے پر چل رہا ہے اور کون گمراہی میں مبتلا ہے ۔ اب آج کی آیت کریمہ میں روح کا ذکر ہے ۔ اس کے بعد پھر قرآن کریم کا ذکر آئے گا ۔ اور پیغمبر اسلام کے خلاف مشرکین کے یہودہ اعتراضات اور بے جا فرمائشوں کا ذکر ہوگا ۔

شان نزول

آج کی آیت کریمہ کا موضوع روح ہے ۔ ویسے اُنک عَنِ الرُّوحِ اے پیغمبر ! یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سوال پوچھنے والے کون لوگ ہیں ۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں ہجرت سے دو سال قبل نازل ہوئی جب کہ حضور علیہ السلام کا واسطہ مشرکین مکہ سے تھا جو کہ اس قسم کے پیچیدہ سوالات

پوچھنے کے اہل نہیں تھے۔ چنانچہ اس آیت ا. بعض۔ مگر آیات کی شان نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے اپنا ایک اعلیٰ و درجہ بن حار کی قیادت میں یہودیوں کے پاس مدینہ اس غرض سے بھیجا کہ وہ ان سے بعض ایسے مشکل سوالات پوچھ کر آئیں جو حضور علیہ السلام کے سامنے پیش کیے جائیں اور آپ ان کا جواب نہ دے سکیں۔ اس طرح مشرکین اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کے لیے مواد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نصر ایک جہاں گشت آدمی تھا۔ اور بادشاہوں کی مجالس کے آداب سے واقف تھا۔ وہ اپنے وفد کے ہمراہ مدینہ پہنچا اور یہودی علماء کے سامنے اپنا بیان کیا۔ یہودیوں نے اس مقصد کے لیے تین سوال پیش کیے۔ ان میں سے ایک سوال توراح کے متعلق تھا جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آگیا ہے۔ دوسرا سوال اصحاب کہف اور تیسرا ذوالقرنین بادشاہ کے متعلق تھا جن کا ذکر اگلی سورۃ کہف میں آ رہا ہے۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے اور اگر ان میں سے بعض کا جواب دے بھی دیا تو آپ کے جواب کو درست تسلیم کر لیا جائے گا۔ مذکورہ وفد نے مکہ واپس آکر یہ تینوں سوالات حضور علیہ السلام کے پاس کیے، جن میں دو کا جواب اللہ نے اگلی سورۃ میں تفصیل کے ساتھ دے دیا البتہ روح سے متعلق سوال کا جواب اس مختصر سی آیت میں اجمالی طور پر ہی دیا چونکہ روح کا ذکر تورات میں بھی اجمالی طور پر ہی آیا ہے، اس لیے یہودی قرآن پاک کے اس مختصر جواب سے بھی مطمئن تھے۔

روح کے
مختلف معانی

قرآن پاک میں لفظ ”روح“ کے مختلف معانی آتے ہیں۔ روح کا اطلاق خود قرآن پاک پر کیا گیا ہے ”وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا“ (الشوریٰ - ۵۲) اسی طرح ہم نے اپنے حکم میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی۔ اسی طرح تورات کو بھی روح کہا گیا

ہے۔ اس کے علاوہ روح کا اطلاق جبرائیل علیہ السلام پر بھی کیا گیا ہے جیسے فرمایا "نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ" (الشعراء - ۱۹۳) اس قرآن پاک کو روح الامین کے ذریعے نازل کیا گیا۔ تاہم صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام پر روح سے مراد روح انسانی ہے، جس کے داخل ہونے سے انسانی جسم کو حیات ملتی ہے اور جس کی علیحدگی سے انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ تخلیق آدم کے سلسلے میں اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو مٹی سے پیدا کروں گا والاہوں۔ پس جب میں اس کو برابر کروں "وَلَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي" (ص ۲۱) اور جب میں اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں، تو تم اس کے سامنے سجدے میں گر پڑو۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے تمام افراد میں روح ڈالی۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ روح انسانوں کے علاوہ ملائکہ اور جنات میں بھی ڈالی گئی ہے۔ اگرچہ ان کی روح انسانی روح کی نسبت نہایت لطیف ہے۔

انسانی
روح

انسان کی پیدائش کے متعلق اللہ نے سورۃ المؤمنون میں یہ طریقہ بتلایا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کو ایک جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفے کا لوٹھڑا بنایا، پھر لوٹھڑے کی بوٹی بنائی پھر ٹہنیوں پر گوشت پوشٹ چڑھایا اور پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب قرار حمل پر چار ماہ گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو شکم مادر میں بچے میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی سمجھ لیں کہ اگر کسی شخص کو کوئی مشین لگانی ہو، تو پہلے اس کے لیے مکان کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر مشین فٹ کرنے کی جگہ منتخب کرتا ہے، اور وہاں پر مشین کا ایک ایک پرزہ جوڑتا چلا جاتا ہے۔ جب مشین کے سائے پر سے فٹ ہو جاتے ہیں تو پھر آخر میں اسے بجلی کا کنکشن دے دیا جاتا ہے

جس سے اس مشین کے پرزے حرکت میں آجاتے ہیں اور مشین اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ اسی طرح جب شکم مادر میں انسانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے تو پھر اُس میں روح ڈال دی جاتی ہے جس سے انسانی اعضاء کام کرنے لگتے ہیں اور انسان میں شعور، علم اور عقل پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسانی روح کی آمد سے پہلے انسانی اعضاء کی تیاری کے مختلف مراحل پر بھی ایک روح کا رفرما ہوتی ہے۔ جو روح حیوانی کہلاتی ہے۔ تاہم انسانی روح چوتھے چلے میں ہی داخل ہوتی ہے۔ جو زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتی ہے۔ اس مقام پر یہی روح مراد ہے۔

روح پر
نظریاتی
بحث

روح کی حقیقت پر قدم زمانے سے حکماء نے بڑا کلام کیا ہے اس کو سمجھنے سمجھانے کے لیے مضمین اور بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ جدید یورپ میں روحانی سوسائٹیاں معرض وجود میں آچکی ہیں جن کے اراکین مختلف عملیات اور طریقوں سے مردہ روحوں کے ساتھ تعلق جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ابھی تک کسی کو مکمل کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ قدیم یونانی، رومی اور ہندوستانی لوگوں نے روح پر بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ صوفیائے کرام نے بھی اس بارے میں کافی کلام کیا ہے، شیخ ابن عربی کی کتابوں میں روح اور نفس کے بارے کثرت سے باتیں ملتی ہیں۔ عبد الحکیم جیلی نے "الانسان الكامل" نامی کتاب لکھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور عالم بالا کی باتوں کے بارے میں کشفی انداز میں کلام کیا ہے۔

روح کی حقیقت کے بارے میں بعض بڑے بڑے علماء نے بھی کلام کیا ہے۔ ان میں امام غزالی ہیں جنہوں نے روح کے متعلق ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے۔ پھر چھٹی صدی کے عظیم مفسر امام رازی ہیں جنہوں نے "کتاب النفس والاخلاق" تحریر کی ہے۔ اس میں انہوں نے انسانی روح اور اخلاق کے متعلق بحث کی ہے۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ کے شاگرد امام

ابن قیمؒ نے بھی بڑی مفید کتابیں لکھی ہیں۔ آپؒ نے ”زاد المعاد“ کے نام سے سیرت پر بہترین کتاب لکھی ہے۔ آپؒ نے تفسیر، علم حقائق اور سلوک کے موضوعات پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ موضوع زیر بحث پر آپؒ نے ”کتاب الروح“ کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر کی ہے جس میں انہوں نے روح کے بارے میں قدیم و جدید محققین کے نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔

آخر میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مختلف کتابوں میں روح کے متعلق جامع کلام کیا ہے۔ آپؒ کی عادت ہے کہ کسی ایک موضوع کو کسی ایک مقام پر ہی بیان کر کے نہیں چھوڑ دیتے بلکہ اس کا تذکرہ مختلف کتب میں مختلف مقامات پر کرتے چلے جاتے ہیں، ان کی کتابیں مشکل ضرور ہیں مگر علم کا ہمیشہ باخزانہ ہے۔ آپؒ کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد کی کتابوں کے ساتھ جو شخص نسبت رکھتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ ضرور فیضیاب کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے والد کی کتابیں نور اور حکمت سے پر ہیں۔ پچاس ساٹھ چھوٹی موٹی کتابوں میں قرآن کریم کا ترجمہ، اصول تفسیر، شرح حدیث، موطا وغیرہ ہیں۔ علم و حکمت کا سب سے بڑا مخزن آپؒ کی عظیم کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ ہے جس میں اسلام کی مکمل تشریح اور حکمت آگئی ہے۔ گزشتہ بارہ صدیوں میں ایسی عمدہ کتاب جتبط تحریر میں نہیں آئی۔ بہر حال آپؒ نے روح کے موضوع پر بھی عمدہ اور جامع کلام کیا ہے۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ قدیم حکماء روح کے موضوع پر بڑی بحث کی ہے۔ ان کے زیر بحث یہ نکتہ بھی رہا ہے کہ روح متجزیہ یا غیر متجزیہ یعنی یہ کسی جگہ ہرکان، یا ٹھکانے میں رہتی ہے یا اسے اس کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ روح کے متعلق یہ بحث بھی ہوتی رہی ہے کہ یہ قدیم ہے یا حادث یعنی کیا روح خدا تعالیٰ

روح کی
مادیت
پر بحث

کی طرح قدیم ہے یا اس کی مخلوق۔ بعض گمراہ فرقے روح کو بھی قدیم مانتے ہیں حالانکہ قدیم ذات صرف اللہ وحدہ لا شریک کی ہے۔ باقی سب حادث یا مخلوق ہے، ہندوؤں میں آریہ سماج فرقہ ترقی یافتہ اور جدید فرقہ سمجھا جاتا ہے جب مسلمانوں نے ہندوؤں کی بت پرستی کے خلاف مدلل آواز اٹھائی تو آریہ سماجیوں نے تینتیس^{۳۳} کھوڑ دیوتاؤں کا تو انکار کر دیا مگر تین معبودوں میں آکر وہ بھی پھنس گئے۔ انہوں نے ایک خدا کی بجائے تین چیزوں کو قدیم مانا یعنی پرما (خدا تعالیٰ)، روح اور مادہ۔ یہ بھی عیسائیوں کی طرح باپ بیٹا اور روح القدس کی تثلیث میں پڑ گئے۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ قدیم ذات وہ ہے جس کی کوئی ابتداء اور کوئی انتہا نہیں اور وہ صرف ذات خداوندی ہے اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے۔ ”اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد) ہر چیز کا خالق، بدیع اور فاطر وہی ہے اور اپنی تمام صفات کے ساتھ وہی قدیم بھی ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں۔ اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے جس پر قائل لازم ہے۔ ”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمن) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ کچھ چیزیں فنا ہو چکی ہیں اور کچھ آگے چل کر فنا ہو جائیں گی، ازلی، ابدی، دائمی اور سرمدی ذات صرف ذات خداوندی ہے۔ بہر حال قدیم حکمانے اس بارے میں طویل بحثیں کی ہیں کہ روح قدیم ہے یا حادث، انسان کے بعد روح باقی رہتی ہے یا نہیں اور پھر یہ بھی کہ روح کی سعادت اور شقاوت کیا ہے جہاں تک ماضی کا تعلق ہے پرانے سائنس دان بھی اس کی قدیمیت کے حامی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مادے کو نہ پیدا کیا جاسکتا ہے اور نہ فنا کیا جاسکتا ہے۔ مگر اب بیسویں صدی میں جہرمنی کے سائنسدان آئن سٹائن نے

اس نظریے کو بھی غلط ثابت کر دیا ہے۔ اُس نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کوئی چیز نہیں۔ مادے کو قوت ہیں اور قوت کو مادے میں تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب تمام سائنسدان اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایٹم بم کی تھیوری اسی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ غرضیکہ مادے اور روح کی قدرامت بھی غلط ثابت ہو چکی ہے۔ قدیم صرف ذات خداوندی ہے۔ جوازی اور ابدی ہے۔

شاہ ولی
کا نظریہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق ہر ادنیٰ، اعلیٰ، پڑھا لکھا اور ان پڑھ جانتا ہے کہ جب یہ انسان کے جسم میں موجود ہوتی ہے تو انسان حرکت کرتا ہے۔ کھاتا، پیتا، بولتا سنتا اور کاروبار کرتا ہے۔ اور جب یہ روح انسانی جسم سے نکل جاتی ہے تو انسان بے جان ہو جاتا ہے مگر فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ روح کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔ اس نظریے کی دلیل میں کوئی قرآنی نص موجود نہیں۔ البتہ حضرت اعمشؒ کی قرأت میں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے، اس آیت کے الفاظ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ کہ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ روح کے متعلق سوال کرنے والوں اور امت محمدیہ سمیت تم سب لوگوں کو اس کا بہت کم علم دیا گیا ہے۔ روح کی تفصیلات کے ضمن میں شریعت بھی خاموش ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ اس سے کوئی بھی واقف نہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں شریعت کی خاموشی اس وجہ سے ہے کہ عام لوگوں کو روح کا علم نہیں حاصل کرنا چاہیئے اور نہ اس کے درپے ہونا چاہیئے کیونکہ ہر شخص میں ہر چیز کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ عام لوگوں کو اجالی طور پر صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے ایک چیز ہے۔ البتہ خواص کو اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اسی بناء پر آپ نے روح کی تشریح بیان کی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ روح انسانی تین چیزوں کا مرکب ہے ان میں سے ایک چیز مہزلہ سواری کے ہے جس پر آسمانی روح آکر سوار ہوتی ہے، اس کو نسمہ کہا جاتا ہے اور اس کا ذکر حدیث شریف میں بکثرت آیا ہے، جیسے **وَالَّذِي خَلَقَ وَبَرَّكَ النَّسَمَةَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور نسمے کو بھی بنایا۔ نسمے سے عام طور پر روح مراد لیتے ہیں اور تعبیر میں نفسِ ناطقہ، روحِ الہی یا روحِ انسانی بھی لیتے ہیں۔ یہ نسمہ جسمِ انسانی میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح گلاب کے پھول میں اُس کا عرق ہوتا ہے یا کوئلہ میں آگ ہوتی ہے نسمہ ایک لطیف بخار یا دھواں سا ہے۔ جب تک یہ بخار آدمی کے جسم میں موجود ہو، اس کی حرکت جاری رہتی ہے اور جب یہ بخار ختم ہو جائے تو آدمی بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بخار یا حرارتِ انسان کی غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ خوراکِ انسانی معدے میں جا کر مضغ ہوتی ہے۔ پھر یہ جگہ میں جا کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں انسانی جسم کی نشوونما کی ضروریات کے تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ پھر جگر، قلب اور دماغ تینوں کی شراکت سے نسمہ پیدا ہوتا ہے جس کا مکمل جوشِ قلب میں ہوتا ہے۔ لطیف بخار کی آمیزش والا خون قلب میں پہنچ کر پمپ ہوتا ہے اور پھر سارے جسم میں پھیل جاتا ہے۔ یہی نسمہ ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا روحِ انسانی کا پہلا جزو نسمہ ہے جس کی تشریح پیش کر دی گئی ہے۔ اس کا دوسرا جزو روحِ سماوی ہے جس کو امرِ ربی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شکمِ مادر میں جب بچہ چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو یہ روح سماوی آکر نسمہ پر سوار ہو جاتی ہے۔ اور وہ بھی سارے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ روحِ انسانی کا تیسرا جزو نفسِ ناطقہ ہے۔ جس طرح ہر انسان میں ایک روح پائی جاتی ہے، اسی طرح پوری کائنات کی بھی ایک روح

ہے جس کو نفس کل کہا جاتا ہے۔ نفس ناطقہ دراصل نفس کل کا عکس ہوتا ہے یہ نفس کل حظیرۃ القدس میں مجموعہ انسانیت کا ایک نمونہ (ماڈل) ہے جس کا عکس نفس ناطقہ کے نام سے انسانی روح کا تیسرا جزو بنتا ہے۔ اس طرح روح سمادی اور نفس ناطقہ دونوں اجزاء رنمہ سے اکبر مل جاتے ہیں، اور روح انسانی وجود میں آجاتی ہے۔

روح اعظم
کے ساتھ
تعلق

روح الہی کے متعلق ضعیف حدیثوں میں آتا ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے ستر ہزار منہ اور ستر ہزار زبانیں ہیں دوسری روایت میں ایک ہزار منہ اور ایک ہزار زبانوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ سب انسانیت کا ایک نمونہ ہے جسے انسان اکبر یا روح اعظم بھی کہا جاتا ہے۔ جب شکم مادر میں انسان کا چھوٹا سا ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے تو پھر روح اعظم کا ایک عکس اس کے ساتھ اکبر مل جاتا ہے۔ ہر انسان میں روح اعظم کے عکس در آنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چیز کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے تو اس چیز کا عکس اس آئینے میں آجائے گا۔ اب اگر اس آئینے کے سامنے مزید ہزار آئینے بھی رکھ دیے جائیں تو ہر آئینے میں اس چیز کا عکس پہنچ جائے گا۔ اس طرح روح الہی کا عکس ہر انسان میں اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ آجاتا ہے۔ اس طرح نفس ناطقہ کا عکس بھی اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ انسانی جسم میں رنمہ کے ساتھ اکبر مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اس قدر پیچیدہ کی ہے کہ کوئی دوسری مخلوق اس قدر پیچیدہ نہیں۔ روح انسانی کے جزو رنمہ کے آگے پھر تین شعبے بن جاتے ہیں۔ جن کو نفس، قلب اور عقل کہا جاتا ہے۔ شیطان اپنا اثر نفس کے ذریعے ڈالتا ہے، فرشتے قلب کے ذریعے اثر انداز ہوتے ہیں اور عقل کا رخ خدا تعالیٰ کی تجلی اعظم کی طرف ہوتا ہے۔

تجلی اعظم
کا عکس

انسان کے پانچ بڑے بڑے لطائف کو تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں

یعنی نفس، قلب، عقل۔ روح اور سر۔ اس کے بعد تمام لطائف بڑے غامض ہیں۔ مثلاً سر کے بعد خفی آتا ہے۔ اس کے بعد اخفی، پھر انانیت کبریٰ، پھر نور القدس اور پھر حیرت۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص کو بہت سے پردوں والا لباس پہنا دیا جائے ایک پردہ اتاریں گے تو دوسری چیز سامنے آئے گی اور اس طرح چلتے چلتے آخر میں حیرت آتا ہے۔ یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ اس میں تجلی اعظم کا عکس پڑتا ہے۔ اسی لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر انسانی قلب میں تجلی اعظم کا عکس پڑتا ہے یہ اس زندگی میں تو محسوس نہیں ہوتا۔ مگر مرنے کے بعد جب اس عکس کی کشش تجلی اعظم کی طرف ہوگی، تو انسان اُسے شدت سے محسوس کرے گا۔ اگر اُس نے آخرت کے لیے تیاری کر رکھی ہے تو اُسے سرور اور راحت حاصل ہوگی اور اگر کچھ تیاری نہیں کی تو یہی کشش اس کے لیے عذاب بن جائے گی۔

روح الہی کو روح ملکوت بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام مجموعہ انانیت کا ایک عکس ہے جن کا نمونہ حظیرۃ القدس میں رکھا ہوا ہے۔ ہر انسانی روح کا تجلی اعظم کے ساتھ تعلق اسی کے واسطے سے ہوتا ہے۔ معبود روح سے شاہ صاحب یہی مراد لیتے ہیں کہ اس روح میں تجلی اعظم کا پورا نمونہ پایا جاتا ہے۔ اس نمونہ میں عتبی کمی ہوگی اتنی ہی اُس روح کی سعادت میں کمی واقع ہو جائے گی۔ بہر حال تجلی اعظم کے عکس کو روح الہی، روح سماوی، روح انانی، روح ملکوتی روح قدسی یا امر ربی کہا جاتا ہے۔

روح کے
متعلق
کم علمی

تو روح کے متعلق سوال کے جواب میں اللہ نے ارشاد فرمایا قُلِ
الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ روح میرے
رب کے امر سے ایک حقیقت ہے۔ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ
الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اور تم کو اس کا بہت کم علم دیا گیا ہے۔ اللہ نے
تفصیل بیان نہیں فرمائی مگر اجمالی طور پر ساری بات ذکر کر دی ہے جیسا کہ

شانِ نزول کے ضمن میں عرض کیا گیا تھا کہ مشرکین کے وفد نے یہودیوں کے
ایما پر حضور علیہ السلام سے تین سوال پوچھے تھے ان میں سے دو سوالوں کا
تفصیلی جواب سورۃ الکہف میں آ رہا ہے جب کہ تیسرے سوال یعنی روح
کی حقیقت کے متعلق اجمالی طور پر ہی جواب دیا کیونکہ عام لوگوں کے فہم
اس کی حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ انہیں صرف اتنا ہی
جان لینا کافی ہے کہ انسان اپنے جسم میں روح کی موجودگی کی وجہ سے حرکت
کرتا ہے، چلتا پھرتا ہے اور دنیا کے کام کاج انجام دیتا ہے اور جب
روح انسانی جسم سے خارج ہو جاتی ہے تو جسم بے جان ہو جاتا ہے۔ عام
لوگ اتنی بات ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے اسے امر ربی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَلَیِّنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحٰیْنَا اِلَیْكَ ثُمَّ
لَا تَجِدُكَ بِہٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا ۝۸۶ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ
رَّبِّکَ ۚ اِنَّ فَضْلَہٗ كَانَ عَلَیْكَ کَبِیْرًا ۝۸۷ قُلْ لِّیِّنْ
اٰجَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّآتُوْا بِمِثْلِ
ہٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَأْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُہُمْ
لِبَعْضٍ ظَہِیْرًا ۝۸۸ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ہٰذَا
الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فَاَلٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا
کَفُوْرًا ۝۸۹

ترجمہ :- اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں (سلب کر لیں) اس
چیز کو جو وحی بھیجی ہے ہم نے آپ کی طرف ۔ پھر نہ
پائیں گے آپ اپنے لیے ہمارے اوپر کوئی دلیل ۝۸۶ لیکن
یہ مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ۔ بیشک اس
کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے ۝۸۷ آپ کہہ دیجئے
اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے اس بات
پر کہ وہ لائیں اس قرآن کی مثل ، تو نہیں لاسکیں گے
اس کی مثل اگرچہ بعض اُن کے بعض کے مددگار ہوں ۝۸۸
اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں لوگوں کیلئے
اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں ۔ پس انکار کیا ہے اکثر لوگوں نے تمہارے گزاری ۝۸۹

ربط آیات

گذشتہ درس میں روح کے متعلق سوال اور اس کا جواب تھا بشرطیکہ مکہ نے حضور علیہ السلام سے روح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ایک حقیقت ہے مگر تمہیں تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اس لیے تم اسے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔

بعض لوگ غرور و تکبر کی وجہ سے کہتے ہیں کہ انسان تمام چیزوں پر حاوی ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ انسان جتنا کچھ جانتا بھی ہے، اس میں بھی بعض اوقات اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان کے دماغ میں کچھ ہوتا ہے جب کہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ اس لیے بعض آثار میں یہ دعا بھی آتی ہے اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ یعنی اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقت اسی طرح دکھا جس طرح وہ واقع میں ہیں۔ انسان بہت سی چیزوں کی اصلیت سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ ان کا علم قلیل ہے۔ دنیا کا ہر علم ناقص ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہے کہ صرف وحی الہی ہی علم کا قطعی ذریعہ ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ بعض اوقات کسی چیز کو سمجھنے میں بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے امام مجتہد فرماتے ہیں کہ بزرگان دین کو کشف کے ذریعے حقیقت اخذ کرنے یا اسے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ یا اگر اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اس کے بیان کرنے میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے اسی لیے آپ فرماتے ہیں کہ کشف کو قطعی چیز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ وحی الہی ایسی چیز ہے جسے اللہ کا نبی نہ تو اخذ کرنے میں غلطی کرتا ہے، نہ سمجھنے میں اور نہ آگے بیان کرنے میں۔ وحی علم کا اٹل ذریعہ ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر کرنی چاہیے۔

وحی الہی
کی ضرورت

ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ

اگر ہم چاہیں تو لے جائیں یا سلب کر لیں اُس چیز کو جو ہم نے آپ کی طرف
وحی کی ہے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيدًا پھر آپ
نہ پائیں گے اپنے لیے ہمارے اوپر کوئی کار ساز مطلب یہ ہے کہ اگر
اللہ تعالیٰ کسی چیز کو سلب کر لے تو کس کی طاقت ہے کہ اللہ کے ہاں وکالت
کر کے واپس لے سکے؟ إِلَّا رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ ہاں، یہ تیرے
پروردگار کی مہربانی ہے کہ وہ اپنی عطا کردہ نعمت کو چھینے گا نہیں۔ یہ خدا
کا فضل عظیم ہے کہ اُس نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور
وحی الہی کے ذریعے عظیم الشان کتاب عطا فرمائی، لہذا اس کی قدر کرنی چاہیے
اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگر انسان اس نعمت کی نافرمانی کرتے ہوئے
اس سے مستفید نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُسے واپس بھی لے سکتا ہے لہذا
عام لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ہم نے اس وحی الہی کی قدر
نہ کی تو پھر صحیح پروردگار اور کہاں سے مل سکے گا۔ اللہ نے سورۃ مرسلات
میں اسی بات کا تذکرہ کیا ہے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ
قرآن پاک کے بعد اور کون سی کتاب آئیگی جس پر تم ایمان لاؤ گے؟ مطلب
یہ کہ یہی اللہ کی آخری کتاب اور آخری پروردگار ہے۔ یہ اُس کی رحمت اور
مہربانی کا نمونہ ہے۔ اسے اللہ نے شفا اور رحمت سے تعبیر کیا ہے
لہذا اس کی حتی المقدور قدر کرنی چاہیے۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے
کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، لوگو! قرآن کو سیکھو اور اس پر عمل کرو
قبل اس کے کہ اسے اٹھا لیا جائے۔ قرب قیامت میں ایک ایسا
وقت آئے گا جب قرآن حکیم کو اٹھا لیا جائے گا۔ اس کی تفسیر میں قاضی
شہداء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے اٹھائے جانے کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ قرآن کے الفاظ اٹھالے جائیں گے بلکہ صحیحین کی روایت کے مطابق

قرآن کا
اٹھا جانا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْ تَزَاعًا وَلٰكِنْ يُقْبِضُ
 الْعُلَمَاءَ يَعْنِي اللّٰهُ تَعَالٰی عِلْمَ كَوَلُوگوں كے سینوں سے نہیں اٹھائے گا
 بلكہ نيك اور اچھے علماء كو اٹھائے گا۔ جب دین كا صحیح علم ركھنے والے نہیں
 ہوں گے تو لوگ جاہلوں كو عالم، مفتی اور قاضی كا درجہ دیں گے۔ اس كا
 نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ بغیر علم كے فتوے دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور
 دوسروں كو بھی گمراہ کریں گے اور اس طرح دنیا سے علم كو چھین لیا جائیگا
 حدیث شریعت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے کوئی
 بات بیان کی اور پھر فرمایا کہ ایسا اُس وقت ہوگا۔ حِیْنَ ذٰہَكَ اب
 الْعِلْمُ جب علم چلا جائیگا حضور علیہ السلام كے ایک صحابی زیاد ابن لبیدہؓ
 نے عرض کیا، کہ علم کیسے چلا جائیگا جب کہ ہم اُن سے قرآن پڑھتے ہیں اور
 آگے دوسروں كو پڑھاتے ہیں آپؐ نے فرمایا، تیری ماں تجھے گم پائے زیاد
 میں تو تجھے مدینے كا سمجھارا آدمی سمجھتا تھا مگر تم نے تو بے سمجھی کی بات کی
 ہے کیا تم یہ دونوں نصاریٰ كا حال نہیں دیکھتے؟ اُن كے پاس کتابیں موجود ہیں
 مگر وہ اُن پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے علم كا کیا فائدہ؟ یہی ذہاب علم ہے ایک
 حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لَوْ كَرِهَ الْعِلْمُ سِکْهُو اور
 دوسروں كو بھی سکھاؤ تَعَلَّمُوا الْفَرَاضَ فَرِغُوا سِکْهُو اور دوسروں
 كو بھی سکھلاؤ فِقْبِضُ الْعِلْمُ کیونکہ علم قبض کر لیا جائے گا اور
 فتنے برپا ہوں گے، جہالت برپا ہوگی حتیٰ کہ دو آدمی ایک فریضہ میں جھگڑا
 کریں گے مگر اُن كو بتلانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔
 اِحْفَظْ اَمْرًا مُّقْبِیوَضًا میں تمہارے درمیان ہمیشہ نہیں رہونگا۔
 بلكہ مجھے بھی اٹھا لیا جائے گا۔

باب علم

تو قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ علم چھین جانے کی صورت یہ ہوگی کہ
 سب سے پہلے لوگوں میں سے عمل اٹھا لیا جائے گا۔ اُن سے عمل کی

توفیق ہی سلب ہو جائیگی جیسا کہ آجکل نظر آ رہا ہے۔ علم بہت ہے کتابوں کی لائبریریاں بھری ہوئی ہیں مگر عمل مفقود ہے۔ آپ دیکھ لیں ہر سال سیرتِ طیبہ پر ہزاروں کتابیں شائع ہوتی ہیں، ان پر انعامات بھی تقسیم ہوتے ہیں مگر کمروڑوں کی آبادی میں ان کتابوں پر عمل کرنے والے دس آدمی بھی نہیں ملیں گے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق سب سے پہلے عمل کی توفیق سبب کم لی جائے گی۔ اس کے بعد اچھے اچھے علما اٹھائے جائیں گے اور تیسرا مرحلہ قرب قیامت میں پیش آئے گا۔ لوگ سو کر اٹھیں گے تو علم کی کوئی بات سینوں میں محفوظ نہیں ہوگی اور کتابوں کے حروف مٹ چکے ہونگے بہر حال پہلی چیز یہ ہے کہ علم کے مطابق عمل بھی ہو۔ جب تک انسانوں کے پاس قرآن پاک موجود ہے اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کی قدر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر ہم چاہیں تو وحی کے ذریعے نازل کردہ چیز قرآن کو چھین لیں اور پھر آپ کو ایسا کوئی دلیل بھی نہیں ملے گا۔ جو اس نعمت کو واپس دلا سکے۔ ہاں، یہ تیرے رب کی مہربانی ہے کہ قرآن پاک تمہارے درمیان موجود ہے اِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے یہ سب نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں۔

صدقہ قرآن

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پر چیلنج کیا ہے اور اس کا ذکر قرآن میں تین مرتبہ آیا ہے۔ پہلا چیلنج اس آیت میں ہے قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ وہ اس قرآن جیسا کوئی قرآن لے آئیں گے، تو وہ نہیں لاسکیں گے اس جیسا وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا اگرچہ وہ ایک دوسرے

کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔ وہ سب مل کر پوری کوشش کمرے دیجھ لیں۔ قرآن پاک کی مثال پیش نہیں کر سکیں گے۔

یہ تو پکے قرآن کے متعلق چیلنج ہے۔ اس کے بعد اللہ نے دوسرا چیلنج کیا "قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ" (ہود - ۱۳) آپ کہہ دیں کہ قرآن پاک کی سورتوں میں سے اس جیسی دس سورتیں سی لے آؤ۔ جب یہ چیلنج بھی کسی نے قبول نہ کیا تو اللہ نے تیسرا چیلنج کیا کہ اگر تمہیں ہماری نازل کردہ کتاب میں کوئی شک ہے "فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِ مِثْلِهِ" (البقرہ - ۲۳) تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ تاہم سچ گواہ ہے کہ چودہ صدیوں سے یہ چیلنج کسی نے قبول نہیں کیا اور نہ ہی کوئی قرآن پاک کی کسی سورۃ کی مثال پیش کر سکا ہے، یہی اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے۔

قرآن کے
علوم و معارف

بعض مفسرین کہہ رہے ہیں کہ قرآن کی مثال لانے کا چیلنج اس کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ہے کہ ایسی فصاحت و بلاغت کسی دوسرے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ تاہم امام ابو بکر حباص اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن کا یہ چیلنج نہ صرف فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ہے بلکہ اس کے علوم و معارف، اس کی حکمتیں اور مصلحتیں، اس کے نظام اور پروگرام ہر اعتبار سے یہ چیلنج قائم ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سائے انسان بلکہ ساری مخلوق بلکہ بھی قرآن کی حکمتوں اور مصلحتوں کی مثال پیش نہیں کر سکتی آپ فرماتے ہیں کہ میں قرآن کی کسی آیت پر غور کر رہا ہوں تو مجھے اس کے تحت علوم و معارف کا وسیع سمندر نظر آتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا کلام ہے جس طرح اللہ کی ذات بے مثل ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بے مثال ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی صفت قرآن پر کبھی حاوی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس میں جتنا غور و فکر کرے گا۔ اس کے علم میں اضافہ

ہوتا چلا جائے گا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ دُعا سکھلائی ہے
 ”قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (رطلہ - ۱۴)“ اے پروردگار! میرے علم
 میں اضافہ فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا پیش کردہ لائحہ عمل بے مثال ہے
 دنیا میں جتنے بھی انسانی ہمتوں سے قوانین و دستاویز بنے ہیں۔ وہ کچھ عرصہ
 بعد فیل ہو جاتے ہیں اور انہیں یا تو منسوخ کرنا پڑتا ہے یا پھر ان میں ترمیم
 کی ضرورت پیش آتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین کی خامیاں
 منظر عام پر آتی رہتی ہیں جن کی بناء پر ان کی تبدیلی لازمی ہو جاتی ہے۔ اس کے
 برخلاف ہر عیب اور نقص سے پاک اگر کوئی قانون ہے تو وہ صرف
 اللہ کی کتاب قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہے۔ یہ ایسا پروگرام ہے
 جس میں قیامت تک کسی تغیر و تبدل کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ لہذا
 ہمارا فرض ہے کہ اس کتاب کی قدر دانی کریں۔ اس کے احکام کو سمجھیں اور
 پھر ان پر عمل پیرا ہو جائیں، ہماری فلاح و کامیابی کا راز اسی بات میں ہے۔

قرآن پاک
 کی مثالیں

فرمایا وَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ
 كُلِّ مَثَلٍ اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں پھر
 پھر کہ مثالیں بیان کی ہیں۔ حکمت اور عقل کی گہری باتوں کو سمجھانے کے
 لیے مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے اور قرآن پاک نے اپنے علوم و معارف
 کے ابلاغ کے لیے یہی طریق کار اختیار کیا ہے۔ قرآن پاک کی ایک ایک
 مثال میں سینکڑوں علوم پنہاں ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا ہے
 ”وَلَوْلِكَ الْأَمْثَالُ لَنَضَّرَبُهَا لِلنَّاسِ؟ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ“
 (العنکبوت - ۴۳) یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں مگر ان کو اہل علم ہی
 سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ نے توحید کی بات مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔
 اسی طرح کفر اور شرک کی برائی کو بھی مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے۔ قیامت

کا وقوع محاسبے کا عمل اور حکمت کی باریک باتیں اللہ نے مثالوں کے ذریعے واضح کی ہیں۔

فرمایا اس کے باوجود فَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
 گھٹوڑا پس انکار کیا ہے اکثر لوگوں نے مکرنا شکر ہی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ
 اس اعلیٰ و ارفع پر دگرام کو فوراً قبول کر لیتے مگر ہر دور میں اکثریت ناشکر گزاروں
 کی ہی رہی ہے۔ آج بھی پوری دنیا میں دیکھ لیں کہ کل آبادی کی کتنی اکثریت
 کفر اور شرک میں مبتلا ہے اور کتنی برائیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور پھر یہ
 بھی دیکھ لیں کہ نیکی کے راستے پر چلنے والے کتنے لوگ ہیں۔ اب تجزیہ
 کر کے دیکھ لیں نیکی کاروں کی تعداد بہت قلیل نظر آئے گی۔ اکثر لوگ قرآن
 پاک کی حقیقت سے مستفید نہیں ہوتے۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ
يَنْبُوعًا ۙ ۹۰ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَ
عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۙ ۹۱ أَوْ تُسْقِطَ
السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا
أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۙ ۹۲ أَوْ يَكُونَ
لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ
وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُفْقِكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا
نَقْرُوهُ ۖ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا
رَّسُولًا ۙ ۹۳ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ
الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۙ ۹۴
قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ
مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا
رَّسُولًا ۙ ۹۵ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ
إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۙ ۹۶

ترجمہ :- اور کہا (کفر کرنے والوں نے) ہم ہرگز نہیں ایمان
لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں

ہمارے لیے زمین سے چشمہ (۹۰) یا ہو آپ کے لیے
 باغ کھجوروں اور انگور کا۔ پس چلائیں آپ نہروں کو ان
 کے درمیان چلانا (۹۱) یا اگر دیں آسمان، جیسا کہ آپ خیال
 کرتے ہیں، ہم پر کوئی ٹکڑا، یا لائیں آپ اللہ اور فرشتوں
 کو سامنے (۹۲) یا ہو آپ کے لیے کوئی گھر سنہری، یا
 چڑھ جائیں آپ آسمان پر، اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں
 گے آپ کے اوپر چڑھنے سے حتیٰ کہ اُتار دیں آپ ہمارے
 اوپر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں۔ (اے پیغمبر!) آپ کہہ
 دیں، پاک ہے میرا پروردگار۔ نہیں ہوں میں مگر ایک
 انسان اور خدا کا فرستادہ رسول (۹۳) اور نہیں روکا لوگوں
 کو ایمان لانے سے جب کہ ہدایت اُن کے پاس آئی
 مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا، کیا اللہ نے انسان
 کو رسول بنا کر بھیجا ہے (۹۴) آپ کہہ دیجئے، اگر ہوتے
 زمین پر فرشتے چلتے، بنے والے تو یقیناً ہم اتارتے اُن
 پر آسمان کی طرف سے فرشتے رسول بنا کر (۹۵) آپ کہہ دیجئے
 کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان
 بیشک وہ اپنے بندوں کے تمام حالات کے ساتھ خبر
 رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے (۹۶)

رابط آیات

گزشتہ درس میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے
 چیلنج کر دیا کہ سارے انسان اور جنات مل کر بھی قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے۔ قرآن حکم
 وحی الہی، اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا اُتار ہوا کلام ہے، اس میں ماننے والوں کے
 لیے ہدایت اور شفا ہے۔ البتہ جو لوگ اس کا انکار کریں گے، اُن کے لئے سراسر خسارہ

ہی خسار ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اکثر لوگ سوائے ناشکر گزاری کے کچھ نہیں کرتے حالانکہ قرآن کریم نے مختلف عنوانوں، مثالوں اور طریقوں سے اللہ کی وحدانیت، رسالتِ انبیاء اور وقوعِ قیامت کے متعلق بات سمجھادی ہے۔ اب آج کی آیات میں کفار و مشرکین کے تعصب، عناد، ہٹ دھرمی اور حق ناشناسی کا بیان آرہا ہے۔

شانِ نزول

آج کی آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ سالت و نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اور ہمارے بزرگوں کو بیوقوف بتاتے ہیں۔ اس طرح آپ نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ہمارے لیے مشکلات اور پریشانیوں کا سامان پیدا کر دیا ہے کہنے لگے کہ آپ کی ان سرگرمیوں کے بدلے میں ہم آپ کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر آپ کو سرکاری کی ضرورت ہے تو ہم ہم پہنچا سکتے ہیں۔ اچھے رشتہ کی ضرورت ہو تو ہم انتظام کر دیتے ہیں اور اگر آپ قیادت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں مگر آپ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ انہوں نے یہ بھی پیش کش کی کہ اگر آپ ہمارے بزرگ قصی ابن کلاب کو زندہ کر دیں اور وہ آپ کی رسالت کی تصدیق کر دے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے مشرکین نے بعض نشانیاں ظاہر کرنے کا مطالبہ بھی کیا، جن کا ذکر ان آیات میں آرہا ہے۔ ان پیش کشوں اور مطالبات کے جواب میں اللہ کے رسول نے فرمایا، لوگو! میں نے تمہارے سامنے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں فلاں فلاں کام کر سکتا ہوں، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ رسول ہوں۔ اور تمہیں اس کے عذاب سے ڈرانا ہوں۔ اگر تم میری بات مان لو گے تو یہ دنیا و آخرت میں تمہاری خوش قسمتی کی علامت ہوگی، اور اگر انکار کر دو گے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کوئی

فیصلہ کر دے۔

مشرکین کے
بے حیا
مطالبات

ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا اَوْ كَفَرُوا مَشْرُكِينَ نے کہا کہ تَوُفُّ مِنْ لَدُنْكَ
حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں
لاؤں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے زمین میں چشمہ جاری کر دیں۔ مکہ کا
گرد و نوح سنگلاخ پہاڑوں اور بے آب و گیاہ ریتی زمین پر مشتمل ہے۔ اگر
آپ یہاں پر چشمہ جاری کر دیں تو کھیتی باڑی ہونے لگے گی اور ہم خوشحال ہو جائیں
گے، لہذا آپ پانی کا بند و بست کر دیں تو ہم مان جائیں گے۔ اور یہ نہ ہو سکے
تو کم از کم آپ اپنی حیثیت کو ہی نمایاں کر کے دکھا دیں أَوْ تَكُونُ
لَكَ جَنَّةٌ مِّمَّنْ جَنَّاتِ الْفَيْحِلِ و عینِ آپ کا کھجوروں اور انجوروں
کا باغ ہونا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ اعلیٰ حیثیت کے مالک
ہیں۔ فَفَجَّرَ الْأَنْهَارَ خَلَّلَهَا فَفَجَّيْنَا اور محض خشک باغ
نہیں ہونا چاہیے بلکہ آپ اس میں نہریں بھی جاری کر دیں تاکہ دیکھنے والا واقعی
مرعوب ہو سکے مگر آپ کی مالی حالت تو ہم سے بھی گہری ہے، لہذا
ہم آپ کی سیادت کیسے قبول کر لیں۔

کہنے لگے، آپ ہمیں اکثر بن دیکھے عذاب سے خوفزدہ کرتے رہتے ہیں
اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لے آئیں۔ اور اسکی
صورت یہ ہے أَوْ تَسْقُطُ السَّمَكُوءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا
كِسْفًا کہ جیسا آپ خیال کرتے ہیں، ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی گر دیں تاکہ
ہمیں پتہ چل جائے کہ خدا کی گرفت واقعی آسکتی ہے۔ کفار نے کہا، اگر یہ
بھی نہیں کرتے أَوْ تَأْتِيكُم بِاللَّهِ وَالْمَلَكِ كَةً قَبِيلًا تو پھر
اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں جو گواہی دیں کہ واقعی آپ
اللہ کے رسول ہیں۔ ہم اس طرح بھی آپ کی بات مان جائیں گے۔
کہنے لگے، اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ تو ہو أَوْ يَكُونُ لَكَ يَتِيمٌ

مِنْ زُخْرُفٍ كَمَا أَتَى

اپنا گھر ہی سونے کا بنا ہوا ہو۔ اُس پر سونے کی چھت نہ ہو یا اگر سونے چاڑی کا میٹر مل استعمال نہ ہوا ہو تو اس پر سونے کا ملمع کیا ہوا ہو جس سے پتہ چلے کہ آپ منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ کی عظمت اس طرح بھی دنیا کے سامنے واضح ہو سکتی ہے۔ كَمَا أَوْتَرَقَ فِي السَّمَاءِ يَا أَبَاسْمَانَ پر چڑھ جائیں۔ وَلَنْ تَوْمِنَ لِرُقِيِّكَ اور ہم محض آپ کے آسمان تک پہنچ جانے کی وجہ سے ہی ایمان نہیں لے آئیں گے حتیٰ تَنْزِيلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتاریں جسے ہم خود پڑھ سکیں۔ آپ معراج کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ساتوں آسمانوں، جنت اور دوزخ کی سیر کی۔ بھلا ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب لے آؤ تو ہم پھر آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

نبی کی حیثیت

کفار و مشرکین کی فرمائشوں اور مطالبات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ واضح فیصلہ موجود ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (المومن - ۷۸) کسی نبی یا رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ از خود کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرے، مگر اللہ کے حکم سے۔ اللہ کا نبی کبھی دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ یہ کر سکتا ہے یا وہ کر سکتا ہے بلکہ وہ تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوتا ہے، لہذا مشرکین کے مطالبات اُن کی ضد و سخاوت اور ہٹ دھرمی کی بنا پر تھے بعض اوقات مشرکین دین دشمنی میں اس حد تک بڑھ جاتے تھے کہ خود اپنے لیے بددعا کرنے لگتے تھے۔ سورۃ انفال میں گزر چکا ہے کہ انہوں نے کہا إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِمَّنْ عِنْدَكَ فَامْطُرْنَا عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ وَإِئْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ اللہ! اگر محمد کا دین سچا ہے تو ہم پر پھینچو کی

بارش پر سارا کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ظالموں کی نظر اس دُنیا سے آگے جاتی ہی نہیں تھی، ان آیات میں متذکرہ مطالبات کا معلق بھی دنیا کے مال و متاع ہی سے ہے کہ آپ کے لیے باغ ہو، سہری گھر ہو، مکے کی زمین قابلِ کاشت بن جائے حالانکہ اللہ کے نبیوں نے دنیا کی اسی حیثیت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ انہوں نے تو ہمیشہ ایمان اور نیکی کی دعوت دی ہے۔ اگر اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو دُنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت میں بھی نجات مل جائے گی۔ دنیا داری اور سرمایہ داری عارضی اشیاء ہیں اور ختم ہونے والی ہیں، اس میں نقصان کا پلو زیادہ ہے اکثر لوگ دنیاوی وسائل کو غلط طور پر استعمال کر کے غلط نتائج اخذ کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ کی بیودہ فرمائشیں انکار کا ایک بہانہ تھیں۔ اللہ نے بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں بار بار کیا ہے۔ وہ بھی اس طرح ایمان کو مٹانے کے لیے فضول مطالبات کرتے رہتے تھے۔ ایمان لانے والوں کا مقصد ہی نہیں تھا۔ یہی حال اللہ نے کفار و مشرکین کا بھی بیان فرمایا ہے۔

بہر حال اللہ نے اپنے نبی کی حیثیت کو خود نبی کی زبان سے واضح فرما دیا۔ **فَلَا يَغْنِبُ** آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں **مُحِبِّكُمْ** دُجّ میرا پورا کار ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ **هَلْ كُنْتُمْ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلِي** میں تو محض ایک انسان اور خدا کا فرستادہ ہوں۔ میں نے نہ تو الوہیت کا دعویٰ کیا ہے اور نہ میں فرشتہ ہوں۔ میں اپنی جانب سے کوئی بات نہیں کہہ تا بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم کی خود تعمیل کرتا ہوں اور تم تک بھی پہنچاتا ہوں۔ میں انسان ہوں اور انسان نہ تو عالم الغیب ہوتا ہے اور نہ مختار مطلق لہذا میں تمہارے مطالبات پورا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ **إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (البقرة - ۲۰) ہر چیز پر قادر تو صرف اللہ ہے اور **يَفْعَلْ مَا يَشَاءُ** (البقرة - ۲۵۳) وہی ذات

ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اُس کے سامنے کوئی چیز محال نہیں۔ جہاں
 ایک میری ذات کا تعلق ہے میں تو انسان اور اُس کا بھیا ہوا رسول ہوں۔
آگے اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔ وَمَا
مَنْعَ النَّاسِ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ کہ جب
 بھی لوگوں کے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر رسول آیا اِلَّا اَنْتَ
 قَالُوا اَبَعَثَ اللّٰهُ بُشْرًا رَّسُولًا تو انہوں نے محض اس بناء پر
 ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے
 اُن کے دماغ میں شیطان نے یہ بات ڈال رکھی تھی کہ انسان کیسے رسول
 ہو سکتا ہے جو کھانا، پینا، چلتا پھرتا۔ بیوی بچے رکھتا اور کاروبار کرتا ہے۔
 وہ لوگ اپنے جیسے انسان کو رسول ماننے کے لیے تیار نہ تھے، یہی چیز اُن کے
 ایمان لانے میں کاوٹ تھی۔ یہ نظر یہ مشرکین مکہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ سابقہ
 امتوں نے بھی اپنے انبیاء کا اسی بناء پر انکار کیا۔ قوم ثمود کے متعلق سورۃ القمر
 میں ہے کہ انہوں نے کہا اَبَشْرًا مِّثْلًا وَاحِدًا تَتَّبَعُهُ، کیا ہم اپنے
 میں سے ایک انسان کی اتباع کریں، اِنَّا اِذَا لَفِئْضُكُمُ لَّوَسِعُ السَّ
 طَرَحِ تو ہم گمراہی اور دیوانچی میں پڑ گئے۔

ہم فرج
 رسول

بہر حال اللہ تعالیٰ نے بشریت رسول کے متعلق کفار و مشرکین کے اعتراض
 کا جواب اس طرح دیا۔ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ
يُكَلِّمُونَ مُطَمِّئِينَ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر زمین
 میں انسانوں کی بجائے فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے لَئِنْ كُنَّا
عَلَيْهِمْ مِنْ السَّمَاوَاتِ مَلَائِكَةً رَّسُولًا تو ہم ان کی طرف
 آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔ مطلب یہ کہ جب زمین پر انسان آباد
 ہیں تو ان کی راہنمائی کے لیے انسانوں ہی سے رسولوں کا منتخب ہونا قرین

قیاس ہے۔ محض انسانوں کے پاس فرشتہ کیسے رسول بن کر آسکتا ہے جبکہ دونوں کی انواع مختلف ہیں اور ان کے درمیان مناسبت ہی نہیں۔ فرشتے اللہ کی پاک اور محض مخلوق ہیں۔ ان کا مادہ تخلیق مختلف ہے۔ ان میں عقل ضرور ہے مگر خواہشات نہیں ہیں۔ یہ ممکن ہیں مگر لوازمات بہیمیہ سے خالی ہیں۔ برخلاف اس کے انسان ناسوتی مخلوق ہے۔ اس میں ملکیت بھی ہے اور بہمیت بھی۔ اللہ نے اُسے ملکیت کو غالب بنانے کا حکم دیا ہے۔ اور بہمیت کو کمزور کرنے کی ہدایت کی ہے۔ انسان کو مرتبہ زیادہ بخشنا ہے۔ مگر اس کی پیدائش بڑی پیچیدہ ہے۔ غرضیکہ انسان فرشتے سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی انواع مختلف ہیں۔ اسی لیے مولانا شاہ شرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ معلم اور متعلم میں مناسبت ضرور ہی ہے کہ اس کے بغیر فیض حاصل نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ کہ انسان کی ہدایت کے لیے انسان ہی رسول بن کر آئے گا تو فیض حاصل ہوگا، ورنہ نہیں۔

سورة الافعام میں اللہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ انسان اگر فرشتے سے استفادہ حاصل کرنا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ہم فرشتے کو انسانی صورت میں بھیجیں۔ اگر ایسا ہوگا تو منکرین کا اعتراض اپنی جگہ قائم ہے گا کہ یہ تو ہلکے جیسا انسان ہے، ہم اس کی اتباع کیوں کریں؟ اور اگر بصورت دیگر فرشتے کو اس کی اصلی شکل و صورت میں بھیجیں تو انسان اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اُس کی فورانیت، چمک، دھماکے اور شکل و صورت دیکھ کر انسان فوراً دہشت زدہ ہو کر ہلاک ہو جائیں گے۔ عام انسان فرشتے کو اصلی صورت میں دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے کہ آپ نے جبرائیل علیہ السلام کا دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں مشاہدہ کیا۔ آپ کی پہلی ملاقات غارِ حرا میں ہوئی جب آپ پر دہشت طاری ہو گئی

اور آپ لرزتے کانپتے گھر آئے اور کپڑا اور کھانے کے لیے کہا۔ بڑی دیر کے بعد آپ کی دہشت دُور ہوئی اور دوسری مرتبہ آپ کی ملاقات اُس وقت ہوئی جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے، بہر حال کوئی عام انسان فرشتوں سے براہِ راست استفادہ نہیں کر سکتا، لہذا انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی رسول منتخب کرتا ہے جس کا اخلاق نہایت پاکیزہ ہوتا ہے اور اس کو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی معصیت میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔ حوائجِ بشری رسول کے ساتھ بھی لازم ہوتے ہیں موت و حیات کا وہ بھی پابند ہوتا ہے، لہذا انسانوں کی طرف انسان ہی بطور رسول آتا ہے، مشرکین کا مطالبہ بالکل بیہودہ اور عقل و فطرت کے خلاف ہے۔

فرمایا، اگر اب بھی یہ لوگ انکار کریں اور بیہودہ مطالبات پیش کریں، تو قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنِکُمْ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ اگر تم میری نبوت و رسالت کی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں تو اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہی کافی ہے۔ وہ گواہی ہے رہا ہے کہ اُس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حٰضِرُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ رسل کی آخری کڑی ہیں اور سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت ہیں اور یاد رکھو! اِنَّہٗ كَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا اَکْبَرِیَّ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے بندوں کے تمام حالات، اُن کے کوائف اور داخلی، خارجی اور ذہنی عوامل سے باخبر ہے۔ وہ بصیر بھی ہے کہ ہر چیز اُسکی نگاہ میں ہے۔ وہ کسی چیز سے غافل نہیں۔ وہ ہر شخص کی نیت اور ارادے سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون حق کو قبول کرے گا اور کون اپنی ضد، عناد اور تعصب پر اڑا رہتا ہے۔ کوئی شخص اُس کے محاسن سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ تنبیہ بھی فرمادی۔

اللہ بطور
گواہ

سجین الذی ۱۵

سبحی اسراءیل ۱۷

درس ۳۰

آیت ۹۷ تا ۱۰۰

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ
 فَلَنْ يَجِدَ لَهُمَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ وَيَحْشُرُهُمْ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَائًا وَيُكَمِّمُهُمْ
 وَصُمًّا مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ
 سَعِيرًا ۙ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا
 بِآيَاتِنَا وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَوَّابًا
 لِمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۙ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ
 اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فَآدِرٌ
 عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا
 لَّا رَيْبَ فِيهِ فَإِنَّ الظَّالِمِينَ إِلَّا كُفُورًا ۙ قُلْ
 لَوْ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا
 لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ
 قَثُورًا ۙ ۱۰۰

توجہ :- اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے
 اور جس کو بہکا دے پس ہرگز نہ آپ پائیں گے اُن کے
 لیے کوئی کارساز اُس کے سوا ۔ اور ہم اکٹھا کریں گے اُن کو قیامت
 والے دن چہروں کے بل اندھے ، بہرے اور گرتے بنا

کہ ۔ ٹھکانا اُن کا جہنم ہوگا ۔ جب کہ وہ سمجھنے لگے گی ہم
 زیادہ کہ دیں گے اُن کو ، بھڑکا دیں گے اُس کو (۹۷) یہ ہے
 بدلہ اُن کا اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا ہماری آیتوں
 کے ساتھ ، اور کہا انہوں نے کہ کیا جب ہم ہو جائیں گے بڑیاں
 اور چورہ چورہ ، تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئی پیدائش میں (۹۸)
 کیا نہیں دیکھا اُن لوگوں نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ
 جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ۔ کیا وہ قادر نہیں ہے
 اس بات پر کہ پیدا کرے اُن جیسے اور بنائی ہے اُس نے
 اُن کے لیے ایک مدت ، کوئی شک نہیں اس میں ۔ پس انکار
 کیا ظلم کرنے والوں نے ، سوائے ناشکر گزاری کے (اور کچھ نہیں) (۹۹)
 اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ، اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی
 رحمت کے خزانوں کے تو البتہ تم ہدک رکھتے اس کو خرچ
 ہونے کے ڈر سے ، اور ہے انسان بہت تنگدل قطع ہوا (۱۰۰)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت
 میں بائیں وجہ شک اور پھر انکار کرتے تھے کہ ایک انسان رسول نہیں ہو سکتا ۔ اس کے
 جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر زمین میں فرشتے جلتے ہوتے تو ہم کسی فرشتے کو
 رسول بنا کر بھیج دیتے ، مگر زمین چونکہ نوع انسانی سے آباد ہے تو یقینی بات ہے
 کہ ایک انسان ہی اُن کے لیے نمونہ بن سکتا ہے اور وہی اُن کی راہنمائی کا فریضہ ادا
 کر سکتا ہے ۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا کہ اگر تم میری نبوت و رسالت
 کا انکار کرتے ہو تو اس کا وبال تمہی پر پڑے گا ۔ البتہ اگر تم میری رسالت کی گواہی نہ بھی دو
 تو اس کے لیے میرا اللہ ہی گواہ کافی ہے ، وہ تو یقیناً گواہی دیتا ہے کہ میں اُس کا سچا
 رسول ہوں اور اس کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچاتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں

ربط آیت

کے حالات سے خوب واقف ہے اور وہ ہر ایک کے عقیدے، عمل اور حالات کے مطابق باز پرس کرے گا۔

مکی سورتوں
کے مضامین

آج کی آیات میں ہدایت اور گمراہی کا فلسفہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ معاد کا مسئلہ بھی سمجھایا ہے کیونکہ کفار و مشرکین جس طرح انبیاء کی رسالت کا انکار کرتے تھے، اسی طرح وقوع قیامت اور محاسبہ عمل کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ دراصل تمام مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے چار بنیادی اصولوں کا ذکر کیا ہے یعنی توحید، رسالت، معاد اور وحی الہی کی صداقت و حقانیت، سورۃ بنی اسرائیل ہجرت سے ڈیڑھ دو سال پہلے نازل ہوئی، اس لیے اس میں ہجرت اور فتح مکہ کا اشارہ ذکر نہ کیا گیا ہے۔ پانچ نمازوں کی فرضیت کا ذکر بھی اسی سورۃ مبارکہ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ مکی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلام کے اجتماعی نظام کے وہ بندہ اصول بیان کر دیے گئے ہیں جنہیں منشور اسلام (MANIFESTO OF ISLAM) یعنی فیسٹو آف اسلام کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اور دیگر مکی سورتوں کی طرح چار بنیادی اصول ہی اس سورۃ مبارکہ میں بیان کر دیے ہیں۔ چنانچہ آج کے درس میں معاد کا بیان اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

ہدایت اور
گمراہی کا
قانون

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ہدایت اور ضلالت کا قانون بیان فرمایا ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللَّهِ فَهُوَ الْمُهْتَدِ جَسَّ اللہ تعالیٰ راہ دکھا دے، یہی ہدایت پانے والا ہوتا ہے۔ وَمَنْ يَّضِلَّ فَلَنْ يَّجِدَ لَهْمَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ اور جسے اللہ تعالیٰ ہر کام سے تو آپ ہرگز نہ پائیں گے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز، جو ان کو راہ دکھائے، گویا اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ راہ راست اپنی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو ہدایت کے طلبکار ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ضد، تعصب اور عناد پر اڑے ہتے ہیں، ان کو صراط مستقیم نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ کا اس سلسلہ میں قانون یہ ہے "فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ" (المائدہ - ۴۴) یہی لوگ کافر ہیں۔ "فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (المائدہ - ۴۵) یہی لوگ ظالم ہیں۔ "فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ" (المائدہ - ۴۷) یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اس قسم کے جو لوگ کفر و شرک کی گندگی کو ہی پسند کرتے ہیں، اللہ کتنا ہے۔ "لَوْلَا مَا تَوَلَّوْا" (النساء - ۱۱۵) وہ جبر صریحاً چاہتے ہیں، ہم انہیں اُدھر ہی جانے دیتے ہیں۔ اور جو لوگ منصف مزاج ہوتے ہیں، اُن کے دل میں ہدایت کی ترپ ہوتی ہے۔ اُن کے متعلق فرمایا "وَالَّذِينَ كَانُوا حَبَاهَا" وَفِيْنَا كَتَّهْدِيْتَهُمْ سُبُلَنَا (الْعَنَكِيُوْت) جو ہمارے لیے کوشش کرتا ہے۔ ہم اُسے اپنے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

ہدایت النبی النان کی اولین ضرورت ہے، اسی لیے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرتے ہیں "اِهْدِنَا لِصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ" (الفاتحہ - ۵) اے مولا کریم! ہمیں سیدھی راہ دکھا دے اور جو دکھلائی ہے اس پر ہمیں چلا تارہ۔ اس جگہ میں دکھانے اور چلانے کے دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہ راست کی تشریح قرآن میں بیان کر دی ہے اور مزید تشریح اپنے پیغمبر کے ذمے لگا دی ہے۔ بہر حال گمراہی کا ٹھپہ ابھی پر لگتا ہے۔ جو متعصب ہوتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ" (البقرة - ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ "بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ" (النساء - ۱۵۵) اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو سرسبز کر دیا ہے ایسے لوگ "صُمُّوا بِكُمْ عُمَى" فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (البقرة - ۱۷۱) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے، حالانکہ اللہ نے انہیں عقل و شعور عطا

گمراہوں
کے لیے
سزا

عظیم جوہر عطا فرمایا ہے۔
فرمایا جس کو اللہ گمراہ کر دے وَخَشَرَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمًى قَبَسُكُمَا وَصُمًّا ہم ان
 کو قیامت والے دن ان کے چہروں کے بل اس حالت میں اٹھائیں
 گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ یاد ہے کہ نافرمانوں کی
 یہ حالت سائے عرصہ محشر کے لیے نہیں بلکہ ایک خاص وقت کے لیے
 ہوگی تاکہ ان لوگوں کو ذلیل و سوا کیا جاسکے۔ سورۃ ظہ میں ہے کہ جو میری
 نصیحت سے منہ پھیرے گا۔ اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ "وَخَشَرَهُ
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمًى" (آیت ۱۲۴) اور قیامت کو ہم اُسے اندھا
 کر کے اٹھائیں گے۔ "قَالَ رَبِّ لِمَ خَشَرْتَنِيْ اَعْمًى
 وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا" (آیت ۱۲۵) وہ کہے گا، پروردگار! تو
 نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا، میں تو دنیا میں بینا تھا۔ "قَالَ كَذَلِكِ
 اتَّكَثَّ اِيْتُكَ فَانْسِيْتُهَا" وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ نُنْشِيُكَ اَنْتَ
 اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا
 دیا۔ اسی طرح آج ہم تمہیں بھلا دیں گے۔ اس کے بعد میدان محشر میں آیا
 وقت بھی آئے گا کہ اللہ فرمائے گا: "لَقَدْ كُنْتَ فِ عَفْكَهٖ مِّنْ
 هٰذَا فَكُفْنَا عَنْكَ غَطَاوْلَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ"
 (۲۲) تو اس دن سے غافل رہا تھا۔ اب ہم نے تجھ سے پردہ
 اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ جب اُس کی آنکھیں کھلیں گی۔ تو نگاہ اتنی تیز
 ہوگی کہ فرشتے، جن، عرش الہی، عالم بالا، جنت، دوزخ وغیرہ جو اب تک
 نظروں سے پوشیدہ تھے، سب نظر آنے لگیں گی۔

چہروں کے بل چلنے سے متعلق ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ
 سے یہ روایت بھی منقول ہے۔

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ مِنْفَافٍ مَشَاءٌ
وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلَى وَجُوهِهِمْ قِيلَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَمْشُونَ عَلَى وَجُوهِهِمْ
قَالَ إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلَى أَعْدَائِهِمْ
قَادِرٌ عَلَى أَنْ يَمْشِيَهُمْ عَلَى وَجُوهِهِمْ
أَمَّا الَّذِينَ يَتَّقُونَ بِوُجُوهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ
وَسُوءٍ

ترجمہ: یہ قیامت کے دن لوگ تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے
ایک قسم پیدل چلنے والوں کی ہوگی، ایک سواروں کی اور ایک منہ کے
بل چلنے والوں کی۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! یہ منہ کے بل کس طرح
چلیں گے؟ آپ نے فرمایا، جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے
وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قدرت رکھتا ہے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ
اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے سر روڑے اور کانٹے سے بچیں گے۔
ایک حدیث میں چہروں کے بل گھسیٹنے کے الفاظ آتے ہیں۔

فرمایا ان کو ہم قیامت کے دن چہروں کے بل اندھے، گونگے،
اور بہرے کمرے کے اٹھائیں گے مَا وَدَّعَهُمْ بَعْثُ
لَوْ كَانُوا كَانُوا۔ کَلَّمَا نَجَبَتْ رِدْ ذُهُم سَمِعُوا
جب بھی جہنم کی آگ ذرا بجھنے لگے گی، ہم مزید بڑھ کر دیں گے۔ یہ ایسے
ہی ہوگا جیسے ان کی کھال کے متعلق فرمایا كَلَّمَا نَضَجَتْ
جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَ هَٰذَا (النار: ۵۶)
جب جہنمیوں کی پہلی کھال جل جائے گی۔ تو ہم انہیں دوسری کھال
پہنا دیں گے۔ فرمایا ذَٰلِكَ جَزَاءُ هُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا
بِآيَاتِنَا یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا۔ آیات
سے مراد معجزات اور احکام بھی ہیں۔ آیت کا اطلاق، دلیل، معجزہ اور

نشانی پر بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے بعض معجزات کو جادو کہہ انکار کر دیا۔ اور واقعہ معراج کے ساتھ تمسخر اڑایا۔ احکام الہی پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ دنیا میں کفر و شرک پر اٹھے ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے آخرت میں یہ سزا تجویز فرمائی کہ انہیں اندھا، بہرہ اور گونگا کر کے منہ کے بل اٹھایا جائے گا اور جہنم کی آگ کو اُن کے لیے مزید تیز کر دیا جائے گا۔

قیامت کا
انکار

وَقُرْعَ قِيَامَتِ كَعَمَلٍ كَارِدٍ عَلٰی يٰهٖ تَحَا قَالُوْا اَوَاٰ
اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا كَتَّهٖ كَيَا جِبْہِم مَّرْمَرٌ ہٰیَاں اور
چورہ چورہ ہو جائیں گے۔ گوشت پوست گل سڑ جائے گا۔ اور صرف
ہڈیاں باقی رہ جائیں گی۔ اِن ہڈیوں کے متعلق بھی آیت ہے ”عَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا خِزْرًا“ (النزعۃ - ۱۱) کہ جب یہ ہڈیاں بھر بھری ہو جائیں
گی۔ زندگی کے کوئی آثار باقی نہیں رہیں گے ”اِنَّا لَمُبْعُوْثُوْنَ“
خَلَقْنَا جَدِیْدًا تُوْکِیَا اُس وقت ہم پھر نئی پیدائش میں اٹھائے جائیں
گے، بعض اس حالت کو اس طرح بھی بیان کرتے تھے ”عَاِذَا ضَلَلْنَا
فِی الْاَرْضِ“ (السجدہ - ۱۰) جب ہم مٹی میں رُل مل جائیں گے، ہمارے
ذرات منتشر ہو جائیں گے تو کیا پھر ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ کہتے
تھے یہ تو غلط عقل بات ہے۔ ہم نے تو آج تک مرنے کے بعد کسی کو
دوبارہ جی اٹھتے نہیں دیکھا۔ اس طرح وہ بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے۔
اللہ نے جواب میں فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کَیَا اِن لَّوْکُمْ لَیْسَ بِہٖ دِیْکَہَا کہ اللہ
تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں فَکَادِرٌ
عَلٰی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَہُمْ کَیَا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے
کہ اُن جیسے دوبارہ پیدا کر دے۔ اللہ نے اُن کی توجیہ آسمان و زمین، چاند

اور سورج جیسے بڑے بڑے یاروں کی طرف دلائی ہے جس زمین پر چلتے پھرتے ہیں اس کا قطر چوبیس ہزار میل ہے اور سورج کے مقابلے میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ شعری سیارہ سورج سے بھی بیس گنا بڑا ہے۔ جب اللہ نے اتنی بڑی اشیاء پیدا کر رکھی ہیں تو انسان جیسی چھوٹی سی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لیے کون سی مشکل بات ہے؟ سورۃ النعام میں اللہ کا فرمان ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک مدت مقرر ہے اور اسی طرح پوری کائنات کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب مقررہ وقت آئیگا تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ اٹھائیگا۔ یہاں بھی فرمایا وَجَعَلْ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں محاسبہ کی منزل آکر ہے گی فَأَجَلَ الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا مگر ظالم لوگ ہی اس منزل کا انکار کرتے ہیں۔ ہر منصف مزاج آدمی قیامت کو برحق تسلیم کرتا ہے۔ ظالم لوگ اکثر و بیشتر کفر و ضلالت ہی کا شکار رہتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک اور اعتراض کا جواب دیا ہے۔ وہ لوگ حضور علیہ السلام کو محض اس لیے رسول ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ آپ کا تعلق ایک غریب خاندان سے تھا۔ سورۃ الزخرف میں موجود ہے، کفار و مشرکین کہتے تھے كَوْلًا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْنَيْنِ عَظِيمٍ یہ قرآن حکیم طائف اور مکے کی دو بڑی بستیوں کے کسی صاحب حیثیت آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا؟ کیا اس منصب کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ باغ نہ کوئی کوٹھی ہے، نہ قورح اور نہ کوکرچا کر۔ بھلا یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے؟ اللہ نے جواب میں فرمایا

اللہ کی
رحمت
کے
غزائے

قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ حَزْرًا
 رَحْمَةً رَّحُوفٌ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک
 ہوتے اِذَا لَا اَمْسَکْتُمْ خَشْيَةً اِلَّا نَفَاقٍ تو تم اس خزانے
 کو خرچ ہو جانے کے خوف سے روک رکھتے۔ یعنی تم رحمت کے ان
 خزانوں کو خرچ ہی نہ کرتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنی رحمت
 کے خزانوں کو داکر رکھا ہے۔ نبوت و رسالت بھی اس کی رحمت کا
 ایک خزانہ ہے، وہ جہاں چاہتا ہے اُسے خرچ کرتا ہے ”اللَّهُ
 اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ (الانعام ۱۲۴) وہی بہتر
 جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے اور پھر وہ جس کو اہل سمجھتا ہے اُس
 کے سر پر نبوت کا تاج رکھ دیتا ہے۔ اس ضمن میں وہ امیر غریب یا دنیاوی مال
 دولت کا کچھ لحاظ نہیں کرتا تھا اے پاس اگر دنیا کا مال دولت اور بادشاہی بھی آجائے تو اسے
 اپنے خاندان میں ہی تقسیم کر دیتے ہو۔ اسکا فائدہ دوسروں کو نہ پہنچ سکے حالانکہ اللہ کا فرمان یہ ہے نَحْنُ
 قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 (الزخرف-۳۲) دنیا کی زندگی میں لوگوں کے درمیان معیشت ہم تقسیم
 کرتے ہیں جب رزق کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ تو
 نبوت و رسالت جیسی عظیم چیز کو ہم کسی دوسرے پر کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔
 اس رحمت کو بھی ہم خود ہی مستحق شخصیت کو عطا کرتے ہیں سورۃ الحجر میں
 فرمایا ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُ
 اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ“ (آیت ۲۱) ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس
 ہیں اور ہم اسے خاص انداز میں نازل فرماتے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ نبوت و رسالت
 کی آخری کڑی کے لیے اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ
 علیہ وسلم پر پڑی اور اُس نے آپ کو تمام انبیاء و مرسلین میں فضیلت
 بخشی حتیٰ کہ آپ کے لیے مقام محمود کا ذکر بھی اسی سورۃ میں ہو چکا ہے۔ تو

اللہ کے نزدیک نبوت و رسالت کے لیے معیار مال و دولت یا اعلیٰ خاندان نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق، بلند کردار اور کمال صلاحیت ہے۔ اُس نے اپنی اوصاف کی بناء پر حضور علیہ السلام کو اپنا آخری نبی منتخب فرمایا ہے۔ لہذا کفار و مشرکین کو اس تقسیم خداوندی پر اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

فرمایا، انسان کی حالت تو یہ ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا کہ وہ بڑا تنگدل واقع ہوا ہے۔ انسان فطرۃً خود غرض، اقتدار پسند مفاد پرست اور عریص واقع ہوا ہے۔ یہ دنیا کے مال و جاہ ہی کو پسند کرتا ہے حالانکہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ دنیا تو ہم نیک و بد بھی کو دیتے ہیں۔ دنیا کا حاصل ہو جانا کچھ وقعت نہیں رکھتا اور نہ ہی یہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی علامت ہے۔ انسان کی کامیابی اور ابدی فلاح کا دار و مدار اس کی دیانت و امانت، اخلاق اور عقیدے پر ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نظر انداز کر چکے ہیں رشتہ کرنا ہو تو ہمیشہ مال و دولت اور جاہ و اقتدار پر نظر ہوتی ہے۔ اخلاق و دیانت اور ایمان داری کو کوئی نہیں پوچھتا ابن ماجہ شریف کی روایت میں آئے۔ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا كَعُدَلٍ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَفَى كَافِرٌ أَمْنَهَا شَرِبَةً اگر اللہ کے نزدیک پوری دنیا کی حیثیت ایک بچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا مگر دنیا میں کامیابی کا معیار تو اللہ نے انبیاء کے ذریعے ظاہر کیا ہے، مگر اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا، انسان واقعی تنگدل واقع ہوا ہے، وہ اس دنیا کی رنگینوں میں ہی پھنس کر رہ جاتا ہے اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔

انسان کی
تنگدلی

سجّٰن الذی ۱۵

بنی اسرائیل ۱۷

درس ہی ویک ۳۱

آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَسَعَلَ
 بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي
 لَأَظُنُّكَ يَمُوسَى مَسْحُورًا ۝ (۱۰۱) قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ
 مَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ
 وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ۝ (۱۰۲) فَأَرَادَ أَن
 يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ
 جَمِيعًا ۝ (۱۰۳) وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَءِيلَ اسْكُنُوا
 الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ۝ (۱۰۴)

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے دیں موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں
 واضح۔ پس آپ پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب کہ وہ (موسیٰ)
 اُن کے پاس آئے۔ پس کہا فرعون نے موسیٰ علیہ السلام
 سے کہ میں گمان کرتا ہوں تیرے بارے میں اے موسیٰ!
 کہ تو سحرزدہ ہے ۝ (۱۰۱) کہا (موسیٰ نے) البتہ تحقیق تو جانتا
 ہے کہ نہیں اتارا ان نشانیوں کو مگر آسمان و زمین کے پروردگار
 نے بصیرت کے لیے۔ اور میں گمان کرتا ہوں تیرے
 بارے میں اے فرعون! کہ تو ہلاکت زدہ ہے ۝ (۱۰۲) پس
 ارادہ کیا فرعون نے کہ اکھاڑ مے قدم ان کے زمین سے
 پس ہم نے غرق کیا فرعون کو بمع اس کے ساتھیوں کے

سب کے سب ۱۰۳ اور کہا ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہ رہو تم زمین میں، پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر ۱۰۴

گزشتہ آیات میں اللہ نے کفار و مشرکین کے تعصب، ضد اور عناد کا ذکر کیا کہ وہ یہودہ فرمائیں کرتے تھے۔ اللہ کی توحید کا انکار کرتے تھے۔ رسالت و نبوت پر اعتراضات کرتے تھے اور معاد کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان اعتراضات کا جواب گزشتہ درس میں دیا جا چکا ہے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانوں اور فرعون اور قوم فرعون کی نافرمانی کا ذکر کیا ہے اس سے اہل ایمان کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح قوم فرعون موسیٰ علیہ السلام کی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی تھی، اسی طرح مشرکین اپنی مطلوبہ نشانیاں پا کر بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی استعداد کو جانتا ہے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ حسبِ فرمائش اگر ان کے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے ان کے سامنے لاکھڑا کریں تو تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی اور عنادی لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کبھی راہِ راست کی طرف ہدایت نہیں دیتا بلکہ یہ گمراہی کی راہ پر ہی گامزن ہوتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے
نو معجزات

تو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرمایا ہے وَلَقَدْ
اتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح
نشانیاں عطا فرمائیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کی تعداد تو بہت زیادہ ہے تاہم نو
وہ بڑے بڑے معجزات ہیں جن کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ ان معجزات میں (۱)
ید بیضا (۲) عصا (۳) قحط سالی (۴) پھلوں میں کمی (۵) طوفان (۶) ٹڈی دل (۷) جوئیں۔
(۸) مینڈک اور (۹) خون شامل ہیں۔ ان میں سے ید بیضا اور عصا وہ معجزات ہیں جو اللہ نے
موسیٰ علیہ السلام کو دے کر فرعون کے پاس بھیجا۔

دیگر نشانیاں

اس کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کا معجزہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہے سورۃ

طلبہ میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا "وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي
 يَفْقَهُوا قَوْلِي" میری زبان کی گہرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات
 سمجھ سکیں۔ چنانچہ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، سورۃ یونس میں
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا بھی مذکور ہے "رَبِّ اِنَّا اَطْمَسْنَا
 عَلٰی اَمْوَالِنَا" اے اللہ! فرعونوں کے مال کو مسخ کر دے یا اہل
 مٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ امام رازیؒ نے
 اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے تابعین
 میں سے محمد بن کعب مفسر قرآن نے موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیوں کے
 متعلق پوچھا تو انہوں نے ان میں سے زبان کی لکنت اور طمس مال کا ذکر
 بھی کیا۔ پھر آپ نے خادم سے ایک تھیلا لانے کو کہا۔ اس کے تھیلے میں کچھ
 انڈے اور اخروٹ تھے جو دو ٹکڑے ہو چکے تھے، مگر پتھر بن چکے
 تھے۔ اس کے علاوہ تھیلے میں سے کچھ لوبیا، چنے اور مسور برآمد ہوئے
 یہ سب چیزیں سنگمیزوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ انہوں نے کہا موسیٰ
 علیہ السلام کی یہ دعا کا یہ ایک نمونہ ہے جو خاندانی طور پر ان کے پاس
 پہنچا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کے اموال کو اس طرح مسخ
 کر دیا یا مٹا دیا کہ کھانے پینے کی چیزیں استعمال کے قابل نہ رہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی بعض دیگر نشانیوں میں ارتفاع طور بھی ہے۔ سورۃ البقرہ
 میں موجود ہے، اللہ نے فرمایا "وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ" (آیت ۹۳)
 ہم نے پہاڑ کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور کہا کہ تو بہ کر، ورنہ یہ پہاڑ
 تمہیں پس ڈالے گا۔ اسی طرح بادلوں کے سلسلے کی نشانی بھی قرآن میں
 مذکور ہے "وَضَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ
 الْمَنَّٰ وَالسَّلٰوٰی" (البقرہ - ۵۷) میدان تیرہ کی چالیس سالہ نظر بند
 کے دوران جب بنی اسرائیل کے خیمے پھٹ گئے تو اللہ نے ان پر بادلوں

کامایہ کر دیا اور انہیں من و سلوی جیسی بلامشقت اور تندرست و تازہ غذا ہم پہنچائی
تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اللہ نے ان کے لیے روشنی کا انتظام بھی
فرمادیا۔ رات کو روشنی کا ایک دینار چمکتا تھا جس کی روشنی بنی اسرائیل کے
تمام خمیوں تک پہنچتی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے پانی کی درخواست کی تو
اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اس پتھر پر لکھی مارو "فَاَنْفَجَرَتْ
مِنْهُ اَثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا" تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو
گئے۔ اور پھر بنی اسرائیل کے لیے سمندر میں اُتے نیلے "فَاَخْجَيْنَاكُمْ
وَاَعْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ" فرمایا اس طرح ہم نے تمہیں نجات دی اور فرعونوں
کو غرق کر دیا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بہت سی نشانیاں
ظاہر فرمائیں جن میں نو بڑی بڑی تھیں۔ اللہ نے اس آیت میں انہی کی طرف
اشارہ فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر یہودیوں نے حضور علیہ السلام
سے سوال کیا کہ آپ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی نو واضح نشانیوں کے متعلق بتائیں
تو آپ نے ان نشانیوں کے بجائے دس احکام کا ذکر فرمایا اور ساتھ یہ
بھی کہا کہ ان میں سے نو احکام ہمارے اور بنی اسرائیلیوں کے درمیان مشترک
ہیں جب کہ دسواں حکم صرف ان کے لیے تھا۔ فرمایا دس احکام یہ ہیں۔
(۱) شرک نہ کرو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) ناحق خون نہ کرو (۵)
جادو نہ کرو (۶) سود نہ کھاؤ (۷) بیگناہ کو حاکم سے سزا نہ دلو (۸) پاکہ امن
عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ (۹) جہاد سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو (۱۰)
ہفتے کے دن کی تعظیم کرو۔ بنی اسرائیل کو ہفتے کے دن صرف عبادت
کرنے کا حکم تھا۔ اس دن تجارت، ملازمت، کھیتی باڑی، محنت مزدوری
وغیرہ کرنے کی ممانعت تھی۔ بعض محدثین نے اس حدیث کو مجروح قرار
دیا ہے، تاہم صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث قابلِ اعتماد ہے جسے

اَنْزَلَ كَهُوًا لَّاۤءِ الرَّبِّ السَّكْمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ فَرَمٰی، اے فرعون !
تو خوب جانتا ہے کہ یہ نشانیاں آسمان و زمین کے پروردگار نے نازل فرمائی
ہیں، اور میرے ہاتھ پر ظاہر کی ہیں۔ یہ ایسی نشانیاں ہیں جو بکسا پس
بصیرت پیدا کر دیتی ہیں۔ ان نشانیوں کے ذریعے انسانوں کے دلوں میں
روشنی کی کمرن پیدا ہوتی ہے اور وہ حق کو سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ نشانیاں دیکھ
کہ انسان اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام
نے یہ بھی فرمایا وَ اِنْ كَاٰظَمْتَ لَا تَظُنُّكَ اِذَا عَوَدْتَ مَثْبُوْرًا بِشَک
میں تو تجھے ہلاکت زدہ خیال کرتا ہوں۔ اگر تو اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی
ایمان نہیں لاتا تو ضرور سچا کہ تو عنقریب ہلاک ہونے والا ہے۔

فرعون کا
تذبذب

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اُس وقت فرعون عجیب تذبذب کا
شکار تھا۔ ایک طرف اُسے اپنی سلطنت، فوج، حواریوں اور سرمائے
پر غرور تھا۔ جس کے ذریعے وہ ہر مخالفت طاقت کو کچلنے کے لیے تیار
تھا، مگر دوسری طرف وہ بنی اسرائیل کی کثرت تعداد سے خائف بھی تھا
حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے خاندان کے صرف
بستر افراد مصر میں آباد ہوئے تھے مگر فرعون کے زمانے تک ان کی
تعداد چھ لاکھ ستر ہزار ہو چکی تھی۔ سورۃ النمل میں موجود ہے وَجَعَلُوْا
بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عَلُوًّا (آیت ۱۴) فرعون نے
بظاہر تو موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا مگر ان کے دل تسلیم کر چکے تھے کہ جو کچھ ان
کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ انسانی کام نہیں ہے۔ سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام
کی بات سچی ہے مگر ان کا غرور و تکبر تسلیم کرنے سے قاصر تھا۔ اس سے
پہلے کاہن بھی بتا چکے تھے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے
جو تیری سلطنت کے خاتمے کا باعث بنے گا۔ چنانچہ اُس نے بنی اسرائیل
کے نوے ہزار بچوں کو ذبح بھی کر دیا مگر اس کے دل میں خوف بہتیر

موجود تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے اس بچے کی پرورش خود فرعون کے گھر میں ہی کروائی۔ بالآخر اُس بچے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا مقابلہ کیا اور وہ مع لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔

فرعونیوں
کی غرقابی

بہر حال فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے خوف سے فَأَرَادَ أَنْ يَنْتَفِزَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ ارادہ کیا کہ بنی اسرائیل کے قدم اپنی سرزمین سے اکھاڑ دے۔ اور انہیں ملک بدر کر دے مگر دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد اُن کی غلام ہے، کھیتی باڑی، تجارت اور محنت مزدوری کرتی ہے وہ کھاتے ہیں اور ہم کھاتے ہیں۔ اگر ان کو مصر سے نکال دیا گیا تو ہمارا سارا معاشی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون سے کہا کہ ہم تیری طرف رب العالمین کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں إِنَّمَا بَعَثْنَا بِنِيَّ اِسْءَاٰءِیْلَ (الشعراء - ۷۱) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے تو اُس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

بہر حال فرعون تذبذب کا شکار تھا۔ فرمایا ابھی اُس نے ارادہ کیا کہ بنی اسرائیلیوں کے پاؤں زمین سے اٹھیں فَاغْرَقْنَاهُ وَمَتَّعْنَاهُ جہیزاً پس ہم نے اس کو اور اُس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ امراء، وزراء، مصاحب حواری وغیرہ سب بحرِ قلزم میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر میں بارہ راستے بنا دیے تھے جن کے ذریعے انہوں نے سمندر کو پار کر لیا۔ مگر حیب انہی راستوں سے فرعونیوں نے گزرنے کی کوشش کی فَفَشِلْهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَآغِشِبَهُمْ (طہ، ۷۸) پھر پانی نے انہیں اس طرح گھیر لیا کہ کچھ نہ پوچھو حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرنے لے تمام فرعون کی لہروں کی نذر ہو گئے اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ چا۔

حشر میں
اجتماع

جب فرعون مع اے شکروں کے ہلاک ہو گیا وَقُلْنَا مَنْ لَّكَ بِهٖ
لَبَنِيَّ اِسْرَآئِيْلَ واس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا
اَسْكُنُوا الْاَرْضَ كُلَّهَا ثُمَّ سَبَّ زَمِيْنٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اس سے مراد سرزمین
شام و فلسطین ہے مصر سے نکل کر اور بحر قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل
صحرے میں پہنچ چکے تھے، اس لیے واپس مصر جانے کا تو سوال ہی
پہ نہیں رہتا تھا۔ پھر یہ لوگ چالیس سال تک میدانِ تیبہ میں سرگردان
پہ نے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام یہیں فوت ہوئے۔
یہاں پہنچتے ہوئے بنی اسرائیل کو ستر سال گزر گئے اور ان کو پرانی نسل
ختم ہو گئی۔ بحیرہ نیل نے موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع بن نون علیہ السلام
کی قیادت میں سرزمین شام و فلسطین کو فتح کیا اور اس میں آباد ہو گئے۔
فرمایا، ثُمَّ هِيَ اَيُّكُمْ اَبَادٌ رَّهْبًا اِذَا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا
بَكُمُ الْفَيْفَاءَ پھر جب آخرت کا وعدہ آئیے گا۔ تو ہم تم سب
کو کپیٹ کر لے آئیں گے یعنی میدانِ حشر میں سب کو اکٹھا کر لیں گے۔
واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح قوم فرعون نے ضد اور
تعصب کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور پھر ہلاک ہوئے، اس طرح
اگر قریش مکہ بھی اپنی ضد پر ہی اٹھے ہیں، حضور خاتم النبیین کی نبوت و
رسالت اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لائے بلکہ بنی اسرائیل کی طرح
نٹنیاں ہی طلب کرتے رہے تو ان کا حشر بھی ان سے مختلف نہیں
ہوگا۔

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا
 مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (۱۰۵) وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى
 النَّاسِ عَلَى مَكَّةٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ (۱۰۶) فَلَ
 آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا ۚ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
 مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ
 سُجَّدًا ۝ (۱۰۷) وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ
 رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ (۱۰۸) وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكُوتُونَ
 وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۝ (۱۰۹)

ترجمہ :- اور سچائی کے ساتھ ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے
 اور سچائی کے ساتھ ہی یہ نازل ہوا ہے ۔ اور نہیں بھیجا
 ہم نے آپ کو (رسول بنا کر) مگر خوشخبری دینے والا اور ڈر
 سنانے والا ۝ (۱۰۵) اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کمرے
 نازل کیا ہے تاکہ پڑھیں آپ اس کو لوگوں کے سامنے
 ٹھہر ٹھہر کر ۔ اور اتارا ہے ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اُتارنا ۝ (۱۰۶)
 (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے (اے لوگو!) ایمان لاؤ اس کے
 ساتھ یا نہ ایمان لاؤ، بیشک وہ لوگ جن کو دیا گیا ہے علم
 اس سے پہلے، جب پڑھا جاتا ہے اُن کے پاس قرآن
 تو گر پڑتے ہیں وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں ۝ (۱۰۷)

اور وہ کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار ، بیشک وعدہ ہمارے رب کا البتہ پورا ہو کر ہے گا (۱۳۸) اور گرتے ہیں وہ ٹھوڑوں کے بل ، وہ روتے ہیں ، اور زیادہ ہوتی ہے ان میں عجزی (۱۳۹)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بہت دھرمی کا ذکر کیا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ فرمایا۔ جس طرح فرعون کی قوم موسیٰ علیہ السلام سے نشانیاں طلب کرتی تھی ، اسی طرح مشرکین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی من مانی نشانیاں طلب کرتے تھے۔ دونوں اقوام محض ضد اور عناد کی بنا پر انبیاء علیہ السلام کی مخالفت کرتی تھیں ، ورنہ حقیقت میں وہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے تھے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے زمین سے قدم اکھاڑ کر انہیں ذلیل کرنا چاہا ، مگر اللہ نے اُس کو مع اُس کے لاؤ لشکر کے غرق کر دیا۔ پھر بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم اس زمین میں رہو ، یہاں تک کہ جب قیامت کے وعدے کا وقت آجائے گا تو اللہ تعالیٰ تم سب کو سمیٹ کر میدانِ حشر میں اکٹھا کر لے گا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اگر فرعونوں کی طرح وہ بھی ضد اور عناد کا مظاہرہ کریں گے ، بیہودہ فرمائشیں کریں گے تو ان کا حشر بھی فرعون اور اس کی قوم سے مختلف نہ ہوگا۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہی سورتوں کا یہ خاصہ ہے کہ ان میں بالعموم توحید کا اثبات اور شرک کی تردید بیان کی گئی ہے۔ رسالت و نبوت کا ذکر ہے ، قیامت اور محاسبہ اعمال کا بیان ہے اور قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین مکہ قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے پر شک کرتے تھے۔ اس لیے اللہ نے اس شک کو رفع کیا ہے اور ساتھ ہی سارے رسالت کا بیان بھی کیا ہے۔ اس کے بعد آخری دو آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی توحید کا ذکر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ اور ہم نے اس قرآن پاک کو حق و صداقت • نزول قرآن
بالحق

جلا سکتی ہے اور نہ اسے پانی دھو سکتا ہے۔ ”تَنْزِيلُ الْكِتَابِ
لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (السجده - ۲) یہ رب العالمین
کی طرف سے نازل کردہ ایسی کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی
گنجائش نہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس
کتاب کو مادی اور روحانی طور پر تکمیل انسانیت کا ذریعہ بنایا ہے انسان
کو مادی اور روحانی طور پر کامل بنانے کے لیے صرف قرآن ہی کی رہنمائی
کی ضرورت ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی شخص درجہ کمال حاصل نہیں
کر سکتا۔ قرآن کے علاوہ ہر ذریعہ غلط اور بے بنیاد ہوگا۔

تبشیر اور
انذار کا
فریضہ

قرآن کریم کی صداقت بیان کرنے کے بعد اللہ نے نبوت و رسالت
کا تذکرہ فرمایا ہے ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا“ اور نہیں بھیجا
ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرسانے والا۔ آپ ایمان اور
نیکی کا راستہ اختیار کرتے والوں کو اللہ کی رحمت کے مقام کی خوشخبری دیتے
ہیں اور کفر، شرک اور معصیت کا راستہ اپنانے والوں کو سخت عذاب سے
ڈراتے ہیں اللہ نے خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلویا ”وَمَا أَنَا إِلَّا
نَذِيرٌ مُبَشِّرٌ“ (الاحقاف - ۹) میں تمہیں واضح طور پر آگاہ کرنے
والا ہوں کہ اگر غلط راستے کو نہیں چھوڑو گے تو آگے مصیبت آنیوالی
ہے۔ تبشیر اور انذار قرآن کے دو بڑے مقاصد ہیں تاکہ نیکی کرنے والوں
کی حوصلہ افزائی ہو اور برائی کرنے والوں کو خبردار کر دیا جائے۔ یہ فریضہ
صرف خاتم النبیین علیہ السلام ہی کو ذمہ نہیں تھا بلکہ تمام انبیاء و رسل کے متعلق
فرمایا ”رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ“ (النساء - ۵) کہ وہ
مبشر اور منذر ہوتے ہیں تاکہ اللہ کی طرف سے حجت تمام ہو جائے اور
کوئی یہ نہ کہ سکے کہ ہمارے پاس کوئی مبشر اور منذر نہیں آیا۔

میں ہزاروں تغیر و تبدل واقع ہوئے۔ بہت سی صحیح باتوں کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا اور بہت سی نئی اور غلط باتیں ان میں داخل ہو گئیں حتیٰ کہ اب ان کتابوں کا اصلی شکل میں وجود تک باقی نہیں رہا۔ صرف انجیل ہی کو دیکھ لیں۔ ایک کی بجائے ایک سو بیس انجیلیں بنیں اور پانچ تو اب بھی موجود ہیں۔ جن میں چار بائبل کا حصہ ہیں اور پانچویں برنیاس علیحدہ ہے۔ اسی طرح بائبل کے پہلے پانچ ابواب تورات کا حصہ ہیں۔ اس میں بھی ہزاروں تغیر واقع ہو چکے ہیں اور اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ بعینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ برخلاف اس کے اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم کا نزول سخت حفاظتی انتظامات میں ہوا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لے رکھا ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے **يَقْرَأُ نَاطِمًا وَيَقْضَانُ** کہ آپ اس کو حالت نیند میں بھی پڑھتے تھے اور حالت بیداری میں بھی۔ حضور علیہ السلام کو یہ خاص شرف حاصل تھا کہ سوتے ہوئے بھی آپ کی زبان پر قرآن کے الفاظ جاری رہتے تھے۔ پھر آپ کی برکت سے آپ کے بعض امتی بھی سبقت نیند قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ **سورة العنكبوت** میں ہے کہ **بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ** یہ ایسی آیتیں ہیں جنہیں اللہ نے اہل علم کے سینوں میں محفوظ کر دیا ہے آج دنیا میں ایک کروڑ کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں جنہیں کتاب الہی حرف بحرف زبانی یاد ہے۔ یہی اس قرآن کی حفاظت کی دلیل ہے خدائے تعالیٰ اگر اس کے تمام نسخوں کو آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے تو پھر بھی یہ کتاب ختم نہیں ہوگی بلکہ حفاظ کی مدد سے حرفاً بحرف دوبارہ تیار ہو جائے گی۔ اسی لیے یہ بات بالکل برحق ہے کہ اس کتاب کو نہ آگ

کے ساتھ نازل فرمایا ہے وَالْحَقُّ نَزَّلَ اور حق و صداقت کے ساتھ ہی یہ نازل ہوا ہے۔ حق کے ساتھ نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام خدائی ہے۔ اس کو نازل کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات بھی برحق ہے اور اس طرح یہ کلام بھی برحق ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نزول میں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی مشاد کے عین مطابق اس کو اتارا ہے۔ اور راستے میں اس کی حفاظت کا انتظام بھی فرمایا ہے۔ بعض

دوسری سورتوں میں آتا ہے کہ جب وحی الہی نازل ہوتی ہے۔ تو عالم بالا سے لے کر نبی کے قلب مبارک تک فرشتوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں تاکہ اس میں شیطان کسی قسم کی دخل اندازی نہ کر سکے۔ پھر اللہ نے اس قرآن کو اپنے پیغمبر کے قلب سے آپ کی زبان پر جاری کیا اور پھر آپ کے صحابہؓ نے اس کو بالکل اسی طرح سنا جس طرح خود آپ نے سنا تھا، اور اسی طرح سمجھا جس طرح آپ نے سمجھا تھا۔ غرضیکہ اللہ نے قرآن پاک کے نزول کے بعد اس کو ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بھی محفوظ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔

حفاظت
قرآن کی
سکارتھی

فرمایا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر - ۹) اس قرآن کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اللہ نے دوسری کتب سماویہ کی حفاظت کا ذمہ خود نہیں لیا تھا۔ بلکہ یہ ذمہ داری خود اہل کتاب پر ڈالی گئی تھی مثلاً تورات کے متعلق

سورۃ مائدہ میں موجود ہے کہ ہم نے تورات کو نازل فرمایا جس پر یہ لوگ اور نور ہے۔ اللہ کے نبی اور درویش لوگ اور عالم اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اس وجہ سے کہ انہیں اللہ کی کتاب پر نگہ ان بنایا گیا تھا۔ مگر تورات پر انہیں اور دیگر صحائف کے حاملین اپنی کتابوں کی حفاظت نہ کر سکے اور ان

قرآن کا
بتدریج
نزدول

قرآن پاک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ نے اسے یکبارگی نازل نہیں فرمایا بلکہ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ ہم نے قرآن کو محصوراً محفوظاً کر کے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اور یہ اس لیے لُتُنَبِّتَ بِهِ فُجَاءَ ذَلِكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (الفرقان ۳۲) تاکہ اس کے ذریعے آپ کے دل کو ثابت اور مضبوط رکھیں، اور اسی واسطے ہم اس کو محفوظاً محفوظاً کر کے پڑھتے رہے ہیں۔ اللہ نے خود حضور علیہ السلام کو بھی یہی حکم دیا وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المنزل - ۴) اور قرآن کو محصوراً محفوظاً کر پڑھا کرو۔ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتار رہے ہیں حضرت شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں ”اتارتے اتارتے اتار رہے“ چونکہ اس قرآن کے ذریعے تمام دنیا کے انسانوں کی ہدایت مطلوب تھی اس لیے اللہ نے اس کے اولین مخاطبین کو قرآن خوب پڑھایا۔ نزول قرآن کے تیس سالہ عرصہ میں اللہ کے نبی نے قرآن کو خوب پڑھایا اور صحابہؓ نے اسے مکمل طور پر محفوظ کر لیا۔ اس کو آہستہ آہستہ بتدریج اتارنے کی یہی حکمت ہے۔

فتنہ
مرزا ایت

اسماء الرجال والے لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے دس ہزار صحابہؓ حفظ قرآن تھے۔ جب مسلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اس کے خلاف جہاد کمزور پڑا جس میں گیارہ یا بارہ سو حفاظ شہید ہو گئے۔ آج مرزا ایت کا فتنہ بھی مسلمہ کذاب سے کم نہیں۔ لوگ اسے معمولی سمجھتے ہیں مگر یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ مرزائی کلیدی عمودوں پر فائز ہیں اور یہ اندر اندر سازشوں کے ذریعے ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے پر لگے ہوئے ہیں یہ فتنہ اب سے کم و بیش انہی سال قبل انگریزوں نے پیدا کیا تھا اور اس کا علاج وہی ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدوں کے خلاف کیا تھا۔

طبری کی روایت کے مطابق میلہ کذاب کی لڑائی میں ستائیس ہزار آدمی مارے گئے
 ایک روایت میں چالیس ہزار کا ذکر بھی آتا ہے، جب جا کر وہ فتنہ ختم ہوا۔
 فرمایا ہم نے قرآن پاک کو آہستہ آہستہ نازل کیا تاکہ یہ اچھی طرح ضبط
 ہو جائے اور اس کو سیکھنے والے آگے باقی دنیا کے لوگوں کو بھی پڑھا سکیں
 بہر حال دین کی اصل بنیاد قرآن پاک ہے اور حدیث رسول اسکی شرح ہے
فَرِیَاقُ قُلِّ امْنُوْا بِہٖ اَوْ لَا تُوْمِنُوْا لَیْ یَغْفِرَ لَکُمْ آپ کہہ
 دیجئے اے لوگو! تم اس کتاب الہی پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، مگر حقیقت یہی
 ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اَوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ کہ جن لوگوں
 کو اس سے پہلے علم دیا گیا اِذَا یُنْزَلُ عَلَیْہُمْ جِیءَ اَنْ کے پاس
 یہ قرآن پڑھا جاتا ہے یَخْرُوْنَ لَلَّذِیْنَ سَجَدُوْا تو وہ فوراً
 محوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ پروردگار
 عالم کی طرف سے کلام برحق ہے۔ اہل کتاب میں سے جو منصف مزاج
 آدمی ہیں وہ اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور یہ آیتیں سن کر وہ بھی سجدہ ریز
 ہو جاتے ہیں۔ اس سے قرآن پاک کی وہ آیات مراد ہیں جن کی تلاوت
 سماعت پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سجدہ
 واجب ہے جب کہ بعض دیگر ائمہؒ اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔
فَرِیَاقُ قُلِّوْا لَیْ منصف مزاج لوگ یوں کہتے ہیں۔ سَجَدُوْا
رَبَّنَا اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَہٗ فَعُوْلاً پاک ہے ہمارا پروردگار
 بیشک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوگا۔ یہ وعدہ اللہ نے تورات
 میں کیا تھا کہ ”اے موسیٰ“ میں تیرے بھائی بندوں میں سے تیرے جیسا
 ایک رسول برپا کروں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا، ”بھائی بندوں
 سے مراد بنی اسماعیل، کلام سے مراد قرآن حکیم اور رسول سے مراد حضور خاتم النبیین
 صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ اللہ نے اس عظیم المرتبت ہستی کو دنیا میں مبعوث

سجدہ
تلاوت

تکمیل
کا وعدہ

فرمایا اور اس پر اپنا کلام یعنی قرآن پاک نازل فرمایا۔
 پھر انہی اہل علم کے متعلق فرمایا وَ يَخِشُّونَ لَدُنْكَ
 يَسْكُونُ اور گہرے پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے۔ وہ خدا تعالیٰ
 کی عظمت و جلال کے پیش نظر عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ پہلے فرمایا
 سجدہ کرتے ہوئے گہرے پڑتے ہیں اور دوسری مرتبہ فرمایا کہ روتے ہوئے
 گہرے پڑتے ہیں۔ دونوں سے مراد خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکاری
 کا اظہار ہی ہے۔

خشیت الہی
 کا صلہ

ابن ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے
 کہ جو شخص خوف خدا سے روتا ہے، اس پر خشیت طاری ہو جاتی ہے
 اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں وَ اِنْ كَانَ مِمَّنْ
 رَأْسُ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ اور یہ آنسو اگرچہ
 مکھی کے سر کے برابر ہی ہو، تو اللہ اس کے چہرے پر دوزخ کی آگ
 حرام کر دے گا۔ ترمذی شریف وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی
 موجود ہے کہ وہ آدمی ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا مَنْ بَكَى
 مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ جو اللہ کے خوف سے رو پڑا۔ فرمایا کہ یہ
 شخص دوزخ میں نہیں جائے گا۔ یہاں تک کہ جانور کے محضوں سے
 نکلا ہوا دودھ تھنوں میں واپس چلا جائے۔ اور جس اللہ کے بندے
 کے جسم پر اس کے راستے میں نکلے ہوئے گہرے دو بخار پڑ گیا۔ اس جسم
 پر دوزخ کی آگ اور دھواں حرام ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی
 روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ دو قسم کی آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ
 کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو خشیت الہی سے روتی ہے اور
 دوسری وہ جو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتی ہے۔ ایک دوسری روایت
 میں یہ بھی آتا ہے کہ جو آنکھ اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر نہیں پڑتی، اس

آنکھ پر بھی دوزخ کی آگ صرام ہے۔
 مفسرین کہہ رہے ہیں کہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت رونامہ
 مستحب ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ نماز کے دوران قرآن پڑھتے
 ہوئے حضور علیہ السلام کی ہچکی بندھ جاتی۔ آپ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال
 کی وجہ سے اتنا روتے تھے کہ آپ کے سینہ مبارک سے جوش نکلتا تھا۔
 حضرت عبداللہ بن شدادؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھا ہے
 تھے اور آپ کی زبان پر یہ آیت تھی: "قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوَ ابْنِي
 وَحُذِّفَ اِلٰی اللّٰهِ" (یوسف - ۸۶) اگرچہ میں کھلی صف میں
 تھا مگر قرآن پڑھتے وقت آپکی ہچکیوں کی آواز سن رہا تھا۔
 فرمایا ایسے لوگ قرآن پاک کی آیات کو سن کر روتے ہیں وَیَبْدُوْهُمْ
 خُشُوْعًا سَجْدًا اور ان کی عاجزی میں اضافہ ہو جاتا ہے یہی صفت اللہ
 نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی بھی بیان فرمائی ہے کہ خدا کے سامنے عاجزی
 کے ساتھ سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس کی عظمت و جلال کے پیش نظر روتے ہیں۔

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوَادْعُوا الرَّحْمَنَ ۖ أَيَّامًا تَدْعُوا فَلَهُ
الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتُ
بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ ۱۱۰ وَقُلِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ
لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ
مِّنَ الدُّنْيَا وَكَبِيرُهُ تَكْبِيرًا ۝ ۱۱۱

۱۱۱

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، پکارو اللہ کو یا پکارو رحمان
کو، جس نام سے بھی تم پکارو گے، پس اُس کے سب نام
اچھے ہیں۔ اور نہ بلند کریں آپ اپنی نماز کے ساتھ آواز، اور
نہ بہت پوشیدہ کریں۔ اور تلاش کریں اس کے درمیان راستہ ۱۱۰
اور آپ کہہ دیں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے
نہیں بنائی اولاد، اور نہیں اس کے لیے کوئی شریک بادشاہی
میں، اور نہیں اس کے لیے کوئی مددگار کمزوری میں، اور بڑائی
بیان کریں اس کی بڑائی بیان کرنا ۱۱۱

گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا بیان تھا۔ اس کے
منجانب اللہ بتدریج نزول کا ذکر تھا۔ یہ بھی عرض کیا تھا کہ قرآن کریم ایک ایسی چیز ہے جس کے
ذریعے روحانی اور مادی دونوں طریقوں سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اللہ نے
فرمایا، لوگو! تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جو منصف مزاج لوگ ہیں۔ وہ قرآن کی آیات میں کمر بستہ

رابط آیات

ہو جاتے ہیں اور اللہ کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح گویا اللہ نے ایک طرف مشرکین کو ان کے انکار پر تبنیہ فرمائی اور دوسری طرف منصف مزاج اہل کتاب کی تعریف بھی فرمائی

مشرکین کی
رحمان سے
عداوت

سورۃ کی ان آخری آیات میں اللہ نے مشرکین کے ایک یہودہ اعتراض کا جواب دیا ہے۔ جب وہ حضور علیہ السلام کی زبان سے خدا تعالیٰ کی صفت رحمان کا ذکر سنتے تھے تو بہت بد کہتے تھے۔ سورۃ الفرقان میں یہ ذکر بھی موجود ہے "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلَّهِ خُضُّوا" قَالُوا وَمَا اللّٰهُ جُحُنٌ (آیت - ۴۰) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہے ان کے نزدیک رحمان یا مہ کا سہنے والا میلہ کذاب تھا۔ پھر بعض بد مزاج لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ دیکھو! محمد ہمیں تو وحید کی دعوت دیتے ہیں یعنی خدا صرف ایک ہے، مگر خود اللہ کے ساتھ رحمان کو بھی پکارتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ اللہ نے مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا ہے قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَبِیْہِمْ دِیْجَیْ کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو اِیَّاهُمَا تَدْعُوْنَ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی جس لفظ کے ساتھ بھی تم پکارو گے، پس اُس کے بھلے نام ہیں اللہ تعالیٰ اس کا ذاتی نام ہے اور رحمان اُس کی صفت ہے۔ رحمان سے کوئی دوسری ذات مراد نہیں بلکہ فقط اللہ کی ذات ہی مراد ہے۔ اللہ کے بہت سے صفاتی نام ہیں جیسے صبیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِّائَةً اِلَّا وَاحِدًا مِّنْ اَحْصَاہَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (بخاری، مسلم، بیشک اللہ تعالیٰ کے تینوں یعنی ایک کم ہوتا نام ہیں، جس نے ان کو یاد کیا اور ان کا ورد کرنا، ان پر یقین رکھا، وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ رحمان، رحیم، ستار، غفار، جبار، قہار وغیرہ سب اس کے صفاتی نام ہیں، وہ ذات

وعدہ لاشریک ہے اُسے جس نام سے چاہو پکارو۔ یہ چیز توحید کے
ہرگز منافی نہیں۔ البتہ بعض مشرک لوگ ایک کی بجائے کئی خداؤں کو مانتے
ہیں۔ مجوسی یزدان اور اہرمن دو خداؤں کے قائل ہیں جب کہ نصاریٰ،
باپ، بیٹا اور روح القدس کہہ کر تثلیث میں پھنس گئے ہیں۔

تلاوتِ قرآن
میں میانہ روی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نماز میں بلند آواز
سے قرآن پڑھتے تھے تو مشرک لوگ سخت مزاحم ہوتے تھے۔ قرآن سن
کر مشتعل ہو جاتے اور بعض اوقات مسلمانوں پر حملہ کرنے سے بھی نہ چوکتے
وہ بد نصیب خود قرآن، اُس کے لاتے والے جبرائیل علیہ السلام اور جس پر
نازل ہوا ہے یعنی محمد، سب کو گالیاں دیتے، مکی زندگی کے دوران
لوگ بیت اللہ کے پاس سر عام نماز نہیں پڑھ سکتے تھے بلکہ زید بن ارقمؓ
کے مکان میں یا کسی پہاڑی درے میں چھپ کر نماز ادا کرتے۔ اس صورتحال
میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ ہدایت نازل فرمائی وَلَا تَجْهَرُ
بِصَوْتِكَ اور آپ اپنی نماز زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھیں وَلَا تُخَافُ
بِهَا اور نہ بہت پوشیدہ آواز کے ساتھ نماز ادا کریں۔ مطلب یہ تھا
کہ آپ اپنی آواز اتنی بلند نہ کریں جو مشرکوں تک پہنچ جائے اور وہ آپ
کو نقصان پہنچائیں۔ اور نہ ہی آواز کو اتنا پست رکھیں کہ آپ کے اپنے
ساتھی نمازی بھی نہ سن سکیں۔ فرمایا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا
اور ان دونوں انتہاؤں کے درمیان درمیانہ طریقہ اختیار کریں

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے
کہ اس آیت کا اطلاق دعا پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے
”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ط إِنَّهُ لَا يَجِبُ الْمُعْتَدِينَ“
(آیت ۵۵) اے لوگو! اپنے رب سے عاجزی اور چپکے چپکے دعائیں مانگا
کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ چلا کہ دعا نہیں

سب تعریفیں اُسی کے لیے ہیں جس نے ارض و سما کو پیدا کیا۔ اسی طرح حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی نعمت ملی تو انہوں نے کہا **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
وَهَبَ لِيْ حَاتِى الْكَسْبِ اِسْمَاعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ** (ابراہیم)
سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل
اور اسحاق جیسے فرزند عطا کیے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسحٰق علیہ السلام کے بعد تین چیزوں کا ذکر فرمایا
ہے کہ اُس کی کوئی اولاد نہیں، بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور
کمزوری میں کوئی مددگار نہیں۔ تو یہ چیزیں تو بظاہر نعمت کی تعریفیں ہیں نہیں
آیتیں مگر اللہ نے ابتداء میں یہاں بھی **الْحَمْدُ لِلّٰهِ** ہی فرمایا ہے۔
اس ضمن میں امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازیؒ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ
کی اولاد نہ ہونا بھی دراصل نعمت ہی کا اظہار ہے۔ یہ ایک عام دستور
ہے کہ ہر صاحب اولاد شخص ضروریاتِ زندگی میں اپنی اولاد کو مقدم رکھتا ہے
اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو وہ بھی تقسیم انعامات کرتے وقت پہلے اولاد
کو دیتا اور پھر دوسروں کو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے۔ اس لیے
اس کے انعامات سب کے لیے عام ہیں۔ اور یہ چیز بچائے خود ایک
انعام ہے۔ پھر یہ ہے کہ اُس کا شریک بھی کوئی نہیں۔ اگر کوئی شریک
ہوتا تو وہ تقسیم انعامات میں مزاحم ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ العیاذ باللہ کسی
کمزوری میں بھی مبتلا نہیں ہوئے کہ اسے کسی دوسری ذات کی مدد کی ضرورت ہو۔
اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے مددگار کا زیادہ خیال رکھتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام
چیزوں سے پاک ہے، لہذا یہ سنی نوع انسان پر بہت بڑے انعام ہیں اور
اسی واسطے اللہ نے آیت کی ابتدا **الْحَمْدُ لِلّٰهِ** سے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ
کی بے نیازی

فرمایا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں **الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا** جس نے اولاد نہیں بنائی۔ اللہ تعالیٰ احمد اور غنی ہے، لہذا نہ اُسکی

کوئی حقیقی اولاد ہے اور نہ کوئی بناوٹی۔ نصاریٰ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے
 مسیح علیہ السلام کو مقرب ہونے کی وجہ سے بیٹا بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ چیز اسکی
 صمدیت اور استغناء کے خلاف ہے۔ اسے نہ تو بقائے نسل کے لیے اولاد
 کی ضرورت ہے اور نہ خدمت کے لیے، اسی لیے فرمایا کہ سب تعزین
 اللہ کے لیے ہیں جس نے کوئی اولاد نہیں بنائی، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ
 فِي الْمُلْكِ اور بادشاہی میں اُس کا شریک بھی کوئی نہیں۔ وہ ہر قسم کے
 شرک سے پاک ہے وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلٰلِ اور کمزوری
 یا عاجزی میں اس کا مددگار بھی کوئی نہیں۔ درحقیقت اس میں کمزوری آتی ہی
 نہیں لہذا مددگار کی بھی ضرورت نہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ یہ کرتے
 ہیں۔ ”اس کا کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت“ دنیا کے بادشاہ تو بعض اوقات
 اپنے امراء سے بھی خائف ہوتے ہیں۔ انہیں بڑے وقت میں اُن کی رفاقت
 مطلوب ہوتی ہے۔ اگر کوئی امیر طاقت پکڑ جائے تو بادشاہ کے مغلوب ہونے
 کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں تو ایسی کوئی بات ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات
 پر کمزوری کا تصور ہی نہیں ہے، لہذا اُسے کسی مددگار کی ضرورت بھی نہیں ہے
 سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ سے ہوئی تھی۔ ”سُبْحٰنَ
 الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یٰکَ ہِ وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے
 کو ایک عظیم الشان سفر پر لے گیا اور اُسے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں
 دکھلائیں۔ یہ بڑی اہم سورۃ مبارکہ ہے جس میں اسلامی ریاست کے منشور
 کے پندرہ اصول بیان کیے گئے ہیں، عقیدے سے متعلق بڑے بڑے اہم
 مسائل بیان کیے گئے ہیں اور جزوی طور پر بھی بہت سی باتیں بیان ہوئی ہیں۔
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سورۃ
 بنی اسرائیل، کہف اور مریم میرا پرانا اور قیمتی مال ہے۔ جب سے یہ سورتیں
 نازل ہوئی ہیں، میں ان کو ہٹھتا رہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام خود بھی رات کو

فضائل سورۃ

سوتے سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ ملک، سورۃ دخان، اور سورۃ
سجدہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ یہ ورد بھی ہے تاکہ مسلمان اپنے ریاستی نظام
کو پیش نظر رکھیں۔ اس میں توحید کا ذکر ہے، شرک کا رد ہے۔ قیامت
اور محاسبہ اعمال کی بات ہے۔ نبوت کے متعلق بنیادی حقائق بیان کیے
گئے ہیں۔ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو کمال طریقے سے اللہ نے
بیان کیا ہے۔ نبی کی عظمت کا ذکر بھی ہے کہ اللہ نے اُسے معراج کی
صورت میں اعزاز بخشا۔ اس کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور
نوح علیہ السلام کی شہ گزاری کا خاص طور پر ذکر ہے۔

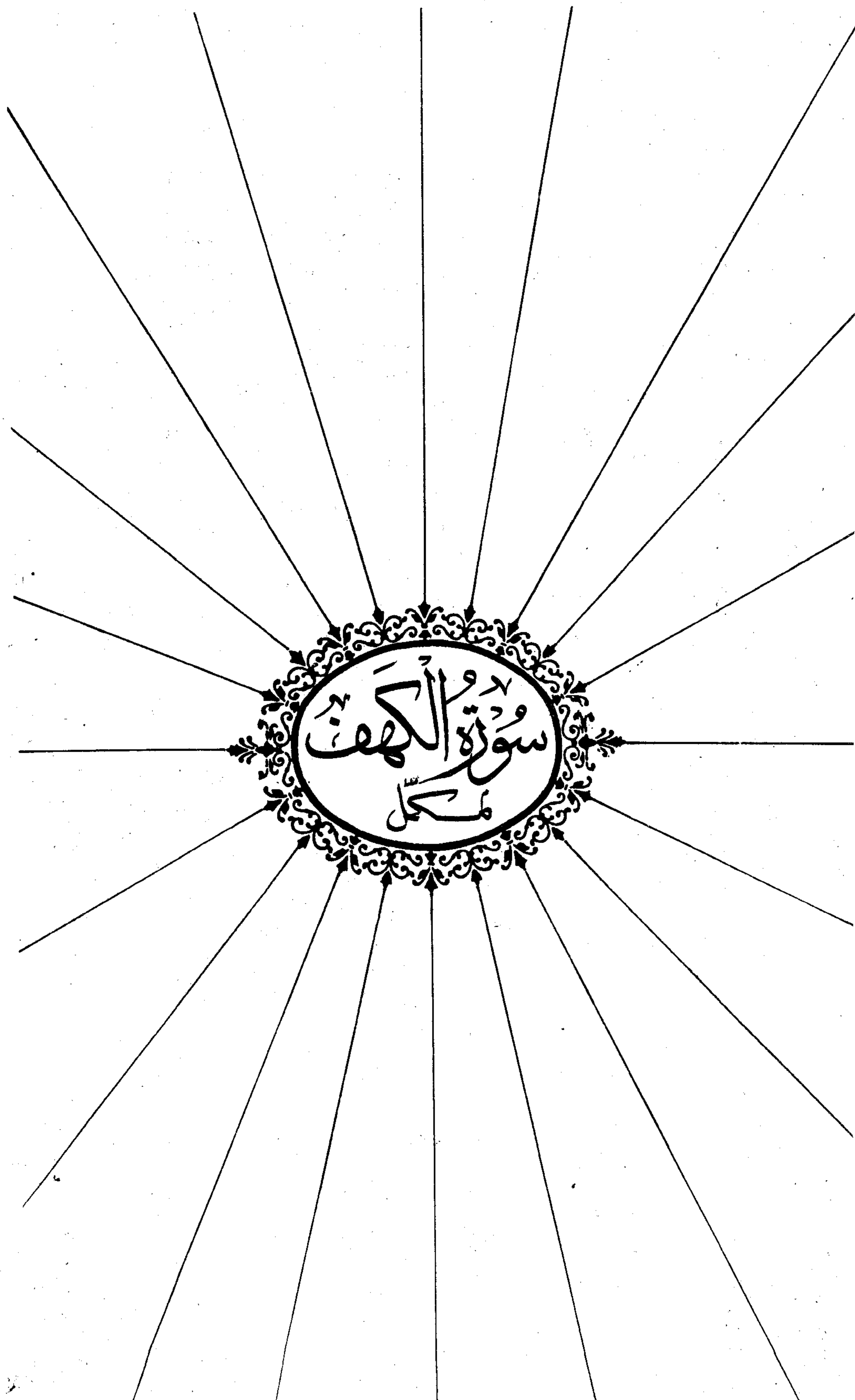
افضل اذکار

سورۃ کی ابتدا سُبْحَانَ الَّذِي سے اور اختتام اکھبر اللہ پر ہوا۔
یہ تنزیہ کے کلمات ہیں جنہیں دہراتے رہنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان
ہے اَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ یعنی سب سے افضل دعا اکھبر کہنا
ہے۔ اس پر اللہ اتنا زیادہ دے دیتا ہے کہ آسمان گئے والوں کو بھی نہیں
دیتا۔ حضور کا یہ فرمان بھی ہے اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سُب
سے افضل ذکر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ صحیح روایت میں حضور
علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے اَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ
سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ
یہ چار افضل کلمات ہیں ان میں سے جس کو چاہو پہلے کہو اور جس کو چاہو بعد
میں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ نے اپنے فرشتوں کے لیے بھی
یہ کلام منتخب فرمایا ہے۔ وہ بھی انہی کلمات سے اللہ کی عظمت بیان
کرتے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللَّهِ
وَبِحَمْدِهِ کا سو مرتبہ ورد کرتا ہے، اگر اس کی خطائیں سمندر کے جھاگ
کے برابر بھی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ انہیں دھو ڈالے گا۔ ایک حدیث میں یہ

بھی آتا ہے کہ خاندان بنی عبدالمطلب کا چھوٹا بچہ جب بولنے پر قادر ہوتا، تو حضور علیہ السلام اُس کو یہ کلمات سکھاتے جو اس آخری آیت میں وارد ہوئے ہیں یعنی
 الْحَمْدُ لِلّٰہِ..... وَکَبِّرُہٗ تَکْبِیْرًا ایک حدیث میں آتا ہے
 کہ حضور علیہ السلام کا گزر ایک ایسے شخص پر ہو جو یہ دُعا کر رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ رَاجِئًا
 اَسْئَلُكَ بِاَنَّ اَشْهَدُ اِنَّكَ اَنْتَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ
 الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ
 لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے کہ میں گواہی
 دیتا ہوں کہ تو وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے اور
 بے نیاز ہے۔ نہ اُس کی اولاد ہے اور نہ وہ مولود ہے اور نہ ہی اُس
 کی برابری کا کوئی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے
 قبضے میں میری جان ہے۔ اس شخص نے اللہ کے لیے اسمائے پاک کے
 ساتھ دُعا مانگی ہے کہ اللہ اس کو ضرور پورا کرے گا۔

امام تہاہ ولی فرماتے ہیں کہ ان کلمات کو دہرانے میں کسی مسلمان کا حصہ
 سو مرتبہ سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ دِنِ بھر میں کم از کم سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ
 الْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا چاہیے۔ چنانچہ
 مشائخِ پیشتِ بیعت کرتے وقت اپنی کلمات کی تلقین کرتے ہیں۔ اس
 کے علاوہ سو مرتبہ دُودِ شریف اور سو مرتبہ استغفار پڑھنے کی بھی تہ غریب
 دینے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں فرمایا وَکَبِّرُہٗ تَکْبِیْرًا اللہ تعالیٰ کی
 بڑائی بیان کریں جس کے لیے بعض کلمات ذکر کر دیے گئے ہیں۔



الکھف ۱۸

آیت ۱ تا ۳

سبجہ الذی ۱۵

درس اول ۱

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتُ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا اثْنَا عَشَرَ رُكُوعًا
سورة کھف مکی ہے اور یہ ایک سو دس آیت اور اس میں بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ
يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ① قِيَمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا
مِمَّنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ② مَا كَثِيرٌ
فِيهِ آيَاتٌ ③

ترجمہ :- سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، وہ جس نے
اتاری ہے اپنے بندے پر کتاب، اور نہیں رکھی اس (کتاب)
میں کوئی کجی ① وہ مستقیم ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت
سے جو اس (خدا تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ اور خوشخبری
دے ایمان والوں کو جو اچھے اعمال انجام دیتے ہیں، کہ اُن
کے لیے بدلہ ہے اچھا ② بہتے والے ہوں گے اس
کے اندر ہمیشہ ③

اس سورۃ مبارکہ میں اصحاب کھف والرقیم کا واقعہ بیان ہوا ہے، اس لیے اس
سورۃ کا نام ہی سورۃ الکھف ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول بھی قریب قریب وہی ہے

نام اور
کوائف

جو سورۃ بنی اسرائیل کا ہے۔ گویا یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی ایک سو دس آیات اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۵۶۷ کلمات اور ۶۴۶۰ حروف پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ گذشتہ سورۃ بنی اسرائیل کے ساتھ مربوط ہے۔ گذشتہ سورۃ کی آیت روح کے متعلق مفسرین کرام کا یہ بیان نقل کیا جا چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے ایما پر حضور علیہ السلام سے تین سوال کیے تھے، جن میں سے ایک روح، دوسرا اصحاب کہف اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ یہود و مشرکین کا خیال تھا کہ آپ علیہ السلام ان سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے تو ان کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کے لیے موقع میسر آجائے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں سوالوں کے جواب دے کر مخالفین کے منہ بند کر دیے۔

گذشتہ سورۃ کی ابتدا میں واقعہ معراج کا ذکر ہے جب کہ آگے چل کر روح کا بیان ہے۔ ان دونوں واقعات کو بھی آپس میں مناسبت ہے اس لیے انہیں ایک سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح واقعہ معراج انسانی فہم و عقل سے بالاتر ہے، اسی طرح روح کی حقیقت کو بھی انسانی عقل سے دریافت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ان دونوں میں مماثلت ہے، دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی کے مشہور منطقی ابن سینا کے بقول۔

حَبَطَتْ إِلَيْكَ مِنَ الْمَحَلِّ الْأَرْفَعِ
وَرُقَاءُ ذَاتِ تَعَزُّزٍ وَتَمَنُّعٍ

روح تو ایک کیوتی کی منال ہے جو اونچے مقام سے آئی ہے، اور بڑی عزت اور حفاظت والی ہے اور معراج کے واقعہ میں حضور علیہ السلام کو اس مادی دنیا سے عروج حاصل ہوا اور آپ عالم بالا میں روح کے مقام

گذشتہ سورۃ
کے ساتھ
رابطہ

خطیرۃ القدس تک پہنچے۔ تو اس طرح واقعہ معراج اور روح کو آپس میں گسری
مناسبت ہے۔

روح کا جواب تو سابقہ سورۃ میں آگیا، اب باقی دو سوالوں کا جواب
اس سورۃ مبارکہ میں آرہا ہے یعنی اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات
یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ بڑے عالم فاضل ہیں اور آسمانی کتابوں کا علم
جانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے گزشتہ سورۃ میں یہ کہہ کر ان کا منہ بند کر دیا۔
وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا تمہیں بہت
نھوڑا علم دیا گیا ہے، لہذا تم اپنے علم پر مت اتراؤ۔ اب اسی سورۃ میں
ایک تیسرا واقعہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا بھی بیان ہوا۔ یہ واقعہ بھی انسان
کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے ایک نہایت ہی معمولی
درجے کی لغزش ہو گئی تھی جس کی بنا پر اللہ نے فرمایا تھا کہ تم سفر اختیار
کرو، اور دو دریاؤں کے سنگم پہنچو ایک بندے سے جا کر ملو آپ
کی تربیت مقصود تھی، لہذا آپ نے طہر المباسر اختیار کیا اور بڑی مشقت
بدولت کی اور اس طرح اللہ نے آپ کو امتحان میں ڈال دیا۔ اس سورۃ
میں یہ واقعہ اجمالاً بیان کیا گیا ہے تاہم صحیحین میں حضور علیہ السلام نے اس
کی تمام جزئیات بیان کر دی ہیں۔

معانی سورۃ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بنیادی حقائق، توحید،
رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے، اصحاب کہف،
اور ذوالقرنین کے واقعات کے علاوہ اس سورۃ میں یاجوج ماجوج کا واقعہ
بھی بیان کیا گیا ہے اور اشارتاً دجال کے خروج کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس
کے علاوہ مومن اور کافر باغ والوں کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں موسیٰ اور
خضر علیہما السلام کا واقعہ بھی ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔
اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء نزول قرآن کے ذکر سے ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ

نے قرآن کریم کو بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے، اسی لیے سورۃ فاتحہ، العنکبوت اور فاطر کی طرح اس سورۃ کو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کیا گیا ہے اس کتاب کے انعام الہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی روح اور جسم دونوں کی تکمیل ہوتی ہے، گویا قرآن پاک اُن چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جن کے ساتھ روح اور جسم کی سعادت والبتہ ہے اس کتاب میں اللہ نے توحید کے اسرار بیان فرمائے ہیں، خدا تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور اس کی صفات کمال و جلال کا ذکر ہے۔ قصائد کے مسائل بیان ہوئے ہیں، ملائکہ اور عالم بالا کی تفصیلات و احوال بھی اسی کتاب کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ انسان کو مکلف بنانے والے احکام و قوانین اسی کتاب مقدس میں بیان ہوئے ہیں۔ ثواب اور عتاب کا سلسلہ بیان ہوا ہے اس کتاب میں دعوت الی التوحید کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جو کسی دوسری آسمانی کتاب میں نہیں ملتا۔

اس سورۃ مبارکہ میں شکر گزاروں اور ناشکر گزاروں کی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ گزشتہ سورۃ میں بھی اللہ نے اپنے شکر گزار بندوں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور خود حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی شکر گزاری کا تذکرہ فرمایا تھا۔ جب کہ اس سورۃ میں اصحاب کہف، ذوالقرنین، موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور باغ والے مومن کا ذکر ہوا ہے۔ بہر حال ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی فوز و فلاح کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ اس کا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ درست ہے۔ اگر یہ تعلق درست نہیں ہے، تو کبھی فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ غرضیکہ یہ سب باتیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں اس سورۃ مبارکہ میں آرہی ہیں۔

ہماری اور
دجالی تہذیب

اس سورۃ میں دجال کے خروج کا ذکر آ رہا ہے تو اس لحاظ سے
دجالی تہذیب کا بیان خالی از ہر شک و شبہ نہیں ہوگا۔ قرب قیامت میں سائنسی

ترقی اپنے انتہائی عروج پر ہوگی۔ اس دور کو مولانا مناظر احسن گیلانی ہماری تہذیب (DONKEY CULTURE) (ڈنکی کلچر) سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح گدھے کے پیش نظر صرف دو چیزیں ہوتی ہیں یعنی پیٹ اور شہوت، اسی طرح موجودہ تہذیب کی منتہائے مقصود بھی یہی دو چیزیں ہیں۔ اس دنیا میں ایک طرف کارل مارکس کا فلسفہ ہے کہ دنیا میں مسئلہ صرف پیٹ کلمہ ہے، اور کچھ نہیں۔ اسی بناء پر اس نے مزدور طبقے کو گمراہ کر کے کمیونزم کی راہ ہموار کی ہے۔ اور دوسری طرف یورپ کا فرائیڈ ہے جس نے جنسی لُصیات (SEXUALISM) (سیکسوالزم) پر ہی سارا زور بیان صرف کر کے دنیا کا اول و آخر اسی چیز کو سمجھ لیا ہے۔ تو اس طرح گویا آج کی ہماری تہذیب کے پیش نظر صرف پیٹ ہے یا شہوت۔

بہر حال جب یہ ہماری تہذیب اپنے انتہائی عروج پر ہوگی تو اس وقت دجال کا عروج ہوگا اور دجالی تہذیب شروع ہو جائے گی۔ دجال اپنے ٹانے میں وہ تمام کام بغیر آلات کے انجام دے گا۔ جو اس وقت سائنس دان اور انجنیر آلات کے ذریعے انجام دیتے ہیں۔ حدیث میں دجال کے گدھے کا ذکر بھی آتا ہے، وہ چالیس دن میں گدھے پر سوار ہو کر تمام زمین کا گشت کرے گا۔ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے پاس خزانے ہوں گے، جس کو چاہے گا دے گا، وہ جسے چاہے گا زندہ رکھے گا اور جسے چاہے گا ہلاک کر دے گا۔ اس کے ہاتھ پر بڑے بڑے کمر شمشے ظاہر ہوں گے جن کی وجہ سے وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور لوگ اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ دجال جب چاہے گا بارش برسانے گا اور جب چاہے گا زمین سے خزانے نکال دے گا۔ آج زمین سے معدنیات لوہا، کوئلہ، سونا، چاندی، گیس، تیل وغیرہ نکالنے کے لیے بڑی بڑی مشینوں کے ذریعے سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ مگر دجال بغیر آلات کے آنا فانا یہ چیزیں نکال کر

دکھا دیگا۔ وہ زمین سے کہے گا۔ اَخْرِجْ کُنُوزَکَ یعنی اپنے خزانے
 باہر نکال دے تو وہ فوراً باہر اُگل دے گی۔ پھر حال یہاں پر صمنا حمار ہی تہذیب
 اور دجالی تہذیب کا ذکر بھی ہوگا۔

متذکرہ حاکم میں صحیح حدیث کا مضمون یہ ہے مَنْ قَرَأَ
 سُورَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ
 مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ جس شخص نے جمعہ کے دن سورۃ
 کہف کی تلاوت کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو ستر جمعے تک نور ہی نور بنا دے
 گا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جس جگہ پر اس سورۃ کی تلاوت کرے گا۔ وہاں
 سے مکہ مکرمہ تک اُس کے لیے نور ہی نور ہوگا۔ بعض روایات میں آتا ہے
 کہ ایسے شخص کے لیے زمین سے آسمان تک روشنی ہی روشنی ہوگی۔

ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ
 مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ فِتْنَةِ
 الدَّجَالِ یعنی جو شخص سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد کر کے انہیں
 ورد بنا لے گا، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا۔ ایک حدیث
 میں یہ بھی آتا ہے کہ جب دجال کو دیکھو تو اس کے سامنے سورۃ کہف
 پڑھو، وہ تمہیں شرم نہیں پہنچا سکے گا۔ دوسری روایت میں ہے مَنْ
 قَرَأَ الْعَشْرَ الْآخِرَةَ عُصِمَ مِنَ فِتْنَةِ الدَّجَالِ جس شخص
 نے سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں وہ فتنۃ دجال سے محفوظ رکھا
 جائے گا۔ ترمذی شریف کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے مَنْ
 قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ
 فِتْنَةِ الدَّجَالِ جس شخص نے سورۃ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھیں
 وہ بھی دجال کے فتنے سے مامون ہوگا۔ یہ ادنیٰ درجہ ہے، لہذا ہر مسلمان
 کو چاہیے کہ کم از کم جمعہ کے دن ان کو ورد زبان بنالے۔ ام المؤمنین حضرت

عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ”قُلْ لَّوْ
كَانَ الْبَحْرُ“... سے لیکر سورۃ کہف کی آخری دو آیات سونے سے
پہلے پڑھ لے گا۔ وہ جب چاہے گا۔ اللہ اُسے نیند سے بیدار کر دیگا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا، اس کتاب حکیم کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے
ہوتی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتَابَ
سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ یعنی شکر اور تعریف کا مستحق وہی اللہ ہے
جس نے اپنے کامل بندے پر کتاب نازل فرمائی اور کتاب بھی ایسی وَلَمْ
يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا کہ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی۔ عبارت صاف
اور سلیس ہے۔ کلام فصیح و بلیغ اور اس کی تعلیم انقلابی ہے۔ یہ افراط و تفریط
سے پاک اعتدال پسند کلام ہے ہر زمانے کے ہر انسان اور ہر زبان بولنے
والے پر اس کا بیاں اطلاق ہوتا ہے۔ یہ عقل سلیم کے عین مطابق ہے
اور اس میں کوئی اتکج پیچ نہیں ہے۔ یہ کتاب حق کوحقہ اور ثابتہ پر مشتمل
ہے اور اس میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حقیقی کتاب
کہلانے کی مستحق ہی کتاب ہے کیونکہ ”لَا رَيْبَ فِيْهِ“ اس میں شک و
شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نزول کتاب
کی نعمت

فرمایا اس کتاب میں پہلی صفت تو یہ بیان ہوئی کہ اس میں کوئی کجی نہیں
اور دوسری صفت یہ ہے کہ یہ کتاب قَسَمًا یعنی مستقیم ہے جو
کہ صراط مستقیم کی تشریح و توضیح بیان کرتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم
کا معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں پایا جاتا بلکہ یہ بالکل سیدھی
کتاب ہے۔ یہ بھی اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ خود
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا“ (النساء - ۸۲) اگر یہ اللہ کے
علاوہ کسی غیر کا کلام ہوتا تو لوگ اس میں یقیناً بہت زیادہ اختلاف اور تعارض پاتے مگر ایسا

یہ کتاب
قیم ہے

نہیں ہے۔ یہ ایسا معجز کلام ہے کہ تمام انس و جن مل کر اس جیسی ایک سورۃ بھی نہیں پیش کر سکتے۔ یہ کتاب قیمتی یعنی سیدھی، محکم اور اختلاف سے پاک ہے۔

بعض قیمتی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں قِیَمًا بِمَصْلَحِ الْعِبَادِ یعنی یہ اللہ کے بندوں کی مصلحتوں کو قائم کرنے والی کتاب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قیم کا معنی محافظ اور نگران ہے۔ یعنی اللہ کی یہ آخری کتاب سابقہ تمام کتب سماویہ کی محافظ اور نگران ہے۔ ان کی تمام صحیح باتوں کو تسلیم کرتی ہے اور ناجائز طریقے سے شامل کی گئی غلط باتوں کا انکار کر دیتی ہے۔ یہ کتاب انسان کے دینی اور دنیاوی ہر دو اقسام کے مقاصد کو قائم کرتی اور ان کے بارے میں صحیح صحیح تعلیم دیتی ہے۔

مقصد نزول کتاب

فرمایا ہم نے یہ کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ یہ قیم ہے، اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ بِأَسْمَاءٍ شَدِيدَةٍ أَمْسَتْ لَدُنْهُ ہا کہ وہ بندہ اس سخت گرفت سے لوگوں کو ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ کامل ترین کتاب اپنے کامل ترین بندے پر اتاری ہے۔ یہ کتاب انسانیت کی روحانی اور مادی تکمیل کا ذریعہ ہے، لہذا جو بھی اس پر ایمان لائے گا۔ وہ خود بھی عالم اور کامل بن جائے گا اور پھر دوسروں کی تکمیل کا بھی ذریعہ بنے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ کفر، شرک، معاصی، اور تکذیب کے مرتکبین کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جائے۔

مومنین کے لیے بشارت

فرمایا اس کتاب کے نزول کا دوسرا مقصد یہ ہے وَیُبَشِّرُوا الْمُؤْمِنِينَ وہ اللہ کا بندہ اہل ایمان کو خوشخبری بھی سنائے اَلَّذِينَ يَكْمُلُونَ الصَّلَاةَ جو فکری طہارت کے بعد نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض نماز، روزہ،

زکوٰۃ اور حج، صدقہ خیرات، جہاد، قربانی پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ
لوگوں کے لیے بشارت ہے اَنْ لَّهُمْ اَجْرًا حَسَنًا کہ بیشک
اُن کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے۔ سورۃ یونس میں اس طرح بیان کیا گیا
ہے اَنْتَ لَکُمْ قَدْ مَرَّ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّکُمْ اَنْ کے لیے
ان کے پروردگار کے ہاں سچائی کا پایہ ہے اور یہ ایسا بہتر بدلہ ہے۔
مَا کِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے
اور وہاں سے کبھی بھی نکلنے نہیں جائیں گے۔ دنیا کی نعمتوں کے زائل ہونے
کا تو ہر وقت خطرہ ہوتا ہے۔ ایک شخص آج دولت مند ہے تو کل تلاش
بھی ہو سکتا ہے، آج صحت مند ہے تو کل بیمار بھی ہو سکتا ہے مگر اہل
ایمان کی نعمتوں میں نہ کمی آنے لگی اور نہ ان کے چھین جانے کا خطرہ ہوگا بقول
سعدی صاحب دنیا کی ہر نعمت کو استعمال کرو کیونکہ ایک دن نعمت بھی
ختم ہو جائے گی اور انسان خود بھی باقی نہیں رہے گا۔ مگر آخرت میں خطرے
والی کوئی بات نہیں ہوگی، نہ موت کا خطرہ نہ نعمت کے چھین جانے کا ڈر
اسی لیے فرمایا کہ اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو کہ آخرت میں ان کے
لیے اچھا بدلہ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

الکہف ۱۸

آیت ۴ ۲ ۸

سجۃ الذی ۱۵

درس دوم ۲

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۖ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۖ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

ترجمہ:- اور ڈرائے اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے ۴) نہیں ہے اُن کے لیے اس کا کوئی علم اور نہ اُن کے آباؤ اجداد کو۔ یہ ایک بڑی بات ہے جو اُن کے مومنوں سے نکلتی ہے۔ نہیں کہتے یہ مگر جھوٹ ۵) پس شاید آپ اپنا گلا گھونٹ ڈالیں گے ان کے پیچھے اگر یہ ایمان نہ لائے اس بات پر، افسوس کرتے ہوئے ۶) بیشک ہم نے بنایا ہے جو کچھ ہے زمین پر اس کے لیے رونق، تاکہ ہم آزمائیں کہ کون ان میں زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے ۷) اور بیشک ہم بنانے والے ہیں جو کچھ اس (زمین) پر ہے ایک چٹیل

بط آیات

گزشتہ درس میں قرآن پاک کے نزول کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر ایک عظیم المہر ثبت کتاب نازل فرمائی جس میں کسی قسم کی غلطی تضاد، تخالف یا خلافت واقع بات نہیں ہے۔ یہ کتاب سابقہ کتب سماویہ اور اللہ کے بندوں کی مصلحتوں کی محافظ اور نگران ہے۔ نزول کتاب کا مقصد اللہ نے یہ بیان فرمایا، تاکہ اللہ کا بندہ اللہ کی طرف سے آنے والی صحت گرفت سے لوگوں کو آگاہ کرے اور اہل ایمان کو خوشخبری دے کہ اعمال صالحہ انجام دینے والے لوگوں کے لیے اچھا اجر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

برائے
ذی کفایت
اولاد

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے نزول کتاب کا دوسرا مقصد بیان کیا ہے **وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا** کہ وہ ڈرنا اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے۔ پہلی وعید عام لوگوں کے لیے تھی کہ سب کو اللہ کی گرفت سے ڈرا دیا جائے اور یہ خصوصی تنخویف صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ ان میں اول نمبر پر نصاریٰ ہیں۔ یہ باپ، بیٹا اور روح القدس کے عقیدے والے تثلیث پرست لوگ ہیں۔ دنیا میں ان کی کثیر آبادی ہے اور یہی لوگ جاری تہذیب یعنی پیٹ اور شہوت کے امام ہیں۔ ان میں سے بعض تو تثلیث کے قائل ہیں جو کہتے ہیں "اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثٌ ثَلَاثَةٌ" (المائدہ - ۳) یعنی خدا تعالیٰ تینوں میں سے تیسرا ہے اور بعض نے یوں کہ دیا "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ" (المائدہ - ۷۲) خدا تو عیسیٰ مسیح ابن مریم ہے۔ یہ ہندوؤں کے اوتار والا عقیدہ ہو گیا کہ خدا تعالیٰ بعض شخصیتوں میں حلول کر جاتا ہے۔ پھر عیسائیوں نے یہ بھی کہا "وَقَالَتِ الْيَهُودُ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ" (التوبة - ۳۰) یعنی مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے۔ اور اس طرح انہوں نے

خدا تعالیٰ کا حضور مان لیا۔

دوسرے اگر وہ جنہیں ڈرانا مقصود ہے، وہ یہودیوں کا ہے انہوں نے بھی خدا کا بیٹا تجرینہ کیا۔ ”وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ“ (التوبة - ۳۰) یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور اس طرح وہ بھی عقیدہ ابنیت میں ملوث ہو گئے۔ یہودی سائے تو اس عقیدے کے قائل نہیں، تاہم ایک عمریری فرقہ ہے جو آپ کو خدا کا بیٹا مانتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام بابل میں قید کر دیے گئے۔ پھر جب کافی عرصہ کے بعد آپ باہر آئے تو تورات سے معدوم ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے تورات حرفاً حرفاً لوگوں کے سامنے پیش کر دی اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ کام خدا کا بیٹا ہی کر سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے یہی عقیدہ وضع کر لیا۔ بعض وحدت الوجودی بھی عقیدہ حلول کے قائل ہیں۔ وہ کائنات کی تمام چیزوں کو خدا تعالیٰ کا منظر یا اوتار مانتے ہیں، لہذا یہ بھی مشرک ہیں۔ البتہ وحدت الوجود کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ تمام چیزوں کا قیم صرف خدا تعالیٰ ہے۔ چنانچہ خواجہ علی ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں بیان کرتے ہیں کہ صوفیاء کے بارہ فرقے ہیں، ان میں سے دو فرقے گمراہ ہیں جو خدا تعالیٰ کو انسانی روپ میں مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں حلول کر آیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی دس فرقے حق پر ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی اولاد تجرینہ کرنے والوں کے لیے اس کتاب کے ذریعے خاص طور پر تخلیف دلائی گئی ہے۔ چونکہ اس ضمن میں بدترین عقیدہ نصاریٰ کا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السما کے کچھ عرصہ بعد پولس نے وضع کیا تھا، لہذا سب سے زیادہ تخلیف بھی انہی کے حصے میں آتی ہے اس وقت نصاریٰ کی اپنی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور اگر اس میں یہودیوں کے عمریری فرقہ اور ہندوؤں کے اوتاری فرقہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر

تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی اپنی تعلیم یہ ہے۔ "يَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّكُمْ فَقَدْ كَفَرَ اِنَّهُ مَنَّ يَشْرِكُ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُودَّ النَّارُ" (المائدہ - ۷۲) اے لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو۔ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہو گا۔ غرضیکہ یہ اولاد تجویز کرنے والے نصاریٰ ہوں یا یہودی، حلوی ہوں یا اوتاری یا اشتر کی سب مشرک ہیں اور اللہ نے نزول کتاب کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ کا کامل ترین بندہ ایک تو عام لوگوں کو آنے والے عذاب سے ڈرا دے اور دوسرے خاص طور پر ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنے کے شرک کا ارتکاب کیا ہے۔

نصاری میں مشرکانہ عقائد کا حال یہ ہے کہ ان کے جہال لوگ تو عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی اولاد مانتے ہیں اور جو اہل علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا نے آپ کو بیٹا بنا کر ہر قسم کے اختیارات دیے ہیں۔ وہ مشکل کشائی اور رحمت روائی کرتے ہیں، جس کو چاہیں عطا کر دیں اور جس سے چاہیں چھینیں، وہ نافع اور ضار ہیں۔ ان کو ہر چیز پر تصرف حاصل ہے اس طرح۔ دونوں گروہ شرک کے مرتکب ہوئے۔ اور سب سے بڑھ کر انہوں نے عقیدہ ایجاد کر لیا کہ مسیح علیہ السلام سولی پر چڑھ کر ساری نسل انسانی کے لیے کفارہ بن گئے ہیں۔ اور نجات اسی کو حاصل ہوگی جو اس عقیدہ پر ایمان لائے گا۔ ایسا شخص دنیا میں کچھ بھی کرے یا پھرے، وہ جنت میں بیچ جائے گا۔ یہ خلاف فطرت اور نامعقول عقیدہ ہے اور اس عقیدے نے بھی دنیا کو تباہ و برباد کیا ہے۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کسی دوسرے کو ملے۔ قرآن پاک میں

کہنے کا
عقیدہ

اس بات کی بار بار وضاحت کی گئی ہے "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ" (سبنی اسسائیل - ۱۵) کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا بلکہ ہر شخص کو اپنے اعمال کی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے لَا تَجْنِي عَلَيْهِ وَلَا يُجْنِي عَلَيْكَ تیرا بوجھ بیٹا نہیں اٹھائے گا اور بیٹے کا بوجھ تجھ پر نہیں ڈالا جائے گا۔ یہ اولاد ماننے والوں کے لیے خاص انداز ہو گیا۔

مسلمانوں کے غلط عقائد

ہم اہل کتاب اور دیگر مشرکین کی بات تو کرتے ہیں مگر انہوں کا مقام یہ ہے کہ وہ مسلمان خود شرک میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو چکے ہیں، جن کو اللہ کی آخری کتاب میں سابقہ اقوام کے شرک سے خبردار کیا گیا اور درانے کا حکم دیا گیا۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ لیا تھا، تو آج کا نام نہاد مسلمان اولیاء اللہ کے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی اس لگائے بیٹھا ہے۔ ان کے نام کی نذریں مانی جاتی ہیں، ان کے مزار پر چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے۔ اور ان کی چادر پوشی کی جاتی ہے، ان کو نافع و ضار سمجھا جاتا ہے گویا ان کے تصرف کی ساری چابیاں اولیاء کو منتقل کر دی ہیں۔ یہی شرک ہے جو بدترین گناہ ہے۔ اللہ نے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ كَظْلَمٍ عَظِيمٍ (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ عیسائیوں اور ہندوؤں نے اللہ کے بندوں کو خدا کا جزو مان لیا۔ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُنُودًا (الزخرف - ۱۵) مشرکین عرب کا ایک گروہ کہتا تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ نے فرمایا وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِسْبًا (الطافت - ۱۵) انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ داری قائم کر لی۔ آج مسلمانوں نے بھی نور محمد ﷺ کو اللہ کا عہدہ وضع کر کے سابقہ مشرکین کے قدم پر قدم رکھ دیا۔ شرک ہی ایک ایسا بدترین گناہ ہے جس کو مٹانے

کے لیے اللہ نے ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء مبعوث فرمائے۔
 فرمایا، جو لوگ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں مَالِکُہُمْ بِہِ
 مِنْ عِلْمٍ وَلَا لَکَ بِہِمْ اَنْ کے پاس اس دعویٰ کے لیے
 کوئی علم نہیں ہے۔ یعنی نہ اُن کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی۔
 نہ صرف انہوں نے بلکہ ان کے آباؤ اجداد نے بھی بلا دلیل یہ عقیدہ قائم
 کر رکھا تھا۔ بھلا خدا تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا وہ نسل
 کا عبود کا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد کام آئے گی یا وہ محتاج ہے کہ اولاد
 اس کی خدمت کرے گی؟ خدا تعالیٰ تو ان چیزوں سے منزہ ہے۔
 وہ خود مدبر اور متصرف ہے۔ گذشتہ سورۃ کی آخری آیت میں بھی گزر چکا
 ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کوئی اولاد نہیں بنائی۔ اور
 اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے
 کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو محض نام ہیں جو تم نے اور
 تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ دِہَا مِنْ
 مُّسْلٰطٰنٍ (آیت۔۔ ۴۰) اللہ نے اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری اور
 تمہارا دعویٰ بالکل باطل ہے۔ فرمایا کَبُرَتْ کَلِمَۃٌ تَخْرُجُ مِنْ
 اَفْوَاهِہُمْ خُذْ اِیْہَا لَکِی اُولٰٓذِکَہُ رَانَ والی ایک بڑی بات ہے جو اُن کے
 مومنوں سے نکلتی ہے اُن کے پاس محض یہی باطل دلیل ہے کہ ہمارے
 آباؤ اجداد ایسا ہی کرتے ہیں حالانکہ اللہ کا فرمان ہے اَوْ لَوْ کَانَ
 اَبَاؤُہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَلَا یُہْتَدُوْنَ (البقرہ۔ ۱۷۰)
 اگرچہ اُن کے آباؤ اجداد عقل و شعور اور ہدایت سے خالی ہوں۔ مگر یہ انہی کا
 کا اتباع کیے جا رہے ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ نے فرمایا ہے، کیا انہوں
 نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنالیا ہے۔ اے پیغمبر! قُلْ
 هَا تُوۡا بُرْہَانَکُمْ (آیت۔ ۲۴) اِن سے کہہ دیجئے کہ لاؤ اگر

بلا دلیل
دعویٰ

تہاے پاس کوئی دلیل ہے۔ مگر وہ دلیل کہاں سے لائیں گے۔ حقیقت یہ ہے اَنْ یَّقُولُوْنَ اَلَا کَذٰبًا اِنْ کَاوِلَادِ تَجْوِزَ کَمَہُ کَا دَعْوٰی نَزَا جھوٹ ہے کسی کو خدا کا بیٹا بنانا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنا سراسر جھوٹ ہے اللہ نے خود علیہ السلام کی زبان سے کہلایا اَلْحَقُّ عِبْدُ اللّٰہِ (مریم - ۳۰) میں تو خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں، بیٹا نہیں اور جن کو یہ خدا کی بیٹیاں سمجھتے ہیں کَلِّ عِبَادَہُ مِمَّنْ کُوْنُ حَسْبُہُ (الانبیاء - ۲۶) وہ تو اللہ کے مکرم بندے ہیں۔ فرشتے خدا کی عبادت گزار مخلوق ہے۔ وہ خدا کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور اسی سے ترقی درجات کی درخواست کرتے ہیں۔ جس طرح شجر، حجر، جن انسان اور جانور اللہ کے محتاج ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اُس کے محتاج ہیں تو فرمایا ابْنِیْتُہٗ کَا کُذَّہٗ عَقِیْدَہٗ سَرَّہُ جھوٹ ہے۔

حضرت علیہ السلام
کیسے تسلی

اگلی آیت میں حُضُوْر عَلِیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو تسلی دی گئی ہے۔ آپ علیہ السلام لوگوں کو شرک میں مبتلا دیکھ کر ہر چند سمجھانے کی کوشش کرتے۔ جب آپ کی تبلیغ کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوتا تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا۔ بعض اوقات آپ اس صدمہ سے نہ ہال ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی فَلَعَلَّکُمْ بَاخِعٌ لِّفْسَکَ عَلٰی اَنَّا رَہْمٰہُمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِہٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا شاید آپ ان کے پیچھے اپنا کلا گھونٹ لیں، اس بات پر افسوس کرتے ہوئے کہ یہ لوگ قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ لَہٰذَا الْحَدِیْثِ سے مراد اللہ کا مقدس کلام قرآن پاک ہے۔

حضرت علیہ الصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ مشرکین کی شرک پر مٹ دھرمی اور پھر انہی جہنم رسیدگی پر بڑا کڑھٹے تھے مگر اللہ نے تسلی دی وَلَا تَسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِیْمِ (البقرہ - ۱۱۹) اہل دوزخ کے متعلق آپ سے کوئی پرس نہیں ہوگی کہ یہ لوگ کیوں جہنم کا ایندھن بنے۔ بلکہ خود ان

دریافت کیا جائے گا مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ (المدثر - ۴۲)
 کہ تم جہنم میں کس وجہ سے آئے؟ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
 فرمایا بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (الصائدہ - ۶۷)
 آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ جہاں تک راہِ راست پر لانے کا
 تعلق ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ
 اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ (القصص - ۵۶) آپ اپنی
 پسند کے مطابق کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دے۔
 کسی کو منزل مقصود تک پہنچانا آپ کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے
 یہ تسلی کا مضمون ہو گیا۔

فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً لِّهَا بَشِكْ هَمْ
 نے زمین پر کی ہر چیز کو اس کے لیے رونق بنایا ہے۔ زمین پر موجود پھل،
 پھول، نباتات، حیوانات، جمادات، معدنیات، ذر و جوہر سب کچھ
 اس کی زینت اور رونق ہے۔ اور یہ چیزیں پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے
 لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ ہم تم کو آزمائیں کہ
 اس رونق میں پھنس کر کون اچھے عمل کرتا ہے اور کون الیا ہے۔ جو
 آخرت سے روگردانی کرتا ہے۔ توحید خداوندی سے منہ موڑتا ہے۔
 اور برے عقائد کون اختیار کرتا ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد
 مبارک ہے کہ تم میں سے زیادہ عقل مند وہ آدمی ہے جو اللہ کی حرام کردہ
 چیزوں سے بچتا ہے اور اُس کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے حضور
 علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ دنیا میٹھی بھی ہے اور سرسبز بھی۔ اللہ نے
 نباتات، کھیت اور چراگاہیں پیدا کر کے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔
 فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ پھر وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے کام انجام
 دیتے ہو۔ نیکی کی طرف راغب ہوتے ہو یا ہود و لعب میں اچھو کر رہ جاتے

پہ رونق
، آزمائش

ہو۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَالتَّقُوا النَّسَاءَ خَيْرًا
 دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچتے رہو۔ فرمایا بنی اسرائیل میں گمراہی کا فتنہ
 عورتوں کی وجہ سے ہی پیدا ہوا۔ اِن فتنوں میں مبتلا ہو کر اپنے اعلیٰ مقصد
 کو نہ بھول جانا، خدا کی توحید اور آخرت سے بیگانہ نہ ہو جانا، اللہ تمہیں
 آزماتا چاہتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھو وَ اِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا
 حَرًّا اور بیشک ہم بنانے والے ہیں۔ جو کچھ اس زمین پر ہے چیل میدان
 جب قیامت برپا ہوگی تو زمین میں کوئی اونچ، نیچ، ٹیلہ، پہاڑ، درخت،
 دریا، سمندر وغیرہ نہیں ہوگا بلکہ ہر چیز فنا ہو جائے گی، اور زمین چیل میدان
 رہ جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ زمین اور اس کی تمام رونقیں عارضی ہیں اور
 ایک دن فنا ہونے والی ہیں، لہذا ان میں بھنس کر اللہ کی یاد کو نہ بھلا بیٹھنا
 ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ یہ تو سب کچھ تمہاری آزمائش کے لیے ہے۔

سجلن الذی ۱۵

الکھف ۱۸

درس سوم ۳

آیت ۹ تا ۱۲

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا
 مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ⑨ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ
 فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا
 مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرْبَنَا عَلَى أَذَانِهِمْ فِي
 الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ
 أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ⑫

ترجمہ: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ بیشک اصحاب کھف
 اور رقیم تھے ہماری آیتوں میں سے عجیب ⑨ جب
 کہ پناہ پکڑی چند نوجوانوں نے غار کی طرف، پس انہوں
 نے کہا، اے ہمارے پروردگار! دے دے ہمیں اپنی
 طرف سے مہربانی، اور مہیا کر دے ہمارے لیے ہمارے
 معاملہ میں درستگی کی بات ⑩ پھر ہم نے تھپکی دے
 دی اُن کے کانوں پر غار کے اندر کئی سال گئے
 ہوئے ⑪ پھر اٹھایا ہم نے اُن کو تاکہ ہم معلوم
 کریں کہ دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ یاد رکھنے
 والا ہے اس مدت کو جتنا وہ ٹھہرے ⑫

رابط آیات سورۃ کی ابتداء میں اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت کو بیان کیا اور پھر
 اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے کا حکم دیا۔ ایک عام تخیل ہے کہ سارے کے

سارے لوگ اللہ کے آتے والے عذاب سے ڈرجائیں اور دوسری
تخولیف ان لوگوں کے لیے خاص ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے اولاد بخوینہ
کرتے ہیں اور عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ
نے اپنے آخری پیغمبر کو تسلی دی کہ جو لوگ گمراہی کو ترک کر کے ایمان لانے
کے لیے تیار نہیں، آپ ان کے لیے زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ بلکہ فریضہ تبلیغ
ادا کرتے رہیں۔ باقی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد اللہ
نے یہ بھی فرمایا کہ اُس نے زمین بھر کی چیزوں کو باعث رونق اور زینت
بنایا ہے تاکہ انسانوں کو آزمایا جاسکے کہ کون ان میں سے اچھی فکر اور
اچھے اعمال اختیار کرتا ہے۔ فرمایا ایک دن آئینہ آلا ہے۔ جب زمین پر
موجود درخت، پہاڑ، ندی، نالے، پھول، پھل کچھ بھی نہیں ہے گا۔ اور
زمین محض ایک چٹیل میدان بن کر رہ جائے گی۔

بعض علمی
مسائل

یہاں پر صَعِيدًا حَزْرًا کے الفاظ آتے ہیں جس کا معنی ہم نے
چٹیل میدان کیا ہے۔ صَعِيد دراصل مٹی کہہ رہے ہیں جیسا کہ تیمم کے مسئلہ میں سورۃ
المائدہ میں موجود ہے "فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا" پس تیمم کرو
پاک مٹی سے یعنی جب پانی نایاب ہو یا کوئی شخص پانی کے استعمال پر قادر
نہ ہو تو وہ مسنون طریقہ کے مطابق پاک مٹی سے طہارت حاصل کر کے نماز
ادا کر سکتا ہے۔ مفسر قرآن امام ابو بکر حباص نے اس سے بعض علمی
مسائل اخذ کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مٹی تو فطرۃ پاک چیز ہے اور جب روئے
زمین کی ہر چیز فنا ہو کہ مٹی کا حصہ بن جائے گی تو وہ ہر چیز بھی پاکیزگی کے
حکم میں داخل ہو جائے گی۔ اسی لیے زمین کی جنس سے متعلقہ تمام
اشیاء مثلاً گدو غبار، پتھر، اینٹ، روڑا، چونا، پتھر، آل، ریت وغیرہ
پر ہاتھ مار کر تیمم کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا۔
کہ کسی چیز کی جنس کی تبدیلی کے ساتھ اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے مثلاً

نجاست ایک ناپاک چیز ہے۔ اور اگر یہی نجاست جل کر رکھ بن جائے تو جنس کی اس تبدیلی کے ساتھ ہی اس کا حکم بھی بدل جائے گا۔ اب اگر نجاست کی رکھ کپڑے کو لگ جائے یا پانی میں مل جائے تو کپڑے یا پانی پر پلیدی کا حکم نہیں لگے گا۔ اسی طرح حرام جانور کی چربی بھی حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت اور استعمال حرام ہے، لیکن اگر اسوائے خنزیر یا سی چربی سے صابن بنا لیا جائے تو جنس کی تبدیلی سے صابن پلید نہیں ہوگا بلکہ قابل استعمال ہوگا بشراب بھی قطعاً حرام ہے، اس کی کشیدگی، خرید و فروخت اور پینا پلانا سب حرام ہے اور اگر اسی شراب کو سرکہ میں تبدیل کر لیا جائے۔ تو حرمت کا حکم ساقط ہو جائے گا اور سرکہ استعمال کیا جاسکے گا۔

عجیب و غریب
واقعہ

جیسا کہ پہلے درس میں بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے آیا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تین سوال کیے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ان سوالوں کے جواب نہیں دے سکیں گے تو دین اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کا بہانہ مل جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے تینوں سوالوں کے جوابات دے کر یہود اور مشرکین کے منہ بند کر دیے۔ پہلا سوال روح کے متعلق تھا جس کا جواب گزشتہ سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ دوسرا سوال اصحاب کہف اور نسیر ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ ان دونوں سوالوں کے جوابات اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ دے دیے گئے ہیں۔ اب بعض تمسیدی باتوں کے بعد آج کی آیات میں اصحاب کہف کا واقعہ پہلے اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے جس کی تفصیل اگلے دور کو ع میں آرہی ہے۔ تو اس عجیب و غریب واقعہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے أَمْ حَسِبْتُمْ كُنَّا خِيَالًا كُنْتُمْ فِي أَنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ وَالرَّقِيِّمِ کہ بیشک اصحاب کہف والرقیم کا نوا مِنْ آيَاتِنَا عجیباً ہماری آیاتوں میں سے بڑے عجیب تھے۔

واقعہ اصحاب کہف شروع کرنے سے پہلے اللہ نے اشارۃً بتا دیا ہے کہ یہ واقعہ تمہیں بڑا عجیب و غریب معلوم ہوگا، حالانکہ اچھے کا یہ کوئی واحد واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی لاکھوں واقعات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ گذشتہ سورۃ میں واقعہ معراج بھی گزر چکا ہے جسے کوئی انسان عقل کی کسوٹی پر نہیں جانچ سکتا۔ اسی طرح اصحاب کہف کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو عام معمولات سے ہٹ کر ہے اور پھر اسی نوعیت کا حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ بھی آرہا ہے اس قسم کے تمام واقعات اللہ تعالیٰ اس لیے ظاہر فرماتے ہیں کہ لوگ ان پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل کو سمجھ سکیں اور اس پر ایمان لاسکیں۔

کہف اور رقیم دو مختلف الفاظ ہیں۔ کہف غار (CAVE کیو) (اصحاب کہف والرقیم) کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ چند نوجوان کسی پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اس لیے انہیں اصحاب کہف کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ لفظ رقیم کے معانی کے تعین میں مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب ”صحیح بخاری“ میں اس آیت کے ضمن میں ان تین آدمیوں کا حال بیان کیا ہے جن کو دورانِ مضر بارش کی وجہ سے ایک غار میں پناہ لینا پڑی۔ اسی دورانِ پہاڑ کے اوپر سے ایک بڑا پتھر سرک کر غار کے منہ پر آگیا جس سے غار کا منہ کلیتاً بند ہو گیا اور اندر پناہ حاصل کرنے والوں کے لیے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ پریشانی کے اس عالم میں ان تین آدمیوں نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی زندگی میں کیے گئے کسی نیک عمل کا واسطہ دیکر اللہ تعالیٰ سے رہائی کی دعا کرے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پہلے آدمی کی دعا پر اللہ نے وہ پتھر غار کے منہ سے تھوڑا سا سرکادیا۔ پھر دوسرے نے دعا کی تو پتھر کچھ مزید ہٹ گیا۔ حتیٰ کہ تیسرے

آدمی کی دعا کے ساتھ ہی اللہ نے ان محصورین کا راستہ کھول دیا اور وہ غار سے باہر آ گئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ رقیم سے یہ اشخاص مراد ہیں۔ گویا آپ کے نزدیک اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دو مختلف گروہ ہیں اصحاب کہف وہ چھ آدمی تھے جو اپنے ایمان کو بچانے کے لیے غار میں چھپ گئے تھے اور جنہیں اللہ نے تین سو سال تک سلائے رکھا اور اصحاب رقیم یہ تین آدمی تھے جو غار میں پھنس کر رہ گئے تھے مگر اللہ نے انہیں رہائی دیدی۔

تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف رالمقیم ایک ہی گروہ ہے ان کو اصحاب کہف غار میں پناہ گزین ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں اور رقیم ان کی بستی کا نام تھا اس لیے اصحاب رقیم بھی کہلاتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ رقیم اُس پہاڑ کا نام ہے جس کی غار میں یہ لوگ اقامت گزرتے رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رقیم اُس گتے کا نام تھا جو ان لوگوں کی پناہ گزینی کے دوران غار کے منہ پر بیٹھا رہا۔

بعض فرماتے ہیں کہ رقیم بہ وزن فاعل ہے مگر مفعول کے معنی دیتا ہے۔ اس طرح رقیم دراصل مرقوم ہے، گویا اصحاب کہف کے نام کہتے پر مرقوم یعنی لکھے ہوئے تھے، اس لیے انہیں اصحاب رقیم بھی کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف بڑی حیثیت کے لوگ تھے۔ ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا یا حکومت وقت کے اعلیٰ افسدہ یاروں کی اولاد تھے۔ حیب یہ لوگ اچانک لاپتہ ہو گئے تو ان کی تلاش کی ہر ممکن کوشش کی گئی، مگر تمام سرکاری اور نجی ذرائع کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ ان افراد کی نمایاں حیثیت اور واقعہ کی عجیب و غریب نوعیت پیش نظر حکومتی سطح پر ان لوگوں کے نام اور دیگر کوائف کسی کتبے پر لکھ کر سرکاری محافظ خانے میں محفوظ کر دیے گئے۔ اس طرح یہ لوگ اپنے نام مرقوم ہونے

آرام کیا کرو گے تو میں تمہاری پہرہ پاری کیا کروں گا۔ چنانچہ سات دن تھے اور اٹھواں یہ کتا بھی اُن کے ہمراہ ہو لیا۔ اس کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے۔

ان نوجوانوں کی طرح بعض دیگر بڑے بڑے بھی دین حق پر قائم تھے مگر بادشاہ وقت کے ظلم و ستم کو برداشت نہ کر سکتے تھے نہ اُس کے خلاف آواز بلند کر سکتے تھے اور نہ ہی وہاں سے ہجرت کرنے کی طاقت پاتے تھے۔

پہچیدگی اور ظلم و جور کی گندگی سے نکل جانے کا انقلابی قدم ان چند نوجوانوں ہی کے حصے میں آیا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ انقلاب ہمیشہ نوجوانوں کے ذریعے ہی آتا ہے۔ پوری زندگی میں جوانی کا زمانہ ہی ایک قیمتی سرمایہ ہوتا ہے اور دنیا میں بڑے بڑے انقلاب نوجوانوں کے ہاتھوں ہی برپا ہوئے ہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولین جان نثاراں بھی زیادہ تر نوجوان لوگ ہی تھے۔ پورے لوگ خال خال ہی تھے جو اسلام کے ابتدائی دور میں آپ پر ایمان لائے۔ تو یہی نوجوان قرآن پاک کے پروگرام کو لے کر آگے بڑھے، اور دین کا پیغام دنیا بھر میں پھیلا دیا۔

قرآن میں بہت سی جگہوں پر جوانی اور شباب کا ذکر ہے۔ اگر نوجوانوں کی صحیح تربیت کی جائے اور انہیں صحیح لائن پر لگا دیا جائے تو یہ لوگ ملک ملت کا بہترین سرمایہ ثابت ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ دور میں نوجوانوں کے معاملہ میں بالکل بے اعتنائی برتی جا رہی ہے انہیں صحیح تربیت دینے کی بجائے کھیل تماشے، سریانی، فحاشی اور فلم بینی پر لگایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ان کی انقلابی صلاحیت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔

واقعہ اصحاب کہف کی تفصیلات بیان کرنے کے باوجود قرآن پاک نے اس واقعہ کے زمانہ کا تعین نہیں کیا ظاہر ہے کہ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب تو نہیں ہے جو ہر واقعہ کی جزئیات بھی بیان کرے۔ پورے قرآن حکیم میں یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے علاوہ کسی بھی نبی کا واقعہ یا کوئی

کہف
صحابہ
کا زمانہ

دیگر تاریخی واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ صرف وہ واقعات بیان کیے گئے ہیں جو بنی نوع انسان کے لیے عبرت اور بصیرت کا سامان پیدا کر سکیں۔ بایں ہمہ بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ یہود کو اس واقعہ کے ساتھ خاص لگاؤ ہے، اس لیے یہ واقعہ مسیح علیہ السلام کے دور سے پہلے پیش آیا ہے۔ اس واقعہ کے زمانہ کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ انتوکس بادشاہ کا زمانہ تھا جو مسیح علیہ السلام سے ۱۶۱ برس پہلے گزر رہا ہے۔ یہ بڑا ظالم بادشاہ تھا، اس نے بیت المقدس کو گرا کر بیاں مندر تعمیر کروایا۔ جہاں پر بت پرستی ہوتی تھی۔ یہ شخص خود بھی کفر و شرک میں ڈوبا ہوا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ اصحابِ کہف کا واقعہ روم کے بادشاہ قیصر (DECIOS ڈیسس) کے دور میں پیش آیا جو مسیح علیہ السلام سے ۲۵۱ برس بعد گزر رہا ہے۔ یہ بھی بڑا ظالم بادشاہ مشہور تھا، خاص طور پر مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں پر بڑے ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ عربی زبان میں اس بادشاہ کا نام دقیانوس بتایا جاتا ہے۔ اسی زمانے میں یہ چند نوجوان کہیں سفر پر گئے تو کسی مقام پر انہوں نے کسی نیک آدمی کا وعظ سنا تو اس سے متاثر ہو کر دین حق کو قبول کر لیا۔ پہلے تو اپنے دین کو چھپاتے رہے مگر جب بادشاہ کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو یہ مجبور ہو گئے۔ وہ بادشاہ لوگوں کو غیر الہ کے کہنے سجدہ کرنے پر مجبور کرتا تھا اور غیر الہ کے نام کی قربانیاں بھی کرواتا تھا۔ چونکہ یہ چند نوجوان ایسا کرنے کے لیے تیار نہ تھے لہذا انہوں نے بستی سے بھاگ جانے کا پر و گمراہ بنایا اور اس طرح اس غار میں آکر چھپ گئے۔ ان کو غار میں سوئے سوئے ۳۰۹ سال گزر گئے اور اس طرح مسیح علیہ السلام کے بعد ۵۶۰ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء میں ہوئی اور اس طرح اصحابِ کہف آپ کی ولادت سے بیس سال پہلے نیند سے بیدار ہوئے۔ مختلف زمانوں کا

تعیین مؤرخین کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے مگر یقینی طور پر کسی زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس ضمن میں وحی الہی خاموش ہے۔ اس ضمن میں امام جلال الدین سیوطی اپنی اصول تفسیر کی کتاب میں فرماتے ہیں اَبْهَمُوا مَا اَبْهَمَ اللّٰهُ جس بات کو اللہ نے پردے میں رکھا ہے اسے پردے میں ہی رہنے دو، اس کی تفصیل میں مت پڑو۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ جتنا اللہ نے اس واقعہ سے پردہ اٹھایا ہے۔

اصحاب کہف
کا مقام

اس واقعہ کے مقام کے متعلق بھی مؤرخین اور مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ شام کے علاقے میں پیش آیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے پیٹر (بطرا) کا نام لکھا ہے کہ اس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا۔ سید سلیمان ندوی نے بھی ایسا ہی اشارہ کیا ہے۔ یہ غلیج عقبہ کے پاس کوئی جگہ تھی۔ بعض مفسرین اسے اندلس کا واقعہ بیان کرتے ہیں کیونکہ وہاں کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ایشیائے کوچک میں افسوس کے مقام پر یہ واقعہ پیش آیا تاہم زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ شام یا اس کے اطراف میں کوئی مقام ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔ البتہ دمشق سے بیس پچیس میل کی مسافت پر ایک غار ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہی اصحاب کہف کا مقام ہے لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث بھی جب حج کر کے واپس آئے تھے تو دمشق پہنچ کر آپ نے بھی اس غار کی زیارت کی تھی۔ وہاں پر کچھ قبریں ہیں۔ کہتے بھی لگے ہوئے ہیں۔ مسجد بھی ہے، کہتے ہیں کہ یہ اصحاب کہف کی غار ہے۔ واللہ اعلم

اصحاب کہف
کی دعا

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جب پناہ پکڑی چند نوجوانوں نے ہمارے غار میں فقالوا تو انہوں نے یہ دعا کی رَبَّنَا اِنَّا مِمَّنْ كَذَبْنَا رَحْمَةً اے ہمارے پروردگار! دے دے ہمیں اپنی طرف سے مہربانی

وَهَيَّيْ لَنَا صِرَاطًا مَسْتَقِيمًا اور مہیا کر دے ہمارے لیے ہمارے معاملہ میں درستگی کی بات۔ دراصل یہ تعلق باللہ کی درستگی کی بات ہے مفسرین کہہ لیں فرماتے ہیں کہ مدارِ فوز و فلاح تعلق باللہ کی استواری پر ہی ہے۔ ان لوگوں کا تعلق اللہ کے ساتھ صحیح تھا، جیسی تو یہ محض دین حق کی حفاظت کے لیے گھبر بار چھوڑ کر غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے تو انہوں نے انتہائی بے کسی کی حالت میں اپنے مالک الملک کے حضور دعا کی۔ ان کی بے بسی اور مجبوری کا حال اگلے رکوع میں بیان کیا جا رہا ہے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کی دعا اس طرح قبول کی۔
 قَضَىٰ بِنَا عَلٰی اِذَا فِیْہُمْ فِی الْکَھْفِ سِنِیْنٌ عَدَدًا
 ہم نے ان کے کانوں پر تھپی دیدی غار کے اندر سال ہا سال گئے ہوئے جس طرح ماں بچے کو سلانے کے لیے تھپی دیتی ہے، اسی طرح اللہ نے ان اصحابِ کہف کو میٹھی نیند سلا دیا اور اس نیند کو اتنا طویل کر دیا کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ بعض لوگ کہی کہی دن تک بیہوش ہتے ہیں۔ یہ بیہوشی ماہ دو ماہ یا سال دو سال تک بھی ہو سکتی ہے مگر تین سو نو سال تک سلائے رکھتا اپنی نوعیت کا واحد واقعہ ہے۔

فرمایا ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ بِمِہْمِہِمْ اُن کو اٹھایا یعنی نیند سے بیدار کیا لِنَعْلَمَ اَمَّی الْحِزْبِیْنِ اَحْصٰی لِمَا کَسَبُوْا اَمَدًا تاکہ ہم آشکارا کر دیں کہ دونوں گروہوں میں سے مدتِ قیام کو زیادہ یاد رکھنے والا کون سا گروہ ہے۔ اصحابِ کہف کے قیام کی مدت میں بہت زیادہ اختلاف تھا حتیٰ کہ خود ان کے اندر بھی دو گروہ بن گئے۔ کسی نے کہا کہ ایک دن یا اس کا کم و بیش حصہ بٹھڑے ہیں اور کسی نے کچھ اور مدت بتائی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ سلاتے کے بعد ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ قیام کی مدت کے متعلق زیادہ صحیح گروہ کو واضح کہیں۔

سجین الذی ۱۵

الکہف ۱۸

درس چہارم ۴

آیت ۱۳ تا ۱۵

فَحَنُ نَفْسُ عَلَیْكَ نَبَاهُمْ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّهُمْ فِتْیَةٌ
 آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَهُمْ هُدًی ۝ (۱۳) وَرَبَطْنَا عَلَى
 قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا
 إِذَا شَطَطًا ۝ (۱۴) هَؤُلَاءِ سِقَمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ
 إِلَهَةً لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَیِّنٍ ۖ فَمَنْ
 أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ (۱۵)

ترجمہ:- ہم بیان کرتے ہیں آپ کے اُوپر حال ان اصحاب
 کہف کا حق کے ساتھ۔ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو ایمان
 لائے اپنے رب پر اور ہم نے زیادہ دی ان کو ہدایت (۱۳)
 اور مضبوط کر دیا ہم نے اُن کے دلوں کو۔ جب وہ
 کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہی ہے
 جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ ہرگز نہیں ہم پکاریں
 گے اس کے سوا کسی اور کو اللہ۔ البتہ تحقیق ہم کہیں گے
 اُس وقت بات زیادتی والی (۱۴) یہ ہماری قوم ہے جنہوں
 نے بنا لیا ہے اس (اللہ) کے سوا دوسروں کو معبود۔ کیوں
 نہیں لاتے وہ اس پر کوئی کھلی دلیل پس کون زیادہ ظالم ہے
 اُس سے جو افتراء باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ (۱۵)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کھف کا اجمالی ذکر کیا کہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں یہ کوئی واحد حیرت انگیز نشانی نہیں بلکہ کائنات میں اس قسم کی بے شمار نشانیاں بکھری پڑی ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ تامہ پر یقین آتا ہے۔ فرمایا یہ چند نوجوان تھے جنہوں سے غار میں پناہ چھڑی اور اپنے رب کے دُعا کی کہ اے پروردگار! ہمیں اپنی جانب سے مہربانی عطا فرما اور ہمارے مولے میں درستگی پیدا فرما۔ اللہ کے اُن کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اُن کے کانوں پر پھپھی دے کر سال ہا سال تک سلائے رکھا۔ پھر مدحِ مدید کے بعد انہیں نیند سے بیدار کیا تا کہ واضح ہو جائے کہ اُن کے غار میں بھڑنے کی مدت کے بارے میں کون سا گزرا، زیاد، یا درکھتا ہے۔

چند ایاتِ نوجوان

اب آج کے درس سے اصحاب کھف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ نَقَصْنَا عَنْكَ بُرْهَانًا بالحق ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ان کا حال تحقیق کے ساتھ یعنی ہم صحیح صحیح واقعات کو بیان کرتے ہیں اور اس میں صرف وہی حصہ بیان ہو گا جو لوگوں کے لیے باعثِ عبرت اور مفید ہو۔ عام قصے کہانیوں کی طرح تمام جزئیات کو بیان کرنا قرآنِ کریم کا موضوع نہیں ہے۔ فرمایا اِنَّهُمْ فِيْ شَكٍّ مِنْهُ وہ چند نوجوان تھے۔ جو اپنے ظالم، مشرک اور بت پرست حاکم سے تنگ آچکے تھے۔ اُس زمانے میں قبضہ روم ڈیسٹ کا تسلط شام تک تھا۔ یہ شخص لوگوں سے زبردستی بت پرستی کراتا اور غیر اللہ کے نام کی قربانیاں کراتا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنا، اس پر تشدد کرنا۔ عام مشہور یہی ہے کہ چند نوجوان بھی اسی ظالم بادشاہ کی سلطنت میں ملک شام میں رہتے تھے اور جس پہاڑ کی غار میں انہوں نے پناہ لی تھی۔ اُس کا نام قاسون تھا اور وہ بھی اسی علاقہ میں تھا۔ اگرچہ

بعض یہ واقعہ ایشیائے کوچک، بعض اندلس اور بعض عقبہ کا بتاتے ہیں، تاہم زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ شام کا علاقہ تھا۔ یہ غار آج بھی موجود ہے جس کی زیارت کے لیے لوگ جاتے ہیں۔

بہر حال یہ چند نوجوان تھے اَمَنُو اَبَنُ تَہَسُو جو اپنے پورے دگار پر ایمان لائے تھے، انہوں نے کفر، شرک اور غیر اللہ کی نذر و نیاز دینے سے بیزاری کا اظہار کر دیا تھا اور اس طرح صحیح دین کو اختیار کر لیا تھا۔ یہ سب اچھی حیثیت کے لوگ تھے۔ بعض خود سرکاری ملازم تھے اور بعض اعلیٰ عہدیداروں کی اولاد میں سے تھے۔ یہ لوگ کسی سفر پر گئے۔ تو وہاں انہیں کوئی نیک آدمی مل گیا جس نے ان کو علیہ السلام کے صحیح دین سے روشناس کرایا اور اس طرح یہ لوگ کفر اور شرک کا راستہ چھوڑ کر ایمان کے راستے پر گامزن ہو چکے تھے۔ اُس وقت سریانی زبان رائج تھی جس کا رسم الخط عربی تھا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہندی اور سنسکرت دو مختلف زبانیں ہیں۔ مگر ان کا رسم الخط ملتا جلتا ہے۔ اصل انجیل بھی سریانی زبان میں تھی۔ جواب معدوم ہو چکی ہے اور اب انجیل کے محض تراجم ہی ملتے ہیں جو دنیا کی مختلف زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ بہر حال امام جلال الدین سیوطی اور دیگر مفسرین کہہ ام نے اسی سریانی زبان میں ان نوجوانوں کے نام بھی نقل کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) میلخا۔ (۲) مکسل مینا (۳) مثلینا (۴) مرٹوش (۵) برٹوش۔

(۶) شاذلوش (۷) مرطوش۔ ان کے کتے کا نام قطیر یا قسطو تھا۔ البتہ قدیم ترین مفسر قرآن امام ابن جریر طبری نے حسب ذیل آٹھ نام لکھے ہیں

(۱) مکسل مینا (۲) محمیلینا (۳) میلخا (۴) مرطوس (۵) کثوطوش (۶) برٹوش

(۷) دینموس (۸) یطونس مالوس۔ عام مشہور یہی ہے کہ یہ چھ نوجوان تھے جو اپنی بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ ساتواں ایک چرواہا تھا۔ جو ان کے

ساتھ شامل ہو گیا۔ اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی میں جوانی کا دور ہی ایسا زمانہ ہے۔ جس میں انسان کچھ کر سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے انسانی زندگی کے تین دور بیان فرمائے ہیں۔ یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن کا زمانہ ناچختی کا زمانہ ہوتا ہے اور انسان نا سمجھی کی وجہ سے کوئی اہم کام انجام نہیں دے سکتا۔ بڑھاپا ضعف اور کمزوری کا دور ہوتا ہے اس لیے اس دور میں انسان کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ جوانی کا دور ہی قوت کا دور ہوتا ہے جس میں انسان انقلابی اقدام کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی فکر صحیح ہو۔ حضور علیہ السلام پر پہلے ایمان لانے والے بھی نوجوان ہی تھے جنہوں نے پوری دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کر دیا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جو بوطرے آدمی ایمان لانے ان کی تعداد اٹھارہ اوریس کے درمیان ملتی ہے۔ حدیث شریف میں جن سات آدمیوں کو قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہو گا۔ ان میں شبابِ خُشَّاف عِبَادَةُ اللہ بھی ہے یعنی وہ نوجوان جس کا وقت زیادہ تر عبادتِ الہی میں گزرا ہے۔ فارسی والے بھی کہتے ہیں۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

دقت پیری گمراہی ظالم می شود پیر ہنگام

رجوع الی اللہ کا اصل وقت جوانی کا زمانہ ہے اور یہ اللہ کے نبیوں کا شیوہ ہے وگرنہ بوڑھا ہو کر تو ظالم بھڑپا بھی اللہ اللہ کرنے لگتا ہے حافظ نے جوانی کے عالم کو اس طرح محسوس کیا ہے۔

رندی و خرافاتی در عہد شباب اولی

یعنی رندی اور خرافاتی بھی جوانی کی عمر میں ہی ممکن ہے، بڑھاپے اور بچپن میں تو کچھ نہیں ہو پاتا۔

جگر مراد آبادی بھی کہتا ہے۔

خصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
کہنے کی بات ہے کہ جتنے جا رہا ہوں میں
جوانی کا دور ختم ہوا تو سمجھو کہ زندگی ختم ہو گئی کیونکہ بڑھاپے میں ضعف اور
امراض کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟
حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے مرید اور بڑے پائے کے
عالم اور شاعر عراقی کہتے ہیں۔

افسوس کہ ایام جوانی بگڑے شبت

سرایہ عیش جاودانی بگڑے شبت

خفتم بکنار جوئے چن داں!

کہ جوئے من آب زندگانی بگڑے شبت

افسوس کہ جوانی کا عالم گتہ رگیا، حقیقت یہ ہے کہ عیش و عشرت کا
زمانہ چلا گیا۔ میں ندی کے کنارے ایسا غافل ہو کر سویا کہ زندگی کا پانی ہی
ختم ہو گیا۔ یعنی زندگی ختم ہو گئی اور میں غفلت میں پڑا رہا۔

بہر حال ان چند اہل ایمان جو انہوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ جب
انہوں نے کفر اور شرک ترک کر کے ایمان کا راستہ اختیار کر لیا۔ وَزِدْنَهُمْ
هُدًى تو ہم نے ان کے لیے ہدایت کا سامان زیادہ کر دیا۔ ظاہر ہے
کہ جو شخص کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آتا
ہے اور پھر اس راستے پر آنے والے تمام مصائب و آلام کو برداشت
کرتے ہوئے صحیح راستے پر گامزن رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایمان
میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ سورۃ محمد میں موجود ہے ”وَالَّذِينَ
اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَاتَّبَعَتْهُمْ تَقْوَاهُمْ“
جو لوگ ہدایت کا راستہ پکڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتے

ہدایت
میں اضافہ

ہر انہیں تقویٰ کا راستہ عطا کرتے ہیں۔

ان نوجوانوں نے بھی اپنا تعلق اللہ کے ساتھ مضبوط کر لیا تھا، پھر انوں نے بادشاہ وقت کی کوئی پروا نہ کی۔ بت پرستی کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ ہم مخلوق کی خاطر اپنے خالق کو ناراض نہیں کریں گے۔ ان کے دل خشیتِ الہی اور تقویٰ سے معمور تھے، اللہ نے انہیں بے استقلال عطا فرمایا اور وہ حق کی بات پر ڈٹے رہے۔ اسی بات کے تعلق اللہ نے فرمایا وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ جس شخص کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق سورۃ القصص میں موجود ہے لَوْ لَا نَرَبُّنَا عَلٰی قُلُوبِہَا اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ اس معاملہ کو ظاہر کر دیتیں۔ مگر جس کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مضبوط کر دیتے ہیں۔ آپ پر کڑی آزمائش آئی۔ بچے کو صندوق میں بند کر کے پانی بہا دیا۔ مگر ثابت قدم رہیں اور راز کو ظاہر نہ کیا۔

بہر حال یہ نوجوان دین حق پر قائم رہے، ان کے پائے استقلال میں زلزلہ نہ آئی۔ جب ان کے ایمان کا پھر چا ہونے لگا تو انہیں پھر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ان کے لیے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ اللہ نے فرمایا اِذْ قَامُوْا جب وہ کھڑے ہوئے یعنی بادشاہ کے بار میں جواب دہی کے لیے پیش ہوئے فَقَالُوْا تَوَّابُوْنَ اے ربِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہمارا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم کسی دوسری ذات کو رب ہم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کہنے لگے لَنْ نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ

نوجوانوں
کی حق گوئی

متعجب ہوا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو میری سلطنت میں میرے سوا کسی دورے کو معبود مانتے ہیں۔ تاہم اس نے ان نوجوانوں کے متعلق اپنا فیصلہ التوا میں ڈال دیا۔

اس التوا کے متعلق مفسرین نے مختلف باتیں بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک دن کی حملت دی، بعض تین دن اور بعض چند دن کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بادشاہ کہیں پھر دورے پر جا رہا تھا تو اس نے اپنی واپسی تک اپنا فیصلہ مؤخر کر دیا تاکہ دیکھے کہ اس دوران میں یہ نوجوان اپنے عقیدے سے باز آتے ہیں یا نہیں۔ بہر حال نوجوانوں کو بادشاہ کی غیر حاضری میں صلاح مشورہ کرنے کا موقع مل گیا، چنانچہ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اب ہمارا یہاں رہنا مناسب نہیں اگر اپنے عقیدہ کو حیر پر قائم رہتے ہیں تو بادشاہ قتل کر دے گا۔ اور اگر ہم بادشاہ کی بات مان کر اپنے عقیدہ کو چھوڑ دیں تو پھر دائمی خسارے میں پڑ جائیں گے اور ہمیں کبھی بھی فلاح نصیب نہیں ہو سکے گی۔ لہذا بہتر ہے کہ ہم یہاں سے کہیں جا کر روپوش ہو جائیں تاکہ اپنا عقیدہ بھی بچا سکیں اور بادشاہ کے قہر سے بھی بچ جائیں۔ بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب ان نوجوانوں نے بادشاہ کے بھرے دربار میں اپنے عقیدے کا اظہار کیا تو بادشاہ نے فوری طور پر ان کا سرکاری لباس اتاروا دیا، گریبان کو سرکاری حیثیت سے معطل کر دیا اور حتمی فیصلہ کے لیے چند دن کی ہجرت دیدی۔

بہر حال موقع غنیمت جان کر یہ نوجوان وہاں سے بھاگ نکلے راتے ہیں ان کی ملاقات ایک چرواہے سے ہو گئی۔ اس نے ان کی پریشانی کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے۔ پہلے تو انہوں نے کچھ بتانے سے لیت و لعل کیا، لیکن بالآخر انہوں نے دل کی بات کہہ دی کہ وہ اس طرح بھاگ کر آئے ہیں۔ چرواہے نے کہا کہ میں بھی تمہارے عقیدے

بادشاہ کے
ساتھ
پیشی

روپوشی کا
منصوبہ

دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ ہے تو لائیں۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ تامہ کی ہزاروں دلیلیں موجود ہیں جو انسانی عقل کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہیں۔ سابقہ اقوام اور آسمانی کتابوں سے منقول دلیلیں بھی ہیں اور روزمرہ مشاہدے میں آنے والی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ فرمایا یہ لوگ کیوں نہیں کھلی دلیل لاتے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

پس اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا تعالیٰ پر افتراء باندھتا، کفر، شرک کرنا خدا پر افتراء باندھتا ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ اگر ارض و سما میں کوئی دوسرا الہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کے علم میں ہوتا، مگر ایسا تو نہیں

”أَمْ تَتَذَكَّرُونَ ۚ إِنَّمَا يَحْكُمُ (الرعدہ ۳۲) کیا تم اللہ کو وہ بات بنانا چاہتے ہو۔ جو اس کے علم میں نہیں۔ جو چیز خدا کے علم میں نہیں۔ اُس کا وجود کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، یہ سب افتراء علی اللہ ہے۔ اس کے علاوہ غیر اللہ میں الوہیت ثابت کرنا، یا خدا تعالیٰ کی صفتِ خاصہ کسی دوسری ذات میں ماننا، قیامت کا انکار کرنا، نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا سب اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ اسلام نے ایسی تمام چیزوں کا علاج سبحان اللہ کے لفظ سے تجویز کیا ہے۔ فرمایا

”سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ“ (الحشر ۲۳) خدا کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ جن کو وہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ہر وقت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد رکھو، اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرو۔ اُس کی تسبیح اور تثنیہ بیان کرو کہ شرک کا ارتکاب خدا پر جھوٹ باندھنے والی بات ہے۔

افتراء
علی اللہ

دُونَهُ إِلَهًا هُمُ اللّٰهُ کے سوا کسی دوسرے کو ہرگز معبود نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم نے کسی دوسری ذات کو بھی معبود مان لیا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا تو ہم بہت زیادتی والی بات کریں گے۔ ہم تو اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا ماننے کے لیے تیار نہیں، خالق، مالک، متصرف، عالم الغیب صرف وہی ہے۔ کتنے لگے کتنے افسوس کا مقام ہے هَلْ جِئْنَا بِقَوْمٍ اَتَّخَذُوا مِنْ دُونِ الْإِلَهِةِ يَهْدِيهِمْ قَوْمٌ لَّهِمْ حَبَشٌ نَعْمَ اللّٰهُ کے سوا طرح طرح کے معبود بنا رکھے ہیں۔ یہ لوگ اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے مختلف آستانوں کا رخ کرتے ہیں، مگر ہمارا تو معبود ایک ہی ہے۔

فَرِیَّا لَوْ لَا یَاتُونَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ بَیِّنٌ یہ لوگ کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے جس سے ثابت ہو کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا بھی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس بائے میں کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ یہ کہاں سے لائیں گے؟ صرف سنی سنائی اور جہالت کی باتیں تو ہو سکتی ہیں معقول دلیل کوئی نہیں ہو سکتی۔ اُن کے پاس زیادہ سے زیادہ یہ دلیل ہے کہ ہم تو اس بات کا اتباع کرتے ہیں "مَا آلفَيْنَا عَلَیْهِ اَبَاءَنَا" (البقرة - ۱۷۹) جس پر ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا۔ ہمارے قبیلہ اور برادری کے لوگ ایسا ہی کہتے تھے، کیا وہ سارے یہود قوت تھے؟ فلاں غیر اللہ کی نیاز دیتا ہے، فلاں قبروں پر چادریں چڑھاتا ہے، لہذا ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہی اندھی تقلید ہے جو کہ انسانوں کے لیے تباہ کن ہے یہ تقلید عقل، بصیرت اور فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ غرضیکہ کفر، شرک اور رسوماتِ باطلہ پر کوئی بھی عقلی یا نقلی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ تو ان نوجوانوں نے بھی یہی کہا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود بنانے میں کوئی

راستہ چلتے ہوئے کسی تالاب یا جوہڑ وغیرہ کے کنارے سے گزرنے لگے
تو سامنے سے کتا آگیا۔ آپ نے اس کتے کو قدے سے حقارت کی نگاہ سے
دیکھا۔ اللہ نے اس کتے کو فوراً قوت گویائی عطا فرمائی اور اس نے کہا،
اللہ کے بندے! تم مجھے حقیر سمجھتے ہو، میں بھی تمہاری طرح اللہ
کے خالق ہوں۔ شاہ صاحب نے فوراً توبہ کی۔ آپ جوہڑ کے کنارے
کسے سے دو گئے اور پہلے کتے کو گزرنے کا راستہ دیا اور کہا کہ سلامتی کے
ساتھ گزر جاؤ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے خنزیر آگیا۔
آپ نے راستہ چھوڑ دیا اور کہا کہ سلامتی۔ گزرجاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت
ایسے بڑے جانور کے ساتھ آپ کا یہ حسن مذاق۔ فرمایا، بیشک یہ اللہ
کی نگاہ میں معتبوب جانور ہے۔ مگر میں اپنا اخلاق کیوں چھوڑوں۔ حضرت
عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ لَوْ سَخَرْتُ بِالْكَذِبِ
لَخَشِيتُ أَنْ أَكُونَ كَلْبًا اگر میں کتے کے ساتھ منسفر
کروں تو مجھے ڈر ہے کہ خدا مجھے کتا ہی نہ بنائے۔

بہر حال کتا بھی اصحاب کہف کے ساتھ ہولیا اور انہوں نے پہاڑ کی غار میں پناہ
حاصل کی۔ اللہ نے اس غار کا حال بھی بیان کیا ہے، اللہ کے دوستوں کا اور اس
کتے کا بھی۔ اللہ نے اپنے دوستوں کو جو کرامت اور ہزرجی بخشی اور ان کی حفاظت
کا جو غیر معمولی انتظام فرمایا، اللہ نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ غار میں پہنچ کر انہوں
نے آپس میں طے کیا کہ انہوں میں سے ایک آدمی وقتاً فوقتاً بیس بدل کر غار
سے باہر جائے۔ کھانے پینے کا سامان لائے اور ملکی حالات سے بھی
آگاہی حاصل کرتا رہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک زیادہ ہوشیار آدمی فقیر و
کے لباس میں باہر نکلا، شہر میں جا کر خورد و نوش کا کچھ سامان خریدا، ادھر ادھر
کی کچھ باتیں سنیں اور پھر غار میں واپس آگیا۔ ایسا کتنی مرتبہ ہوا۔ اس کی کچھ تفصیل
نہیں ملتی۔ البتہ ایک دن اُس آدمی نے واپس آ کر بتایا کہ شہر میں ہماری

غار میں
قیام

وَإِذَا اعْتَرَزْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْا إِلَى
 الْكَهْفِ يَنْشُرْكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ
 لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ۝ (۱۶) وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا
 طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ
 تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۝
 ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ
 يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۝ (۱۷) وَتَحْسَبُهُمْ
 آيَاقًا وَهُمْ رُقُودٌ ۝ وَنُقِلْتُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ
 وَذَاتَ الشِّمَالِ ۝ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ
 لَوِاطِلٌ عَلَيْهِمْ لَوْلِيَّتْ مِنْهُمْ فَارًّا وَلَمِئْتَ
 مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ (۱۸)

۱۸

ترجمہ۔ اور جب تم اُن (اپنی قوم) سے الگ ہو گئے ہو،
 اور اُن سے بھی جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا، تو
 اب رجوع کرو غار کی طرف۔ پھیلانے تمہارے لیے تمہارا پُرودگا
 اپنی رحمت سے اور بنا دے تمہارے لیے تمہارے معاملے
 میں نرمی (۱۷) اور (اے مخاطب) تم دیکھو گے سورج کو
 کہ جس وقت وہ طلوع ہوتا ہے، تو کترا جاتا ہے اُن کے

غار سے دائیں طرف۔ اور جس وقت وہ غروب ہوتا ہے تو کترا جاتا ہے اُن سے بائیں طرف اور وہ ایک کشادہ جگہ میں ہیں اس غار سے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے پس وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اور جس کو گمراہ کر دے، پس ہرگز نہیں پائے گا تو اس کے لیے کوئی کارساز اور کوئی راہِ راست پہ لانے والا ①۷ اور (اے مخاطب) تم گمان کر دو گے ان (اصحابِ کہف) کو کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ اور ہم چلتے ہیں اُن کو دائیں طرف اور بائیں طرف، اور ان کا کتا پھیلے ہوئے ہے اپنے پاؤں اس غار کی چوکھٹ پر۔ اگر تو جھانک کر دیکھے ان پر تو البتہ پشت پھیر کر اُن کی طرف سے بھاگے گا۔ اور بھر جائے گا تیرا دل ان کی طرف سے رعب اور دہشت میں ①۸

ربط آیات اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے متعلق فرمایا کہ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے۔ اللہ نے اُن کے لیے ہدایت کا سامان زیادہ کر دیا۔ پھر ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ جب اُن کو مشرک اور ظالم بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار وہی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی دوسری ذات کو معبود ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو سخت زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ ہماری قوم کے جن لوگوں نے اللہ کے سوا معبود بنائے کھے ہیں اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ فرمایا اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر افتراء باندھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی الوہیت میں دوسروں کو شریک بنانا افتراء علی اللہ ہے۔ قیصرِ ڈیلیش نوجوانوں کی یہ باتیں سن کر

یہ ایسے لوگوں کی بدترین مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔
 حضور علیہ السلام نے کہنے کی ایک اور مثال بھی بیان فرمائی ہے
 کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز تحفہ کے طور پر دے دیتا ہے اور پھر اسے واپس لیتا ہے
 تو اس کی مثال **كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ كَعَوْدُ** کتے
 کی مثال ہے جو قے کر کے خود ہی چاٹ لیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے
 فرمایا **لَيْسَ كُنَّا مَثَلُ السَّوْعَةِ** ہماری مثال بری نہیں ہونی
 چاہیے یعنی ہمیں کتے کی خصلت کو نہیں اپنانا چاہیے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کتا ایک ایسا جانور ہے
 جس کو شیطان کے ساتھ بڑی مناسبت ہے، اسی لیے فرمایا کہ اگر
 کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو مٹی سے خوب مانجھو اور عصر
 تین دفعہ دھو ڈالو ورنہ برتن پاک نہیں ہوگا۔ البتہ سات مرتبہ دھونا محتج ہے
 شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ کتا اگرچہ برا جانور ہے مگر بعض کتے
 اچھے بھی ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اصحاب کھف کے کتے کی ہے وہ
 اللہ کے دوستوں کی معیت میں رہا اور جو حیرت انگیز واقعات اُن
 کے ساتھ پیش آئے، وہ اس کتے کے ساتھ بھی پیش آئے۔ اس کو بھی
 اللہ نے اصحاب کھف کی طرح لمبی زندگی عطا فرمائی، شیخ سعدی نے
 گلستان میں مثال کے طور پر بیان کیا ہے۔

پسر نوح بابران بنشست خاندان نبوتش گم شد
 سب اصحاب کھف روز چند پئے نیکاں گرفت مردم شد
 حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جبروں کی صحبت میں بیٹھا تو اپنے خاندان کی
 بدنامی کا باعث بنا، جب کہ اصحاب کھف کا کتا نیا آدمیوں کے ساتھ
 رہا تو آدمیوں جیسی خصلت کا مالک بن گیا۔

امام شاہ ولی اللہ کے والد شیخ عبدالرحیم اولیاء اللہ ہیں سے تھے

پہ ہوں اور تمہارے ساتھ ہی چلنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُس نے بکریوں کا ریوڑ وہیں چھوڑا اور ان نوجوانوں کے ساتھ ہو لیا۔ ابنتہ اُس کا کتا بھی اس کے ہمراہ چل پڑا۔ انہوں نے ہر چیز کتنے کو بھگانا چاہا۔ مگر وہ کسی صورت میں اُن کی ہمار ہی چھوڑنے پر تیار نہ ہوا۔ جب استوں نے کتے کو زیادہ تنگ کیا تو اللہ نے اُسے قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ اور وہ بول کر کہنے لگا کہ مجھے بھگاؤ نہیں، میں بھی اللہ کے دوستوں کے ساتھ ہی رہتا پسند کرتا ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو، جب تم آرام کیا کرو گے تو میں تمہارا پہرہ دیا کروں گا۔ چنانچہ چرواہے کا کتا بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔

کتے کا شرعی حکم

شریعت نے کتے کو ناپسندیدہ جانور قرار دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے سختی کے ساتھ فرمایا ہے کہ کوئی شخص بلا ضرورت شوقیہ طور پر کتا نہ پالے کہ ایسا کرنے والے کی ہر روز دو قیراٹنکیاں کم ہوتی رہیں گی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو بری مثالیں بیان فرمائی ہیں، ایک گدھے کی اور دوسری کتے کی۔ گدھے کی مثال تو یہودیوں کی بے عملی سے متعلق ہے کہ ان کی حالت یہ ہے ”کَمَثَلِ الْخِمَارِ يَحْوِلُ اسْفَارًا“ (الجمعة) جیسے گدھے پر کتا ہیں لدی ہوئی ہیں۔ جس طرح ایک گدھا کتا ہیں اٹھانے کے باوجود اُن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح یہودی اہل کتاب ہونے کے باوجود اس کتاب سے مستفید نہیں ہوتے۔ اسی طرح کتے کی مثال حرص، لالچ اور شہوت پرستی کو ظاہر کرتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک پُرا نیا آدمی تھا لیکن حرص اور شہوت پرستی کا اسیر ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے مقابل آگیا۔ اللہ نے فرمایا فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف - ۱۷۶) ایسے شخص کی مثال کتے کی ہے کہ حرص کی وجہ سے ہر چیز کو سونگتا رہتا ہے اور شہوت کی وجہ سے ہر وقت بھینتا رہتا ہے۔

”سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا“ (الاعراف - ۱۷۶)

روپوش کا چہ چاہے، ہماری وسیع پیمانے پر تلاش شروع ہو گئی ہے اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمیں ہر صورت میں گرفتار کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی سرکشی سے تشویش کا باعث بنی۔ وہ اسی فکر میں غلطان تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر لمبی نیند طاری کر دی جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے **فَقَصَرْنَا عَلَىٰ** اذ اخصم ہم نے اُن کے کانوں پر پھینکی دے دی اور وہ گہری نیند سو گئے۔ اُن کی یہ نیند سینکڑوں سال تک قائم رہی اُن کا کتا بھی غار کے منہ پر پاؤں پھیلانے بیٹھا رہا اور اُس پر بھی نیند طاری ہو چکی تھی۔

تلاش میں
ناکامی

بادشاہ کے حکم کے مطابق اُس کے کارندوں نے اللہ کے ان دوستوں کی وسیع پیمانے پر تلاش شروع کر دی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اس غار کے دہانے تک بھی پہنچ گئے۔ انہیں اندر کسی کی موجودگی کا شبہ ہوا تو انہوں نے غار کے منہ پر دیوار تعمیر کر کے اُسے بالکل بند کر دیا۔ مگر یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے اصحاب کھفت کی حفاظت کا انتظام اس طرح کر دیا تھا کہ اُس غار تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکا۔ اس قسم کے واقعات پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ مثلاً اللہ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر پچیس سال تک موت طاری کرنے کے بعد اٹھایا اور اس عرصہ وہاں پر کسی کا گزر نہیں ہونے دیا۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اور اس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں۔ ہجرت پر روانہ ہوتے وقت خود حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تین دن تک غار ثور میں ٹھہرے رہے۔ کفار نے آپ کی تلاش میں کونہ کونہ چھان مارا حتیٰ کہ غار کے منہ تک پہنچ گئے اور غار کے اندر سے اُن کے پاؤں بھی نظر آ رہے تھے۔ مگر اللہ نے آپ کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا کہ کسی نے غار کے اندر جھانک کر دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی۔ مکہ ٹی کا جالا اور

کبوتری کے اندھے غار کے منہ پر دیکھ کر کھار کہنے لگے کہ یہ جالا تو حضور کے والد کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ مہلّا اس کے اندر کون جاسکتا ہے۔ اُس وقت حضرت صدیق کو کچھ پریشانی بھی لاحق ہوئی۔ تاہم حضور علیہ السلام نے تسلی دی اور فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ رَبَّكَ اللَّهُ مَعَنَا (التوبہ - ۴۰) غم نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اسی طرح اللہ نے اصحابِ کہف کی حفاظت کا انتظام بھی فرما دیا اور اس غار تک کسی متلاشی کی رسائی نہیں ہونے دی۔ بادشاہ کی طرف سے تلاش کرتے کرتے خدا جانے سال یا دو سال گزر گئے مگر ناکامی ہوئی آخر کار بادشاہ کے حکم سے ان گم شدگان کے نام اور کوائف ایک تختی پر لکھ کر سرکاری محافظ خانے میں محفوظ کر دیے گئے کہ اس طرح چند نوجوان روپوش ہو گئے ہیں جن کا کوئی سہرا نہیں مل سکا۔ ان کو اصحابِ رقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کے نام تختی پر لکھ کر محفوظ کر دیے گئے تھے۔

اصحابِ کہف کی منشا اور

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جب اُن نوجوانوں کو بادشاہ کے سامنے حاضری کے بعد کچھ مہلت میسر آئی تو انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ کہنے لگے، وَ اِذَا عَزَلْتَ اَتَمُوهُمْ اور جب تم ان کفار و مشرکین سے کنارہ کش ہو چکے ہو وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ اور اُن سے بھی الگ ہو چکے جن کی یہ اللہ کے سوا پوجا کرتے ہیں تم نے اللہ کے سوا کسی دوسری ذات کو معبود بنانے سے انکار کر دیا ہے تو اب تمہاریاں رہنا خطرے سے خالی نہیں، لَتَدْفَنُوْاْ فِيْ الْكُهْفِ کسی غار کی طرف رجوع کرو، وَلَا تَخْشَوْاْ رِجْسَ اللّٰهِ اور پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ يَخْشَى اللّٰهَ رِجْسَ اللّٰهِ کیونکہ تمہارے دل نورِ ایمان سے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ نے تمہارے

روز کو مضبوط کر دیا ہے۔ تمہیں اپنے مالک کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے وہ تم پر اپنی رحمت کا سایہ کرے گا۔ وَيُخَفِّتِيْ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ رَيْدًا اور تمہارے معاملہ میں تمہارے لیے نرمی، سکون اور آرام کی بات دیا کرے گا۔ لہذا کوئی فکر نہ کرو اور کسی غار میں چل کر پناہ حاصل کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جیسا کہ میں نے تفصیل عرض کی وہ نوجوان اُس غار میں روپوش ہو گئے۔

غار کی حالت

اب اُس غار کی حالت بھی اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ لَا تَحَاطُّبُ وَتَكْرِي الشَّمْسُ إِذَا طَلَعَتْ تَرَاوَعَتْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمَيْنِ تم دیکھو گے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو غار کی دائیں جانب کتر آجاتا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ غار کا رخ مشرق مغرب کی بجائے شمالاً جنوباً تھا، یہی وجہ ہے کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت وہاں دھوپ کی تپش نہیں جاتی تھی۔ اللہ نے غار کی کیفیت اس طرح کی بنائی تھی کہ جب سورج طلوع ہوتا تو دائیں طرف سے بقدر ضرورت روشنی تو اندر جاتی مگر دھوپ کی تمازت انہیں تکلیف نہیں پہنچاتی تھی اور سورج دائیں طرف کتر آکر نہ نکل جاتا تھا۔ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبُ إِلَيْهِمْ ذَاتُ الشَّمَالِ اور جب سورج غروب ہونے کے قریب آتا تو بائیں طرف کتر آکر نہ نکل جاتا اور غار کے مکینوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے غار کے اندر اس طرح آٹیں ٹھہری کر دی تھیں کہ ٹھوڑی سی دھوپ اندر پہنچی اور پھر جلدی ہی سامنے آگئی اور سورج دائیں یا بائیں طرف نہ ہو کر نہ نکل گیا۔ البتہ روشنی اور ہوا غار میں خوب پہنچ رہی ہے وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ اور وہ غار میں کشادہ جگہ پر لیٹے ہوئے تھے، انہیں کوئی گھٹن وغیرہ محسوس نہیں ہوتی تھی اور آپسے آرام اور سکون کے ساتھ مجبور خواب تھے۔

ہدایت اور
گمراہی

فرمایا ذلک من آیت اللہ یہ سب اللہ کی نشانیوں میں سے
ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں وقتاً فوقتاً ظاہر کرتا رہتا ہے۔ تاکہ
انہیں دیکھ کر لوگ اس کی وحدانیت کو پہچان سکیں اور راہِ راست پر گامزن
ہو جائیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ
هَدَايَتِ اُسے نصیب ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت عطا فرمائے۔ اور
اللہ تعالیٰ ہدایت اُسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہو۔ وَمَنْ
يُضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا اور جسے اس کی ضد
عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے
لیے نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ ہی کوئی راہِ راست پر لگنے والا۔ جب تک
اللہ کے ساتھ تعلق درست نہیں ہوگا کسی شخص کو ہدایت نصیب نہیں
ہو سکتی اور نہ وہ گمراہی سے بچ سکتا ہے۔ لہذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے
صلوٰۃ مستقیمہ پڑھنے کی توفیق طلب کرنا چاہیے۔ اصحابِ کہف نے اللہ
کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ اس سے توفیق مانگی تو اللہ نے ان کے لیے
ہدایت کا سامان پیدا کر دیا۔ یہ درمیان میں اللہ نے اصول بھی بیان فرمادیا
کہ ہدایت اور گمراہی اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے لہذا ہدایت کے لیے
اُسی کے سامنے درست سوال دراز کرنا چاہیے۔

غار میں
اصحابِ
کہف کی
حالت

ارشاد ہوتا ہے، اے مخاطب! وَتَحْسَبُهُمْ آيَةً
وَهُمْ رَقُودٌ تم ان اصحابِ کہف کو بیدار گمان کرو گے حالانکہ وہ
سوئے ہوئے ہیں۔ اندر حجاب تک کہ دیکھو تو ان کی آنکھیں کھلی نظر آئیں
گی گویا کہ وہ جاگ رہے ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک ہی جگہ پر پڑے
پڑے ان کے جسم کل ستر سکتے تھے جس کا اللہ نے یہ انتظام فرمایا
وَنُفِثَتْ مِنْ دُونِ الْأَيْمَانِ ذَاتَ الشِّمَالِ اور ہم انہیں
پلٹے ہیں دائیں طرف اور بائیں طرف، مفسرین نے اس ضمن میں مختلف

باتیں کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر دس سال کے بعد اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کی کمر وٹیں بدل دیتا تھا۔ بعض نے نو سال کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے سال بھر میں دو دفعہ اور بعض نے محرم کے دن کمر وٹیں بدلنے کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کو کس وقت کس چیز کی ضرورت تھی اور ان کی حفاظت کا کیا انتظام ضروری تھا۔ امام ابو بکر حبشؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت میں جب تک اصحاب کہف کو غار میں رکھنا مطلوب تھا، اس وقت تک کسی شخص کو وہاں پہنچنے یا انہیں چھوڑنے کی توفیق نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت ایسی بنادی تھی کہ بال اور ناخن بڑھ چکے تھے، اگر کوئی شخص انہیں ایک نظر دیکھ لیتا تو دہشت کے مارے وہاں بھڑک سکتا۔ فرمایا ان کی حالت یہ تھی کہ تم انہیں بیدار سمجھو گے۔ حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم ان کی کمر وٹیں بدل رہے تھے۔

اور ان کے ساتھ کہتے کی حالت یہ تھی وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ اور ان کا کتا اپنے اگلے بازو پھیلائے غار کی چوکھٹ پر تھا وہ اتنا دہشت ناک منظر تھا کہ فرمایا اے مخاطب! لَوْ اَظْلَعْتَ عَلَيْهِمْ اَگر تو ان کو جھانک کر دیکھے لَوَلَيْتَ مِنْهُمْ فَرَاوُا تو پیچھے پھیر کر بھاگ جائے گا وَكَمْ لَدَتْ مِنْهُمْ رُغْبًا اور تیرا سینہ ان کے رعب سے بھر جائے گا۔ اللہ نے انہیں ایسی کیفیت بنا رکھی تھی کہ تم انہیں دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔

سبحن الذی ۱۵

درس ششم ۶

الکھف ۱۸

آیت ۱۹ ۲۰

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ
 مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ
 يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا
 أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ
 أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ
 وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ①۹ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا
 عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ
 وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ②۰

تَصَدَّقُوا الْقُرْآنَ بِحَدِّ الْحَرْفِ إِلَى حَرْفِ النَّاسِ مِنْ
 حِلْمَةٍ وَلِيَتَلَطَّفَ

ترجمہ :- اور اسی طرح ہم نے اٹھایا اُن کو تاکہ وہ سوال
 کریں آپس میں ۔ کہا ایک کہنے والے نے کہ تم کتنی دیر تک
 بٹھرے ہو ۔ انہوں نے کہا کہ ہم بٹھرے ہیں ایک دن
 یا دن کا بعض حصہ ۔ کہا انہوں نے تمہارا پروردگار خوب جانتا
 ہے جتنی دیر تم بٹھرے ہو ۔ پس بھیجو اپنے میں سے ایک
 کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف ۔ پس دیکھے وہ کون سا
 کھانا پاکیزہ ہے ۔ پس لائے وہ رزق اس میں سے ، اور
 چاہیئے کہ نرمی کرے اور نہ بتلائے تمہارے بارے میں
 کسی کو ①۹ اس لیے کہ بیشک اگر وہ لوگ غالب آجائیں گے
 تم پر ، تو تم کو سنگسار کر دیں گے یا لوٹا دیں گے تم کو اپنے

دین میں اور پھر تم ہرگز نہیں فلاح پاؤ گے کبھی بھی (۲۰)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی اپنی قوم سے یلحیگی کا حال ذکر کیا۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم اپنے سچے دین پر قائم رہ کر ظالم بادشاہ کا تشدد برداشت نہیں کر سکتے، لہذا بہتر ہے کہ ہم یہاں سے بھاگ جائیں اور کسی پہاڑ کی غار میں روپوش ہو جائیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کے تحت یہ لوگ شہر کے قریب ہی پہاڑ کی ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے میں سے ایک آدمی کو شہر بھی بھیج دیتے تھے تاکہ ایک تو وہ ان کے لیے خورد و نوش کا سامان لاسکے اور دوسرے شہر کے حالات معلوم کر سکے۔ چنانچہ ان پر نیند طاری ہونے سے قبل جو شخص شہر سے ہو کر آیا اس نے بتایا کہ شہر میں سرکاری طور پر تمہاری تلاش شروع ہو چکی ہے، مختلف مقامات پر پھیلے مارے جا رہے ہیں، لہذا ہمارے لیے بڑا مشکل وقت آگیا ہے۔ یہ سن کر وہ سخت پریشان ہوئے، اور اسی دوران اللہ نے ان پر طویل نیند طاری کر دی اور وہ تین سو سال تک سوئے رہے۔

گزشتہ آیات ہی میں غار کے اندر کی کیفیت بھی بیان ہو چکی ہے غار کا رخ اس طرح تھا کہ جب سورج طلوع ہوتا تو غار کی دائیں طرف سے اور جب غروب ہوتا تو بائیں طرف سے ہو کر نکل جاتا جس کی وجہ سے غار میں پرے ہوئے آدمیوں کو سورج کی شدت نہ پہنچتی اور اس طرح ان کے اجسام گلے سٹرنے سے محفوظ رہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اصحاب کہف پر ایک نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ وہ لوگ جاگتے ہیں حالانکہ وہ خوابیدہ ہیں۔ ان کے جسموں کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی کمر وٹیں بھی بدلتا رہا، اور ان کا کتا بھی اگلے بازو پھیلائے غار کی چوکھٹ پر بیٹھا رہا۔ اللہ تعالیٰ کو ان اصحاب کی حفاظت منظور تھی، اس لیے سینکڑوں سال تک اس غار

کی طرف کسی کو آنے کا موقع نہ دیا۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی نیند سے بیداری کا حال بیان کیا ہے۔ تین سو سال سے زائد عرصہ کے دوران بڑے تغیرات واقع ہوئے، کئی نسلیں بدلیں، سلطنتیں تبدیل ہو گئیں۔ آبادیوں میں رد و بدل ہو گیا۔ مگر ان اصحاب کو اس دوران بھوک اور پیاس کا احساس تک نہ ہوا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ وہ بھی سو سال تک سوئے رہے۔ جب بیدار ہوئے تو اللہ نے پوچھا، کتنی دیر گھڑے ہو، کہنے لگے ایک دن یا اس کا کچھ حصہ فرمایا نہیں بلکہ سو سال گزر چکے ہیں۔ آپ کو بھی اتنا عرصہ بھوک پیاس محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے، وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ اس سلسلہ میں قادیانی حیات مسیح علیہ السلام پر اعتراض کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ جب آپ آسمانوں پر زندہ ہیں تو ان کے خورد و نوش اور بل و برز کا کیا انتظام ہے؟ یہ بالکل فضول اعتراض ہے۔ جو اللہ اس زمین پر بعض لوگوں کو بھوک پیاس کا احساس نہیں ہونے دیتا، وہ آسمان پر ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام تو دوسرے آسمان پر فرشتوں کی طرح اللہ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں، انہیں اس مادی جہاں والے کھانے پینے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے؟ قدیم ماہرین فلکیات بھی کہتے ہیں کہ تغیرات کا جہاں فلک قمر ہے۔ تمام تغیرات چاند کی سطح سے نچلے حصے میں واقع ہوتے ہیں۔ اس سے اوپر نہیں تاہم اگر اوپر بھی تغیر و تبدل واقع ہوتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے کون سی مشکل بت ہے کہ وہ کسی فرد کو تغیرات سے مستثنیٰ کر دے۔ اصحاب کہف اور عزیر علیہ السلام کے واقعات زندہ مثالیں موجود ہیں۔ بہر حال نیند سے بیدار ہونے کے بعد جب اصحاب کہف اس مادی جہان میں واپس آئے تو انہیں بھوک بھی محسوس ہوئی۔ چنانچہ جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے۔ انہوں

نے سامان خورد و نوش حاصل کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک آدمی کو شہر روانہ کیا۔

کتنے کے
خواص

تین سو سالہ خوابیدگی کے دوران جو حالات اصحاب کف پر گذرے وہی حالات اُن کے کتے پر بھی وارد ہوئے اور وہ اُن کے ساتھ ہی محو خواب رہا اور غار کے دھانے پر بازو پھیلائے بیٹھا رہا۔ جیسا کہ میں نے گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ کُتا کوئی پسندیدہ جانور نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ شوقیہ کُتا رکھنے والے کے اعمال سے ہر روز دو قیراط نیکیاں کم ہوتی رہتی ہیں۔ البتہ حفاظت یا شکار کے لیے کُتا پالا جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ فیلے کتوں سے محبت کرنا اچھی بات نہیں ہے کیونکہ اسے شیطان کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے گدھا، عورت یا کُتا گزرے تو نماز میں خلل واقع ہوتا ہے لہذا نماز پڑھتے وقت حرب ضرورت اپنے سامنے سترہ رکھ لیا کرو۔

کتا اگرچہ ناپسندیدہ جانور ہے مگر ذی روح ہونے کی حیثیت سے اس کی تکلیف کا احساس کرنا نیکی میں داخل ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ کوئی شخص راستہ چل رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک کنوئیں پر پیاس بجھائی۔ پاس ہی ایک کُتا بھی پیاس کے مارے ہانپ رہا تھا۔ اُس شخص کے پاس پانی نکالنے کے لیے کوئی ڈول وغیرہ تو نہیں تھا، اُس نے اپنے جوتے میں پانی نکال کر کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کا یہ عمل قبول کیا۔ اور اس شخص کو بخش دیا۔ صحابہ کرامؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اگر ہم جانوروں کے ساتھ نیکی کریں تو کیا ہمیں اس کا فائدہ ہوگا؟ فرمایا، ہر جگہ رکھنے والی چیز کے ساتھ احسان کرو گے تو یہ صدقہ میں داخل ہوگا۔ جب جانوروں کے ساتھ حسن

سلوک سے نجات حاصل ہو سکتی ہے تو انسانوں کے ساتھ احسان کرنا تو بہت زیادہ مفید ہوگا

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی نیند سے بیداری کو اس طرح بیان فرمایا ہے وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا یعنی نیند سے بیدار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انہیں اپنی قدرت کاملہ سے لمبی نیند سلا دیا تھا۔ اسی طرح انہیں بیدار بھی کر دیا۔ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے اس نیند کے متعلق سوال کریں چنانچہ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ لَبِثْتُمْ هَاهُنَا ثَلَاثِينَ سَنًا یعنی کتنی دیر سوئے ہو۔ قَالُوا لَبِثْنَا كَذَلِكَ أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک دن یا دن کا چھ عرصہ بٹھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ غار کے اندر جب ان پر نیند طاری ہوئی تو دن کا ابتدائی حصہ تھا اور جب وہ بیدار ہوئے تو دن کا آخری حصہ تھا۔ بعض نے سمجھا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا لہذا انہوں نے کہا کہ ہم ابھی پورا دن بھی نہیں سوئے اور جنہوں نے گمان کیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ایک پورا دن سوئے رہے ہیں۔ قَالُوا انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس معاملہ میں زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنا عرصہ سوئے رہے ہو۔ کہنے لگے اس معاملہ کو اللہ پر ہی چھوڑ دو۔

جیسا کہ کسی گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس قسم کے واقعات کی تمام جزئیات بیان نہیں فرمائیں بلکہ صرف اتنا حصہ ہی بیان کیا ہے جو انسانوں کی عبرت کے لیے کافی ہے۔ اصحاب کہف کی تعداد کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حتمی بات

غیر ضروری
تفصیلاً

بیان نہیں کی۔ آگے آرہا ہے کہ لوگ ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ تاہم مفسرین نے مختلف شواہد کی بناء پر اصحابِ کھف کا تعین کیا ہے۔ مثلاً بعض مفسرین نے ان کی سات تعداد کے متعلق یہ استدلال پیش کیا ہے کہ **قَالَ فَتَأْتِلُ مِنْهُمْ** میں کتے **الایعنی عَصَدَ بَیْنَهُ** کے متعلق سوال کرنے والا ایک شخص ہے۔ اور آگے جواب میں **لَبِثْنَا** جمع کا صیغہ ہے جو کم از کم تین افراد پر بولا جاتا ہے۔ آگے پھر **فَتَأْتِلُ** **رَبُّكُمْ** **أَعْلَمُ** میں جمع کا صیغہ ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ ایک ساٹھ اور دو دفعہ تین تین آدمی جواب دینے والے اکل مل کر سات بنتے ہیں۔ لہذا اصحابِ کھف کی تعداد سات ہے۔

بہر حال تعداد کا تعین کوئی ضروری امر نہیں ہے جس میں ضروری کہہ کر دیا جائے۔ اسی طرح کتے کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس پر بحث کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ امام ابن جریر طبری اور امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی غیر ضروری تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کھف کے عقیدے، عزیمت اور استقامت کا ذکر کر دیا ہے۔ ہمارے لیے اتنی تفصیل ہی کافی ہے کہ یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے کفر و شرک کو ترک کیا اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے غار میں پناہ حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عظیم بزرگی عطا فرمائی۔

امام ابن کثیر نے تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے امام حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے جو قربانی کے لیے مینڈھا پیش کیا گیا اس کا نام جبریم تھا۔ اس طرح سلیمان علیہ السلام کے ہر ہر کا نام الفذ تھا۔ اصحابِ کھف کے کتے کا نام قطیر بتایا جاتا ہے جس کی پچھڑے کی بنی اسرائیل نے پوجا کی تھی اس کا نام محمود تھا۔ اسی طرح یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان

میں اور مائی حوا کو جدہ میں اتار گیا۔ پھر سانپ کو اصفہان میں اور شیطان کو
 بیسان میں نازل کیا گیا۔ یہ سب سریانی یا عبرانی روایات ہیں جو قابل اعتماد
 نہیں ہیں۔ ہمیں ایسی چیزوں کی تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت ہے
 اور نہ کوئی اس میں فائدہ ہے۔ امام ابن کثیرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام
 نے فرمایا مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ
 وَيُبَاعِدُكُمْ مِّنَ النَّارِ لَعْنَةُ الْجَنَّةِ
 والی اور دوزخ سے دور کرنے والی کوئی چیز نہیں جو میں نے تمہیں بتلا
 نہ دی ہو۔ لہذا اب غیر ضروری باتوں میں کرید کرنے کی کوشش نہ کرو۔

بہر حال نیند سے بیداری کے بعد اصحاب کثرت کو بھوک محسوس ہوئی

کی نے کا
 انتظام

تَرْكُنِي لَكُمْ فَأَتَعَتُوا أَحَدَكُمْ بِوَرَقٍ كَمْ هَذِهِ الْحِ
 الْمَدِينَةِ اپنے میں سے کسی ایک کو یہ کہہ کر شہر میں بھیجو۔ یہاں
 پر لفظ واحد کی بجائے احد استعمال کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں واحد کا اطلاق
 رئیس پر ہوتا ہے۔ اگر لفظ واحد آتا تو مطلب ہوتا کہ اپنے میں سے
 بڑے آدمی کو بھیجو مگر احد سے مراد یہ ہے کہ اپنے میں سے کسی
 ایک آدمی کو بھیجو۔ ورق چاندی کو کہتے ہیں وہ سکے کی شکل میں ہو یا دیسے
 ہی ڈلی ہو۔ قدیم زمانے میں سونے کا دیسار اور چاندی کا درہم ہوتا تھا۔
 اس لیے محض ورق سے مراد چاندی کا سکہ ہی لیا جاتا تھا۔ پرانے زمانے
 میں تو یہ سکے خالص سونے چاندی کے ہوتے تھے۔ بد صغیر کا روپیہ بھی
 خالص چاندی کا ہوتا تھا مگر اب ان سکوں میں دیگر دھاتوں کی ملاوٹ
 بھی کہہ دی گئی ہے اور دنیا بھر میں بڑی رقوم کے لیے سکوں کی بجائے
 کاغذی نوٹ استعمال ہوتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے کچھ سکے دے کر
 ایک آدمی کو کھانا لانے کے لیے بھیجا مفسرین فرماتے ہیں کہ گھروں سے
 نکلنے وقت یہ لوگ کچھ نقدی بھی ہمراہ لے گئے تھے تاکہ بوقت ضرورت
 کام آسکے۔ چنانچہ وہ طویل نیند سونے سے پہلے بھی اس پونجی کو استعمال

کھانے پینے کی اشیاء منگواتے رہے اور بیدار ہونے کے بعد بھی انہوں نے ایسا ہی کرنا چاہا۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس سے بعض غمنی مسائل بھی اخذ کیے ہیں۔ امام ابو جبر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جس رقم سے اصحاب کہف کھانا وغیرہ لاتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ سب کی مشترکہ پونجی تھی اگرچہ ان کا حصہ اس میں برابر برابر نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چند آدمی مل کر ایک فنڈ قائم کر سکتے ہیں جو سب کی طرف مشترکہ طور پر منسوب ہوگا۔ اسی طرح وہ خور و نوش میں بھی اشتراک کر سکتے ہیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک ایک جتنا تو نہیں کھانا ہوگا بلکہ ہر آدمی اپنی طلب کے مطابق کھانا کھاتا ہے۔ تو اس طرح اگر کھانا کھانے میں کمی بیشی ہو جائے تو اس سے مشترکہ فنڈ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ قحط کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس معاملہ میں خاص ہدایات دیں۔ آپ بعض آدمیوں کو اکٹھا کھانا کھاتے دیکھ کر تعجب فرماتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے دو دو کھجوروں کا ایک ایک لقمہ بنانے سے منع فرمایا ہے تاکہ دو کے کھانا حق ضائع نہ ہو۔ ہاں، اگر مل کر کھانے والے اجازت دے دیں کہ ہر شخص کو حسب خواہش کم و بیش کھانے کی اجازت ہے تو پھر اس میں کوئی عرج نہیں ہوگا۔

بہر حال اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک کو وکیل بنا کر سکھ اس کے حوالے کیا کہ یہ لے کر شہر میں جائے فَلَیَنْظُرْ اَیُّہَا اَزْکَا طَعَامًا اور دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے۔ ازکی کا معنی اچھا اور صاف ستھرا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس سے مراد اَحْلٰی وَاَطْیَب ہے یعنی جو حلال ہو۔ یہ مومن آدمی ہیں اور حرام کھانا استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا گوشت

ہو تو وہ بھی مردار کے حکم میں آئے گا۔ اور حلال نہیں ہوگا۔ اسی طرح غصب شدہ مال سے حاصل کیا گیا یا چوری کا کھانا بھی درست نہیں ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ جا کر دیکھو کون سا کھانا حلال اور طیب ہے فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ پس اس میں کچھ کھانا لے آئے۔

اور ساتھ یہ بھی کہا وَلْيَتَكَلَّفْ اور چاہیے کہ وہ آدمی نرمی اختیار کرے، کوئی ایسی بات یا حرکت شہر میں جا کر نہ کرے جس سے اُن کے راز فاش ہو جانے کا خطرہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ ان کا ٹائندہ ایسی تدبیر کیساتھ اشیاء خریدے کہ کسی کو شبہ نہ پڑے اور لوگ اسے اجنبی مسافر ہی سمجھیں۔ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا اور اُسے چاہیے کہ تمہارے متعلق کسی شخص کو کوئی خبر نہ ملے۔ سارا کام بڑی احتیاط سے کرے۔ تاکہ ہماری روپوشی کے متعلق کسی کو علم نہ ہو سکے۔ یہ حفاظتی تدابیر سمجھا کر ایک آدمی کو شہر میں بھیجا گیا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے یمیلخا زیادہ ہوشیار آدمی تھا اس لیے اس کام پر انہوں نے اس کو مامور کیا۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ بیداری کے بعد انہوں نے اپنے اہجام میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں پایا تھا بعض روایات میں آتا ہے کہ اُن کے بال اور ناخن بہت بڑھ چکے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ایک آدمی کو شہر بھیجنے سے پہلے اس بات کا ضرور نوٹس لیتے کہ اس حالت میں لوگ اسے دیکھیں گے تو ان کا راز کھل جائے گا۔ انہوں نے کوئی ایسی چیز محسوس کیے بغیر اُس طرح آدمی کو شہر بھیجا جس طرح وہ سونے سے پہلے بھیجتے رہے تھے۔

جب یمیلخا پونجی لے کر شہر پہنچا تو اُسے وہاں پر اجنبیت محسوس ہوئی، اُس کی جانی پہچانی کوئی شکل و صورت وہاں نظر نہ آئی۔ شہر کی ہڈیت بھی بہت حد تک بدل چکی تھی۔ وہ قدرے حیران ضرور ہوا۔ تاہم اس نے اپنی مرضی کا کھانا خریدنے کے لیے جب دکاندار کو روک دیا تو اس نے

شہر میں
پیش آمدہ
حالات

کہا کہ یہ تو کھوٹا ہے۔ اُس نے دوسرے کو دیا تو وہ بھی ایسا ہی تھا۔ تین سو سال
 میں بادشاہیوں کے ساتھ سکے بھی تبدیل ہو چکے تھے۔ سکے پر قبصر ڈیسس
 کی تصویر دیکھ کر وہ کا نڈر مزید حیران ہوا۔ اُنہیں میں بہت سے لوگ
 جمع ہو گئے۔ بعض کہنے لگے کہ اس شخص کو کوئی پرانا خزانہ مل گیا ہے
 انہوں نے کہا کہ سچ سچ بتاؤ یہ سکے کہاں سے لیے ہیں۔ ورنہ تمہیں
 پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میلینا سخت پریشان ہوا۔ اور اُس کے
 دل میں آئی کہ اب اُسے ظالم بادشاہ کے رو برو پیش ہونا پڑے گا۔ اور
 اُن کا راز کھل جائے گا۔ اُس شخص نے اپنے والدین اور بعض عزیزوں کے
 نام بھی لیے مگر تین سو سال پہلے آدمیوں کو اُس وقت کون جانتا تھا
 بہر حال چار و ناچار اس نے ساری بات کہہ دی اور لوگوں نے پکڑ کر اُسے
 بادشاہ وقت کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے بادشاہ کو ساری بات بتا
 دی کہ وہ اور اس کے ساتھی فلاں غار میں پناہ گزیں ہیں۔ اس پر سرکاری
 ریکارڈ سے وہ تختیاں نکالی گئیں جن پر اُن کے نام اور کوالف درج تھے
 اور اُن کی روپوشی کے بعد محفوظ کر دی گئی تھیں۔ بادشاہ عیسائی مذہب
 رکھتا تھا اور رحمدل بھی تھا۔ وہ ساری بات سمجھ گیا کہ یہ وہ وہی لوگ
 ہیں جو تین سو سال پہلے ظالم اور مشرک بادشاہ کے در سے غار میں چھپ
 گئے تھے۔ بادشاہ نے اُسے اتنی دی اور ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا۔ پھر
 بادشاہ کے کہنے پر وہ شخص غار کی نشاندہی کے لیے چل پڑا۔ اس کے
 ساتھ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم بھی تھا۔ جب غار کے قریب پہنچے تو غار کے اندر
 موجود نوجوانوں نے محسوس کیا کہ اُن کا راز فاش ہو چکا ہے اور ان کا تعاقب
 کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے غار شروع کر دی۔ اتنی دیر میں میلینا خود
 غار کے اندر داخل ہوا اور اپنے ساتھیوں کو حالات سے آگاہ کیا۔ اور
 ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ یہ لوگ ہمارے دشمن نہیں ہیں بلکہ ہماری زیارت کے

لیے آئے ہیں۔

اس کے بعد کی روایات میں اختلاف ہے۔ عام مشہور یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کو لوگوں کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ وہیں لیٹ گئے اور اللہ نے اسی وقت ان پر موت طاری کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نمونہ دکھانا تھا۔ جو دکھا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے یہ بھی واضح کر دیا کہ بعثت بعد الموت برحق ہے۔ جس طرح اللہ نے ان لوگوں کو تین سو سال کے بعد دوبارہ کھڑا کر دیا، اسی طرح وہ پوری نوع انسانی کو قیامت کے دن زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لے گا۔

اصحاب
کہف
کی موت

آگے اللہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اصحاب کہف نے اپنے راز کی پردہ پوشی کے لیے تمام تر حفاظتی تدابیر کیوں اختیار کیں اور اپنے ساتھی کو محتاط رویہ اختیار کرنے کی کیوں تلقین کی، اس کی وجہ انہوں نے یہ بتلانی اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلٰی كَمَرٍ اگر یہ لوگ قم پر غالب آگئے اور قم پکڑے گئے يَنْجُمُوْكُمْ تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا سخت ترین سزا ہے جو شادی شدہ زانی کے لیے مقرر ہے۔ کہنے لگے یا تو تمہیں یہ سزا دیں گے اَوْ يَّعِيْدُوْكُمْ فِيْ مَلْتَصٰھُمْ یا وہ تمہیں اپنے دین میں واپس لے جائیں گے۔ یعنی تمہاری جان کی امان اسی صورت میں ممکن ہوگی کہ تم شرک اور کفر والا پرانا دین اختیار کر لو، اور اگر ایسا کر دے گے وَلَنْ تَقْلِحُوْا اگر ابد تک تم کبھی فلاح نہیں پاسکو گے، نجات سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔ اس لیے اپنے ساتھی سے کہا کہ نہایت حفاظتی تدابیر اختیار کرنا کہ کہیں پکڑے نہ جاؤ۔

سجۃ الذی ۱۵

دریں مضمون

الکھف ۱۸

آیت ۲۱ ۲۲

وَكَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ
 حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذِ اتَّخَذُوا
 رُءُوسَهُمْ فَأَمْرُهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُيُوتًا
 رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى
 أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝۲۱ سَيَقُولُونَ
 ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ
 سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۝ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ
 وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ
 مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً
 ظَاهِرًا ۝ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝۲۲

۱۵

ترجمہ :- اور اسی طرح ہم نے مطلع کیا (اصحاب کہف
 کے بارے میں) دو سر لوگوں کو تاکہ وہ جان لیں کہ بیشک
 اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور بیشک قیامت کہ نہیں شک
 اس میں۔ جب کہ وہ جھگڑا کرتے تھے اپنے درمیان
 اپنی بات پر تو انہوں نے کہا کہ تعمیر کرو ان کے اوپر
 ایک عمارت۔ ان کا رب خوب جانتا ہے ان کی حالت
 کو۔ کہا ان لوگوں نے جو غالب تھے اپنے معاملے میں کہ

ہم ضرور بنائیں گے ان کے اُوپر ایک مسجد ②۱ کتے ہیں
 لوگ کہ تین تھے اور چوتھا اُن کا کتا تھا۔ اور بعض کہتے
 ہیں کہ پانچ تھے اور چھٹا اُن کا کتا تھا۔ یہ سب باتیں
 بغیر نشانے کے تیر چلانے والی بات ہے۔ اور کہتے ہیں
 کہ وہ سات تھے اور آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ (اے پیغمبر!)
 آپ کہہ دیجئے، میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُن کی گنتی
 کو۔ نہیں جانتے اُن کو مگر بہت مھوڑے لوگ۔ پس نہ
 جھگڑا کریں آپ ان کے بارے میں مگر سرسری جھگڑا۔ اور
 نہ دریافت کریں آپ اُن کے بارے میں ان میں سے
 کسی سے ②۲

گزشتہ آیات میں اصحاب کعبہ کے بہت سے حالات بیان ہو
 چکے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کے بچاؤ کی خاطر اپنے شہر سے بھاگ کر غار میں پناہ گزین
 ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان پر تین سو سال تک کے لیے نیند طاری کر دی۔ دوران نیند بھی
 اُن کا حال ذکر کیا۔ پھر جب بیدار ہوئے تو انہیں بھوک محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے کچھ
 سٹکے دیکر اپنے ایک ساتھی کو شہر میں بھیجا تاکہ کھانے پینے کی چیزیں لے آئے۔ اور ساتھ
 اُسے تاکید کر دی کہ شہر میں جا کر نہایت احتیاط سے کام لینا کہ کہیں اُن کا راز ہی فاش نہ ہو جائے
 کہنے لگے کہ اگر لوگوں کو تمہاری موجودگی کا پتہ چل گیا تو پھر دین بدل لینے کی وجہ سے یادہ
 تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے دین میں واپس آجانے پر مجبور کر دیں گے اور ایسی صورت
 میں تم ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاؤ گے۔

جب اصحاب کعبہ میں سے ایک آدمی شہر پہنچا تو اس نے وہاں کی ہر چیز میں
 اجنبیت محسوس کی۔ اسے شہر کی بیشتر چیزیں بدلی ہوئی معلوم ہوئیں اور کوئی شناسا چہرہ بھی نظر
 نہ آیا۔ جب اس نے کھانا خریدنے کے لیے سکہ پیش کیا تو لوگوں کو شک گزرا کہ اس

شخص کو کہیں سے پرانا دھینڈل گیا ہے جو یہ قیصر ڈیٹس کے زمانے کا حکم
 لے آیا ہے جسے گزے ہوئے تین سو سال بیت چکے ہیں اور اس
 عرصہ میں کئی سلطنتیں اور نسلیں بدل چکی ہیں۔ چنانچہ جب شہر کے لوگوں نے
 سختی کے ساتھ پوچھ گچھ کی تو اُس نے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر
 دیا۔ اُسے بادشاہ وقت کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ صحیح الجہال عطا
 اُس نے اُس شخص کو نسلی دی اور پھر خود غار میں جا کر اصحاب کہف سے
 گفتگو بھی کی۔ یہاں پر مؤرخین اور مفسرین میں بہت سے اختلافات ہیں لہذا
 یقین سے کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ تاہم بادشاہ اور لوگوں پر یہ بات واضح
 ہو گئی کہ یہ وہی لوگ ہیں جو تین سو سال قبل روپوش ہو گئے تھے ان کے
 نام اور کوائف وغیرہ سرکاری ریکارڈ میں محفوظ تھے، اس دفتر سے بھی ان
 کی تصدیق ہو گئی۔ سب لوگوں کے لیے یہ بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا مگر
 اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی چیز بعید نہیں۔ اسی لیے تو اللہ نے ابتدائے سورۃ
 میں ہی واضح کر دیا ہے کہ کیا تم خیال کھتے ہو کہ اصحاب کہف کا واقعہ
 بڑے اچھے کی بات ہے؟ حالانکہ اللہ کی قدرت کے اس کے علاوہ
 بھی بے شمار واقعات ہیں جو انسانی عقل سے باہر ہیں۔ لہذا یہ کوئی اپنی
 نوعیت کا واحد واقعہ نہیں ہے۔

در اصل اُس زمانے میں لوگوں میں وقوع قیامت کے متعلق اختلاف
 پایا جاتا تھا۔ بعض وقوع قیامت پر ایمان رکھتے تھے اور بعض اس کا انکار
 کرتے تھے۔ بادشاہ بھی اس معاملہ میں متردد تھا اور اس ضمن میں کسی حتمی
 دلیل کا متلاشی تھا۔ اسی دوران میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین
 سو سالہ نیند سے بیدار کر دیا۔ شہر کے لوگ ان کے حالات پر مطلع ہوئے
 اس آیت کہ یہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ جس طرح
 لمبی نیند طاری کرنا اور اُس سے بیدار کر دینا اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں

وقوع
 قیامت
 پر دلیل

سے ہے، اسی طرح لوگوں کا اصحاب کہف کے حالات پر مطلع ہونا بھی نشاناتِ قدرت میں سے ہے۔ فرمایا وَكَذَلِكَ أَخْذْنَا عَلَيْهِمْ اور اسی طریقے سے ہم نے ان پر مطلع کر دیا لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ لِيَاذْكُرُوا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ لِيَوْمِهِمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ لِيَوْمِهِمْ۔
 اصحاب کہف کا لمبی نیند سے بیدار ہو جانا اس بات کی دلیل تھی کہ جس طرح وہ تین سو سال کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد سب لوگ ایک دن دوبارہ جی اٹھیں گے۔ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا اور بیشک قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، وہ ضرور برپا ہوگی۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی کا واقعہ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔
 بنی اسرائیل میں ایک قتل ہو گیا مگر قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ پھر اللہ کے حکم سے ایک گائے ذبح کر کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگایا گیا تو اس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کر دی۔ اس موقع پر بھی اللہ نے فرمایا ہے كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ (البقرہ ۷۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کو سب مردوں کو زندہ کر دے گا اور وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو بیدار کر کے یہ دلیل قائم کر دی کہ اسی طرح قیامت کو بھی سب لوگ دوبارہ جی اٹھیں گے۔

اب جب کہ اصحاب کہف کا سارا بھید کھل گیا اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے بلکہ اللہ نے ان کو موت دے دی، تو لوگوں نے ان کی یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں مختلف آراء تھیں۔ کچھ لوگ ان کے نام پر عجائب گھر بنانا چاہتے ہوں گے بعض کوئی خصوصی طرز کی عمارت تعمیر کرنے کے حق میں ہوں گے اور بعض کوئی کتبے وغیرہ کندہ کرنا چاہتے ہوں گے۔ بہر حال اللہ نے اس بات

اصحاب کہف کی یادگار

کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ اِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ
 حَبِيبٌ وَه اس معاملہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے فَقَالُوا اَبْنُوا
 عَلَيْهِمْ بُيُوتًا تو انہوں نے کہا کہ یہاں پر یادگار کے طور پر عمارت
 تعمیر کر دی جائے۔ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمُ اللہ تعالیٰ اُن کی حالت
 کو خوب جانتا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا عَلٰى
 اَمْرِهِمْ اُس وقت جو لوگ اس معاملہ میں غالب تھے یعنی صائب اللہ نے
 لوگوں نے یہ کہا لَنْتَخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا کہ ہم تو اس مقام
 پر یادگار کے طور پر عبادت خانہ تعمیر کریں گے۔ اصحاب کہف بڑے
 برگزیدہ لوگ تھے جنہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے تکالیف اٹھائیں
 اللہ نے اُن کو بڑا شرف عطا کیا اور اُن کو تین سو سال بعد دوبارہ زندہ کرنے کے
 اپنی قدرت کا کمرشمہ دکھلایا۔ لہذا اُن کی شایان شان یہ ہے کہ یہاں پر مسجد
 تعمیر کی جائے۔ جہاں پر لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ انجام دیا کریں۔
 اور انہیں پتہ چلے کہ ایمان بہت بڑی حقیقت ہے اور اسی کی بڑلت
 اللہ نے ان لوگوں کو عالی مرتبہ عطا کیا۔

قبر پر تعمیر
 وغیرہ کا مسئلہ
 قبروں کو بچتہ کرنے، ان پر عمارت تعمیر کرنے اور وہاں پر نماز پڑھنے
 سے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے وَلَا تَجْلِسُوا عَلَی
 الْقُبُورِ وَلَا تَصَلُّوا إِلَيْهَا یعنی نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ اُن کی
 طرف رخ کر کے نماز پڑھو (مسلم شریف) بیٹھنے کے کئی مطلب ہو
 سکتے ہیں۔ مثلاً وہاں پاؤں رکھ کر نہ بیٹھو کہ یہ بے ادبی میں داخل ہے
 دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں بول و براز کے لیے مت
 بیٹھو کہ اس سے گندگی پھیلتی ہے۔ یہ بھی سخت مکروہ ہے۔ دوسری
 حدیث میں آتا ہے نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَنْ يَجْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقْعَدَ

عَلَيْهِ حَضْرَةُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَسِيَتْ اس بات سے منع فرمایا کہ قبر کو بچتہ بنایا جائے
(یہ اسراف ہے اور مکہ کو تخریبی ہے) قبر پر عمارت (گنبد وغیرہ) بنائی
جائے اور اس پر بیٹھا جائے۔

حضرت علیہ السلام مرض الوفا میں مبتلا تھے۔ آپ نے کبل اوڑھا
ہوا تھا۔ تلخی کی وجہ سے آپ کبھی کبل چہرے سے ہٹا لیتے اور کبھی منہ
پرے لیتے۔ جب آپ منہ ننگا کرتے تو فرماتے لَعْنَةُ اللَّهِ
عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ
مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا (صحیحین) یہود و نصاری
پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔
حضرت علیہ السلام اپنی امرت کے لوگوں کو اس کا رگزاری سے ڈراتے کہ
کہیں وہ بھی ایسا ہی نہ کرتے لگیں۔ امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی
وغیرہ نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے لَعْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَايِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ
وَالسُّرُجَ حَضْرَةُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَسِيَتْ اُنْ عَوْرَتُوں پر لعنت کی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور ان
لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر چرائیاں کرتے ہیں۔

مذہب احمد میں یہ روایت بھی موجود ہے اِنَّ مِنْ شَرِّ
النَّاسِ مَنْ تَذَرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ اَحْيَاءُ
وَالَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ لوگوں میں زیادہ شریر قسم کے
لوگ وہ ہوں گے جو قیامت برپا ہونے کے وقت زندہ ہوں گے
کیونکہ نیک لوگ تو پہلے ہی ختم ہو چکے ہوں گے اور قیامت اس وقت
آئے گی جب صرف برے لوگ ہی دنیا میں رہ جائیں گے۔ فرمایا، دوسری
قسم کے شریر لوگ وہ ہوں گے جو قبروں کو سجدہ گاہ بنالیں گے۔ اسی لیے
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قبروں کے قریب مسجدیں نہیں بنانی چاہئیں اور
بعض کہتے ہیں کہ قبروں کے نزدیک مسجدیں بنانے کی ممانعت

نہیں بلکہ قبروں پر سجدہ کرنے کی ممانعت ہے۔ مولانا قاضی ثناء اللہ ربانی پتیؒ اور مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عام قبرستان یا کسی بزرگ کی قبر کے قریب مسجد بنانا صرف اسی صورت میں روا ہوگا جب کہ لوگوں کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ نہ ہو۔ اگر اس قسم کا احتمال ہو کہ مسجد بنانے سے وہاں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ تو پھر ایسی جگہ پر مسجد بنانا روا نہیں ہوگا۔ اسی لیے قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر قبر سامنے نظر آرہی ہو تو ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایسی جگہ پر نماز پڑھنے کی نوبت آ رہی جائے تو غازی اور قبر کے درمیان سترہ ہونا چاہیئے تاکہ قبر نظر نہ آئے۔ اور اگر نماز باجماعت ادا کرنا ہو تو صرف امام کے آگے سترہ کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر غازی کے آگے سترہ ضروری ہے کیونکہ قبرستان کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ کہیں کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے اور آئندہ آنے والے لوگ اسے وجہ جواز نہ بنالیں۔

اصحابِ کھف اللہ کے نیک بندے تھے مگر مشرکین نے ان کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا بنالیا۔ چنانچہ بعض علاقوں میں اصحابِ کھف کی نذر کے طور پر سات روٹیاں اور آٹھویں روٹی کتے کے نام پر دی جاتی ہے۔ جس طرح گیارہویں شریف اللہ کے نام کی بجائے حضرت پیران پیر کے نام کی دی جاتی ہے، اسی طرح بعض لوگوں نے اصحابِ کھف کی نیات شروع کر دی، اسی قسم کی غرابیاں ہیں جو بزرگوں کے نام سے منسوب کر دی جاتی ہیں۔ بہر حال اس وقت کے معتبر آدمیوں نے کہا کہ ہم اصحابِ کھف کی یادگار کے طور پر یہاں پر عبادت گاہ تعمیر کریں گے۔

اصحابِ کھف کی تعداد کے متعلق بھی اختلاف رہا ہے تاہم

اصحابِ
کھف
کی تعداد

اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں اصولی تعلیم بیان کر دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
 سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا
 ہوں کہ اصحاب کہف تعداد میں تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ وَ
 يَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ
 اور بعض کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ وَ
 رَجَبًا بِالْغَيْبِ ۚ یہ تو بغیر نشانے کے تیر چلانے والی بات ہے۔
 رجم کا معنی پھڑپھڑانا اور بالغیب سے مراد بغیر دیکھے ہے۔ گویا
 اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق مختلف باتیں کرنا بغیر یہ دیکھے تیر چلانے
 والی بات ہے کہ وہ نشانے پر لگتا بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے محاورے
 میں اسے ”اندھے کنوئیں میں ڈول ڈالنا“ بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ
 کہ اس قسم کی باتیں لاابالی میں کہی جاتی ہیں۔

اب آگے اسلوب کلام بدل گیا ہے۔ رجا بالغیب کی بات
 ختم ہو گئی وَ يَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَنًا مِنْهُمْ كَلْبُهُمْ
 اور کہتے ہیں کہ اصحاب کہف تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان
 کا کتا تھا۔ فرمایا اے پیغمبر! قُلْ لَّيْسَ عَلَيَّ رِجَالُكُمْ
 آپ کہہ دیں کہ میرا رب ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے۔ مَا
 يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ انہیں نہیں جانتے مگر بہت تھوڑے
 لوگ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے
 فرمایا کہ میں بھی اُن تھوڑے لوگوں میں شامل ہوں جو اصحاب کہف
 کی تعداد کو جانتے ہیں۔ گویا انہوں نے بھی اس آخری بات کو
 اختیار کیا ہے کہ وہ سات نیچو کار آدمی تھے اور آٹھواں اُن کے
 ساتھ کتا تھا۔

اس مقام پر تعلیم یہ دی گئی ہے فَلَا تَمَارِ فِيهِمْ

اَلَا مَسْرًا ظَاهِرًا آپ نہ جھگڑایا کریں ان کی تعداد کے بارے میں مگر
سرسری۔ اس معاملہ میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے جب
بھی ذکر ہو تو اتنی ہی بات کافی ہے جتنی اللہ نے وحی کے ذریعے بتلائی ہے
اس سے زیادہ بحث مباحثہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور ساتھ
یہ بھی خیال رکھیں وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِنْهُمْ اَحَدًا اور اصحاب
کہف کے بارے میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے بھی پوچھنے کی ضرورت
نہیں ہے اُن کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے بلکہ وہ محض اٹکل پکوباتیں
کہتے ہیں۔ سب سے یقینی علم وحی الہی کا ہے جو آپ کے پاس ہے آپ
اسی پر اکتفا کریں اور ان لوگوں سے مزید کچھ نہ پوچھیں۔

ویسے بھی یہ لوگ کیا حق رکھتے ہیں کہ اصحاب کہف کے متعلق ان سے
دریافت کیا جائے جب کہ یہ تو مشرک ہیں اور اصحاب کہف موحّد اور اللہ
کے نیک بندے تھے۔ انہوں نے ایمان اور توحید کی خاطر قوم اور وطن کو
چھوڑا اور غار میں روپوش ہو گئے۔ ان مشرکین کو اصحاب کہف کے
بارے میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ان کے تو راستے ہی الگ الگ ہیں۔
اللہ نے پہلے ہی فرمادیا: اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ
وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (آیت - ۱۳) وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب
پر صحیح ایمان لائے۔ وہ شرک سے ہنرارتھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو
مضبوط کیا اور ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ مہلّا یہود و نصاریٰ کا ان سے
کیا تعلق؟ عرب کے مشرکین تو ویسے ہی کافر تھے، یہود و نصاریٰ بھی
عقیدہ ولایت میں مبتلا ہو کر مشرک بن گئے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ قرآن اور
اس سورۃ کا ایک مقصد یہ بھی ہے "وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ كَانُوْا
يَتَّخِذُوْنَ اللّٰهَ وَكُودًا" (آیت - ۴) تاکہ اس کے ذریعے یہود و نصاریٰ
کو ڈرایا جائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔

فرمایا، نہ جھگڑا کریں آپ اصحابِ کھٹ کے بارے میں۔ مگر سرسری اور
 نہ ہی یہود و نصاریٰ یا مشرکین سے اس بارے میں کچھ دریافت کریں۔ ان
 میں سے کسی کو بھی صحیح بات معلوم نہیں ہے۔ یہ سب بے تکی باتیں
 کہتے ہیں۔ ان میں سے حقیقی علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ حقیقی علم
 وہی ہے جو اللہ نے آپ کو وحی کے ذریعے بتلادیا ہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَآئٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۖ
 إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ
 عَسَى أَنْ يَهْدِيَنِي رَّبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا
 رَشَدًا ۚ ۲۳ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ
 وَازْدَادُوا تِسْعًا ۚ ۲۵ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ
 غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْهُ وَأَسْمِعْ
 مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي
 حُكْمِهِ أَحَدًا ۚ ۲۶

ترجمہ :- اور نہ کہیں آپ کسی چیز کے بارے میں کہ کرنے والا ہوں میں اس کو کل (۲۳) مگر یہ کہ اللہ چاہے ۔ اور یاد کریں آپ اپنے پروردگار کو جب آپ بھول جائیں ، اور آپ کہیں کہ اُمید ہے کہ راہنمائی فرمائیگا میرا پروردگار اس سے زیادہ قریب تر نیکی کے راستے کی (۲۴) اور بھڑے وہ (اصحاب کھف) اپنے غار میں تین سو سال ۔ اور زیادہ کیا انہوں نے نو (۲۵) آپ کہہ دیجئے ، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جتنی دیر وہ بھڑے ۔ اسی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا ۔ وہ خوب دیکھتا ہے اور سنتا ہے ۔ نہیں ہے اُن کے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز ، اور نہیں شریک بناتا وہ اپنے

فیصلے میں کسی کو (۲۶)

گزشتہ آیت میں اصحاب کہف کی تعداد کا ذکر تھا۔ اس بارے میں زیادہ کمرہ کمرہ نے سے منع فرمایا گیا کہ ایسے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ آج کے درس میں اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کا بیان ہے۔ البتہ درمیان میں ایک بات نصیحت کے طور پر فرمائی گئی ہے کہ کسی کام کا ارادہ کرتے وقت ساتھ انشاء اللہ کہہ کر اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے کیونکہ اس کی منشاء کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس بات کا تعلق اصحاب کہف کے واقعہ کے ساتھ بھی ہے۔ گزشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکین نے یہودیوں کے ایما پر حضور علیہ السلام سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقبرین کے متعلق تین سوال کیے تھے۔ حضور علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے جوابات سے جلدی ہی آگاہ کر دیگا، لہذا آپ نے مشرکین سے فرمایا کہ ان سوالات کا جواب کل دوں گا۔ مگر ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف روایات کے مطابق چند دن یا پندرہ دن یا اٹھارہ دن کے لیے وحی کا سلسلہ منقطع رہا اور آپ مشرکین کے سوالات کا جواب نہ دے سکے۔ اس پر انہوں نے آپ کے خلاف پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ تمسخر اڑایا اور طعنہ زنی کی کہ آپ کا کل کب آئے گا؟ آج کی پہلی دو آیات کا تعلق اسی واقعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ضمن میں نصیحت فرمائی ہے۔

مشیت الہی
کے ساتھ
وابستگی

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا آپ کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ میں اسے کل کرے والا ہوں إِلَّا أَنْتَ يَشَاءُ اللَّهُ بَلْهٰ يَوْمَ كُنتُمْ كَاذِبِينَ کہہ یوں کہیں کہ اگر اللہ نے چاہا۔ گویا اپنے مستقبل کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع کر دینا

چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو میں فلاں کام انجام دوں گا۔ سورۃ توبہ میں بھی اللہ نے واضح فرمادیا ہے۔ ”وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ“ (التکوین - ۲۹) تمہارے چاہنے سے کوئی بات نہیں بنتی جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ انسان کوئی بھی پلاننگ کرے۔ جب تک اللہ کی مشیت نہیں ہوگی، کوئی کام بھی پانچویں تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہی منسلک کرنا چاہیے۔

انشاء اللہ کے ساتھ بعض فقہی مسائل بھی وابستہ ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے کسی کام کے لیے قسم اٹھائی اور ساتھ انشاء اللہ کہہ دیا تو اس نے وہ کام اللہ کے سپرد کر دیا۔ اب اگر وہ اپنی قسم پوری نہیں کر پاتا تو حانت ہو ہو کر ماخوذ نہیں ہو گا کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کام کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل نہیں تھی۔ اور اگر بغیر انشاء اللہ کے قسم اٹھالی ہے تو عدم تکمیل پر حانت سمجھا جائے گا اور اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں انہوں نے قسم اٹھائی کہ میں ایک ہی رات میں تمام بیویاں کے پاس جاؤں گا اور ان سے پیدا ہونے والے تمام بچوں کو اللہ کی خاطر جہاد میں لگاؤں گا۔ آپ نے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکمیل عمل کے باوجود صرف ایک بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ بھی فلج زدہ جس سے جہاد میں شمولیت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ”وَالْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ“ (ص - ۳۳) اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام قسم قسم اٹھاتے وقت انشاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کی مراد پوری ہوتی، سو بچے پیدا ہوتے جو سارے کے سارے خدا کے راستے میں جہاد

کرتے مگر اس بھول کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے
غرضیکہ کوئی بھی کام ہو اسے انشاء اللہ کہہ کر مشیتِ ایزدی کے ساتھ
نسلک کہہ دینا چاہیے۔

انشاء اللہ
کے فقہی
مسائل

مفسرین، مجتہدین اور فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی
کام کا ارادہ کرنے کے کتنی درجہ بعد تک انشاء اللہ کہنا کارآمد ہے حضرت
عبداللہ بن عباسؓ، حضرت مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، ابو العالیہؒ اور بعض دیگر
مفسرین فرماتے ہیں کہ کسی کام کا ارادہ کرنے کے ایک سال بعد تک
بھی اگر کوئی شخص انشاء اللہ کہہ دیتا ہے تو اسے اس کام کے ساتھ
نسلک سمجھا جائے گا۔ البتہ امام حسن بصریؒ، امام طاووسؒ وغیرہ فرماتے
ہیں کہ جس مجلس میں کسی کام کا ارادہ کیا ہے اگر اُسی مجلس کے دوران انشاء اللہ
کہہ دے تو درست ہے، ورنہ مجلس برخاست ہونے کے بعد انشاء اللہ
کہنا اس کام کے ساتھ مطابقت نہیں رکھے گا۔ علاوہ ازیں امام ابو حنیفہؒ،
امام ابی ہشیم نخعیؒ، عطاءؒ، اور امام شعبیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ صرف
اُسی صورت میں درست تسلیم ہوگا جب یہ کسی کام کا ارادہ کرنے کے
ساتھ متصلاً کہہ دیا جائے۔ اگر انشاء اللہ کا لفظ وقفے کے ساتھ کہا تو یہ معتبر
نہیں ہوگا۔

امام صاحبؒ کے کسی مخالف نے خلیفہ منصوٰ کے پاس شکایت
کی کہ آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کسی کام کے ارادے
سے ایک سال بعد تک بھی انشاء اللہ کہنے کو روا سمجھتے تھے، مگر امام
ابو حنیفہؒ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ صرف وہی انشاء اللہ
معتبر ہوگا جو کسی کام کے ارادے سے متصلاً کہا گیا ہو۔ خلیفہ نے
امام صاحبؒ کو طلب کر کے وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا
ہاں میرا مسلک یہی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے مگر آپ جس

بات پر اصرار کر رہے ہیں وہ آپ کے خلاف جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کی اطاعت کا عہد کرتے ہیں تو اس کے ساتھ انشاء اللہ تو نہیں کہتے، لہذا یہ جتنی بات ہوتی ہے اور اس کے خلاف کرنے سے آدمی قابل مواخذہ ہو جاتا ہے۔ اگر انشاء اللہ کہنا عہد کے ایک سال بعد تک مؤخر کیا جانا روا سمجھا جائے تو پھر لوگ آپ کی بیعت کرنے کے بعد گھبر جا کر انشاء اللہ کہہ سکتے ہیں۔ اور اس طرح وہ کسی وقت بھی اس بیعت سے نکل سکتے ہیں اور آپ انہیں اس بیعت پر قائم رہنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے انشاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا، لہذا اگر اللہ چاہے گا تو وہ آپ کی اطاعت میں رہیں گے۔ ورنہ نکل جائیں گے۔ یہ بات خلیفہ کی سمجھ میں آگئی اور اس نے شکایت کنندہ کو دربار سے نکال دیا کہ تم فتنہ بانی ہیں کہہ تے ہو۔

غرضیکہ جس کام کا بھی ارادہ کیا جائے یا کوئی قسم اٹھائی جائے تو اسے انشاء اللہ کے ساتھ فوراً منسلک کر دینا چاہیے۔ اگر ایسا کرے گا تو وعدہ خلافی کی صورت میں جھوٹا نہیں ہوگا۔ اور قسم کی صورت میں حانت نہیں ہوگا۔ اللہ نے حضور کو بھی یہی بات سکھائی کہ آپ یوں نہ کہیں کہ میں یہ کام کل کر دوں گا بلکہ ساتھ انشاء اللہ کہہ کر اسے اللہ کی مشیت پر موقوف کر دیا کہ میں کیونکہ قادر مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کی انشاء ہوگی تو کوئی کام پایہ تکمیل تک پہنچے گا، ورنہ نہیں۔ اللہ نے ساتھ یہ بھی فرمایا **وَإِذْ كُنَّا بِلَدٍ وَإِذَا نَسِيتُكَ** اور اگر آپ عین موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو جس وقت یاد آئے اُسی وقت اعادہ کر لیں بھول جانے کا قانون یہ ہے کہ یاد آوری کے بعد **إِنْ الْفَاظُ كَوَادِمُ** لے بھول کر نماز چھوڑ دینے کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ جس وقت یاد آئے

بھول جانے
کی صورت
میں

فوراً ادا کر لے۔ اگر نماز کا وقت ابھی باقی ہے تو وہ نماز ادا تصور ہوگی اور اگر وقت گزر چکا ہے تو پھر قضا کے حکم میں آئیگی۔ اگر کوئی شخص سو گیا ہے اور نماز کا وقت نکل گیا ہے تو بیداری پر فوراً ادا کر لے۔ اس قسم کا واقعہ خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی دوران سفر دو یا زیادہ مرتبہ پیش آیا۔ ایک مقام پر قافلے نے رات گزائے کا ارادہ کیا۔ رات کو بیدار بھی مقرر کیے جو صبح نماز کے وقت جگادیں مگر پہریدار خود بھی سو گئے جس کی وجہ سے تمام صحابہ کی نماز فجر قضا ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے یہ نماز بعد میں پڑھی انشاء اللہ کہنے کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ اگر موصول گیا تو جب یاد آئے فوراً ادا کر لے۔

نبوت
رسالت
کی دلیل

اور دوسری بات یہ قَوْلُ عَسَىٰ اَنْ يَّهْدِيَنَّ رَبِّيْ
لِاَقْرَبَ مَرَجٍ هَذَا رَشْدًا کہ آپ یہ بھی کہہ دیں کہ امید ہے کہ
میرا پروردگار راہنمائی فرمائے گا۔ اس سے زیادہ قریب تر نیکی کے راستہ کی۔
در اصل یہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت کی دلیل بیان کی جا
رہی ہے۔ آپ کا اصحاب کہف کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا ہی
آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہود و مشرکین نے یہ سوال کر کے آپ
کا امتحان لینا چاہا تھا۔ جب آپ نے صحیح جواب دے دیا تو اس کا مطلب
یہ ہے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور اُس کے بتلانے سے ہی
آپ نے اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ تو سینہ کڑوں سال پرانا
واقعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ قریبی زمانہ کے کسی واقعہ کو بھی آپ کی رسالت کی
دلیل کے طور پر پیش کر سکتا تھا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ الیا
ہے جو اس سورۃ کے نزول سے کچھ عرصہ بعد پیش آیا۔ جس طرح
اصحاب کہف تین سو نو سال تک غار میں پناہ گزین رہے، اسی طرح حضور
علیہ السلام سفر ہجرت کی ابتداء میں تین دن تک غارِ ثور میں رُکے رہے۔ تمام تر
کوشش کے باوجود کفار آپ کو تلاش نہ کر سکے۔ تین دن کے بعد آپ

غارِ ثور سے نکل کر مینہ کے راستے پر چل نکلے۔ تو گویا یہ تین دن کا واقعہ تین سو سالہ واقعہ سے تو قریب تر ہے اور حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے۔

نارنج اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ مخالفین کی ایذا رسانیاں اور اللہ کے بندوں کی روپوشی اور گرفتاری کے واقعات دنیا میں ہمیشہ رونما ہوتے آئے ہیں۔ جب انگریزوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور ہمارے بزرگوں کی گرفتاری کا حکم دیا تو اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو سزائے موت کا حکم ہو چکا تھا، آپ روپوش ہو گئے اور پھر مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی تین دن تک روپوش رہنے کے بعد باہر نکل آئے۔ اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور وہ گرفتار نہیں کیے جا سکے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ آٹھ نو ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر کے رہا ہوئے۔ حاجی صاحب نے انگریزوں کے ساتھ آخری ٹھکر لی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو برصغیر میں انگریزوں کا اقتدار مزید سو سال تک منظور تھا۔ اس لیے آپ کو کامیابی نہ ہو سکی۔

انشاء اللہ کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد آگے پھر اصحاب کف کا ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان کے غار میں قیام کی مدت کا تذکرہ ہے فَرِیَا وَكَبَّرُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وہ اپنی غار میں تین سو سال ٹھہرے رہے وَازْدَا دُوا تِسْعًا اور زیادہ کیا۔ انہوں نے اس پر نو سال۔ اس طرح کل تین سو نو سال ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان کے غار میں رہنے کی مدت تو تین سو سال ہی تھی۔ البتہ بعض لوگوں نے بیان کرنے میں نو سال کا اضافہ کر دیا۔ یہ حضرات نو سال کو مبالغہ آرائی پر محمول سمجھتے ہیں۔ تاہم زیادہ تر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ نو سال کا فرق شمسی اور قمری سالوں کے لحاظ سے ہے۔ اصحاب کف

غار میں
ٹھہرنے
کی مدت

شمسی سال کے حساب سے تین سو سال ٹھہرے۔ جب کہ قمری سالوں کے حساب سے ان کی تعداد تین سو نو سال بن جاتی ہے کیونکہ ہر شمسی صدی میں قمری لحاظ سے تین سال بڑھ جاتے ہیں۔

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ جواب میں کہہ دیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا اللّٰہ ہی خوب جانتا ہے کہ اصحاب کہف کتنی مدت ٹھہرے تھے۔ تاریخی اور تفسیری روایات میں تو بہت سی باتیں ملتی ہیں جنہی صحت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، لہذا اللہ نے جتنی بات باری ہے وہی درست ہے۔ اس بات کا تعلق علم غیب سے ہے جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں پر بھی اللہ نے وضاحت فرمادی ہے۔ لَآ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَسْمَانُوں اور زمین کا غیب اُسی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تو کوئی چیز یہ وہ غیب میں نہیں ہے۔ البتہ جو چیز آسمانی مخلوق کی نظروں میں غیب ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور جو اشیاء زمینی مخلوق انسان، جن، فرشتوں وغیرہ کی نظروں میں غیب ہے اللہ تعالیٰ ان سے بھی خوب واقف ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے لیے ہے۔ اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ذرے ذرے کا علم صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ

”اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ“

خدا تعالیٰ بصیر
اور سماعت

فرمایا اَبْصِرْہِ اللّٰہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے وَاَسْمِعْ اور وہ خوب سنتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا دیکھنا اور سننا بھی عجیب و غریب ہے جو انسان کی عقل میں نہیں آسکتا۔ انسانوں اور دوسری مخلوق کو دیکھنے کے لیے آنکھوں اور مٹھنے کے لیے کانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مٹی اور دیگر مادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے ذریعے کوئی آواز کان تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح دیکھنے کے لیے روشنی کا ہونا اور پھر کسی چیز کا

نگاہ کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر قسم کے آلے سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے کے لیے نہ کانوں اور دیگر لوازمات کا محتاج ہے اور نہ دیکھنے کے لیے اُسے روشنی کی ضرورت ہے وہ ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے، اس لیے وہ ہر چیز کو ہر آن سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ اس کے دیکھنے اور سننے کی کیفیت انسانی فہم میں نہیں آ سکتی۔

فرمایا صَالِحُ صِدِّقٌ ذُو نَبِیٍّ وَکَلِیٍّ بندگان کے لیے اللہ کے سوا کوئی کار ساز نہیں ہے جو کسی کی بگڑی بنا سکے۔ اس کے علاوہ تصرف کی مالک کوئی ذات نہیں۔ وہی کار ساز مطلق ہے اس صفت کو کہیں ولی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں وکیل کے ساتھ۔ ہر چیز کا ولی اور وکیل فقط خدا تعالیٰ ہے۔ اسی لیے فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (المزل - ۹) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا اُسی کو اپنا کار ساز بناؤ۔ ہر چیز اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ نافع و ضار، علیم کل، قادر مطلق، متصرف اور مدبر صرف وہی ہے اچھی اور بُری پوری مخلوق میں اس کے سوا کوئی کار ساز نہیں۔

فرمایا وَلَا تُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا وہ اپنے فیصلے اور حکم میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، لہذا ہر چیز کا فیصلہ بھی وہ خود کرتا ہے۔ گزشتہ سورۃ میں بھی گزر چکا ہے کہ اس کا کوئی معاون اور مددگار نہیں ہے، اور آگے اس سورۃ میں بھی آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی معاملہ میں کوئی معاون نہیں اور نہ ہی اُس کو ضرورت ہے، اُس کا ہر فیصلہ اپنی مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کسی دوسری ذات کو شریک بناتا گا۔ تو وہ مشرک بن جائے گا، کیونکہ یہ بات اِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ (الانعام - ۵۷) کے خلاف ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہوتا ہے۔ وہ

بائنہ کت غیر
فیصلہ

جو بھی فیصلہ کئے اس میں کسی مخلوق کو شریک نہیں بناتا۔ وہ خود مختار ہے
 اور ہر فیصلہ کئے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ اصحاب کف کا واقعہ
 اس کی مشیت اور فیصلے کی مثال ہے۔ اُس کے سوا کون ہے جو کسی
 جاندار کو سینکڑوں سال تک بغیر کھانے پینے زندہ رکھ سکے؟ یہ تو اللہ
 نے اپنی قدرت کی نشانی ظاہر فرمائی ہے۔ وہ ایبا احکم الحاکمین ہے
 جو اپنے فیصلے میں کسی کو شریک نہیں کرتا

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ
 لِكَلِمَتِهِ ۖ وَلَنْ تُجَدَّ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ ۲۷ وَ
 اصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ
 بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشیِّ یُرِیدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ
 عَیْنُکَ عَنْهُمْ ۖ تُرِیدُ زِینَةَ الْحَیَوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا
 تُطِيعْ مَنْ اغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
 وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ ۲۸

ترجمہ:- آپ پڑھیں اس چیز کو جو وحی کی گئی ہے آپ
 کی طرف آپ کے رب کی کتاب - نہیں ہے کوئی تبدیل
 کرنے والا اس کے کلمات کو، اور ہرگز نہ پائیں گے آپ
 اس کے سوا کوئی جائے پناہ ۲۷ اور آپ صبر کریں اور
 روکے رکھیں اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے
 ہیں اپنے پروردگار کو صبح اور پچھلے پہر - چاہتے ہیں اس کی
 رضا - اور نہ آپ دور کریں اپنی آنکھوں کو ان سے - کیا
 آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں؟ اور آپ نہ
 مانیں بات اس شخص کی جس کے دل کو ہم نے غافل
 کر دیا ہے اپنی یاد سے، اور اُس نے اپنی خواہش کی
 پیروی کی ہے - اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے ۲۸

اصحاب کھف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی الہی یعنی قرآن پاک کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کا علاج تجویز کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ **وَ اَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ** آپ پڑھیں اس چیز کو جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی کتاب۔ صحیح بات تو اسی کتاب میں ہوگی۔ جو لوگ اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں، وہ یقینی نہیں ہیں قطعی اور یقینی عالم نہ تو لوگوں کی سنی سنائی باتوں میں ہے، نہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ آپ اس کتاب پر اعتقاد رکھیں، اس کی تلاوت کریں اور اسی کو اپنا نصب العین بنائیں۔

قرآن پاک وحی جلی اور ہر چیز کی بنیاد ہے۔ باقی تمام چیزیں اس کی تشریح و توضیح ہیں۔ جو چیزیں اللہ نے اپنے پیغمبر کے قلب مبارک پر اتاری ہیں۔ وہ وحی ختمی ہے اور اس کتاب کی تشریح ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں **وَالسُّنَّةُ تَفْسِيرُ الْقُرْآنِ وَتَبَيُّنُهُ سُنَّتُ الْوَحْيِ** چیز ہے جو قرآن پاک کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ درس میں اصحاب کھف کے متعلق اللہ کا فرمان گزر چکا ہے **فَلَا تَعْمَارُ فِيْهِمْ** آپ اس معاملہ میں ان لوگوں سے جھگڑانہ کریں **وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ** اور نہ ان میں سے کسی سے پوچھیں۔ اصل بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے، لہذا تمام معاملات میں اسی کتاب پر اعتماد ہونا چاہیئے۔

فرمایا اس کتاب کی حیثیت اس قدر قطعی اور یقینی ہے **لَا مَبْدَلَ لِكَلِمَاتِهِ** کہ اس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اس کتاب میں اللہ نے اپنے سچے دین کو غالب کرنے کا جو وعدہ فرمایا، وہ یقیناً پورا ہو کر رہا، حالانکہ مشرکین اور اہل کتاب ہمیشہ اس دین کو مٹانے

کی کوشش کرتے رہے۔ دلیل اور برہان کے اعتبار سے تو یہ دین تمام ادیان پر ہر وقت غالب ہے، تاہم اللہ نے سیاسی طور پر بھی دین اسلام کو دنیا میں غالب کر کے اپنے وعدے کی تکمیل کر دی۔

غیر مسلم اقوام نے اللہ کے اس آخری پیغام میں تغیر و تبدل کی لاکھ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اس سلسلے میں یہودی ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ ابھی قریبی زمانہ میں جب اسلام کی روشنی افریقی ممالک میں پھیلی تو قرآن پاک کے نسخوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن حکیم کے تخریف شدہ نسخے وہاں پہنچائے تاکہ لوگوں کو ان کے ذریعے اسلام سے منحرف کیا جاسکے مگر ان کی یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے مصر کے ناصر مرحوم کو توفیق بخشی جس نے قرآن کریم کے صحیح نسخے چھپوا کر لاکھوں کی تعداد میں افریقی ممالک میں تقسیم کیے اور اس طرح یہودیوں کی سازش ناکام ہو گئی۔ یہ لوگ تراجم میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز تحقیق کے نام پر علماء میں قرآن پاک سے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر نیچی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے بندے پیدا کرتا رہا ہے جو اس قسم کی سازش کو بے نقاب کر کے قرآن کا اصل پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر آنے والے دور میں ایسے عادل لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو باطل پرستوں اور غالیوں کی غلط تاویلات کا تعاقب کرتے رہیں گے۔ فرمایا کسی دور میں بھی گمراہ لوگوں کو ایسا غلبہ کبھی حاصل نہیں ہوگا کہ حق بالکل ہی محروم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھا رکھا ہے اور اس کا جو مفہوم حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے سمجھا وہ آج تک محفوظ ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس کتاب کے کلمات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

قرآن پاک کی حفاظت کا انتظام اللہ نے مختلف طریقوں سے
 کر رکھا ہے۔ اس کے الفاظ، اعراب اور قرأت کی حفاظت ہوئی، ہر
 زمانے میں اس کی تفسیر و توضیح ہوتی رہی۔ مسلمانوں نے صرف دیکھ جیسے
 علوم ایجاد کیے جن کے ذریعے قرآن پاک کی ٹھیک ٹھیک وضاحت ہوتی
 رہی۔ قرآن پاک کے کلمات اور صیغوں کی حفاظت ہوئی، اور اس کی قرأت
 میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔ فقہ اور اصول فقہ جیسے علوم و فنون مدون ہوئے
 تاکہ قرآن پاک کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ فصاحت و
 بلاغت کے علوم کے ذریعے قرآن کی عبارت کو عمدگی سے سمجھنے میں
 مدد ملی۔ پھر دین میں غلط باتوں کے در آنے کی نشان دہی ہوئی، صحیح کو
 ضعیف سے ممتاز کیا گیا۔ فقہائے کرام نے اجتہاد کے ذریعے مسائل کا
 استنباط کیا اور اس طرح قرآن حکیم کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملی۔
 قرآن پاک کے اصول ایسے پائیدار ہیں کہ اللہ نے فرمایا وَذَلِكَ
 دِينَ الْقَبْلَةِ (البینۃ - ۵) یہ مضبوط اور مستحکم دین ہے،
 اس میں ایسی کوئی لچک نہیں کہ کوئی شخص اس کی حریم کردہ چیز کو
 حلال یا حلال کو حرام کر دے، اس کے بتائے ہوئے حلت و حرمت
 کے قوانین ایسے مضبوط ہیں کہ کوئی فرد واحد، جماعت یا حکومت ان کو
 تبدیل نہیں کر سکتی، اس سلسلے میں ساری مخلوق عاجز ہے اور اس کے
 کلمات کو کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔

اللہ کے سوا
 کوئی چاہتا
 نہیں

فرمایا وَلَئِنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحِدًا اور آپ
 ہرگز نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی جائے پناہ۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و
 قوانین کی نافرمانی کرنے والے مجرمین کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ ملتحداً الحد کے
 مادے سے ہے جس کا معنی بغلی قبر ہوتا ہے۔ لحد دراصل قبر کا انتہائی کنارہ
 ہوتا ہے، اور دین میں الحاد بھی انتہائی کنارہ ہی ہوتا ہے جب انسان

گمراہی میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کا معنی وہ آخری کنارہ ہے جہاں کوئی انسان پناہ پکڑ لے۔ مگر فرمایا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں سہارا اور پناہ گاہ میسر نہیں آسکے گی۔ جس نے اللہ کی حکم عدولی کی اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

ضعفا کیساتھ
ہم نشینی

کفار و مشرکین کمزور اور غریب مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اُن کے ساتھ بیٹھنا اپنی توہین تصور کرتے تھے، اس لیے وہ حضور علیہ السلام سے کہتے کہ جب تک سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، صہیبؓ، عمار بن یاسرؓ وغیرہ جیسے غریب لوگ آپؐ کی مجلس میں موجود ہیں۔ ہم آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر آپ ہمیں اپنی بات سنانا چاہتے ہیں تو ان غلاموں یا آزاد شدہ غلاموں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان اولین جانثاران اسلام کی قدر و قیمت سے آگاہ فرمایا اور ان ضعفا کی ہم نشینی کسی صورت میں بھی ترک نہ کرنی تلقین فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَأَصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ

الَّذِینَ یَدْعُونَ رَبَّہُمْ بِالْعَدَاوَةِ وَالْحَسِیَّةِ
آپ صبر کریں اور اپنے آپ کو رُکے رکھیں اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ یعنی اسلام کے ان جانثاروں کو اپنی مجلس سے الگ نہ کریں۔ دوسرے مقام پر ہے کہ اگر آپ نے ان کو الگ کیا تو آپ زیادتی کرنے والے ہو جائیں گے۔ دیکھو! نور علیہ السلام کی قوم کے امراء نے بھی آپ کے متبعین کے متعلق یہی بات کی تھی
”مَا خَلَکَ اتَّبَعُکَ إِلَّا الَّذِینَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّیِ الرَّأٰی“
(ہود - ۲۷) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے متبعین گھٹیا قسم کے لوگ ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کا پیروکار کوئی بڑا آدمی تو نہیں ہے۔
سب کہیں لوگ ہیں۔ بھلا ان کی موجودگی میں ہم آپ کے ساتھ کیسے

بیٹھ سکتے ہیں وہاں بھی اللہ نے نوح علیہ السلام کی زبان سے یہی کہلویا کہ
میں ان غریب لوگوں کو اپنی مجلس سے دھکیل دوں گا تو میں ظلم کرنے والوں
میں سے بن جاؤں گا۔ یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ صبح و شام اللہ کا ذکر کرنے
والوں کو اپنی مجلس سے دھور نہ کریں، اسی لوگ آپ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ جو
اُس وقت ایمان لائے جب مخالفت اور ایذا رسیاتوں کی تند و تیز
آندھیاں چل رہی تھیں۔

رضائے
الہی کی
طلب

فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں يُزِيدُونَ وَجْهَهُ جو اللہ تعالیٰ کی
رضائے کے طالب ہیں۔ ان کے پیش نظر کوئی دنیاوی مقصد نہیں ہے بلکہ
ہمیشہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی تلاش میں رہتے ہیں جو کہ بلند ترین مقام ہے
یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں معزز ترین لوگ ہیں کیونکہ ان کا مقصد
اعلیٰ وارفع ہے۔ جس سے اللہ راضی ہو گیا، اُسے سب کچھ مل گیا۔
وَرَضَوْنَ ان جیسے اللہ اکبر اللہ کی رضا تو سب سے بڑھ کر ہے
کسی فرد جماعت یا قوم کی فلاح اسی میں ہے۔

اکثر لوگ دنیا کی ترقی کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔ اسلام اس
کا مخالف تو نہیں لیکن دنیا میں مہمک ہو کر اگر انسان کا اصل مقصد ہی
فوت ہو گیا تو پھر اس مادی ترقی کا کیا فائدہ؟ لوگ امریکہ اور روس کے امیر ملکوں
پر رشک کرتے ہیں کہ انہیں دنیا کی تمام ضروریات با فرط میسر ہیں
اور وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر اس چند روزہ زندگی کے
بدلے اگر ابدی زندگی خراب ہو گئی تو بڑے ہی نقصان کا سودا ہے اگرچہ
ترقی یافتہ لوگ بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں مگر ان میں بھی حقیقت
کا فقدان ہوتا ہے۔ کیا امریکہ اور برطانیہ میں غریب لوگ نہیں ہیں؟
روس کا دعویٰ بھی غلط ہے کہ سب کو ترقی کے یکساں مواقع مل رہے ہیں۔
وہاں بھی بعض کو اچھے مواقع مل جاتے ہیں اور بعض محروم رہ جاتے ہیں

بعض عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بعض تنگی میں گزر اوقات کرتے ہیں۔ ان کے ضمیر کچلے ہوئے ہیں۔ آزادی فکر حاصل نہیں، وہ توجانوروں کی طرح مجبور محض ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ قیصر و کسری کے زمانے میں انسانوں سے سیلوں اور گدھوں کی طرح کام لیا جاتا تھا مگر انہیں اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنی عاقبت کے متعلق بھی کچھ سوچ سکیں۔ جو وقت محنت مزدوری سے بچ جاتا ہے وہ لعب و لہو کی نذر ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رضا نہ ان کا مقصود ہے اور نہ وہ اس کے لیے کوشش کرتے ہیں بہر حال اللہ نے ان غریب اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی کے طلبگار رہتے ہیں۔

درمیانی حالت ہی بہتر ہے

حضیر علیہ السلام کے صحابہ کے بارے میں اللہ نے اجتماعی طور پر فرمایا ہے "يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرَضُوا أَنَا (الفتح-۲۹)" کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں فضل کا معنی ارتفاق یعنی دنیوی زندگی اچھے طریقے سے بسر کرنے کا طو طریقہ ہے۔ اور رضوان سے مراد خدا تعالیٰ کا قرب ہے جسے وہ مختلف طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح ایمانداروں کے پاس بہتر طور پر زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی ہونا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کی تین حالتیں ہیں۔ بالکل معمولی حالت میں تنگی کی زندگی بسر کرنے کو تقشف کہتے ہیں۔ اس کو بھی پسند نہیں کیا گیا دوسری حالت رفاہیت بالغہ کی ہے جس کا مطلب ہے کہ انسان کو انتہائی درجے کی خوشحالی حاصل ہو، وہ بہترین مکان میں رہائش اختیار کرے بہترین لباس پہنے، خوراک بھی بہترین ہو اور سواری بھی نہایت عمدہ ہو۔ یہ حالت بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ خَيْرُ الْأَمْوَالِ أَوْسَطُهَا درمیانی حالت ہی اچھی ہے۔ لباس ہر شخص کو ملنا چاہیے۔ مگر نہ

بہت کم تر اور نہ زیادہ شان و شوکت والا۔ اگر جائزہ ذرائع سے کسی کو اچھا لباس میسر آتا ہے تو بیشک استعمال کرے مگر ہر وقت اچھے سے اچھے لباس، مکان، سواری اور عیش و عشرت کے پیچھے پڑے رہنا رفہ ہمت بالغہ اور ملکیت کی علامت ہوگا۔ اس سے غریبوں کا حق تلف ہو کر سائنٹی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا بہتری اسی میں ہے کہ دنیا کے بہترین لوازمات حاصل کرنے کی بجائے انسان درمیانی حالت پر اکتفا کرے، اجتماعی نظام اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جس بستی کی آبادی دس ہزار نفوس کی ہو جائے وہاں مختلف پیشوں (OCCUPATIONS) (اکو پیشن) میں توازن قائم نہ ضروری ہو جاتا ہے۔ صحیح پیشوں کی حوصلہ افزائی اور غلط پیشوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے تاکہ معاشرے میں اونچ نیچ ختم ہو اور سب کو ترقی و تعلیم کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ انسانوں کو جانوروں کی طرح کام پر نہیں لگانا چاہیے بلکہ انہیں اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے جس میں وہ اپنی عاقبت کی بہتری کے لیے سوچ و بچا کر سکیں۔ ”وَتَبْتَئِلْ إِلَيْهِ تَبْتِلًا“ (المومل ۸۰) اور کچھ دیر کے لیے اپنے پروردگار کے ساتھ بھی کو لگا سکیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے متلاشی بنتے ہیں۔

اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہ بھی فرمایا ”وَلَا تَقْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ“ آپ اپنی نگاہ شفقت الیہ مخلص لوگوں سے دور نہ کریں بلکہ ہر وقت ان پر نگاہ شفقت رکھیں ”بِدْ زِينَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“ کیا آپ دنیا کی زندگی چاہتے ہیں؟ یہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصود اللہ کی رضا اور انہی کی فراموشی کرنا چاہیے۔ جب کبھی حضور کے دل میں ذرا بھی خیال پیدا ہوا کہ ان ضعفا کو حضور ہی دیر کے لیے علیحدہ کر کے

غریب کی
طرف
نگاہ شفقت

امراؤ کو بھی اسلام کی حقانیت سے خیردار کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کر دی۔ فرمایا آپ یہ نہ خیال کریں کہ امر کے ایمان قبول کر لینے سے اسلام پر بڑی رونق آجائے گی۔ نہیں، بلکہ ایمان کی رونق تو اللہ تعالیٰ کی یاد سے آئے گی۔ محض مال و دولت سے اسلام ترقی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر حضور علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ ہم نشینی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ہمیشہ اپنی لوگوں میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔

ابو داؤد و طیالسی نے اپنی منہ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ جس کا ذکر امام ابن کثیر نے بھی کیا ہے۔

لَا اُجَالِسُ قَوْمًا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ
صَلَاةِ الْغَدَاةِ اِلَى
طُلُوعِ الشَّمْسِ اَحَبُّ
اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ
عَلَيْهِ الشَّمْسُ

آپ نے یہ بھی فرمایا۔

وَلَا اَذْكُرُ اللَّهَ مِنْ صَلَاةِ
الْعَصْرِ اِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ
اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ
ثَمَنِيَّةً مِّنْ وَلَدِ اِسْمَاعِيلَ
رِيَّةً كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ
اَشْنَا عَشَرَ اَلْفًا

یہ کہ میں بیٹھ جاؤں ان لوگوں کے ساتھ جو صبح کی نماز سے لے کر طلوع سورج تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں یہ میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، یہ کہ میں نماز عصر سے لے کر غروب شمس تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کروں یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک غلام آزاد کروں جن میں سے ہر ایک

کی دیت بارہ ہزار ہو۔ خدا تعالیٰ کا ذکر اتنی بلند چیز ہے اور یہ غریب لوگ ہی ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے

ہیں اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں بہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھنے کی کوشش کریں، اور یہ نہ خیال کریں کہ بڑے لوگوں کو اہمیت دینے سے اسلام کی ترقی ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں پر اولین ایمان لانے والے ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوئے ہیں۔ بڑے لوگ تو بالکل آخر میں آتے ہیں جب ان کے لیے فرار کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ ابوسفیانؑ اور دیگر بڑے بڑے اکابرین فتح مکہ کے بعد ہی ایمان لائے۔ اور جو لوگ روزِ اول سے تکالیف برداشت کر رہے تھے ان کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ وہ ہر امتحان میں کامیاب ہوئے، مال و جان قربان کیا، ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں، وطن چھوڑا مگر دین کو سینے سے لگائے رکھا۔ اللہ نے انہی کے ساتھ ہم نشینی کی ہدایت کی ہے۔

یادِ الٰہی
سے
غفلت

مزید ارشاد ہوا وَلَا تَطْعَ مَنْ أَعْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا اور آپ اس شخص کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام کے بدترین دشمن تھے۔ فرمایا ہم نے انہیں اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کی ضد اور عناد کی وجہ سے سزا کے طور پر انہیں اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ یہودیوں کے متعلق بھی فرمایا وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (الباقعة - ۱۳) ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا ہے اور یہ حق کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے۔

بعض فرماتے ہیں کہ أَعْفَلْنَا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے دل کو غفلت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ نسبت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کیمت شاعر نے کہا ہے

طَائِفَةٌ قَدْ أَكْفَرُوا مِنِّي مَحْبِبُكُمْ

وَطَائِفَةٌ قَالُوا مَسِيءٌ وَمَذْنِبٌ

تمہاری محبت کی وجہ سے ایک گروہ نے مجھے کفر کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے گروہ نے مجرم اور گنہگار کہا ہے۔ جس طرح اکفر و مانی کا مطلب کفر کی طرف منسوب کرنا ہے۔ اسی طرح اغفلنا غفلت کی بظہر منسوب کرنا ہے۔

مثلاً السَّامِيُّ لے امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صَدَقَ اَعْفَلْنَا کا معنی صَادَقْنَا قَلْبَهُ عَافِلًا ہے یعنی جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل پایا ہے۔ غافل کیا نہیں بلکہ غافل پایا ہے۔ غفل اُس تیر کو بھی کہتے ہیں جس پر کوئی نشان نہ ہو۔ زمانہ جاہلیت میں جوئے کے دس تیر استعمال کیے جاتے تھے جن میں سے سات تیروں پر ایک سے سات تک نمبر لکھے ہوئے تھے اور باقی تین تیر خالی ہوتے تھے، وہ غفل کہلاتے تھے اور یہاں مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے اور ایمان سے غفل یعنی خالی بنا دیا ہے آپ اُس کی بات نہ مانیں۔ بعض مفسرین اغفلنا کا معنی ارسوا کر دینا کرتے ہیں۔ اور حملے کا مطلب یہ کہ جو شخص اللہ کی یاد سے غفلت پڑتا ہے، وہ ذلیل اور سوا ہو جاتا ہے فرمایا اَلِیَا شَخْصٌ وَاَتَّبَعَهُ هَوْدَہُ اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے وہ شخص حق کا منکاشی نہیں ہوتا، نہ کسی صحیح اصول کا طالب ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ اپنی نفاذی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق

خواہشات
کا اتباع

فَرَمَا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (البقرة - ۱۶۸)
شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے عطا
باطلہ اور بدعات کی پیروی دراصل شیطان ہی کا اتباع ہے۔ کیونکہ اللہ کی خوشنودی کا راستہ تو صرف وہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلایا ہے۔ ہر خوشی اور غمی میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر خواہشات

کے پیچھے چلو گئے تو تباہ ہو جانے لگے اور خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکے گی۔ غرضیکہ فرمایا کہ آپ اس شخص کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل پایا اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

فرمایا وَكَانَ امْرُؤٌ فَرَطًا اِیْسے شخص کا معاملہ تو حد سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ افراط و تفریط کا شکار ہے جو کہ بڑی ہی مذموم چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر خاتم النبیین کو بھی یہ ادب سکھایا ہے اور پھر آپ کے واسطے سے باقی امت کو بھی کہ وہ غریب اور نادار اہل ایمان کو حقیر نہ سمجھیں بلکہ ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار کریں، ان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کریں۔ دولت مندوں کی خوشائے نہ کریں اور غریبوں کو نظر انداز نہ کریں حضور علیہ السلام نے دعائیں بھی یہ الفاظ سکھائے ہیں اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مُسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مُسْكِيْنًا وَاَحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسْكِيْنِيْنَ اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور مسکین کی حالت میں ہی وفات دے اور میرا حشر بھی مسکینوں کے ساتھ ہی فرما۔ آپ علیہ السلام نے حُبِّ الْمَسْكِيْن کی بھی دعا فرمائی، یعنی باری تعالیٰ مجھے مسکینوں کے ساتھ محبت رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ الغرض اللہ تعالیٰ امراء کی نسبت غریبوں کو ترجیح دی ہے اور انہیں کے ساتھ روابط قائم رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَقَدْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ
 وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا
 أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُّوا
 بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ
 وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۖ (۲۹) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۖ (۳۰)
 أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
 الْأَنْهَارُ يُجَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
 وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ
 مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ
 وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۖ (۳۱)

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیں کہ حق تمہارے رب کی
 طرف سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے، اور جو
 چاہے کفر اختیار کرے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی
 ہے ظلم کرنے والوں کے لیے آگ۔ گھیرا ان کہ
 اس آگ کے پردوں نے۔ اور اگر وہ فریاد کریں گے
 تو ان کی فریادیں کی جائیگی پانی کے ساتھ جو گارا (تلچھٹ)

کی طرح ہو گا اور چہروں کو جلا ڈالے گا۔ یہ بہت ہی
 بُرا مشروب ہو گا، اور بہت ہی بُرا آرام ہو گا (۲۹) تحقیق
 جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام
 دیے، بیشک ہم نہیں ضائع کرتے بلکہ اس کا جس
 نے اچھا عمل کیا (۳۰) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے
 باغات ہیں رہائش کے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی
 پہنائے جائیں گے ان (دہشتوں) میں کنگن سونے کے اور
 پنیں گے یہ کپڑے سبز باریک اور موٹے ریشم کے
 تیکے لگائے ہوئے اُن میں بنجوں پر بہت ہی اچھا بدلہ
 ہے اور کیا ہی خوب آرام ہے (۳۱)

ربط آیات اللہ تعالیٰ نے اصحاب کعب کا واقعہ بیان کرنے کے بعد وحی الہی یعنی
 قرآن پاک کی تلاوت کا حکم دیا۔ یہ ایک ایسی قطعی اور یقینی کتاب ہے جس کے کلمات
 کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے
 اس کے خلاف چلے گا تو مجرم بن جائے گا اور کسی مجرم کے لیے خدا تعالیٰ کے
 سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اللہ نے اُن مجرمین کا بھی رد فرمایا جو اپنے مالی تفوق
 کی بناء پر غریب ایمانداروں کو حقیر سمجھتے تھے اور اُن کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا بھی
 گوارا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ایسے مخلص ایمانداروں
 سے علیحدگی اختیار نہ کریں بلکہ انہیں اپنے پاس بٹھائیں اور خود اُن کی مجلس میں بیٹھیں
 جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اُن کا منتہائے مقصد رضائے الہی ہے۔
 ایسے لوگوں سے اپنی نگاہ شفقت نہ ہٹائیں۔ آپ اہل ثروت کو اسلام کی رونق کا
 ذریعہ نہ سمجھیں بلکہ دین اسلام کی اصل رونق تو انہی غرباء کے دم قدم سے ہے، جو
 مخلص مسلمان ہیں اور جنہیں کم تر سمجھا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک

تو یہ ہے بیکہُ الْاِسْلَامِ عَرِيبًا وَسَيَعُوْدُ عَرِيبًا فَطَوَّلَ
لِلْعَرَبِ بَلَاغُ يَعْنِي اسلام کے اولین ماننے والے غریب لوگ ہی تھے اور آخر میں
بھی دین غریبوں میں ہی لوٹ آئے گا، اس لیے غریب لوگ مبارک باد کے
مستحق ہیں۔ فرمایا جن لوگوں کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں، وہ اپنے
مادی وسائل میں ہی سرمست ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کی بات نہ مانیں اور
جو لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں، آپ ان کی طرف بھی توجہ نہ دیں۔

انسان قائل
مخالف ہے

اب اگلی بات اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمائی ہے وَقُلِ الْحَقُّ
مِنْ رَبِّكُمْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ حق تمہارے رب کی طرف
سے ہے۔ وحی الہی، کتاب، دین، شریعت، احکام سب تمہارے
پروردگار کی طرف سے ہیں، ان میں کسی نبی کا ذاتی دخل نہیں ہے فَمَنْ
شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ پس جس کا جی چاہے
ایمان قبول کر لے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ پکڑ لے اللہ تعالیٰ
نے حق کو واضح کر دیا ہے اور اب وہ کسی کو صحیح راستہ اختیار کرنے پر
مجبور نہیں کہہ تا اَنْ لَّوْ كَيْشَاءَ اللّٰهُ لَهَدٰى النَّاسَ جَمِيعًا
(الرعد - ۳۱) اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے کہ تیر کی طرح
بیدھا کر دے مگر یہ چیز اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے
اس کا اصول یہ ہے لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرة - ۲۵۶) دین میں جبر نہیں ہے۔
ہدایت اور گمراہی کا راستہ واضح ہو چکا ہے۔ اللہ نے اسے انسانوں کے
اختیار پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے
نبی کو بھی کہہ دیا اَسْتَعِيْذُ بِكُمْ بِمَصِيْطٍ (الفاشية - ۲۲)
آپ لوگوں پر دراوغہ تو نہیں ہیں جو انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دیں گے
آپ تبلیغ دین کا کام کرتے ہیں، اور قبولیت ہدایت کی ذمہ داری انہی

کو سونپ دیں، وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگرچہ ہر چیز کی توفیق اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے، ایمان لانے کی توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہی ملتی ہے اور انسان کفر بھی اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ہی اختیار کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حد تک اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جو نسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو تمام قوی عطا کر کے اور اپنی معرفت کے تمام ذرائع مہیا کر کے اس کا امتحان لینا چاہتا ہے اور امتحان کے لیے ضروری ہے کہ جس کا امتحان مطلوب ہے اس کو خاص حد تک اختیار بھی دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کسب اعمال انسان کے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ فرمایا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرة ۲۸۶) انسان کے لیے اُس کی اپنی اچھی کمائی ہی مفید ہوگی اور اُس کا بُرا عمل اُسی کے خلاف جائے گا۔ لہذا اب یہ اس کی اپنی مرضی ہے کہ ایمان لے آئے یا کفر کا راستہ اختیار کر لے۔

البتہ اللہ نے اس سے بھی آگاہ فرمایا اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا اَلْقَيْنَا ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لیے آگ۔ جو لوگ ظلم کا راستہ اختیار کریں گے، کفر و شرک کے راستہ پر چلیں گے اور محفل کے خلاف کام کریں گے تو پھر اُن کی قسمت میں دوزخ کی آگ ہوگی جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ دنیا کی آگ سے ستر گنا تیز ہوگی۔ اَحْطَا بِهَمْ سَكْرَادِفْہَا گھیرا ہے اُن کو اس آگ کے پردوں نے۔ سکرادق پردوں کو کہا جاتا ہے جیسے خیمہ یا قنات کے پردے ہوتے ہیں یہ پردے تو کپڑے کی چند تہوں کے ہوتے ہیں مگر تہ مذی شریف کی روایت میں آگ کے پردوں کی موٹائی چار دیوڑوں کے برابر ہوگی اور ان میں سے ہر دیوڑا اتنی موٹی ہے کہ انسان چالیس سال تک چلتا ہے تو اسے نہ کر سکے اس سے اندازہ لگالیں کہ اللہ کے نافرمانوں کو گھیرنے والی

ظالموں کے لیے آگ

آگ کی تپش کتنی تیز ہوگی۔

فرمایا وَإِنْ يَسْتَكْفِفُ شَوْا اور اگر اہل دوزخ فریاد کریں گے کہ ہم کھانے پینے کے لیے کچھ عطا کیا جائے۔ يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی اس پانی کے ساتھ جو گاریا تکھٹ کی طرح ہوگا۔ مہل اس تکھٹ کو کہتے ہیں جو زیتون کے تیل کے نیچے جمع ہو جاتی ہے۔ اس کا اطلاق پگھلے ہوئے تسبے پر بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کو دیا جانے والا پانی سخت گرم ہوگا يَشْوِي الْوُجُوہَ جو نہی وہ چہروں کے قریب لائیں گے۔ وہ انہیں جلادے گا۔ سورۃ محمد میں فرمایا کہ دوزخیوں سے کہا جائیگا سُقُوا مَاءً حَمِيمًا اور یہ کھولتا ہوا پانی پی کر اپنی پیاس بجالو، مگر جو نہی وہ اس کا ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتاریں گے فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (آیت - ۱۵) تو وہ انہی آنتیں کاٹ کر نیچے پھینک دیگا۔ پھر ان کو دُور سے جنتیوں کا حال بھی دکھایا جائے گا کہ دیکھو وہ کیسے آرام میں ہیں جہاں انہیں ہر طرح کی نعمت میسر ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ دوزخ والے جنتیوں سے کہیں گے کہ اللہ کے عطا کردہ پانی میں سے ہمیں ایک گھونٹ ہی ملا دو۔ تو اُدھر سے جواب آئے گا۔ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مَا عَلَى الْكَافِرِينَ (آیت - ۵۰) جنت کا کھانا پینا اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ وہ تو اس کی بوتل تک نہیں پاسکتے۔ بہر حال فرمایا کہ انہیں اس قسم کا گرم پانی دیا جائے گا يَسْخَرُ الشَّرَابُ جو بہت ہی برا مشروب ہوگا وَسَاءَتْ مَرَاتِفًا اور بہت ہی برا آرام ہوگا۔ آرام کیا ہوگا، وہاں تو ہر قسم کا دکھ تکلیف اور مصیبت ہی ہوگی۔

یہ تو کفر، شرک اور ظلم کا راستہ اختیار کرنے والوں کا ذکر تھا۔ اب ذرا اہل ایمان کے انعامات بھی سن لیں۔ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے

ایمانداروں کے لیے اجر

کہ ترغیب اور ترہیب ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ
 اٰمَنُوْا بِحُلُوْکِ اِس دُنْیَا مِی رَہ کَہ اِیْمَان لَے لَے، انہوں نے اللہ کی وحدانیت
 کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ اللہ کے انبیاء، اس کی کتابوں اور قیامت کی تصدیق
 کی، اُس کے فرشتوں پر ایمان لائے اور اللہ اور اس کے رسول کے بتائے
 ہوئے راستے پر چل نکلے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 انہوں نے نیک اعمال بھی انجام دیے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے
 ہیں کہ قرآن کے مطابق نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے، ایک ایمان اور دوسری
 اعمال صالحہ۔ ایمان کی حقیقت تو واضح ہو گئی اور اعمال صالحہ کے متعلق
 فرماتے ہیں کہ نہایت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بنیادی
 طور پر اعمال صالحہ میں چار عبادات داخل ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج
 حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو آدمی یہ چار عبادات
 ادا کرے گا۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ البتہ فقہائے کرام نے پانچویں
 نمبر پر جہاد کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ پانچ بنیادی عبادات ہیں باقی تمام مالی
 بدنی، قولی اور فعلی عبادات ان کے ضمن میں آجاتی ہیں۔

فرمایا، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے
 اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا تُوہم نہیں ضائع کرتے
 یہ کہ اُس شخص کا جس نے اچھا عمل کیا۔ اچھا عمل چھوٹے سے چھوٹا
 بھی ہوگا تو قیامت کے دن پیش کیا جائے گا۔ فرمایا فَهَنْ یَّعْمَلْ
 مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا یَّحِیْہُ (النزل)۔ ہر شخص اپنا قلیل ترین اچھا عمل بھی پا
 لیگا اور اسی طرح ہر بُرا عمل بھی محفوظ ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّحِیْہُ (النزل)
 اور وہ اپنا فتنے کا برابر عمل بھی دیکھ لیگا، ہر اہل ایمان اور اعمال صالحہ کے متعلق
 فرمایا اُولٰٓئِکَ کُھِم جَنَّتٌ عَدْنٌ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے
 باغات ہیں رہائش کے۔ سرسبز و شاداب باغات کے اندر ہی ان کے
 کے رہنے کے لیے عالیشان محلات ہوں گے جن میں زیب و زینت

اور آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا ہوں گے۔ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
الْأَنْهَارُ اُن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ باغات اور نہروں کا تصور
 انسانی زندگی کے لیے پورے آرام و راحت کا تصور پیش کرتا ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں انہیں ہر طرح کا آرام اور سکون
 حاصل ہوگا۔

سنگین زریب و زینت کی اشیاء میں سے زیورات کو خاص اہمیت
 حاصل ہے اور حنبی لوگ جنت میں زیورات سے محروم نہیں رہیں گے۔
فَرَمَا يُحْكَمُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ اُن کو جنت
 میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس دنیا میں تو مردوں کے لیے
 سونا اور ریشم حرام ہیں، لیکن جنت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خبیثوں
 کو یہ چیزیں مہیا فرمائے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مردوں کا کنگن پہننا
 تو اس دنیا کے لحاظ سے بھی کوئی اچھی چیز معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اللہ نے
 اس کا اپنی نعمت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ
 فرماتے ہیں کہ یہ تو دنیا کے مختلف زمان و مکان میں رواج کی بات ہے۔
 بعض مقامات پر اس کا رواج ہے اور بعض پر نہیں ہے۔ قدیم زمانے
 میں بادشاہوں کے کنگن، ہار، انگوٹھیاں اور تاج پہننے کا ذکر ملتا ہے
 اور انہیں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کسری کا تاج جو مسلمانوں کے ہاتھ
 آیا تھا۔ اس پر زرد جوہر کا کام کیا ہوا تھا اور وہ بڑی قیمتی تاج تھا۔ اس کے ہیرے
 اور جوہر ت کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ بڑے قیمتی قالین میسر آئے تھے۔ مگر
 حضرت عمرؓ نے کاٹ کر اُن کے مصلے بنادیے اور مجاہدین میں تقسیم کر دیے
 آپ نے ایسی چیزوں کے لیے کوئی سجاوٹ گھڑ نہیں بنایا کہ وہاں یادگار
 کے طور پر رکھ دی جائیں۔ اسلام میں یہ تصور نہیں۔ اور جہاں اس قسم کا تصور
 پایا جاتا ہے، اس کی انتہا یہ ہے کہ میسور کے کسی میوزیم میں کسی صورت کا

پاخانہ بھی رکھا ہوا ہے۔ بہر حال زیورات پہننے کا رواج بعض جگہوں پر ہوتا تھا۔ اور بعض مقامات پر ایسا تصور نہیں تھا۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ جنت میں جانے والا ہر شخص بادشاہ ہوگا۔ اسے بادشاہوں والی تمام سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اگر دنیا کے بعض بادشاہ سونے کے کنگن پہنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بھی یہ نعمتیں عطا کرے گا۔

بہترین
لباس

اچھے سے اچھا لباس بھی انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔
اللہ تعالیٰ اہل جنت کو بہترین لباس بھی عطا فرمائے گا۔ فَرَمَا وَیَلْبَسُونَ
ثِيَابًا خُضْرًا مَّزِينًا سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ وہ پہننے جائیں گے لباس باریک اور موٹی ریشم۔ سرسبز و شاداب باغات میں ان کے مکان ہوں گے اور پھر لباس بھی سبز رنگ ہی کا ہوگا۔ جو ان کی زینت میں مزید اضافے کا باعث بنے گا۔ سندس باریک ریشم کو استبرق موٹی ریشم کو کہتے ہیں۔ اگرچہ دنیا میں مردوں کے لیے ریشم پہنا بھی جائز نہیں مگر جنت میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ چیز عطا کرے گا۔ فَنُزِلُوا فِيهَا
مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ جنتی لوگ جنت میں صوفہ سیٹوں پر تنکیم لگا کر بیٹھیں گے۔ ارائک، اریجہ کی جمع ہے جس سے بیٹھنے کی آرام دہ چیزیں مراد ہیں۔ لہذا اس کا ترجمہ کمرسی، صوفہ سیٹ، بیچ یا لینگ وغیرہ کیا جاسکتا ہے۔

زندگی میں آرام و راحت کی چیزوں میں بیوی بھی شامل ہے۔ چنانچہ جنت میں اہل جنت کو پاک بیویاں بھی حاصل ہوں گی۔ سورۃ الدخان میں ہے۔
”وَزَوْجُهُمْ فِي حُورٍ عِیْنٍ“ (آیت ۵۴) ہم پاکیزہ حوریوں ان کے نکاح میں دے دیں گے۔ یہ تو ساری مادی نعمتوں کا ذکر ہے، اللہ نے فرمایا جنتیوں کے لیے اس سے بڑھ کر نعمتیں بھی موجود ہوں گی۔ یہ لوگ پاکیزہ مجلسوں میں شریک ہوں گے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا دیر نصیب ہوگا۔ جو بلند ترین

نعمت ہے۔ دہاں پر ہر قسم کی اشیاء کے بازار ہوں گے، جنتی جو چیز پسند کرے گا۔ بلا قیمت میسر ہوگی۔

آخر میں فرمایا نِعْمَ الثَّوَابُ یہ کتنا اچھا بدلہ ہے، خدا تعالیٰ اس کے انبیاء، کتب اور معاد پر ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے والوں کے لیے نہایت ہی اچھا بدلہ ہے وَحَسَنَتٌ مُّرْتَفَقًا اور کتنا ہی اچھا آرام ہے۔ ان نعمتوں کے تصور سے ہی کتنی راحت ہوتی ہے۔ پھر جب یہ فی الواقع مل جائیں گی تو کتنا آرام و سکون میسر ہو گا۔ غرضیکہ اللہ نے کفار و مشرکین کا حال بھی بیان کر دیا ہے اور پھر اہل ایمان کا ذکر بھی ہو گیا ہے اللہ نے دونوں کا موازنہ کر کے تم غیب و تمہیب کی بات مکمل کر دی ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّحُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا
 جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا
 بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝۳۲ كَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اتَتْ أَكْلَهَا
 وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا ۖ وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهْرًا ۝۳۳
 وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا
 أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ
 ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ
 أَبَدًا ۝۳۵ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۖ وَلَئِن رُّدِّتْ
 إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶

ترجمہ :- اور (اے پیغمبر!) آپ بیان کر دیں ان لوگوں
 کے سامنے مثال دو شخصوں کی کہ ہم نے بنائے اُن
 میں سے ایک کے لیے دو باغ انگوروں سے ، اور گھیر
 لیا ہم نے ان دونوں کو کھجوروں کے درختوں کے ساتھ
 اور بنائی ہم نے اُن کے درمیان کھیتی ۝۳۲ دونوں باغ
 دیتے تھے اپنا پھل اور نہیں کمی کرتے تھے اس میں سے
 کسی چیز کی ۔ اور چلائی ہم نے دونوں باغوں کے درمیان
 نہر ۝۳۳ اور اُس شخص کے لیے پھل تھا، پس وہ کہنے

لگا اپنے ساتھی سے ، اور وہ اُس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ
میں زیادہ ہوں تجھ سے مال میں اور غالب ہوں تجھ سے
تعداد میں (۳۴) اور داخل ہوا وہ اپنے باغ میں اس حال میں
کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا کہ میں
نہیں گمان کرتا کہ یہ (باغ) ہلاک ہو کبھی (۳۵) اور میں نہیں
گمان کرتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے۔ اور اگر میں
لوٹا گیا اپنے پروردگار کے پاس ، تو پاؤں گا میں بہتر اس سے
دہاں پہننے کی جگہ (۳۶)

رابط آیات

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا۔ پھر وحی الہی کی قطعیت کو بیان
فرما کر اُس کے اتباع کا حکم دیا۔ کافر مشرک ، مغرور اور متکبر لوگوں کا رد فرمایا۔ کمزور ایمانداروں
کو حقیر سمجھنے والوں کی مذمت کی اور پیغمبر اسلام کو حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کی مجلس اختیار کریں
جو صبح اور پچھلے پہر اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں۔ فرمایا
ان پر اپنی نگاہ شفقت رکھیں۔ آپ ان لوگوں کی بات نہ مانیں جنہیں اللہ نے اپنی یاد
سے غافل پایا ہے ، جو اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور ان کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے
ایمان لانا یا نہ لانا انسانوں کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ جو ایمان لائے گا اس کو اچھا بدلہ
نصیب ہوگا اور جو کفر کا راستہ اختیار کرے گا، اس کے لیے اللہ نے سزا بھی تیار کر رکھی
ہے۔ ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی جسے پردوں نے گھیر رکھا ہوگا۔ ظالموں کے پینے
کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا۔ اس کے بعد اللہ نے
ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دینے والے لوگوں کے متعلق فرمایا
کہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر بدلہ ملے گا۔ خدا تعالیٰ انہیں ایسے باغوں میں جگہ دیگا۔ جو
رہائش کے قابل ہوں گے اور ان کے سامنے نہریں جاری ہوں گی۔ زیب و زینت
کے لیے انہیں سونے کے کنگن اور باریک و دبیر لثیم کا لباس پہنایا جائے گا وہ

لوگ نہایت ہی عمدہ تختوں پر بیٹھ کر آرام کریں گے۔
کنگن کا ذکر حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ اگر جنت کا ادنیٰ سے
ادنیٰ زیور اس دنیا میں ظاہر کر دیا جائے تو وہ دنیا کے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ
زیورات پر غالب آجائے۔ ایک روایت
میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ جنتیوں کے کنگن ایسے نفیس ہوں گے کہ
اگر ان میں سے صرف ایک کنگن اس دنیا میں ظاہر کر دیا جائے تو اس
کے مقابلے میں سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ ترمذی شریف کی روایت
میں آتا ہے کہ جنت کی عورتوں کا ایک روپہ خبیث من الدنیا
وَمَا فِيهَا دُنَا اور اس کے تمام خزانوں سے قیمتی ہوگا۔

دو شخصوں
کی مثال

کفار کی سزا اور اہل جنت کے انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ
تعالیٰ نے مومن اور کافر دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ جن دو شخصوں کی مثال بیان کی جا رہی ہے، یہ واقع میں بھی
ہو سکتے ہیں اور محض تمثیل بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک
میں بعض چیزیں تمثیل کے ساتھ بھی سمجھائی ہیں۔ مثلاً داؤد علیہ السلام کے
واقعہ میں تنانوسے اور سو دنیویوں کا قصہ ایک تمثیلی بات ہے۔ بعض مفسرین
فرماتے ہیں کہ جن دو شخصوں کی مثال بیاں کی گئی ہے ان کا منہ
خود مکے میں موجود تھا۔ ایک دولت مند کافر تھا جب کہ اس کا مومن بھائی
غریب آدمی تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایک دولت مند شخص
فوت ہو گیا جس نے اپنے پیچھے دولت کے چھوڑے۔ دونوں وارثان نے
باپ کی جائیداد تقسیم کر لی اور ہر ایک کے حصے میں چار چار ہزار دینار آئے
ان میں سے ایک بھائی کافر تھا جس نے اپنی رقم سے دو باغ خریدے
جن کی مثال اللہ نے اس مقام پر بیان فرمائی ہے۔ دوسرا شخص مومن
تھا، اُس نے اپنا سارا حصہ اللہ کی راہ میں صرف کر دیا اس کا ذکر بھی

اگلے درس میں آ رہا ہے۔

دو باغوں
کا مالک

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر! وَاصْرِبْ لَهُم مِّثْلًا مِّنْ رِّجَالِنِ
آپ ان لوگوں کے سامنے دو شخصوں کی مثال بیان کریں۔ ان مشرکین
مکہ اور مشرکین عرب کو یہ مثال سنائیں تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔ فرمایا
اِنَّ دُوْا اَدَمِيَّوْنَ مِنْ سَعۡیِکُمْ لَاحِدٌ ۚ هٰکِیۡمَا جَنَّتَنِیۡنِ
مِّنْ اَعْنَابٍ اَبَیۡکَ عَلَیۡہِمَا نَعْمَ لَہُمَا دُوْنُوْنَ کو ہم نے دو باغ بنائے
وَحَقَّقْنٰہُمَا بِخَلۡلٍ اور ان دونوں کو ہم نے کھجور کے درختوں
کی باڑھ سے گھیر لیا تھا۔ باغوں کی حفاظت کے لیے اکثر لوگ ان کے
ارد گرد دیوار کھینچ لیتے ہیں۔ خاردار تار لگا دیتے ہیں یا کانٹے دار جھاڑیاں
لگا دیتے ہیں مگر ان دو باغوں کے ارد گرد اللہ نے کھجور کے درخت
پیدا کر دیے تھے جو بیک وقت باغ کے لیے باڑھ کا کام بھی دیتے
اور خود بھی اعلیٰ قسم کا پھل دیتے۔ کھجور کے درخت عام طور پر لمبے ہوتے
ہیں اور زمین پر ان کے سائے کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ لہذا ان کے نیچے
خالی جگہ پر کاشتکاری بھی ہو سکتی ہے، اسی لیے اللہ نے فرمایا وَجَعَلْنَا
بَیۡنَہُمَا نَزۡعًا اور ہم نے دونوں باغوں کے درمیان کھیتی کا انتظام
بھی کر دیا تھا۔ غرضیکہ باغوں کے مالک کو بیک وقت تین فوائد حاصل
تھے، اصل باغات انگوروں کے تھے، ان کے ارد گرد کھجور کے درخت
بطور باڑھ تھے اور خود بھی پھل دیتے تھے۔ اس کے علاوہ باغات کے
درمیان خالی جگہ پر کاشتکاری بھی ہوتی تھی۔

فرمایا اِنَّ الْجَنَّتَیۡنِ اَتَتْہُمَا دُوْنُوْنَ باغ خوب
پھل دیتے تھے وَلَمْ تَظَلِمۡمَہُ شَیۡئًا اور نہیں کم کرتے
تھے اس میں سے کوئی چیز۔ موسم کے مطابق دونوں باغ خوب پھل دیتے
تھے۔ فرمایا وَفَجَّرْنَا خِلَافَہُمَا نَهَرًا اور ان دونوں کے درمیان

ہم نے نہر جاری کر دی تھی۔ پھل، اناج اور سہری کا دار و مدار پانی پر ہوتا ہے
اللہ نے وہ بھی مہیا کر دیا تھا۔ خود انسانوں اور جانوروں کے پینے کے لیے
بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہر جاری کر کے یہ ساری
ضرورتیں پوری کر دی تھیں۔ بعض مفسرین نے اس نہر کا تعین بھی کیا ہے
فرماتے ہیں کہ یہ نہر فلسطین میں رملہ نامی بستی کے قریب سے گزرتی تھی اس
نہر کے کنارے وہ بستی ہے جس میں یہ دو شخص رہتے تھے۔

فرمایا وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ باغوں کے مالک کے ہاں دو سکر
پھل بھی تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر ثمر سے مراد محض پھل
نہیں بلکہ دو سکر ذرائع آمدنی بھی ہو سکتے ہیں۔ انسان تجارت کرتا ہے
صنعت و صرفت کا پیشہ اختیار کرتا یا کوئی دیگر کام کرتا تو وہ اس کا ذریعہ
آمدنی ہوتا ہے اور اسے کسی شخص کا حاصل یا پھل بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس
کی مثال مکہ کے بعض دولت مند لوگ ہیں جن کے طائف میں بھی باغات
تھے اور وسیع تجارتی کاروبار بھی تھا، انہوں نے لاکھوں دینار کی سرپرکاری
کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے بکریوں کے روڑے تھے کام کاج اور
خدمت کے لیے غلام تھے۔ آرام و آسائش کا پورا سامان اور رہائش گاہ
مہل تھی۔ اللہ نے اولاد بھی کثرت سے عطا فرمائی تھی جیسے ولید بن مغیرہ کے
دس بیٹے تھے جن پر وہ فخر کیا کرتا تھا۔ سورۃ القلم میں اللہ نے اس
کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے تین بیٹے اسلام لائے۔ ایسی
ہی چیزوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اس کے لیے پھل تھا۔

صحابہ
کا تفسیر

فرمایا فَقَالَ لِمَا حَبَّ وَهُوَ يُجَاوِزُهُ اس نے اپنے بھائی
سے گفتگو کرتے ہوئے کہا اَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا میں
تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور تعداد میں بھی غالب ہوں۔ میری اولاد
ہے۔ لونڈیاں اور غلام ہیں، تو کہہ جا کہ میں، برخلاف اس کے تمہارے

پاس کچھ بھی نہیں۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگوں کے سامنے فخریہ طور پر کیا کرتا تھا۔ قرآن پاک میں دو سکر مقامات پر موجود ہے کہ اکثر نافرمان، کافر اور مشرک لوگ ایسی ہی چیزوں پر فخر کرتے ہیں، تو اس شخص نے بھی اپنے مال اور اولاد پر تکبر کا اظہار کیا۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ اِسی حالت میں وہ اپنے باغ میں داخل ہوا۔
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اس حال میں وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا۔ کفر اور شرک بجائے خود ظلم ہے جسے اس شخص نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے دماغ میں غرور و تکبر کا نشہ بھی موجود تھا، اور وہ اپنے غریب مسلمان بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ خدا کی قدرت پر یقین نہیں رکھتا تھا اور اپنی بڑائی کا اظہار کرتا تھا۔ یہ ساری چیزیں اپنی جان پر ظلم کرنے کے مترادف ہیں کیونکہ آخرت میں ان کا وبال اُسی کی جان پر پڑے گا۔ بہر حال اُسے اپنے مال و اولاد پر بڑا فخر تھا۔ قَالَ كُنْ لَّكَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيدَ هَذِهِ اَبَدًا میں نہیں گمان کرتا کہ یہ سب کچھ کبھی ہلاک بھی ہو جائے گا۔ اس کے زعم میں یہ بات تھی کہ جب تک میں موجود ہوں میرا مال و اولاد اور باغات بھی موجود ہیں۔

وہ شخص قیامت کا بھی منکر تھا، کہتا تھا۔ وَمَا اُظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً میں تو خیال نہیں کرتا کہ قیامت بھی واقع ہوگی۔ وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال سب بناوٹی باتیں ہیں جن کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس نے اللہ کے تمام انعامات کو اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف منسوب کرنے کی بجائے، اسے اپنے ذاتی کمال کا نتیجہ جانا۔ البتہ وہ اپنے پروردگار کو مانتا تھا جیسا کہ اگلے جملے سے واضح ہے، کہنے لگا وَكَيِّنَ لِلنَّاسِ اَرْحَمَ رَبًّا اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا بھی گیا تو جَدُّ حَيِّدٌ مِّمَّنْهَا مُنْقَلِبًا تو وہاں پر مجھے اس سے بھی بہتری حاصل ہوگی۔ جس طرح یہاں

قیامت کا
انکار

بانغات اور مال و دولت حاصل ہے ایسے ہی آخرت میں بھی یہ چیزیں
 بلکہ اس سے بہتر چیزیں حاصل ہوں گی۔ یہ بھی شرک کی ایک بدترین قسم
 ہے کہ دنیا کے لوازمات کو خدا تعالیٰ کی عطا سمجھنے کی بجائے، اسے اپنی
 عقل و علم، ہنر، سائنس اور ٹیکنالوجی کا کمال سمجھا جائے۔ یہی الحادی شرک
 قارون میں بھی پایا جاتا تھا۔ جس نے کہا تھا اِنِّیْ اَوْتِیْتُہٗ عَلٰی
 عِلْمٍ عِنْدِیْ (القصص ۷۸) میرے یہ تمام مال و خزانے میرے
 علم کی وجہ سے ہیں۔ مجھ پر کسی کا کیا احسان ہے جو میں اس کے نام پر اس
 میں سے خرچ کروں۔ آج کل اکثر ناجردوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ ہیرا
 پھیری کر کے مال کھاتے ہیں اور پھر اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں نہ وہ اسے
 اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں اور نہ اس کے قائم کردہ حقوق کی پابندی
 کرتے ہیں۔

بہر حال آج کے اکثر مشرکوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اس دنیا کی
 حالت کو ہمیشگی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یہاں آسودہ حال ہیں
 تو آخرت میں بھی ایسے ہی ہوں گے۔ غرضیکہ اس مالدار شخص نے اپنے
 غریب بھائی کے ساتھ فخر و تکبر کی بات کی اور اس کو حقیر جانا۔ اب اگلے
 درس میں اللہ تعالیٰ نے دو مسلمان بھائی کا جواب ذکر کیا ہے اور
 اس شخص پر جو آزمائش ڈالی تھی اس کو بیان کر کے مالدار شخص کی حسرت کو
 بیان کیا ہے۔

الکہف ۱۸

آیت ۲۷ تا ۴۴

سبحن الذی ۱۵

درس دوازدهم ۱۲

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ
 مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاهُ رَجُلًا ۖ ﴿۳۷﴾
 لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۖ ﴿۳۸﴾
 وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا
 قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِنَّ تَرَنَّا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ ﴿۳۹﴾
 فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ
 عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا
 زَلَقًا ۖ ﴿۴۰﴾ أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَهَا غُورًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ
 لَهُ طَلَبًا ۖ ﴿۴۱﴾ وَأَحِيطَ بِشَمْرِهِ فَاصْبِرْ يُقَلِّبُ كَفِّهِ
 عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا
 وَيَقُولُ يَلِيَّتَنِي لِمَ أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۖ ﴿۴۲﴾ وَلَمْ
 تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا
 كَانَ مُنتَصِرًا ۖ ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقُّ هُوَ
 خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۖ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: کہا اُس (کفر کرنے والے) سے اُس کے صاحب نے

(جو مومن تھا) اور وہ اس کی بات کا جواب دے رہا تھا،

کیا تو نے کفر کیا ہے اُس ذات کے ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا ہے مٹی سے ، پھر قطرہ آب سے ، پھر برابر کیا ہے تجھے ایک مرد (۳۷) لیکن (میں تو کہتا ہوں) وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں نہیں شریک بناتا اُس کے ساتھ کسی کو (۳۸) اور تو نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ جب تو داخل ہوا تھا اپنے باغ میں تو کہتا جو چاہے اللہ تعالیٰ ، نہیں طاقت مگر اللہ کے ساتھ اگر تو دیکھتا ہے مجھے کہ میں کم ہوں تجھ سے مال میں اور اولاد میں (۳۹) پس اُمید ہے کہ میرا پروردگار دے گا مجھے بہتر تیرے باغ سے اور وہ بھیجے گا اس کے اوپر عذاب آسمان سے ، پس ہو جائیگا وہ باغ چٹیل اور صاف میدان (۴۰) یا ہو جائے گا اس کا پانی بہت گہرا ۔ پس نہیں طاقت رکھے گا تو اس کو تلاش کرنے کی (۴۱) چنانچہ گھیر لیا گیا اُس کے پھل کو ، پس ہو گیا وہ کہ ملتا تھا اپنے ہاتھ اُس چیز پر جو اُس نے خرچ کیا تھا اُس (باغ) میں اور وہ گہرا پڑا تھا اپنے چھپروں پر ، اور وہ شخص کہتا تھا ، کاش کہ میں نہ بناتا شریک اپنے رب کے ساتھ کسی کو (۴۲) اور نہیں تھا کوئی گروہ جو اس کی مدد کرنا اللہ کے سوا ، اور نہ ہی تھا وہ خود کسی طرح انتقام لینے والا (۴۳) یہاں پر ہی سب اختیار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو بدھق ہے ۔ وہ بہتر ہے ثواب دینے کے اعتبار سے ، اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے (۴۴)

اصحاب کف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کے ربط آیات

سلسلے میں ایک دولت مند مشرک اور ایک ایماندار مومن کی مثال بیان فرمائی ہے
امیر آدمی نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت کہا کہ یہ تو کبھی فنا نہیں ہوگا۔
قیامت کا کوئی تصور نہیں ہے اور اگر یہ برپا بھی ہوگئی تو میں اس دنیا کی طرح
وہاں بھی خوشحال ہی رہوں گا۔ وہ شخص اپنے باغ اور مال و دولت کو اپنا
ذاتی کمال سمجھتا تھا اور اسے اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں مانتا تھا۔ پھر اُس نے
اپنے غریب مگر مومن بھائی کو طعن کیا کہ میں تم سے مال اور تعداد میں بہتر ہوں۔
وہ غریب مومن اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر چکا تھا مگر امیر آدمی اپنے
مال و دولت پر اترا رہا تھا۔

مومن بھائی
کا جواب

غریب بھائی نے امیر بھائی کی بات کو توجہ سے سنا قَالَ لَهُ
صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ اور اپنے بھائی کو جواباً کہا اَكْفَرْتَ
بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ كَمَا تُوِاسُّ ذَاتَ كُفْرٍ ساتھ کفر
کرتا ہے جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے۔ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ
اور پھر قطرہ آب سے۔ بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام
کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ہی پیدا فرمایا جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے خَلَقَهُ
مِنْ تُرَابٍ (ال عمران - ۵۹) اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے
پیدا فرمایا۔ اور پھر باقی نوع کو قطرہ آب سے پیدا کیا۔ دوسری جگہ مَاءٍ
مَمْهِينٍ یعنی حقیر پانی کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ مٹی ایک گرد و غبار ہے
جس سے اللہ تعالیٰ اناج پیدا کرتا ہے جو انسان کی خوراک ہے اور اسی
گرد و غبار سے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ مٹی سے پیدا ہونے والا انسان
جب مٹی کی پیداوار بطور غذا استعمال کرتا ہے تو اس سے مادہ تولید پیدا ہوتا
ہے جس سے نسل انسانی آگے چلتی ہے۔

مومن بھائی نے کہا، کیا تو اُس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس
نے تجھے مٹی سے اور پھر قطرہ آب سے پیدا کیا۔ اور پیدا کر کے یونہی

نہیں چھوڑ دیا تھے سَوَّیْتُ رَجُلًا بَلْکَہ تجھے مکمل مرد کی صورت میں برابر کر دیا۔ ذرا اپنے اعضا کی طرف تو دھیان دے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین - ۴) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت دیکر پیدا کیا۔ اس کے تمام اعضا اور قد کاٹھ کو موزوں کر کے حسین و جمیل انسان بنا دیا۔ یہ موزونیت اور حسن ہی انسان کو باقی مخلوق سے ممتاز کرتا ہے۔ اور کئے لگا تو ایسے پروردگار کا انکار کرتا ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ یہ سارا مال دولت تیری اپنی کمائی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں مانتا۔ تو جو چاہے اپنا عقیدہ وضع کر لے لَکِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي مُغَرِّمٌ تَوْبِي كَهوں گا کہ میرا رب تو وہی اللہ ہے وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا میں تو اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کے لیے تیار نہیں۔ لَکِنَّا دراصل لَکِنَ اَنَا أَقُولُ ہے، اسی لیے اس کا ترجمہ کیا گیا کہ میں تو کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ جو تمام قوتوں کا سرچشمہ خالق، ربوبیت کا مالک، مدبر اور متصرف ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے مخلوق کو جب کوئی چیز ملتی ہے۔ تو وہ محض اس کی ہوشیاری اور ہنرمندی سے نہیں بلکہ مشیتِ ایزدی سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (التکوین - ۲۹) تمہاری چاہت اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے جو کہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بہر حال مومن بھائی نے اپنے عقیدے کا اظہار کر دیا کہ میرا رب اللہ ہے، میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں بناتا، نہ صفت میں، نہ عبادت میں، نہ نذر و نیاز میں اور نہ مشیت میں۔

پھر مومن بھائی نے اپنے کافر بھائی کو نصیحت بھی کی اور کہا وَكَوَلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جب تم

اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے کیوں نہ کہا ”جو اللہ چاہے، نہیں طاقت
مگر اللہ ہی کے ساتھ۔ تم تو اپنے باغ، اولاد اور مال و دولت کو دیکھ کر کہتے
تھے کہ کبھی ہلاک نہیں ہوں گے اور کم از کم میری زندگی تک یونی رہیں گے
تم قیامت کا بھی انکار کرتے تھے، تم نے ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد
کیوں نہ کیا کہ وہ چاہے گا تو سب کچھ ہو گا۔ اور تمام قوتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ
ہی ہے۔

ان کلمات کی فضیلت کے ضمن میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا میں تمہیں عرش اور جنت کے خزانوں
میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ اور وہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا
بِاللَّهِ یعنی برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق نہیں ہے جب تک
اللہ نہ چاہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے
پر انعام کرے تو اسے یوں کہنا چاہیے۔ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا
بِاللّٰهِ یہ کلمات کہنے سے اللہ تعالیٰ اسے حوادث اور پریشانیوں سے
محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ بندہ اخلاص کے ساتھ عقیدہ توحید پر کار بند ہے
اور سارے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر
توکل کا یہ کمال درجے کا کلمہ ہے۔ امام مالکؒ کا توحید کلام ہی یہ تھا۔ مَا شَاءَ
اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے مکان کی
پیشانی پر یہ کلمہ کندہ کرایا ہوا تھا کسی نے آپؐ سے کہا۔ حضرت اقرآن
میں تو یہ کلمہ باغ کے باغے میں آیا ہے اور آپؐ نے اسے اپنے مکان
پر لکھ دیا ہے۔ فرمایا، میرا یہ گھر اور میری اولاد میرا باغ ہی تو ہے، میں ان
سب کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، میں اس کی توحید کا قائل ہوں اور اسی
پر بھروسہ رکھتا ہوں۔

اب اس مومن شخص نے اپنے بھائی کے طعن کا جواب بھی دیا۔

مومنین کا
حسین علیہ السلام

کہا اِنْ تَرٰنَا اَقْلَ مِنْكَ مَا لَا وَّلَدًا اَکْمَرُ تُوَدَّحِیْتَا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں، تو کوئی بات نہیں ہے کیونکہ فَعَسٰی رَجَبٌ اَنْ یُّوْتٰیَنَّ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ مجھے اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا کیونکہ میرا مال اسی کی راہ میں خرچ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور مہربان ہے، میں اس کی توحید کا قائل اور اس کی عبادت کرنے والا ہوں۔ میں قیامت پر یقین رکھتا ہوں۔ لہذا مجھے وہ بہتر بدلہ عطا فرمائے گا مومن بھائی نے یہ بھی کہا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارا مال، اولاد اور باغ ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گے۔ تم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ ہو سکتا ہے وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ وہ بھیج دے گا اُس (باغ) پر عذاب آسمان سے۔ حُسْبَانًا کا لفظی معنی امحاسے والی چیز اور مراد کوئی آفت یا عذاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا طوفان، آندھی یا بجولہ بھیج دے جس سے یہ سارا باغ تباہ ہو جائے فَیُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا اور یہ جگہ چٹیل میدان بن کر رہ جائے۔ اس قسم کی کارگزاری کا اشارہ اللہ نے ابتدائے سورۃ میں بھی دیا ہے وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرًّا ہم زمین کی تمام چیزوں کو ملیا میٹ کر کے چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔

اُس مرد مومن نے اپنے بھائی کو اس طرح بھی خوف دلایا کہ باغ کے درمیان بہنے والی جس نہر پر تم غرور کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو آوے یُصْبِحَ مَا فُھَا عَوْرًا اس نہر کے پانی کو بہت گہرا کر دے اور وہ تمہارے باغات تک پہنچ ہی نہ سکے۔ فَکَنْ تَسْتَطِیْعَ لَھُ طَلْبًا اور تو اسے تلاش کرنے کی طاقت بھی نہ رکھے۔ پانی اتنی دُور چلا جائے کہ تمہاری کوئی مشینری اور کوئی ٹیوب ویل اسے برآمد نہ کر سکے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ سزا کے طور بھی ایسا کرنے

باغ کی
تباہی

پہ فادر ہے اس قسم کا مضمون سورۃ الملک کی آخری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے **قُلْ أَدَّبْتُكُمْ وَإِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ** بھلا دیکھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے پانی کو بہت گہرا لے جائے، تو پھر کون ہے جو تمہارے پاس صاف ستھرا اور شیریں پانی لے آئے۔ بہر حال اس مردِ مومن نے اپنے دوسرے بھائی کو خبردار کر دیا کہ وہ مال و دولت پر اترائے نہیں کیونکہ جو خدا تعالیٰ یہ چیزیں دے سکتا ہے، وہ واپس لینے پر بھی قادر ہے۔

اور پھر ایسا ہوا، خدا تعالیٰ نے ایسی افتاد بھیجی **وَأَحْيَا بَنِي إِسْرٰءِیْلَ** اُس کے پھل کو گھیر لیا گیا۔ مطلب کہ اس کا باغ تباہ و برباد ہو گیا اور وہ شخص **كَفَّ اَفْسُوسَ مَنْ لَكَ** فاصبح یقلب کفہ علی ما اٰتٰی فیہا اور وہ اپنے ہاتھ ملتا تھا اُس چیز پر جو اُس نے خرچ کیا تھا وہ شخص نہ صرف باغ کی برداشت سے محروم ہو گیا بلکہ اُس نے باغ کی ترقی کے لیے جو سرمایہ کاری کی تھی، وہ بھی ڈوب گئی۔ ایسی ہی مثال اللہ نے سورۃ القلم میں بھی بیان فرمائی ہے۔ وہاں باغ کے مالک کئی بھائی تھے جب پھل کی برداشت کا وقت آتا تو موقع پر غراب بھی جمع ہو جاتے اور انہیں بھی کچھ حاصل ہو جاتا۔ ان بھائیوں نے کہا کہ یہ غریب لوگ خواہ مخواہ ہمارے مال سے حصہ لے جاتے ہیں، کیوں نہ ہم علی الصبح باغ کا پھل ایسے وقت میں اٹھالیں کہ غراب کو وہاں پہنچنے کا موقع ہی نہ ملے۔ چنانچہ وہ صبح صبح منہ اندھیرے باغ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ وہاں باغ کا نام فنان تک نہ تھا اور وہ کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔ جس باغ کا ذکر یہاں پر کیا گیا ہے اُس کا بھی یہی حال ہوا۔ اللہ نے باغ کی جگہ چٹیل میدان بنا دیا اور باغ کا مالک منہ دیکھتا رہ گیا۔

انگوروں کی بلیں عام طور پر کھڑی کے چھپرے یعنی فریموں پر چڑھا دی

جاتی ہیں تاکہ اُن کا پھل ٹھیک آئے اور محفوظ رہے۔ مگر اس شخص کے
 باغ کی بلیں وہی خاویۃ علیٰ عروشہا اپنے چھپروں
 پر گہری پڑی تھیں۔ کوئی ایسا طوفانِ باد و باران آیا تھا کہ ساری چھتریاں
 ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں اور بلیں زمین پر آگہری تھیں جس کی وجہ سے
 سارا پھل تباہ ہو چکا تھا۔ وَیَقُولُ یٰلَیَّتَنی کَیۡفَ اُشْرِکُ بِرَبِّیَّ
 اَحَدًا پھر وہ شخص کہنے لگا، کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی
 کو شریک نہ بناتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے غرور و تکبر کا نتیجہ
 ظاہر ہو گیا تھا۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ اس طرح قیامت کو بھی مشرک
 لوگ افسوس کا اظہار کریں گے۔ مگر اس وقت اُن کا افسوس کہہ لے سو
 ہوگا۔

فرمایا، پھر اس شخص کا یہ حال تھا وَکُفِّرَتْ عَنْہُ فِتْنَتُہٗ
 یَنْصُرُوْنَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اللّٰہ کے سوا اس کی مدد کرنے
 والا کوئی گروہ نہ تھا۔ وَمَا کَانَ مُنْتَصِرًا اور نہ ہی وہ کسی طرح
 انتقام لینے کے قابل تھا۔ بھلا خدا تعالیٰ سے کون انتقام لے سکتا
 ہے؟ اللہ تعالیٰ نے موحہ اور مشرک کی مثال بیان کر کے شرک کا رد
 کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی مشیت کا انکار کر کے اپنے علم و ہنر پر
 اترا نے والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ جو اللہ نے اُس باغ والے کا
 بیان فرمایا ہے۔

حاصل کلام

فرمایا هٰذَا لَکَ الْوَلٰیۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ اسی مثال سے یہ بات
 سمجھ لو کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے جو برحق ہے۔ ولایت کا معنی
 اختیار اور تصرف ہے اور ولایت سے مراد حکومت یا اقتدار بھی ہوتا ہے
 یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ تمام اختیارات اور تصرف بھی اللہ تعالیٰ ہی کا
 ہے اور حکومت اور اقتدار اعلیٰ بھی خداوندِ قدوس ہی کا ہے۔ اسی طرح اگر

الْحَقِّ پڑھا جائے تو اس سے مراد اختیار ہے اور الْحَقِّ پڑھا جائے، تو
حکومت ہے۔ یہ دونوں قرآن میں درست ہیں اور دونوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ
کی ذات پر ہوتا ہے۔

فرمایا سارا تصرف اور حکومت اللہ کی ہے هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا
بدلہ دینے کے اعتبار سے بھی بہتر ہے، اپنے بندوں کے تیک اعمال
کے بدلے میں کبھی نہیں کرتا، بلکہ پڑھا چڑھا کر دیتا ہے وَخَيْرٌ عُقْبًا
اور وہ انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ پرست
نیچو کاروں کا انجام بھی بہت اچھا ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے
مقام میں داخل ہوں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنْزَلْنَاهُ
 مِنَ السَّمَاءِ فَأَخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ
 هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵ أَلَمْ يَكُنْ أَوَّلَ مَلَكٍ وَابْنِ
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ
 رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۝۴۶ وَ يَوْمَ نُسِيرُ الْجِبَالَ
 وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ
 أَحَدًا ۝۴۷ وَعَرِضُوا عَلَى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا
 كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ زَبَلًا زَعَمْتُمْ أَلَّنْ
 نَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ۝۴۸ وَوَضَعَ الْكِتَابُ فَتَرَى
 الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ
 يُوبَيْتَنَا مَا مَالُ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صِفِيَّةً
 وَلَا كِبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا
 حَاضِرًا ۝ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝۴۹

۱۸
۴۵

ترجمہ :- اور بیان کریں ان کے سامنے مثال دنیا کی زندگی
 کی ، جیسا کہ ہم نے پانی اتار آسمان کی طرف سے ۔ پس

مل گیا اُس کے ساتھ زمین کا سبزہ ، پھر ہو گیا وہ خشک چورا
اڑاتی ہیں اس کو ہوائیں ، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے
والا ہے ﴿۴۵﴾ مال اور بیٹے زینت ہیں دنیا کی زندگی کی ، اور
باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے پروردگار کے پاس بلحاظ
بدلے کے ، اور بہتر ہیں بلحاظ اُمید رکھنے کے ﴿۴۶﴾ اور جس
دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو ، دیکھے گا تو زمین کو بالکل
کھلی ہوئی اور ہم اکٹھا کریں گے ان کو ۔ پس نہیں چھوڑیں
گے ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی ﴿۴۷﴾ اور پیش کیے
جائیں گے یہ تیرے پروردگار کے سامنے صف در صف
البتہ تحقیق آئے ہو تم ہمارے پاس جیسا کہ ہم نے پیدا
کیا تھا تم کو پہلی مرتبہ ۔ بلکہ تم گمان کرتے تھے کہ ہم تمہارے
لیے نہیں مقرر کریں گے وعدے کا وقت ﴿۴۸﴾ اور رکھی
جائے گی کتاب ، پس دیکھے گا تو مجرموں کو کہ ڈرنے
والے ہوں گے اس چیز سے جو اس کے اندر ہے ۔ اور
کہیں گے افسوس ہمارے لیے ! کیا ہے اس کتاب کو کہ یہ
نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اس
نے اُسے سنبھال رکھا ہے ۔ اور پائیں گے یہ لوگ جو
انہوں نے عمل کیا اپنے سامنے ، اور نہیں زیادتی کرے گا
تیرا پروردگار کسی پر بھی ﴿۴۹﴾

ربط آیت

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دنیا دار مشرک اور ایک ایماندار غریب
آدمی کی مثال بیان فرمائی ، اُن کی آپس میں گفتگو کا تذکرہ ہوا ۔ مشرک بڑا مغرور تھا اور
ایمان دار آدمی کو قلت مال اور قلت اولاد کا طعنہ دیتا تھا ۔ ایماندار آدمی نے اُس

مشرک سے کہا کہ تو اس پروردگار کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے بنایا اور پھر قطرہ آب سے تخلیق کی، تجھے انسان بنایا، اچھی شکل و صورت عطا فرمائی۔ تو جو چاہے عقیدہ اختیار کر، مگر میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مٹھاتا تمہارا فرض یہ تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت تمہاری زبان پر یہ کلمات ہوتے مَسَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی جو اللہ چاہے۔ نیکی کہنے اور برائی سے بچنے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ کہنے لگا تیرا فرض یہ تھا کہ تو خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاتا اور تمام قوتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کو جانتا۔ اس کی بجائے تو نے سمجھا کہ میرا باغ ہمیشہ یوں ہی ہے گا۔ اور قیامت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بالفرض اگر قیامت آج ہی آگئی تو میں آخرت میں بھی آسودہ حال ہی رہوں گا جیسا کہ اس دنیا میں ہوں اس مرد مومن نے کہا کہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس باغ کو تباہ و برباد کر دے جس پر تمہیں مان ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے باغ پر ایسی آفت نازل فرمائی کہ اُسے لیا میٹ کر کے دکھ دیا۔ پھر وہ شخص اپنے کفر و شرک پر کھپتایا، مگر وقت گزر چکا تھا کہنے لگا، کاش میں شرک نہ کرتا، مجھے یہ میرے شرک ہی کی نحوست پڑ گئی ہے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اختیار، حکومت اور تصرف تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ثواب کے اعتناء سے بھی اور انجام کے اعتبار سے بھی صرف اُسی کی ذات بہتر ہے جس پر عبور و سہ کیا جاسکتا ہے۔ انسان کو اُسی پر ایمان رکھنا چاہیے اور اس کی توحید میں شرک کی ملاوٹ نہیں کرنی چاہیے کہ ایسا کہنا بہت بڑے ظلم کی بات ہے۔

دنوی زندگی
کی مثال

مومن اور کافر کی مثال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی بے ثباتی کی مثال بھی بیان کی ہے جس کی خاطر اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہوتے

اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُم مِّثْلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ اٰتٰی اَنْۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ۔ اور پانی کی حقیقت یہ ہے اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ۔
مِثْلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر رہے ہیں جو کہ پانی کی مانند ہے۔ اور پانی کی حقیقت یہ ہے اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ اَنۡۢ بَرۡقَ۔
مِثْلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ جسے ہم نے آسمان کی طرف سے نازل کیا۔ عربی زبان میں چھت، فضا، نیلگوں آسمان اور بادل وغیرہ سب پر سماء کا اطلاق ہوتا ہے۔ بادل چونکہ اوپر فضا میں ہوتا ہے جس کے ذریعے بارش ہوتی ہے اس لیے یہاں پر سماء کا لفظ آیا ہے۔ تاہم اس لفظ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بارش برسانے میں اوپر والے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا دخل ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال اللہ نے دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی کی مثال پانی کے ساتھ دی ہے کہ ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا فَاَخۡتَلَطَ بِۤہِ نَبَاتُ الْاَرۡضِ پھر وہ پانی زمین کے پودوں کے ساتھ مل گیا۔ پانی زمین میں خلط ملط ہوا تو اس سے طرح طرح کی سبزیاں، پھل اور اناج پیدا ہوا۔ فَاَصۡبَحَ ھٰۤسِیۡمًا پھر وہ خشک ہو کر چورہ چورہ ہو گیا تَذُرُوۡہُ الرِّیۡحُ جسے ہوائیں اٹالے جاتی ہیں۔ جس طرح مینہ برسنے سے تروتازہ سبز پید ہوتا ہے، پھر وہ اپنے وقت پر مرجھا جاتا ہے۔ پھر خشک ہو کر ہوائیں اسے اٹالے جاتی ہیں۔ اور وہاں کچھ بھی نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان بڑا نرم و نازک حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے۔ زندگی کی تمام آسائشیں حاصل کرتا ہے، زندگی کے بہترین حصے سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ پھر بوڑھا اور کمزور ہو جاتا اور آخر مر کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ لہذا زندگی کی اس عارضی اور پر فتنہ تروتازگی پر مغتوں نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُسے اپنے زوال سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔ زندگی ایک بالکل عارضی چیز ہے۔ اگر اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آخرت کے لیے

کوئی اچھا کام نہ کیا تو پھر آخرت کی دائمی زندگی میں ہمیشہ خسار اٹھانا پڑے گا۔ لہذا زندگی کی عارضی چیزوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔
 شیخ سعدیؒ نے اس عارضی زندگی کا نقشہ اپنے اشعار میں کچھ اس
 طرح کھینچا ہے۔

انسانی زندگی
 کی ناپائیداری

خوش است و عمر درین کہ جاودانی نیست
 پس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست
 ترجمہ :- عمر بہت اچھی چیز ہے لیکن افسوس کہ یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں
 ان پانچ فانی ایام پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔
 دل لے رفیق بریں کارواں سرے بند
 کہ خانہ ساختن آئین کاروانی نیست
 ترجمہ :- اے دوست! اس فانی سرے میں مستقل ٹھکانا پکڑنا عقلی
 کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ کاروانوں والے گھر نہیں بنایا کرتے۔
 جہاں بر آب نہادست و زندگی برباد
 غلام ہمت، اتم کہ دل بہود نہاد
 ترجمہ :- خدا نے جہاں کی بنیاد پانی پر رکھی ہے جب کہ زندگی کی بنیاد
 ہوا پر ہے میں تو اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں جس نے ان پر دل
 نہیں رکھا۔

کس را بقائے دائم و عہد مقیم نیست
 جاوید بادشاہی و دائم بقائے تہمت تو
 ترجمہ :- کسی کے لیے بقائے دائم اور عہد مقیم نہیں ہے۔ اے پروردگار
 ہمیشہ رہنے والی بادشاہی اور دائم عہد صرف تیری ذات ہی کا ہے۔
 بہر حال اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی مثال پانی کے ساتھ دے کر
 سمجھائی ہے وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمٌ كُلُّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرٌ بِاللَّهِ تَعَالَى

ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سبزہ کو پیدا کرتا ہے، پھر اسے خشک کر کے چوراجوڑا کر دیتا ہے اور ہوائیں اسے اڑا لے جاتی ہیں، اسی طرح انسانی زندگی میں بھی اسی قسم کے مراحل آتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔

مال و اولاد
بہت ایلہ
صالحات

اللہ نے فرمایا، جس چیز پر تم زیادہ مفتون ہوتے ہو۔ اس کی حقیقت بھی سن لو اَلْمَالُ وَابْنُ مَرْحَمٍ وَبِئْسَ الْاٰخِرَةُ الدُّنْيَا مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی رونقیں ہیں وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَاتُ اور باقی سب والی نیکیاں ہیں خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَبَهْتَرًا تیرے پروردگار کے پاس ثواب کے اعتبار سے وَخَيْرٌ اَمَلًا اور بہتر ہیں امید اور توقع کے اعتبار سے۔ باقیات الصالحات کے سلسلے میں حدیث شریف میں کئی چیزوں کا ذکر آتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کے کلمات سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ یا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ باقیات الصالحات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کلمات کا ورد کرنے والے اور ان کے مصداق پر یقین رکھنے والے شخص کے لیے دائمی نیکیوں کا ذخیرہ بننا ہوتا ہے۔
شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ باقی سب والی نیکیوں میں دین کی تعلیم، کسی اچھی رسم کا اجرا، جس پر دوسرے بھی عمل کر کے فلاح پاسکیں، مسجد کی تعمیر، ضرورت کے مقام پر زناہ عامہ کے لیے پانی کا انتظام کر دینا، سرائے تعمیر کرنا وغیرہ ایسی نیکیاں ہیں جن کا اجر انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ اگر نیک اولاد بھیچے چھوڑی ہے تو وہ بھی باقیات الصالحات میں شمار ہوگی کہ یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔ امام حسن بصریؒ کی روایت کے مطابق اگر بیٹیوں کی اچھی تعلیم و تربیت کی جانے تو بھی والدین کے حق میں باقیات الصالحات ہیں حالانکہ بیٹیوں کے مقابلے

میں بیٹیوں کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خمسہ، روزے، زکوٰۃ، حج، عمرہ، جہاد سب باقیات الصالحات ہیں۔ ان کے ضمن میں آنے والے سنن اور نوافل بھی اسی مد میں شمار ہوں گے۔ بہر حال باقیات الصالحات وہ نیکیاں ہیں جن سے انسان کو دائمی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور جن سے اچھی توقع اور اُمید رکھی جاسکتی ہے۔

خدا کے
حضور
پیشی

آج تو انسان غرور و تکبر کی بناء پر قیامت کا انکار کرتا ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا وہ وقت آنے والا ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر کوئی اور بچ بچ یا سپاڑی ٹیکہ نظر نہ آئے گا، حتیٰ کہ زمین پر کوئی درخت بھی باقی نہیں رہے گا۔ اُس وقت وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً تو دیکھے گا زمین کو کھلی ہوئی اور نمایاں۔ سورۃ طہ میں ہے لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَآَمْتًا (آیت - ۱۰۷) زمین میں نہ کوئی کجی ہوگی، نہ کوئی ٹیکہ اور نہ کڑھا۔ پوری کی پوری زمین ہموار ہو جائیگی۔

فرمایا وَحَشَرْنَاهُمْ اس دن ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے قَلَمَ نَعَادِرُ مِنْهُمْ أَحَدًا اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ہر ایک کو حساب کتاب کے لیے جمع ہونا ہوگا۔ وَعَبْرَضَوْا کلمہ کبکٹ صفتاً اور سب کے سب تیرے پھر در در گار کے سامنے پیش کیے جائیں گے قطار در قطار۔ ہر گروہ کے لوگوں کی الگ الگ قطار ہوگی، نمازیوں کی علیحدہ اور بے نمازوں کی علیحدہ۔ پھر شرابی، زنا کار وغیرہ علیحدہ علیحدہ قطاروں میں پیش کیے جائیں گے۔ اور اجتماعی فیصلے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ بِنَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ تحقیق تم آئے ہو وہاں سے پاس جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان پیدائش کی وقت

بالکل بے بہتہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے حضور پیشی کے وقت بھی سب لوگ بے بہتہ جسم اور بے ختنہ ہوں گے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا، حضور! اس طرح تو بالکل بے پردگی ہوگی۔ فرمایا، عائشہؓ! اُس وقت معاملات بڑے سنگین ہوں گے۔ کسی کو کسی طرف دیکھنے کی ہوش ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر شخص اپنی اپنی فکر میں غلطان ہوگا۔ اور یہ فکر اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے گی۔ انہیں بے ہنگامی کا احساس تک نہیں ہوگا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حشر کے میدان میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنا یا جائے گا۔ جب کفار نے آپ کو آگ میں پھینکا تھا تو آپ کا لباس بھی اتر دیا گیا تھا۔ اور رسیوں سے باندھ کر آگ میں پھینکا تھا حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ آپ کی اس تکلیف کی قدر دانی کریں گے اور آپ کو سب سے پہلے لباس پہنائیں گے۔ البتہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک شق ہوگی اور آپ کو باہر نکالا جائے گا۔ اُس وقت نیک و بد اولیاء اور اتقیا سب بے بہتہ ہوں گے۔ حضور نے فرمایا کہ اُس وقت سب سے پہلے جنت سے ایک سوٹ لاکر مجھے پہنا یا جائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے بَلْ زَعَمْتَ اَنْ لَّنْ جَعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا بَلْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ کہتے تھے کہ ہم تمہارے لیے وعدہ کا وقت ہرگز نہیں مقرر کریں گے۔ لیکن دیکھ لو اب وعدے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر وَوَضَعَ الْكِتَابَ كِتَابَ يَمِينٍ ہر شخص کا نامہ اعمال کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا جسے ہر شخص خود پڑھ سکے گا۔ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِمْ پھر تو دیکھے گا مجرموں کو بڑے خوفزدہ ہوں گے

نامہ اعمال
بطور کھلی
کتاب

اُس چیز سے جو اُن کے نامہ اعمال میں درج ہے۔ اپنی زندگی بھر کا ریکارڈ دیکھیں گے وَكَيْفَ لَوْ كُنَّا كُنَّا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَرْفِيَةً إِلَّا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا اور کہیں گے، اے افسوس، ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو اس نے سب کچھ شمار کر رکھا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا، اچھا یا بُرا اعلیٰ اس میں لکھا ہوا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! یہ تیرے ہی اعمال ہیں جن کو میں نے شمار کر کے رکھا ہوا ہے۔ اگر اچھے نامہ اعمال میں اچھائی پاؤ تو اللہ کا شکر ادا کرو، اور اگر برائی پاؤ تو یہ تمہارے ہی اعمال ہیں، ان کا بدلہ تمہیں مل کرے گا۔

فَمَا بَأْسَ مَا عَمِلُوا حَاضِرًا اور پائیں گے وہ اس چیز کو اپنے سامنے جو انہوں نے عمل کیا۔ ہر شخص کا ضمیر اس بات پر شاہد ہوگا کہ نامہ اعمال میں درج شدہ تمام اعمال اُسی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا اور تیرا پورا دگار کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے برائی کا ارتکاب کیے بغیر اُس کے نامہ اعمال میں ذرہ بھر بھی برائی درج نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی معمولی سے معمولی نیکی بھی بغیر اجر دیے چھوڑی جائیگی۔ ہر نیکی و بدی کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دینا ہی عدل ہے اور اس کے خلاف کہنا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ قطعاً زیادتی نہیں کرے گا۔ ہر شخص کی نیکی اور بدی اس کے سامنے ہوگی اور وہ اس کے مطابق بدلہ پائے گا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا
 إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ
 أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ
 لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝۵۰ مَا أَشْهَدْتُهُمْ
 خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا
 كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا
 شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا
 لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۝۵۲ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ
 النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا
 مَصْرَفًا ۝۵۳

۷۸

ترجمہ :- اور (اس بات کو یاد کرو) جب کہا ہم نے فرشتوں
 سے کہ سجدہ کرو آدم کے لیے، پس سجدہ کیا انہوں نے
 مگر ابلیس نے ۔ تھا (ابلیس) جنات میں سے ۔ پس نافرمانی
 کی اُس نے اپنے پروردگار کے حکم سے، پس کیا بناتے
 ہو تم اُس (ابلیس) کو اور اُس کی اولاد کو دوست میرے
 سوا حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ۔ بُرا ہے ظالموں کیلئے بدلہ ۝۵۰
 میں نے نہیں حاضر کیا اُن کو آسمانوں اور زمین کے پیدا

کرنے کے وقت ، اور نہ خود اُن کی جانوں کے پیدا کرنے کے وقت ۔ اور نہیں ہوں میں بنانے والا گمراہوں کو مدگار (۵۱) اور جس دن وہ فرایگا ، بلاؤ میرے اُن شرکیوں کو جن کے باسے میں تم گمان کرتے تھے ۔ پس وہ پکاریں گے اُن کو ، پس وہ جواب نہیں دیں گے ، اور بنائیں گے ہم اُن کے درمیان ہلاکت کی جگہ (۵۲) اور دیکھیں گے محرم (دوزخ کی) آگ کو ، پس وہ یقین کر لیں گے کہ وہ اسیں پڑنے والے ہیں ۔ اور نہیں پائیں گے وہ اس سے پھرنے کی کوئی جگہ (۵۳)

گزشتہ آیات میں اللہ نے مومن اور مشرک آدمی کی بات ذکر فرمائی ۔ پھر دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا اور مال و اولاد کو دنیا کی زینت کا سامان بتلایا ۔ پھر قیامت کے محاسبے کا ذکر کیا کہ ہر چھوٹی بڑی چیز نامہ اعمال میں درج ہوگی ۔

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ دولت مند مشرک آدمی اپنے مال و دولت اور کثرتِ اولاد کی بنا پر اپنے مومن اور نادار بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس طرح غرور و تکبر کا مرتکب ہوتا تھا ۔ مومن آدمی نے اُسے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے وہ اگر چاہے تو تیرے باغ ، مال اور اولاد کو ضائع کر دے اور تجھے قلاش بنا دے ، لہذا اس عارضی مال و اولاد پر تکبر نہیں کرنا چاہیے کہ یہ تو بڑی ہی نادانی کی بات ہے ۔

اسی تکبر ہی کے ضمن میں اب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا ذکر کیا ہے ۔ اُس نے بھی تکبر کی بنا پر ہی سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور بالآخر ذلیل و خوار اور ہمیشہ کے لیے مردود و ٹھہرا اللہ تعالیٰ نے ضمناً یہ بات بھی سمجھا دی ہے کہ کفر و شرک اور معصیت کے مرتکب لوگ ہمیشہ شیطان کے چنگل میں آجاتے ہیں حالانکہ شیطان اور اس کی ذریت بنی نوع انسان کی دشمن اور انہیں ہر طریقے سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ

سے منقول ہے کہ عام گناہ سے تو انسان کسی وقت بھی توبہ کر لیتا ہے لیکن جو گناہ تکبر کی بنا پر کیا جاتا ہے، اُس سے توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی، لہذا آپ نے فرمایا کہ ایسے شخص سے بھلائی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

ابلیس سے
دوستی

ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ
اُس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جو ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم
علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرو۔ فَسَجَدُوْا اِلَّا ابْلِیْسَ پس انہوں
نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے كَانَ مِنَ الْجِنِّ ابْلِیْسُ جنات
میں سے تھا فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ پس اُس نے
اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی، اور آدم کے سامنے سجدہ کرنے سے
انکار کر دیا۔ سورۃ بقرہ میں آتا ہے اَلْبِیِّنٰتِ وَكَانَ
مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (آیت ۲۲) اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور
وہ کافروں میں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی کارگزاری کا ذکر کر کے ان لوگوں
کو مخاطب کر کے فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَهُ وَاَوْلٰیآءُ مِنْ
دُوْنِیْ کیا تم ایسے راندہ درگاہ کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا اپنا رفیق اور
دوست بناتے ہو؟ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ حالانکہ وہ تمہارے دشمن
ہیں۔ یہ تو بڑی ہی نادانی کی بات ہے فرمایا بِیِّنٰتٍ لِّلْظٰلِمِیْنَ بدلا
ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلا ہے۔ ابلیس خود تو اپنے تکبر کی وجہ سے
بہنم واصل ہوا، اس کی دوستی کا دم بہرنے والے بھی اُسی قبیل کے ظالم ہیں
اور ظالموں کا بدلہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے فارسی والے بھی کہتے ہیں۔

بقول دشمنِ پیمانِ دوستِ شکستی

یہ ہیں ان کہ پریدی و با کہ پیوستی

تو نے دشمن کے کہنے پر اپنے دوست کے عہد و پیمان کو توڑا۔ ذرا دیکھ
تو ہی کہ تم کس سے کٹ گئے اور کس کے ساتھ جھڑ گئے۔ خدا تعالیٰ سے

سجدے
انکار

قطع تعلقی کر کے ابلیس کی دوستی اختیار کرنا کس قدر باعث نقصان ہے
ابلیس، ابلاس یا ابیس یا یوسى کا معنی دیتا ہے۔ اس میں ذلیل اور مغرور
ہونے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ دوسری جگہ کافروں کے لیے مَبْلِسُوں
کا لفظ بھی آتا ہے، یعنی جب اُن سے کچھ بن نہیں پڑے گا تو غمگین ہو
کر خاموش ہو جائیں گے تاہم اس کا زیادہ تر معنی رحمت سے بعد کھتے ہیں
چونکہ ابلیس اللہ کی رحمت سے دُور اور مایوس ہو چکا ہے، اس لیے
اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

ابلیس تمام شیطانوں کا سردار تھا۔ اگرچہ اس کا تعلق جنات کی نوع
سے ہے مگر یہ فرشتوں کے درمیان رہتا تھا اور انہی کے ساتھ رُل مل
چکا تھا، اللہ کی بڑی عبادت کرتا تھا۔ خواجہ شمس الدین عجمی منیریؒ ساتویں صدی
کے بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ابلیس نے ستر
لاکھ سال عبادت کی۔ فضا میں اس کو اقتدار حاصل تھا، جہاں چاہتا بلا
چلا جاتا۔ مگر جیسا کہ سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ جب اسے سجدے کا
حکم دیا گیا تو اس نے غرور و تکبر کی بنا پر کہہ دیا کہ میں آدم علیہ السلام کے سامنے
کیسے سر بسجود ہو سکتا ہوں جب کہ میں اُس سے افضل ہوں ”خَلَقْتَنِي
مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ“ (آیت ۱۲) مجھے تو نے
آگ سے پیدا کیا جب کہ آدم کو مٹی سے۔ آگ مٹی سے برتر ہے۔ لہذا
میں آدم کے سامنے سجدہ نہیں کر سکتا۔ جہاں تک فرشتوں اور ابلیس کے
باہمی تعلق کی بات ہے، ابلیس فرشتہ تو نہیں تھا۔ بلکہ جنات میں سے تھا
اکثر مقامات پر سجدہ کے لیے لِلّٰہِ تَسْبُحُہ کا لفظ آتا ہے یعنی اللہ
نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ سجدہ کرو مگر ساتھ ہی ابلیس کے انکار کا ذکر
آتا ہے حالانکہ وہ فرشتہ نہیں تھا۔ سورۃ اعراف کے الفاظ سے معلوم
ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے علاوہ ابلیس کو بھی سجدے کا حکم

دیا تھا۔ اللہ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ
اِذَا اَمَرْتُكَ (آیت - ۱۲) اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدے
سے منع کیا جبکہ میں نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا۔

اس آیت کرمیہ میں ابلیس کی کارگزاری میں فسق کا لفظ استعمال ہوا
ہے جس کا معنی ہم نے "نافرمانی" کیا ہے۔ فسق کا معنی اطاعت سے ...
باہر نکل جانا ہے اور اس کا اطلاق کفر، نفاق اور باقی گناہوں پر بھی ہوتا ہے
کافروں، یہودیوں اور منافقوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ اور جس شخص کا عقیدہ صحیح
ہو، مگر گنہگار ہو، اُس کو بھی فاسق کہا گیا ہے۔ فسق کی اصطلاح عام ہے اور
موقع کی مناسبت سے اس کو مختلف معانی پر محمول کیا جاتا ہے۔ ویسے عربی
لغت میں جب مغز چھلکے سے باہر نکل جائے تو اُس کو فسق کہتے ہیں یعنی
اس کا خروج ہو گیا۔ اسی لحاظ سے جب کوئی شخص اپنے رب کی اطاعت
سے باہر نکل جاتا ہے تو اس پر فسق کا اطلاق ہوتا ہے۔

ملائکہ کے
طبقات

فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ اور پاکیزہ مخلوق ہیں۔ حدیث شریف
میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے خَلَقْتُ الْمَلَائِكَةَ مِنْ نُّوْرِ
وَخَلَقْتُ الْجِنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارِ فرشتوں کو نورانی
مادے سے پیدا کیا گیا جبکہ جنات کو آگ کے شعلے سے۔ شعلہ دراصل آگ
اور ہوا دو عناصر کا مجموعہ ہوتا ہے مگر اس میں آگ کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اسی
حدیث میں آتا ہے خَلَقَ اَدَمَ مِمَّا وُصِفَ لَكَ ثُمَّ اللہ نے آدم
علیہ السلام کو اُس مادے سے پیدا فرمایا جس کو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے
یعنی خَلَقَهُ مِنْ تُرَابِ اللہ نے اُس کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ اسی
لیے انسان کو خاک کی کہا گیا ہے کہ یہ خاک کی پیداوار ہے۔ انسان کا وجود بہت
سے عناصر کا مجموعہ ہے نہ ہم اس میں مٹی غالب ہے لہذا اس کی تخلیق
مٹی کی طرف ہی منسوب کی جاتی ہے۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق اور پھر اس کے ساتھ فرشتوں اور ابلیس کا ذکر قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات سے آیا ہے۔ ملائکہ کے ساتھ اجماعین کا لفظ بھی آیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا۔ تاہم امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور بعض دوسرے محقق مفسرین فرماتے ہیں کہ سجدہ پر مامور فرشتوں سے مراد علیین کے ملائکہ نہیں بلکہ ملائکہ مختصر ہیں۔ جیسا کہ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں پہلے درجے میں ملائکہ اعلیٰ کے فرشتے ہیں جن کی آگے دو جاعتیں ہیں ملا اعلیٰ کے باہر حافین حول العرش فرشتے ہیں جو عرش کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں۔ پھر ملائکہ سافل کے آگے گئی طبقات ہیں۔ پھر علیین والے فرشتے ہیں۔ پھر آسمانوں والے، اس کے بعد فضا میں رہنے والے اور پھر ارضی فرشتے ہیں۔ بہر حال جن فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا وہ ملائکہ مختصر ہیں۔ فرشتوں کے مختلف طبقات کا مادہ تخلیق بھی الگ الگ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ملائکہ اعلیٰ کے فرشتوں کی تخلیق الیہ لطیف مادہ سے ہوئی ہے۔ جیسے وہ آگ تھی جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر نظر آئی تھی۔ جب آپ اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ یہ آگ نہیں بلکہ کوئی لطیف چیز ہے یہ حجاب نور ہی تھا یا حجاب تاری تھا۔ بہر حال شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کے فرشتوں کو لطیف عناصر سے پیدا فرمایا۔ پھر باقی سچلے طبقات کے فرشتوں کو مزید لطیف مادے سے تخلیق کیا۔ اس کے برخلاف جنات کی تخلیق آگ کے غلبہ والے عناصر سے ہوئی آگے جنات کے بھی مختلف طبقات ہیں شیاطین کی تخلیق سند اس جیسے گندے مادے سے ہوئی۔ جہاں گندگی پھینکی جاتی ہے اس جگہ پر تعفن پیدا ہوتا ہے جو نجارت لگھتے ہیں شیاطین کا مادہ تخلیق ایسا ہی غلیظ ہوتا ہے۔

فرمایا، کیا تم ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا رشتیق بنانے ہو حالانکہ وہ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ ابلیس اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت انسانوں ابلیس کی دوسرے اندازی

کو درغلانے کے لیے حملہ آور ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابلیس سمندر پر اپنا تخت بچھا کر اپنے حواریوں کو جمع کرتا ہے اور پھر انہیں کائنات میں گمراہی پھیلانے کے مختلف امور پر مامور کرتا ہے۔ اس حدیث میں دو باتوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ابلیس کی فریت میں سے جب کوئی آگہ یہ رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں فلاں میاں بیوی کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا رہا حتیٰ کہ اُن کے درمیان جدائی ڈال دی، تو ابلیس بہت خوش ہوتا ہے اور اپنے حواری کو شاباش دیتا ہے کہ تم میرا اچھا بیٹا ہے، تو نے اپنا فرض محنت کے ساتھ نبھایا۔ پھر دوسرا شیطان آگہ یہ رپورٹ دیتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے پڑا رہا حتیٰ کہ اُس سے شرک کا ارتکاب کر لے میں کامیاب ہو گیا۔ اس پر بھی ابلیس بہت مسرور ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ اَنْتَ کَمِیَابٌ تَوَحَّیْکَ اور کامیاب ہے۔ غرضیکہ ابلیس نے گمراہی کے لیے مختلف محکمے قائم کر کے وہاں پر مختلف شیاطین کو مقرر کر دیا ہے ان میں بعض خصوصی ماہرین (SPECIALIST) سینٹلسٹ) بھی ہوتے ہیں جو اپنی کمال مہارت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

شیاطین کے
مختلف نام

حدیث شریف میں مختلف کاموں پر مامور شیاطین کے مختلف ناموں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً جو شیطان وضو کے دوران وسوسہ اندازی کرتا ہے اس کو والہان کہا گیا ہے۔ اور جو شیطان نماز کے دوران وسوسہ ڈالتا ہے، وہ خنزرب کہلاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں میں مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ وغیرہ جلیل القدر بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان میں سے حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تین مرتبہ قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، آپ کا بیان ہے کہ شیاطین کی بہت سی قسمیں ہیں۔ چنانچہ امام طبرہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ بازار میں اپنا جھنڈا لگاٹھنے

والے شیطان کا نام زلبور ہے۔ یہ شیطان تاجروں سے جھوٹے وعدے اور جھوٹی قسمیں دلاتا ہے۔ سوئے میں دھوکہ فریب کرواتا ہے۔ مال کے عیب کی ستر پوشی کرواتا ہے۔ اپنے کام میں ماہر ہونے کی بنا پر وہ تاجروں کو ہر ممکن طریقہ سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو شیطان کسی شخص کو مصیبت کے وقت گمراہ کرتا ہے وہ ثیر کہلاتا ہے۔ ایسے مواقع پر وہ لوگوں کو روئے پیٹنے، جزع و فزع اور دادیلا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح زنا پر ابھارنے والے شیطان کا نام اسخور ہے، اور جو جھوٹی خبروں کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے وہ مسوط کہلاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص گھر میں داخل ہوتے وقت اپنے گھر والوں کو سلام نہیں کرتا اس پر داسم نامی خاص قسم کا شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص گھر میں داخل ہوتے وقت سلام نہیں کہتا تو شیطان کہتا ہے کہ اب مجھے گھر میں داخل ہونے کا موقع مل گیا ہے۔ پھر اگر وہ گھر میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے، اب مجھے یہاں رات گزارنے کا موقع بھی مل گیا ہے۔ پھر وہ اہل خانہ کے قلوب میں اپنے اثرات ڈالتا رہتا ہے اور انہیں ہر طریقے سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ اور نہ ان کے دوستوں میں آؤ بلکہ اُن سے بچنے کی کوشش کرو۔ تم خواہ مخواہ اُن کو کار گزار سمجھتے ہو حالانکہ مَا أَشْهَدُ تَهُمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْ نَفْسِهِمْ آسمان و زمین کی تخلیق کے وقت حاضر نہیں کیا تھا وَلَا خَلَقَ أَنْفُسَهُمْ اور نہ انہیں اُن کی اپنی جانوں کی پیدائش کے وقت حاضر کیا تھا کہ دیکھو لو میری تخلیق میں کوئی نقص تو نہیں رہ گیا۔ فرمایا ایسی بات نہیں ہے۔ وَمَا كُنْتُمْ مَخْذُومِينَ عَصِدًا اور نہ

اللہ تعالیٰ
کی بے نیازی

میں شیاطین جیسے گمراہوں کو اپنا معاون بنانے والا ہوں۔ مجھے کسی امدادی کی ضرورت نہیں ہے جو میری تخلیق کی تصدیق کرے۔ کیا خدا تعالیٰ (العیاذ باللہ) محتاج ہے کہ ایسے مواقع پر شیاطین سے مدد طلب کرے۔ وہ تو بے نیاز ہے اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا وہ ایسے باغیوں، سرکشوں اور نافرمانوں سے مدد چاہے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو بے عقلی کی باتیں ہیں۔ بھلا تم لوگ کیوں شیطان کے بہکاوے میں آتے ہو اور اُسے اپنا دوست بناتے ہو؟

شرکاء کی
جیسے

اللہ نے اگلی آیت میں فرمایا وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بلاؤ میرے اُن شرکیوں کو کہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہاری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ تم اُن کے نام کی دعاؤں دیتے تھے اور انہیں نذرانے پیش کرتے تھے، ذرا اُن کو اس مصیبت کے وقت بلاؤ۔ فَدَعَوْهُمْ پس وہ اُن کو بلائیں گے، آوازیں دیں گے کہ آج ہماری مدد کرو۔ قُلْ كَيْسًا حَيَبُوا كُفْرًا مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ مگر وہ باطل معبودان کی کسی بات کا جواب نہیں دیں گے۔ اللہ نے فرمایا وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُم مَّوْبِقًا ہم تبا دیں گے ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ وہ تابع اور متبوع دونوں ہلاکت کے مقام میں دھکیل دیے جائیں گے۔ دونوں گمراہوں کو سزا کے ایک ہی مقام پر رکھا جائے گا۔

فرمایا، یہ ایسا وقت ہو گا وَرَّاءَ الْمُحْجَرِ مَوْبِقَ النَّارِ کہ مجرم لوگ دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَافِقُوہَا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس آگ میں پڑنے والے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جہنم کی آگ چالیس سال کی مسافت سے نظر آجائے گی تو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے مجرمین کو یقین آجائے گا کہ اب اس

سے بچ نہیں سکتے۔ وَلَمْ يَجِدْ وَاعْنَهَا مَصْرُفًا اور وہ اس سے
 پھیر جانے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔ دوزخ سے بچ کر وہ کسی دوسری
 جگہ پناہ نہیں لے سکیں گے بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی آگ میں
 رہنا ہوگا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ
أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ
إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ
قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ
وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ
وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ۝۵۶ وَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنْ ذَكَرَ آيَاتِ رَبِّهِ فَاعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا
قَدَّمَتْ يَدُهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ
يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى
الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ
ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ لَوْؤَا خِذَهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ
لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ
دُونِهِ مَوْيلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا
ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝۵۹

سے) بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور ہے انسان زیادہ جھگڑاؤ (۵۴) اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ اُن کے پاس ہدایت آگئی، اور بخشش طلب کریں اپنے پروردگار سے، مگر اس بات نے کہ آئے اُن کے پاس دستور پہلے لوگوں کا، یا آجائے اُن کے پاس عذاب بالکل سامنے (۵۵) اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر تو شجری مینے والے اور ڈرانے والے۔ اور جھگڑتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا باطل کے ساتھ تاکہ وہ گمراہی بسکے ساتھ حق کو، اور بنایا انہوں نے میری آیتوں کو اور اس چیز کو جس کے ساتھ اُن کو ڈرایا گیا تھا، مٹھا (۵۶) اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں کے ساتھ، پس اس نے اعراض کیا ان سے، اور مَجْہول گیا اُس چیز کو جو اُس کے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہے۔ بیشک ہم نے کہ دیے اُن کے دلوں پر۔ پھر، اس بات سے کہ یہ اُس کو سمجھیں۔ اور اُن کے کانوں میں بوجھ ہیں۔ اور اگر آپ اُن کو بلائیں گے ہدایت کی طرف تو وہ ہرگز ہدایت نہیں پائیں گے کبھی بھی (۵۷) اور تیرا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور رحمت والا ہے اگر پچھڑے ان کو ان کی کھائی کی وجہ سے تو البتہ جلدی کر دے ان کے لیے عذاب بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ ہے ہرگز نہیں پائیں گے یہ اُس کے ورے کوئی جائے پناہ (۵۸) اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے جب کہ

انہوں نے ظلم کیا، اور محضرا ہم نے ان کی ہلاکت کے
لے ایک وعدہ ۵۹

ربط آیت

گزشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مال اولاد کو دنیا کی زندگی
کی رونق سے تعبیر کیا تھا اور تلقین کی محقق کہ ان چیزوں میں منہمک ہو کر اپنے
مقصود حقیقی سے غافل نہ ہو جانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باقیات الصالحات
ہی بہتر ہیں۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اللہ کا ذکر اور تسبیح کے کلمات، تمام
عبادات اور نیکی کے کام باقیات الصالحات میں داخل ہیں۔ مفسر قرآن اور
مشہور تابعی حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ نیک سنی بھی باقیات الصالحات
میں شامل ہے۔

اس کے بعد گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی گمراہی کا ذکر کیا
اور انسانوں کو آگاہ کیا کہ ابلیس اور اس کی اولاد تمہاری دشمن ہے، انہیں
اپنا دوست مت بناؤ۔ ابلیس نے تکبر کی بنا پر خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی
کی اور اس پر محرومی اور لعنت پڑی۔ اس سے بچھلی آیت میں محاسبہ اعمال
کا ذکر بھی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے سامنے
رکھ دیا جائے گا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا۔ یا
مَلِئِکَتِیْ اَقِیْمُوا عِبَادِیْ عَلٰی اَطْرَافِ اَنَامِیْلِ
اَقْدَامِهِمْ لِلْحِسَابِ اے میرے فرشتو! میرے بندوں کو
پاؤں کی انگلیوں پر حساب کتاب کے لیے کھڑا کر دو۔ حشر کے میدان
میں اتنا ہجوم ہو گا کہ پاؤں کھٹے کی جگہ بھی نہیں ہوگی اور لوگ پاؤں کی انگلیوں
پر کھڑے ہوں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ہدایت اور رہنمائی
کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تذکرہ اس سورۃ میں اس سے پہلے بھی دو مرتبہ ہو چکا
ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں فرمایا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

”اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ“ جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن پاک نازل فرمایا جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ یہ کتاب خلافت واقع امور سے پاک ہے اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان کو بشارت سنائی جائے اور عام لوگوں کو خدا تعالیٰ کی شدید گرفت سے ڈرایا جائے۔ پھر اللہ نے چوتھے رکوع میں فرمایا اے پیغمبر! آپ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائیں۔ یہ ایسی کتاب ہے۔ ”لَا مَبْدَلَ لِّكَلِمَاتِہٖ“ کہ اس کے کلمات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس کا قانون اور ضابطہ بالکل اٹل ہے۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نتائج اعمال کا ذکر بھی کیا ہے پھر انبیاء علیہم السلام کے فرائض کا ذکر کیا ہے جس سے عام لوگوں کے فرائض کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہلاکت کے اسباب کا ذکر بھی کیا ہے کہ انسان ظلم کرنے کی وجہ سے تباہ ہوتے ہیں۔

قرآن پاک
اور ان

قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں پھیر کر بیان کی ہیں۔ ہر طریقے سے لوگوں کو اللہ کی وحدانیت، اس کی قدرت کاملہ اور محاسبہ اعمال کی بات سمجھائی ہے مگر وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا مَّكْمَرًا انسان اکثر جھگڑا لڑنے والا ہے۔ یہ دلائل قدرت، اللہ کی کتاب، انبیاء اور اس کے ملائکہ کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا بلکہ بات بات میں جھگڑے پر اُتر آتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک رات حضور علیہ السلام حضرت فاطمہؓ، اور حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ آرام کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، تم رات کے وقت نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اس پر حضرت علیؓ کی زبان سے یہ ادا

ہو کہ حضرت! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں
 اِنَّ نَفْسَنَا بِيَدِ اللّٰهِ لہذا اگر خدا چاہے تو ہمیں رات کو بیدار کر
 دیتا ہے اور ہم نماز ادا کر لیتے ہیں، ورنہ سوئے رہتے ہیں۔ آپ غصے کی
 حالت میں واپس آ گئے۔ آپ اپنی ران پر افسوس کی وجہ سے ہاتھ مار رہے
 تھے، اس وقت آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے فَكَانَ الْاِنْسَانُ
 اَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَّ لَا الْاِنْسَانُ عام طور پر جھگڑا الود واقع ہوا ہے۔ دراصل
 حضور علیہ السلام کو حضرت علی کا جواب پسند نہیں آیا تھا۔ انہوں نے یہ فلسفہ
 قائم کیا تھا کہ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں اور اگر وہ اٹھا دیتا تو نماز
 پڑھ لیتے ہیں، ورنہ نہیں، ان کا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اگر اللہ کی
 توفیق شامل ہوگی تو ضرور رات کو اٹھ کر نماز پڑھیں گے۔ لمبا چوڑا فلسفہ
 چھانٹنے کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال فرمایا کہ انسان جھگڑا الود واقع ہوا ہے
 حالانکہ ہم اُس کے سامنے ہر قسم کی مثالیں بیان کر کے بات واضح کر دی ہے
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف مثالیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے
 کہ فطرت انسانی کی اصلاح ہو جائے اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں،
 جب تک انسان کفر، شرک، ظلم اور بد اخلاقی سے باز نہ آجائے۔ شیخ
 عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کے باطن میں شرک کی نجاست
 موجود ہے تو سنئے اور اچھے کپڑے پہننے کا کیا فائدہ؟ آپ نے یہ
 بھی فرمایا اِذَا خَرَجْتَ زُوْرًا دَخَلَ نُوْرًا انسان کی فطرت میں اس
 وقت تک نور داخل نہیں ہوتا جب تک کہ اس سے جھوٹ خارج نہیں
 ہو جاتا۔ گویا انسان کی تہذیب اور شائستگی اُس وقت ممکن ہوگی جب اس
 سے شرک، ظلم اور بد اخلاقی دور ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک
 انسان کی راہنمائی کرتا ہے کہ انسان کس طرح مہذب بن سکتا ہے۔ جب
 بھی اللہ کی کتاب نے لوگوں کو مہذب بنانے کی کوشش کی انہوں نے

تہذیب
انسانی

احکام الہی کو ماننے کی بجائے یہودہ فرمائشیں مشروع کہہ دیں۔ مثلاً متکبر مشرک کہتے تھے کہ ہم آپ کی مجلس میں اس وقت تک نہیں بیٹھ سکتے۔ جب تک آپ ان غریب اور حقیر اہل ایمان کو یہاں سے اٹھوانے دیں۔ اللہ نے یہ نبی کو فرمایا کہ آپ ایسی بات ہرگز نہ کہیں، ان کا تو کام ہی حجت باری ہے اور یہ جھجکاؤ لوگوں ہیں، آسانی سے ماننے والے نہیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے اکابرین نے بھی یہی عذر پیش کیا تھا کہ ہم ان کمین لوگوں کے ساتھ آپ کی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے۔ مگر نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں ان مخلص اہل ایمان کو اپنی مجلس سے دُور کر دوں تو میں ظلم کرنے والا بن جاؤں گا۔ فرمایا ہمیں تو اللہ نے ظلم کے خلاف ہی مبعوث فرمایا ہے۔ بھلا ہم خود کیسے ظلم کر سکتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ”رَفْعُ الظَّالِمِ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ“ یعنی لوگوں کے درمیان سے ظلم کو ہٹانا بھی ہے پہلے جیسے میں کفر اور شرک کا ارتکاب ظلم ہے اور پھر مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی زیادتی بھی ظلم میں داخل ہے۔ غرضیکہ انسانی تہذیب اس وقت مکمل ہوگی جب ان تمام قباحتوں کا قلع قمع ہو کہ انسان میں اچھے فضائل پیدا ہو جائیں۔

ایمان لانے
میں رکاوٹ

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے کی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى جب کہ ان کے پاس ہدایت آگئی۔ ایک تو ایمان لانے سے روکا اور وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ اپنے پروردگار سے بخشش مانگنے سے بھی روکا۔ ایمان اور بخشش طلبی سے روکنے کی دو وجوہات اللہ نے بیان فرمائی ہیں، پہلی یہ ہے إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا دستور آجائے پہلے لوگوں کا دستور یہ رہا

ہے کہ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا۔ اللہ کے انبیاء کا تمسخر اڑایا
کتب سماویہ کو تسلیم نہ کیا اور معاد کا انکار کر دیا، پھر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا
عذاب آیا اور انہیں مکمل طور پر صفحہ مہتی سے بابتہ کر دیا۔ گویا وہ ایمان لانے
کے لیے عذاب کے منتظر ہیں۔

فرمایا ایمان نہ لانے کی دوسری وجہ یہ ہے اَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ
قَبْلًا کہ یا عذاب یا بکل اُن کے سامنے آجائے۔ یعنی وہ اس بات کے
انتظار میں ہیں کہ اُن پر عذاب نازل ہو جائے تو پھر وہ ایمان لائیں۔ اور
اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ
کی طرف سے عذاب آجاتا ہے تو اُس وقت کا ایمان لانا مفید نہیں ہوا
کہتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے۔ غرضیکہ اللہ نے مکذبین
کی یہ حصلت بیان کی ہے کہ وہ ایمان لانے اور بخشش طلب کرنے
کے لیے اس انتظار میں رہتے ہیں یا تو اُن پر حکیم عذاب آجائے اور
یا پھر وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ فرمایا
یہ اُن کی خام خیالی ہے ایسی صورت میں وہ خدا کی سزا سے بچ نہیں سکتے

آگے ارشاد ہے وَمَا يُدْرِيكَ اَلْمُرْسَلِينَ اِلَّا مَسْرُورِينَ
وَمُنْذِرِينَ اور نہیں جانتے ہم رسولوں کو مگر اس لیے کہ وہ
فرمانبرداروں کو اچھے انجام کی خوشخبری سنا دیں اور نافرمانوں کو اُن کے
بڑے انجام سے ڈرا دیں۔ تمام کافر، مشرک، بد اعمال اور بد اخلاق لوگ
جان لیں کہ وہ نہایت ہی بڑے انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ انبیاء
کا فرض منصبی یہ ہے نہ کہ لوگوں کی بیہودہ فرمائشیں پوری کرنا۔ فرمایا کافروں
کا حال یہ ہے وَيَجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ اور کافر
لوگ باطل کو ساتھ لے کر جھگڑا کرتے ہیں لِيَذُحْضُوا بِهِ الْحَقَّ
تاکہ اس باطل کے ذریعے حق کو گمراہی میں لے کر آریں۔ کفار کی اس کارکننداری کے ثبوت

انبیاء کا
فرض منصبی

میں تاریخ عالم گواہ ہے۔ جب اللہ کے انبیاء ان کے پاس آتے ہیں تو یہ لوگ ان کو جھٹلاتے ہیں، انبیاء کی مذمت کی، اُن کے معجزات کو سحر کہہ کر رد کر دیا۔ وَإِخْذُوا إِلَيْنِي وَمَا أُنْذِرُوهَا هُزُؤًا اور میری آیتوں اور ڈرانے والی چیز یعنی خدا کی گرفت اور عذاب کے ساتھ ٹھٹھا کیا، اس کی مثالیں قرآن میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ مشرکین سحر کہتے تھے إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَاجَةً مِّنَ السَّمَاءِ (انفال - ۳۲) اے اللہ اگر محمد کا دین برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، ہم تو اس دین کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ قیامت کے متعلق کہتے مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ اِن کُنْتُمْ صَادِقِينَ (الملك - ۲۵) اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا عذاب آیا اور وہ خدا کی زمین سے ناپید ہو گئے۔

آیات الہی
سے
اعراض

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جسے اُس کے پروردگار کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ اُن سے اعراض کرے۔ آیات میں احکام، دلائل، معجزات اور نشانیاں سب کچھ شامل ہے جس شخص کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی یہ تمام چیزیں پیش کی جائیں اور وہ پھر بھی ان سے اعراض کرے تو وہ بڑا ہی ظالم اور نامراد ہے۔ ایسے شخص کا حال یہ ہے وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ کہ وہ بھول چکا ہے جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اُس نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ میں اعمال کے ذریعے کیا چیز آگے بھیج رہا ہوں اُس نے اپنی بُرائی پر کبھی نگاہ ہی نہیں ڈالی اور اس طرح آیات الہی کو فراموش کر دیا۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو تعصب اور عناد

کی بناء پر ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِيْ اُذُنِهِمْ وَقْرًا هُمْ نَے اُنکے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں جس کی وجہ سے یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں اور انکے کانوں میں بوجھ ہیں اللہ نے دوسری جگہ فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ (البقرة ۷۰) اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہیں۔ سورۃ نساء میں ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰیهَا بِكَفْرِهُمْ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر ٹھپے لگا دیے ہیں۔ سورۃ المطففين میں فرمایا كُلُّ سَكَنٍ رَّانٍ عَلٰی قُلُوبِهِمْ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ مَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ اس وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔ وہ کفر اور شرک کا اثر کباب کھاتے تھے شرکیہ رسوم میں ڈبے ہوئے تھے لہذا اُن کے دل اس طرح خراب ہو گئے جس طرح زنگ لپے کر کھاتا ہے۔ فرمایا وَلَئِنْ تَدْعُهُمْ اِلَی الْهُدٰی اَکْرَهْ اَی انہیں ہدایت کی طرف دعوت دیں فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذَا اَبَدًا تو وہ کبھی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ یہ آیات الہی سے اعراض کا نتیجہ ہے کہ وہ ہدایت سے بیکسر محروم ہو چکے ہیں۔

فرمایا وَرَبِّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ تیرا پروردگار بخشش کرنے والا اور رحمت والا ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ مجرموں کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ موقع دیتا رہتا ہے۔ اُس کے ہاں فتانوں اعمال و تدریج کام کرتا ہے۔ فرمایا لَوْ كُنُوْا خِذْهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَکْرَهْ اللہ تعالیٰ اُن کی بری کماٹی کی وجہ سے انہیں پکڑنا چاہے لَعَجَلَ لَهُمُ الْعَذَابَ تُوْا اُن کے لیے جلدی عذاب لے آئے۔ مگر یہ اس کی بخشش اور رحمت ہے کہ وہ جلدت دیتا رہتا ہے

قانون اعمال
و تدریج

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں گرفت کرنے پر آتا ہوں تو اس طریقے سے پکڑتا ہوں جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ فرمایا "إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ" (اعراف - ۱۸۳) میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، اس سے کون باہر نکل سکتا ہے۔؟ سورۃ البروج میں ہے "إِنَّ كَيْدَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ" بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ سورۃ الرحمن میں جنوں اور انسانوں سے خطاب کر کے فرمایا "إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا" اگر تم زمین و آسمان کے کناروں سے نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو بھاگ کر دکھاؤ، مگر تم نہیں بھاگ سکتے۔

فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ اُن کی کارگزاری کی وجہ سے انہیں پکڑنا چاہے تو فوراً عذاب نازل کر دے "بَلْ لَّهُمْ مَوْعِدٌ" بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے لیے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب وہ وقت آجائے گا تو وہ گرفت میں آجائیں گے "لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْٰدًا" اور وہ اللہ کے سوا کہیں جائے پناہ بھی نہیں پاسکیں گے۔ ہر فرد، جماعت، گمراہ، قوم، ملک اور بستی کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اس وقت تک ہمت ملتی رہتی ہے، پھر مقررہ وقت پر گرفت آجاتی ہے اور لوگ صفحہ ہستی سے مٹا دیے جاتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ "ذُرَادُكْھِیْوْ تَوْسِیْ وَ تِلْكَ الْقَرْۤیَ اَھْلُكُھُمْ" لَمَّا ظَلَمُوْا یہ ہیں بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا۔ پانچویں رکوع میں مالدار مشرک کا ذکر ہو چکا ہے، جس کے دو باغات تھے جن پر وہ غرور کرتا تھا اور انہیں اپنے کمال کا صلہ سمجھتا تھا وہ اپنے باغ میں داخل ہوا۔ "وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ" اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا۔ اُس کا ظلم ہی تھا کہ وہ مادیت کے شرک میں

ظالموں کی
ہلاکت

بتلا تھا، وہ اپنی جائداد کو ہی اول و آخر سمجھتا تھا اور خدا تعالیٰ کی ذات پر اسے قطعاً اعتما و نہیں تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو کہنے لگا۔ ”مَا أَضُنُّكَ تَبْيُّدَ هَذِهِ أَيْدًا“ مجھے یقین ہے کہ یہ باغ کبھی ضائع نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ایسے ہی ہے گا۔ اس کے برخلاف مومن کا عقیدہ یہ ہے ”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ ہونا وہ ہے جو اللہ چاہے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی طاقت نہیں۔ تمام قوتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کیا۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے۔ جیسے فرمایا ”إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ“ (لقمان - ۳) شرک ظلم عظیم ہے۔ نیز فرمایا ”وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ“ (البقرة - ۲۵۴) کافر ہی ظالم ہیں۔ کفر و شرک کے بعد پھر حق تلفی، ایذا رسانی، قتل تمام بڑے بڑے جرائم ظلم میں داخل ہیں۔

فرمایا بستیوں کی ہلاکت اُن کے ظلم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مگر یہ اندھا دھند نہیں ہوتی بلکہ ”وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا“ ان کی ہلاکت کے لیے ہم نے ایک وعدہ یعنی وقت مقرر کر رکھا ہے جس وقت سے پہلے ہم کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہلاکت کا ایک قانون تو وہ تھا جو سابقہ اقوام پر نافذ العمل تھا کہ جب اُن کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو پھر آخر میں یکدم عذاب آیا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی ”فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ“ (الحاقة - ۸) کے مصداق اُن میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ ہلاکت کا دوسرا طریقہ اعمال و تدبیر کا قانون ہے کہ جہاں ظلم و زیادتی ہوگی وہاں تباہی آئے گی۔ یہ تباہی مختلف خطوں میں جرم کی نوعیت کے مطابق مختلف طریقوں سے آتی ہے۔ آج دنیا میں مسلمان ایسی ہی تباہی کا شکار ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں
کی حالت زار

افغانستان، ایران، عراق، فلسطین، قبرص، فلپائن اور مصر کے مسلمان اپنی
 مظالم کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ یہ سب ہمارے اپنے ہا محضوں کی
 کھائی ہے۔ ہم نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ کفر و شرک کا
 راستہ اختیار کیا، خدا کے نافرمانوں کا ساتھ دیا، رسومات باطلہ کو اختیار کیا،
 جس کے نتیجے میں بتدریج بد بادی آئی۔ ہم رذرہ اسی تباہی کا مشاہدہ کر
 رہے ہیں گزشتہ پانچ سال میں افغانستان میں تیس لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔
 فلسطین میں بیس لاکھ آدمی مارے جا چکے ہیں۔ اور باقی در بدر کی مٹو مٹو
 کھائے ہیں مگر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یہ خود ہمارے اپنے
 ہا محضوں کے کہہ تو ت ہیں۔ بادشاہ ظالم اور عیاش ہیں۔ انہوں نے اپنے
 معاملات میں کافروں کو دخل بنا رکھا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس سب
 گندی سیاست چمکائے ہوئے ہیں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ
 بے گناہ لوگوں کو کچل رہے ہیں۔ اگر ہم ظلم سے باز آجائیں تو اللہ کا قانون
 یہ ہے کہ وہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا **وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ** جب تک
 لوگ اصلاح کنندہ ہوں جو اپنی ظلم کا دور دورہ ہوگا، ہلاکت آئے گی،
 اب اللہ کا یہی قانون ہے کہ ظلم کے نتیجے میں لوگ فتنوں کا شکار ہونگے
 اور ان پر ہلاکت و تباہی آئے گی۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ
 الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ⑥۰ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ
 بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي
 الْبَحْرِ سَرَبًا ⑥۱ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي
 خِذْتُكَ لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ⑥۲
 قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ
 الْحُوتَ وَمَا أَنسِيئُهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ إِنَّ أَذْكَرَ
 وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ⑥۳ قَالَ ذَلِكَ مَا
 كُنَّا نَبْغُ ⑥۴ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا ⑥۵

ترجمہ :- اور (اس واقعہ کو یاد کرو) جب کہ کہا موسیٰ
 علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہ میں نہیں باز آؤں گا
 یہاں تک کہ میں پہنچ جاؤں دو دریاؤں کے سنگم پر، یا
 میں چلتا جاؤں مدت دراز تک ⑥۰ پس جب پہنچے وہ
 دونوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پر تو بھول گئے اپنی
 مچھلی، پس پکڑ لیا اُس نے اپنا راستہ پانی میں سرنگ
 بنا ⑥۱ جب وہ آگے بڑھے تو کہا (موسیٰ علیہ السلام نے)
 اپنے نوجوان سے، لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا۔ البتہ

تحقیق ہم نے پائی ہے اس سفر میں مشقت (۶۲) وہ (نوجوان)
 بولا آپ دیکھیں جب ہم نے جگہ پکڑی تھی پتھر کے پاس
 پس بیشک میں بھول گیا مچھلی۔ اور نہیں فراموش کرائی مجھ سے
 مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کرتا۔ اور بنا لیا اُس (مچھلی)
 نے اپنا راستہ پانی میں عجیب (۶۳) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے)
 یہی تو وہ جگہ تھی جس کو ہم تلاش کر رہے تھے۔ پھر پلٹے
 وہ دونوں اپنے پاؤں کے نشانات پر چلتے ہوئے (۶۴)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن نافرمانوں کا ذکر کیا جو قرآن کریم کی تعلیمات
 سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو گمراہی کے لیے باطل کو ہمراہ لے کر جھگڑا کرتے ہیں
 فرمایا یہ محض اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جلدی ہلاک نہیں کرتا بلکہ اپنے قانون
 کے مطابق مہلت دیتا ہے۔ اللہ نے ہلاکت کا سبب ظلم و زیادتی کو قرار دیا۔ قرآن پاک
 میں سابقہ اقوام عاد، ثمود، قوم فرعون، قوم لوط، اہل مدین وغیرہ کا حال بھی مذکور ہے جب
 انہوں نے کفر و شرک کی انتہا کر دی، ظلم و زیادتی کو مستقل طریقہ بنالیا تو پھر اللہ کی گرفت
 آئی اور نافرمان لوگ صفحہ ہستی سے ناپید کر دیے گئے۔ گزشتہ آیات میں باغ والے مغرور
 شخص کا حال بھی بیان ہو چکا ہے جس پر بربادی آئی۔ پھر اللہ نے ابلیس کے تکبر کا ذکر
 فرمایا۔ مکے والوں کے غرور کا حال بھی بیان ہو چکا ہے کہ وہ اہل ایمان کو حقیر سمجھتے تھے
 اور حضور علیہ السلام سے کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھادیں تو ہم
 آپ کی بات سننے کے لیے تیار ہیں۔

آج کی آیات کو بھی اسی موضوع کے ساتھ مناسبت ہے۔ حقیقت یہ ہے
 کہ اللہ کے نیک بندے غرور و تکبر سے دور رہتے ہیں، وہ تو اللہ کے سامنے ہمیشہ

عاجزی کا اظہار کھتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آتے ہیں۔ ہاں! اگر کسی لغزش کی بنا پر اس ضمن میں کچھ کوتاہی ہو جائے تو پھر وہ اس کی تلافی کر لیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک معمولی سی لغزش ہو گئی تھی جس سے کسی حد تک منجبر کی عکاسی ہوتی تھی، لہذا اللہ نے اس پر فوراً تنبیہ کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو ابتلا میں ڈال دیا۔

موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا جو واقعہ ان آیات میں بیان ہو رہا ہے وہ بلاشبہ عجیب و غریب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ اس واقعہ کو اصحابِ کہف کے واقعہ کے ساتھ بھی مناسبت ہے کیونکہ وہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ اس واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے اللہ نے فرمایا تھا ”أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوا مِن آيَاتِنَا عَجَبًا“ (آیت - ۹) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف اصحابِ کہف کا واقعہ ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں عجیب و غریب واقعہ ہے؟ نہیں، بلکہ اس جیسے اور بھی بہت سے واقعات کائنات میں رونما ہو چکے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ بھی انہی عجائباتِ قدرت میں سے ہے۔ گویا اس واقعہ کا تعلق مذکورہ بالا آیت کے ساتھ بھی ہے۔

واقعہ کا پس منظر

اس واقعہ کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی موقع پر اپنی قوم سے خطاب کر رہے تھے کہ کسی شخص نے سوال کیا کہ کیا اس وقت روئے زمین پر آپ سے کوئی بڑا عالم بھی موجود ہے؟ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اگرچہ یہ جواب صحیح تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے دور میں اللہ کے سب سے بڑے نبی اور صاحبِ کتاب رسول تھے اور اس لحاظ سے آپ اس وقت کے سب سے بڑے عالم بھی تھے کہ شریعت کا علم آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ

کو یہ بات پسند نہ آئی کہ اُس کا بنی اپنی زبان سے اپنے آپ کو سب سے زیادہ عالم تصور کرے۔ اُس شخص کے سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ وہ معاملے کو اللہ کی طرف سونپتے ہوئے کہتے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے بندوں میں ایک بندہ ایسا بھی ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ آپ پریشان ہو گئے اور اللہ سے عرض کیا، اے پروردگار! کَيْفَ السَّبِيلُ إِلَى لُقَيْتِهِ میں اس بندے سے کیسے ملاقات کروں تاکہ اس سے فیض حاصل کر سکوں، تو اللہ نے فرمایا کہ فلاں سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تو شہ کے طور پر ایک بھونی ہوئی مچھلی لے لو، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے گی، ہمارا بندہ تمہیں اُسی جگہ مل جائے گا۔

امام بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں اس واقعہ کا پس منظر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خود اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا، اے مولا کریم! اَيُّ عِبَادِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ تیرے بندوں میں سے تجھے کون سا بندہ زیادہ محبوب ہے تو اللہ نے فرمایا الَّذِي يَذْكُرُنِي وَلَا اَنْسَنِي میرا محبوب بندہ وہ ہے جو میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے کسی وقت فراموش نہیں کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ اے پروردگار! اَيُّ عِبَادِكَ اَقْضَىٰ تیرے بندوں میں سے سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ اللہ نے فرمایا الَّذِي يَقْضِي وَلَا يَتَّبِعُ الْهَوَىٰ جو فیصلہ کرتا ہے مگر خواہش کی پیروی نہیں کرتا۔ ایسا حج جو رشوت کی بجائے حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تیسرا سوال یہ کیا، اے پروردگار! تیرے بندوں میں زیادہ علم والا کون ہے؟ اللہ نے فرمایا الَّذِي يَدْتَفِي عِلْمَ النَّاسِ إِلَىٰ عِلْمِهِ یعنی وہ شخص جو لوگوں سے علم حاصل کر کے اپنے پاس موجود علم کے ساتھ ملا

اپنے بندے سے ملاقات کی نشاندہی کی ہے۔ میں وہاں ضرور جاؤں گا
 اَوْ اَمَضِي حَقْبًا خَوَاهُ مَجْهً مَدَّتْ دَرَا زِمَكْ چلنا پڑے۔ حَقْبٌ ایسے
 زمانے کو کہتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک حَقْبُ اسی سال کا ہوتا
 ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہی تھی کہ مجھے کتنا لمبا سفر اختیار کرنا پڑے یا
 کتنی مدت تک چلنا پڑے، میں اس اللہ کے بندے سے ضرور ملاقات
 کروں گا۔

دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے بعض
 مفسرین نے اسے بحر روم اور بحر فارس پر محمول کیا ہے۔ مگر اس روایت
 میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو سمندر تو آپس میں ملتے ہی نہیں کیونکہ ان
 کے درمیان خشکی حائل ہے۔ چونکہ یہ دونوں قریب قریب ہیں۔ اس
 لیے ہو سکتا ہے کہ اس قربت کو ملاپ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ بعض مفسرین
 نے بحرین سے بحر قلزم اور اردن کا دریا مراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دو
 دریاؤں سے مراد میٹھا اور کٹر واپانی ہے اور جہاں پر یہ دونوں قسم کے
 پانی ملتے ہیں، وہی مجمع البحرین ہے بعض حضرات نے اس کو مجازی معنی
 پہنائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بحرین سے مراد حقیقی دریا یا سمندر نہیں بلکہ
 موسیٰ علیہ السلام ظاہری علم یعنی شریعت اور احکام الہی کے سمندر ہیں اور
 خضر علیہ السلام باطنی علم کے سمندر ہیں، یہ دونوں حضرات جس مقام پر بھی
 ملیں گے، وہی مجمع البحرین ہے۔ آگے ذکر آئے گا کہ جب موسیٰ اور
 خضر علیہما السلام کی ملاقات ہو گئی تو خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ
 علیہ السلام! اللہ نے تجھے وہ علم دیا ہے جسے میں نہیں جانتا ہوں، اور
 مجھے اُس علم سے نوازا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ بہر حال اس
 واقعہ سے علم کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا استقلال
 بھی۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے تازلیت لیے سفر پر

روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں توشہ ساتھ رکھنا خلاف توکل نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے۔ نیز سفر میں اپنے شاگرد یا خادم کو خدمت کے لیے ساتھ رکھنا بھی جائز ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر رحلة العلمیۃ یعنی علمی سفر تھا کیونکہ اپنے سے زیادہ عالم شخص سے اکتساب فیض کے لیے ملاقات کرنا چاہتے تھے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ الْعِلْمَ فِيهِ سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ جو شخص حصول علم کی خاطر کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو لوگ خلوص نیت کے ساتھ علم دین حاصل کرتے کے لیے نکلتے ہیں۔ اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَتَّصِعُ اَجْنِحَتَهَا لِلَّهِ رَغْبَةً أَنْ يَنْبِذَ فِي سَبِيلِكَ اَنْبِيَائًا اور بزرگان کا ذکر ملتا ہے۔ جنہوں نے حصول علم کی خاطر چالیس چالیس ہزار میل کا سفر طے کیا۔ یہ اُس قدیم زمانے کا ذکر ہے جب اونٹ، گھوڑے یا چھرو وغیرہ کے علاوہ کوئی سواری میسر نہ ہوتی تھی بلکہ لوگ تو پیادہ ہی سفر کرتے تھے۔ اُس زمانے میں آج کی سہولتوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آج تو ساری دنیا تیز ترین سفری سہولتوں کی وجہ سے ایک گھرانے کی طرح سمٹ چکی ہے۔ کراچی سے صرف اڑھائی گھنٹے میں جدہ اور چوبیس گھنٹے میں امریکہ پہنچ جاتے ہیں۔ اب تو افریقہ کا ناقابل عبور وسیع و عریض صحرا بھی پانچ دس گھنٹوں میں عبور کر لیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں سفر کرنا جان جو کھوں کا کام تھا، اس کے باوجود ہمارے بزرگوں نے بڑے طویل سفر اختیار کئے۔ امام احمد، عبدالرزاق، ابن صہام، امام بخاری، امام مسلم، ابن ماجہ، وغیرہم اُس زمانے کے تمام متمدن

شہروں میں حصولِ علم کے لیے پہنچے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اٹھارہ سو اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے کم و بیش چار ہزار اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ جن میں بڑی بڑی جلیل القدر متنبیوں کے نام آتے ہیں۔

مچھلی کا
واقعہ

بہر حال موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم حضرت یوشع بن نون کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا پھر جب وہ دو دریاؤں کے ملاپ کی جگہ پر پہنچے نسیکاً حَوَّتَهُمَا تو وہ دونوں اپنی اس مچھلی کو بھول گئے جو انہوں نے بھون کر توشتہ کے طور پر تھیلے میں رکھی ہوئی تھی۔ یہاں پر بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی ہے حالانکہ مچھلی کے واقعہ کو صرف یوشع علیہ السلام ہی بھول گئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو ابھی اس واقعہ کا علم ہی نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ دونوں سامتی ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے ایک بڑے پتھر یا چٹان کے قریب تھوڑی دیر کے لیے آرام کیا۔ یوشع علیہ السلام تو وہیں بیٹھے رہے البتہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ سو گئے اور بعض میں آتا ہے کہ قطنائے حاجت کے لیے ذرا دور چلے گئے۔ اس دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ تھیلے میں بند بعضی ہوئی مچھلی نے فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَكْرًا اپنا راستہ سمندر میں سسنگ کی صورت میں بنا لیا، یعنی وہ مچھلی تھیلے سے نکل کر سمندر میں کود گئی اور جس جگہ سے پانی میں داخل ہوئی وہ جگہ سوراخ یا سسنگ کی شکل میں واضح طور پر نظر آرہی تھی۔

وہ تلی ہوئی مچھلی زندہ کیسے ہو گئی؟ اس کے متعلق قرآن پاک کی کسی آیت یا حضور علیہ السلام کے فرمان سے کچھ ثابت نہیں، البتہ امام بخاریؒ نے امام سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جس پتھر

کے قریب ان دو ساتھیوں نے آرام کیا تھا، وہاں آپ حیات کا چشمہ تھا اس چشمہ کے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اس چشمہ کا پانی پی لے اسے حیاتِ جاودانی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی مشہور ہے کہ سکندر یہ پانی نہ پی سکا۔ مگر حضرت خضر علیہ السلام کی قسمت میں تھا۔ انہیں نصیب ہو گیا۔ بہر حال اس چشمے کے پانی کا کوئی چھینٹا اُس تلی ہوئی مچھلی پر پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے زندہ کر دیا اور وہ تھیلے میں سے کود کر سمندر میں چلی گئی۔

یہ سارا واقعہ یوشع علیہ السلام کے سامنے پیش آیا مگر جب کچھ دیر آرام کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے یا وہ قضائے حاجت سے واپس آئے تو انہوں نے خادم کو کہا کہ چلو اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیں یہ وہ موقع تھا جب یوشع علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیتے کہ کھانے کے لیے رکھی ہوئی مچھلی سمندر میں کود گئی ہے، مگر وہ بھول گئے اور دونوں ساتھی ایک دفعہ پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔

کھانا طلبی

فرمایا فَلَمَّا جَاوَزَا جَبَّوہ آگے بڑھے قَالَ لِفَتَاهُ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہا اَتَيْنَا عَدَاؤَنَا ہمارا کھانا لاؤ کہ بھوک لگ رہی ہے لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا تحقیق ہم نے اس سفر میں بڑی مشقت اٹھائی ہے، ہم تھک چکے ہیں، آؤ نہایت تھکے ہیں۔ اس موقع پر بزرگانِ دین نے یہ کلام کیا کہ موسیٰ علیہ السلام جب کہ وہ طور پر تشریف لے گئے تو وہاں تو آپ کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس سفر میں آپ نے تھکاوٹ کی شکایت کی۔ اس کے جواب میں بزرگ فرماتے ہیں کہ کوہِ طور کا سفر خالق کی طرف تھا۔ اس لیے آپ نے وہاں تھکاوٹ محسوس نہیں کی، جب کہ یہ سفر مخلوق کی طرف تھا، اللہ کے خاص بندے سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے۔ اس لیے یہاں تھکاوٹ محسوس ہوئی۔

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کھانا طلب کیا تو اس وقت خادم کو یاد آیا کہ کھانے کی مچھلی تو سمندر میں کود گئی تھی چنانچہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا قَالَ ارْءَيْتَ اِذَا وُيِّنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاَفَّ نَسِيتَ الْحَوْتَ حضرت دیکھئے! جب ہم اُس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں آپ کو مچھلی والی بات بتانا بھول گیا کہ وہ زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی۔ پھر ساتھ ہی اپنی صفائی پیش کر کے ہوئے کہا وَمَا اَلَسْنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ اَنْتَ اَذْكُرُهُ دراصل مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے بھلا دیا اور میں وہاں آپ کو یہ بات نہ بتا سکا۔

اس آیت میں اس واقعہ کو بھلا دینے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حقیقت میں تو اللہ ہی نے بھلا دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی اکثر و بیشتر باتیں شیطان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر دورانِ نماز نکیر پھوٹ پڑے یا عورت کو حیض شروع ہو جائے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ حالانکہ نکیر کا پھوٹنا تو کسی جسمانی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے اور حیض بھی ایک طبعی امر ہے جو وقفے وقفے سے آتا رہتا ہے، مگر اسے بھی شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ غرضیکہ جب بھی کسی مومن کے امرِ خیر میں خلل واقع ہوتا ہے تو اسے شیطان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لہذا یہاں پر مچھلی کے واقعہ کے نسیان کی نسبت شیطان ہی کی طرف کی گئی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مجھے شیطان نے مچھلی کا ذکر کرنا بھلا دیا وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَعْيًا بات یہ ہے کہ مچھلی نے اپنا راستہ سمندر میں بنا لیا، اور یہ یہ بڑی عجیب بات کہ تلی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں کود گئی۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنَّكَ مَا كُنْتَ تَبْلُغُ الشَّرَّ

بندے! یہی تو وہ جگہ تھی جس کی تلاش میں ہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
 بندے سے ملاقات کے لیے یہی تو نشانی بتلائی تھی کہ جس مقام پر جا کر
 مچھلی گم ہو جائے گی، میرے بندے سے تمہاری وہیں ملاقات ہو
 گی۔ فرمایا ہمیں تو وہیں چٹان کے پاس رُک جانا چاہیے تھا، ہم خواہ مخواہ
 آگے نکل گئے۔ ہر حال فَارْتَدَّ اَعْلٰی اَثَارِهِمَا قَصَصًا
 دونوں ہم سفر اپنے پاؤں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس اُسی جگہ پر
 پلٹ آئے۔ انا معلوم وہ کتنا زائد سفر کر چکے تھے جہاں سے انہیں پھر
 واپس آنا پڑا۔ آگے اُس مقام پر اللہ کے بندے خضر علیہ السلام کی ملاقات
 کا ذکر آ رہا ہے۔

سجۃ الذی ۱۵

الکھف ۱۸

درس ہفتم ۱۷

آیت ۶۵ تا ۷۰

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝۶۵ قَالَ لَهُ مُوسَى
هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝۶۶
قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۶۷ وَكَيْفَ تَصْبِرُ
عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝۶۸ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنِ
شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝۶۹ فَكَالَ
فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ
لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝۷۰

۵۵/۱۷

ترجمہ :- پس پایا اُن دونوں نے ایک بندے کو

ہمارے بندوں میں سے کہ دی تھی ہم نے اُس کو رحمت

اپنی طرف سے ، اور سکھلایا تھا ہم نے اس کو اپنے پاس

سے ایک علم ۝۶۵ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے کہا کیا میں

تیری پیروی کروں اس شرط پر کہ سکھائے تو مجھے اُس میں

سے کہ سکھائی گئی ہے تجھے بھلائی ۝۶۶ کہا اُس شخص نے

بیشک تو ہرگز طاقت نہیں رکھتا میرے ساتھ صبر کی ۝۶۷

اور کیسے صبر کر سکے گا تو اُس بات پر کہ جس کی خبر

کا تجھے احاطہ نہیں ۝۶۸ کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) آپ پائیں

گے مجھے اگر اللہ نے چاہا صبر کرنے والا ، اور میں نہیں

نافرمانی کروں گا آپ کے حکم کی (۶۹) اُس (خضر علیہ السلام) نے
 کہا کہ اگر تو میری پیروی کرتا ہے تو نہ پوچھنا مجھ سے کسی
 چیز کے بارے میں یہاں تک کہ میں خود ظاہر کروں تیرے
 سامنے اس کا ذکر (۷۰)

رابط آیات

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک معمولی سی لغزش ہو گئی تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ
 نے انہیں ابتلا میں ڈال دیا اور فرمایا کہ ہمارے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ ہے جو تم
 سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، مولا کریم! میں تیرے اس بندے
 تک کیسے رسائی حاصل کر سکتا ہوں تاکہ اُس سے کچھ حاصل کر سکوں۔ اللہ نے حکم دیا کہ آپ
 فلاں سفر پر روانہ ہو جائیں اور ایک تلی ہوئی مچھلی اپنے ہمراہ لے لیں جس مقام پر وہ مچھلی
 گرم ہو جائے گی، میرا خاص بندہ تمہیں وہیں مل جائے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے
 ایک شاگرد اور خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو ہمراہ لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ پھر
 ان دونوں نے ایک پتھر کے پاس آرام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام سو رہے تھے۔ جب کہ آپ کے
 خادم بیدار تھے، اُن کے سامنے تلی ہوئی مچھلی تھیلے سے کود کر سمندر میں چلی گئی جب موسیٰ علیہ
 السلام بیدار ہوئے تو انہوں نے آگے چلنے کا حکم دیا، مگر خادم مچھلی کی گمشدگی کے متعلق آپ کو
 مطلع کرنا بھول گیا، اور وہ آگے چل پڑے۔

حدیث شریف میں اُن کے اگلے سفر کے متعلق آتا ہے بِقِیَّةَ یَوْمِہِمَا
 وَلَیْلَتِہِمَا کہ اُن دونوں نے دن کا باقی حصہ اور پھر اگلی رات بھر سفر کیا۔ اس دوران وہ سخت
 تھک چکے تھے۔ صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ کرنے کا ارادہ کیا اور خادم سے
 توشہ لانے کے لیے کہا۔ حضرت یوشع کو اُس وقت یاد آیا کہ اُن کی مچھلی تو وہیں سمندر
 میں چلی گئی تھی۔ جہاں انہوں نے گزشتہ روز دوپہر کو آرام کیا تھا۔ انہوں نے موسیٰ
 علیہ السلام سے مچھلی والا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی جگہ کے تو ہم متلاشی تھے، چنانچہ
 وہ اپنے قدموں کے نشانات پر واپس لوٹ پڑے۔

حضرت خضر علیہ السلام
سے ملاقات

جب وہ دونوں ساتھی واپس اس پتھر کے قریب پہنچے جہاں
انہوں نے آرام کیا تھا فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا تَوَّابًا
نہ پائیا ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو اَتَيْنَاهُ رَحْمَةً
مِّنْ عِنْدِنَا جسے ہم نے اپنی مہربانی عطا فرمائی تھی وَ عَلَّمْنَاهُ
مِمَّا لَدُنَّا عِلْمًا اور جسے ہم نے اپنی طرف سے خاص علم یعنی علم
لہ فی عطا فرمایا تھا۔ بہر حال جب پہلی ملاقات ہوئی فَسَلَّمَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ
خضر علیہ السلام کو سلام کہا۔ خضر علیہ السلام نے جواب دیا۔ اَخِي
بَادُضِكَ سَلَامٌ وَ اَخِي بَارِضِي سَلَامٌ یہاں تمہاری اس سرزمین
میں یا میری اس سرزمین میں سلام کہاں یعنی یہاں پر سلام کرنے کا کونسا
موقع ہے یہاں تو کوئی آبادی ہی نہیں ہے، بالکل ویران جگہ ہے اس
کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں گرد و نواح میں سب کفار و مشرکین
آباد ہیں، تو یہاں کیسے سلام ہوا؟ بخاری شریف کی روایت میں آتا
ہے خضر علیہ السلام نے یہ بھی کہا مِمَّا لَدُنَّا اَنْتَ كَرِهَ لِمَنْ يَدْعُوهُ
کہن آدمی ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اَنَا مُوسَىٰ یعنی میں موسیٰ ہوں
خضر علیہ السلام نے پھر پوچھا اَمْوَسَىٰ كَبْنِي اِسْرَآءِيْلَ كَيْفَ بَنِي اِسْرَآءِيْلَ
موسیٰ؟ تو آپ نے کہا، ہاں۔

حافظ ابن حجر اس جملے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں فِيهِ
دَلِيلٌ عَلَىٰ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ وَمَنْ دُونَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
مِمَّا الْغَيْبِ اِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللّٰهُ لَوْ كَانَ الْخَضِرُ
يَعْلَمُ كُلَّ غَيْبٍ يَعْرِفُ مُوسَىٰ قَبْلَ اَنْ يَسْأَلَهُ
یعنی انبیاء اور اولیاء وغیرہ غیب کی اتنی ہی بات جانتے ہیں جتنی اللہ
انہیں بتا دیتا ہے اگر خضر علیہ السلام غیب دان ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام
کو بغیر پوچھے ہی پہچان لیتے۔

ہیں پر بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا ان آیات میں مذکور
 موسیٰ وہی ہیں جو اللہ کے صاحب کتاب نبی ہیں؟ قرآن میں تو مزید تصریح
 موجود نہیں، البتہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ
 بن عباس کے سامنے ذکر کیا کہ "توف بکالی" کہتا ہے کہ جس شخص کے
 ساتھ خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تھی، وہ بنی اسرائیل والے اللہ کے
 جلیل القدر نبی نہیں تھے۔ بلکہ موسیٰ ابن میشائے۔ اگرچہ ان کا تعلق بھی
 بنی اسرائیل سے تھا مگر یہ صاحب تورات موسیٰ نہیں تھے۔ یہ سن کر حضرت
 ابن عباسؓ نے فرمایا کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ دُشْمَنِ خَدَاۃِ جھوٹ بولا ہے
 کیونکہ میرے سامنے ابی ابن کعبؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ خضر
 علیہ السلام سے ملاقات کرنے والے صاحب تورات موسیٰ ہی ہیں۔

خضر علیہ السلام
 شخصیت

دراصل آپ کا اصل نام یلیا، کنیت ابو العباس اور لقب خضر تھا
 آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے، یلیا بن ملک بن فالغ
 بن عامر بن شلح بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
 طرح یہ بھی سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا زمانہ بھی حضرت خلیل اللہ
 علیہ السلام کے قریب ہی ہے۔ خضر کا معنی ہر اچھا یا سرسبز و شاداب ہوتا
 ہے۔ بخاری شریف میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ خضر علیہ السلام
 صاف چٹیل زمین پر بیٹھتے تو سرسبز ہو جاتی۔ حدیث کے الفاظ ہیں
 فَصَارَتْ خَضِرًا۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے اِذَا صَلَّى
 اخْضَرَ مَا حَوْلَهُ جب آپ نماز پڑھتے تو آپ کا ارد گرد سرسبز ہو
 جاتا تاریخی روایات کے مطابق خضر علیہ السلام فریڈول کے زمانہ میں ہوئے
 ہیں بعض کہتے ہیں کہ آپ ذوالقرنین یعنی سکندر اعظم کے وزیر تھے۔

تاہم یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا سوائے اس بات کے جو حضور علیہ السلام نے بیان کر دی ہے
 بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام انساؤں میں سے نہیں بلکہ ملائکہ
 میں سے تھے۔ مولانا مودودی صاحب نے اسی قول کو اختیار کر کے غلطی کا

از نکاب کیا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ملائکہ میں سے ہونے کا نظریہ غلط ہے۔ خضر علیہ السلام انسان تھے اور سلسلہ نسب رکھتے تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ امام نووی سے بھی یہی بات منقول ہے اور حدیث شریف سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے۔

حیات خضر علیہ السلام

حیات خضر کے مسئلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ وفات پا چکے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ اگر آپ زندہ ہوتے تو ان کا فرض تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کی مدد کرتے مگر اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے فرمادیا تھا کہ اس وقت رتے زمین پر موجود لوگوں میں سے ایک سو سال گزرنے کے بعد کوئی بھی باقی نہیں ہوگا لہذا اگر خضر علیہ السلام آپ کے زمانہ میں بھی زندہ تھے تو سو سال کے بعد تو لامحالہ ان کی زندگی باقی نہیں رہی۔ تاہم محدثین کرام اس کی توجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام تو زمین کی بجائے فضا اور پانی پر بھی جلتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے مذکورہ فرمود کے وقت آپ زمین پر موجود ہی نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ — آسمان پر زندہ ہیں، لہذا ان پر حضور علیہ السلام کی پیش گوئی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ امام احمد، امام بخاری، ابن تیمیہ، ابن قیم، مجدد الف ثانی وغیرہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کا دنیا کا دور ختم ہو چکا ہے۔

البتہ اکثر علماء، صوفیاء اور نجی والے لوگ، محدث ابن صلاح، امام نووی اور محدثین کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ بعض شروح میں لکھا ہوا ہے کہ قریب قیامت میں دجال ایک شخص کو قتل کرنے کے بعد پھر زندہ کرے گا اور اس سے پوچھے گا کہ کیا اب مجھے خدا تسلیم کرے یا نہیں وہ شخص جواب دے گا کہ اب مجھے حق الیقین ہو گیا ہے کہ تو دشمن خدا

و جال ہے۔ اس گواہی کو اعظم شہادۃ عند اللہ کہا گیا ہے یعنی
یہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑی گواہی ہوگی۔ یہ شہادت دینے والا خضر علیہ السلام
ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے و جال کو قتل کرنے کے لیے علیہ السلام
کو آسمان پر زندہ رکھا ہوا ہے، اسی طرح اگر اُس نے اس عظیم شہادت کے
لیے خضر علیہ السلام کو اپنی قدرت سے زندہ رکھا ہو تو کون سی عجیب بات
تفسیری روایات میں آتا ہے کہ خضر علیہ السلام ممدروں پر زندہ ہیں اور
آبی راستوں کے بھٹکے ہوئے مسافروں کو راہ بھی دکھاتے ہیں۔ اسی
طرح حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور اُن
کا گزر ان جنگلوں میں ہے۔ وہ بھی بعض اوقات بھولے بسروں کی رہنمائی
کرتے ہیں۔ تاہم یہ باتیں کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔ حضرت
مجدد الف ثانیؒ بعض نیک لوگوں کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی یہ توجہ
بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام دنیا کا دور تو ختم کر چکے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ
جب چاہتا ہے اُن کی مثالی صورت ظاہر کر دیتا ہے۔ لہذا ممکن ہے
کہ وہ مثالی صورت میں بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کرتے ہوں مثالی صورت
خواب میں بھی نظر آسکتی ہے اور بیداری میں بھی بعض اوقات نیک آدمی
خواب میں نظر آتے ہیں اور کوئی اچھی بات بھی بتلا دیتے ہیں حالانکہ اُس
بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ خواب میں
مثالی وجود دکھانے پر قادر ہے۔ اسی طرح بیداری میں بھی ایسا ہو سکتا ہے
جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ خضر علیہ السلام اللہ کے نبی تھے
اور علم معرفت بواطن رکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو باطنی امور کا
علم عطا فرمایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا علم ظاہری عوامل
یعنی حلال و حرام اور عبادات کے متعلق ہے جب کہ خضر علیہ السلام کا
علم باطنی امور کے بارے میں تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

خضر علیہ السلام
سبا علم

جب موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو مؤخر الذکر نے کہا۔
اے موسیٰ! اَنْتَ لَعَلَّ عَلَیْکَ رَکْمٌ اَیْسَ عِلْمٍ پَر مَوِجَے میں نہیں
جانتا، اور میں ایک ایسے علم پر ہوں جسے آپ نہیں جانتے۔ غرضیکہ موسیٰ
علیہ السلام کا علم دین، شریعت اور ظاہری احکام کے متعلق تھا جب کہ
خضر علیہ السلام کو اللہ نے تکوینی امور کا علم عطا کیا تھا۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ
ایک خارجی نے بدریہ خط آپ سے دریافت کیا کہ جنگ میں عورتوں
اور بچوں کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر تم وہ علم
رکھتے ہو۔ جو خضر علیہ السلام رکھتے تھے، تو بیشک عورتوں اور بچوں کو قتل
کر سکتے ہو، ورنہ کسی عورت اور بچے کا قتل روا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا
کہ خضر علیہ السلام بعض باطنی امور کے متعلق قطعی علم رکھتے تھے جن کا ظاہری
احکام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہتے
ہیں اللہ نے مجھے وَعَلَّیْنِ مِنَ الْعِلْمِ علم کے دو برتن عطا
کیے ہیں۔ ان میں سے ایک علم کو تو میں نے پھیلا دیا ہے۔ جس کا تعلق
عقائد، حلال و حرام اور عبادات سے ہے۔ اور اگر میں دوسرے علم کو
بھی ظاہر کر دوں لَقِطْعَ بِلَعُومٍ تو یہ گمہ دن کٹ جائے۔ اسل
خاص علم کی پیش گوئیاں اور باطنی باتیں ہرگز برداشت نہیں ہو سکیں
گی۔ حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے یَا رَبِّ جَوِّهْرِ عَلَیْکَ لَوْ اَبُو ح
لَقِیْلَ اَنْتَ مَمَّنْ یُعْبَدُ الْوُثْنُ علم کے بہت سے
جہر ایسے ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کر دوں تو تم مجھ پر کفر کا فتویٰ
لگا دو گے وَلَا سَتَحِلُّ رِجَالُ الْمُسْلِمُوْنَ دَمِیْ یُرَوْنَ
اَقْبَحَ مَا یَا تُؤْمِنُ حَسَنًا اور کئی مسلمان میرے خون کو حلال سمجھنے

لیگیں گے جو خود بُرے سے بُرا عمل کرتے ہیں اور اُسے اچھا خیال کرتے ہیں۔
 علم فرشتے کے ذریعہ بھی سکھایا جاسکتا ہے، اشارے سے بھی الیا
 ہونا اور علم قلب میں ڈالا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذرائع سے اپنے
 بندوں کو علم عطا کرتا ہے۔ علم لدنی وہ علم ہے جس میں اچھے کام کی توفیق
 یا خذلان یعنی رسوا کرنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے الیا علم بغیر کرب اور
 اور تلقین کے حاصل ہوتا ہے اور اُسے علم وہبی بھی کہتے ہیں۔ اس کو کشف
 اور الہام کے ساتھ بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ تاہم حضرت علیہ السلام کا علم انبیاء والا
 علم تھا اگرچہ آپ تشریف لے گئے تھے بلکہ اللہ نے توحیدیت کے سلسلے میں
 کچھ علوم سکھائے تھے۔ اس علم کے متعلق مولانا رومیؒ اور دوسرے لوگ
 کہتے ہیں۔

علم چوں بدول زند یاے شود
 علم چوں برگل زند باے شود
 جس علم کی چوٹ دل پر لگتی ہے وہ انسان کے لیے مفید ہوتا ہے
 اور جس علم کا تعلق مٹی یا جسم سے ہوتا ہے، وہ انسان کے لیے بطور بوجھ
 ہی ہوتا ہے دوسرے شعر میں ہے۔

”علم را برتن زنی ماے بود“

جس علم کی چوٹ دل کی بجائے جسم پر پڑتی ہے، وہ علم انسان کے لیے
 بطور سانپ کے ہوتا ہے کہ اس سے نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے
 بہر حال علم لدنی وہ ہے جس سے قلب کی صفائی ہو اور تعلق باللہ درست
 ہو جائے۔ اس قسم کا علم انبیاء کو تو قطعی نص سے ہوتا ہے۔ البتہ کسی مسک
 اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ شاعر لوگ کہتے ہیں کہ اگر انسان کو سر بلندی
 اور تفوق کا باعث بننے والا علم حاصل نہ ہو تو وہ خسارے میں رہتا ہے
 اور دو زبان کے شاعر آند کا شعر بھی ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہوں ہم کو آئیں
 ملتا وہ یار جس سے ایسا ہنر نہ آیا
 شیخ ابن عربیؒ نے بھی کہا ہے مَا كَذَّةُ الْعَيْشِ إِلَّا صُحْبَةُ
 الْفُقَرَاءِ هُمْ السَّلاطِينُ وَالسَّادَاتُ وَالْأُمَرَاءُ فَقَرُّ
 کی صحبت کے بغیر کمال رہے کی مجلسی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی لوگ
 ہیں جو سلاطین بھی ہیں، سادات بھی ہیں اور اُمراء بھی ہیں۔ ان کے قلوب
 ہمیشہ اللہ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں اور انہی کو علم لدنی حاصل ہے
 اگر ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو جائے تو بڑے کمال کی بات ہے
 مجاز کی زبان میں ذوق نے بھی کہا ہے

خصوصی ہنر

کسی ہمدِ دیرینہ سے ملنا بہتر ہے ملاقاتِ میحانِ خضر سے
 اس کا ظاہری معنی تو کفر پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کسی دراز مدت اور دراز عمر
 آدمی سے انسان ملتا ہے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان کو ہمدِ دیرینہ
 حاصل ہو خضر علیہ السلام کی عمر بڑی لمبی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی،
 لہذا یہاں صرف مجازی معنی الیگیا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ مطلقاً
 عالم، شیخ یا بزرگ کی ملاقات کے لیے جانا جائز ہے۔ حدیث شریف
 میں آتا ہے لَا تَشُدُّ وَالرَّجَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ
 تین مسجدوں کے علاوہ کجاوے نہ کسو اور وہ تین مسجدیں مسجد الحرام، مسجد
 بیت المقدس اور مسجد نبوی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان مساجد کے علاوہ
 کسی جگہ کے لیے سفر اختیار نہ کرو کیونکہ یہ تین مقامات اللہ تعالیٰ کی بیطرف
 سے مخصوص ہیں اور حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ ان مقامات پر
 نماز پڑھنے کا اجر بہت زیادہ ہے۔ عام مساجد کی نسبت مسجد حرام میں
 نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ گنا ہے جب کہ بیت المقدس اور مسجد
 نبوی میں ادا کی جانے والی نماز کا ثواب پچاس پچاس ہزار نمازوں کے برابر

ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسری مسجد کے لیے کوئی نص موجود نہیں۔ لہذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی فلاں مسجد میں نماز کی ادائیگی زیادہ اجر کا باعث ہو گی۔ گویا کسی مکان کی طرف اس نیت سے سفر نہ کیا جائے۔ ہاں! کسی اچھے مقصد کے لیے سفر کرنا درست ہے اور منجملہ اس میں شیخ کی ملاقات بھی شامل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے پیش نظر بھی یہی مسئلہ تھا۔ انہوں نے صاف کہا، اے پروردگار! اُس بندے کے ساتھ ملاقات کی کیا صورت ہو سکتی ہے تو اللہ نے وہ نشانی بھی بتلا دی جہاں ملاقات ممکن تھی۔ آپ نے کہا میں وہاں ضرور جاؤں گا یہاں تک کہ اس سے ملاقات ہو جائے یا میں مدتِ دراز تک چلتا رہوں۔ فارسی والے بھی کہتے ہیں۔

دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

مطلب یہ ہے کہ میں اپنی مطلوبہ چیز سے دست کش نہیں ہوں گا چاہے میرے جسم سے جان ہی نکل جائے۔

شیخ عبد العزیز دباغؒ مادر زاد ولی اور باطنی نسبت کے باکمال بزرگ تھے۔ اللہ نے آپ کی زبان پر بڑی بڑی باتیں جاری کیں۔ سید احمد شہید بریلویؒ کی طرح زیادہ کچھ پڑھے نہیں تھے مگر اللہ نے بڑا روشن دل عطا فرمایا تھا یہی حال حاجی امداد اللہ صاحب ممبئی کا ہے۔ ظاہری علم کم تھا مگر مولانا گنویسؒ اور مولانا نو توہی جیسے لوگ آپ کے مرید تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ گزشتہ صدی میں پوری دنیا میں اتنا بڑا ولی اللہ نہیں گزرا، تو یہ بات غلط نہیں ہوگی۔

بہر حال شیخ عبد العزیز دباغؒ نے ایک نکتہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی گم ہوئی اُسی مقام پر اُن کا مطلوب حاصل ہوا مچھلی پیٹ کا معاملہ تھا، تو جہاں پیٹ کا معاملہ ختم ہوا۔ وہاں معرفت

پیٹ اور
معرفت
الہی

حاصل ہو گئی۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کے ساتھ پریٹ کا دھندا غالب ہوگا، خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔

تعلیم و تعلم
کے لیے
شرائط

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی قَالَ لَهُ مُوسَىٰ تَوَسَّلْ بِي إِلَىٰ اللَّهِ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا هَلْ أَتَيْتُكَ عَلِيمًا أَنْ تَعْلَمَ مِنِّي مَا عَلَّمْتَنِي اُنہوں نے کہا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کر سکتا ہوں کہ آپ اللہ کی سکھائی ہوئی چیزیں سے کچھ مجھے بھی سکھلائیں، خضر علیہ السلام نے کہا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا کہ تو میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکے گا۔ پھر بے صبری کی وجہ بھی بیان کی وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا بعد آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکیں گے جس خبر کا آپ کو احاطہ ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ جس بات کی حقیقت کا آپ کو علم ہی نہیں آپ اس میں ضرور بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے دخل اندازی کریں گے موسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا قَالَ سَتَجِدُنِي إِنِ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے یعنی میں آپ کے معاملہ میں مداخلت نہیں کروں گا اور دوسری بات یہ وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کروں گا۔ اس قدر تسلی دلانے کے بعد خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے اور اللہ کے عطا کردہ علم میں سے کچھ سکھانے کے لیے آمادہ ہو گئے مگر اس شرط کے ساتھ قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا خضر نے کہا اگر آپ میری پیروی کرتے ہیں تو آپ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کریں گے حتیٰ کہ میں خود ہی اسے تمہارے سامنے ظاہر کر دوں۔

مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے حصول مقصد کے لیے استناد اور شاگرد کے درمیان بعض شرائط طے ہو گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی شرط تھی

کہ وہ خضر علیہ السلام کی معیت کے دوران صبر کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور
 اُن کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اُو خضر علیہ السلام کی شرط یہ
 تھی کہ میری علیہ السلام اُن سے کسی چیز کے متعلق کوئی سوال نہیں کریں گے
 حتیٰ کہ وہ خود ہی اس کو بیان کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ استاد اور شاگرد
 کے درمیان بعض شرائط پر تعلیم و تعلم کا انتظام کرنا درست ہے استاد
 کہے کہ میں ان شرائط کے تحت پڑھاؤں گا اور شاگرد کہے کہ تعلیم حاصل کرنے
 کے لیے میری شرائط یہ ہوں گی۔ بہر حال ملاقات کے بعد ان دونوں
 صاحبان کے درمیان رفاقت اور تعلیم کی شرائط طے ہو گئیں اور وہ اپنے
 سفر پر روانہ ہو گئے جس کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے۔

قال الم ۱۶

درس ہشتم ۱۸

الکھف ۱۸

آیت ۱ < ۸۲ >

فَانْطَلَقَا ^{تف} حَتَّىٰ اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ
 اَخْرَقْتُهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۱﴾
 قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۲﴾
 قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ
 اَمْرِي عُسْرًا ﴿۳﴾ فَاَنْطَلَقَا ^{تف} حَتَّىٰ اِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَتَلَّهُ
 قَالَ اَقْتَلْتَنِي زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ
 شَيْئًا مُّكَرًّا ﴿۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ
 تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۵﴾ قَالَ اِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ
 بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا ﴿۶﴾
 فَاَنْطَلَقَا ^{تف} حَتَّىٰ اِذَا اتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا
 اَهْلُهَا فَاَبَوْا اَنْ يُضَيِّقُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا
 يُرِيدُ اَنْ يَنْقُضَ فَاَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتُ لَتَخَذْتُ
 عَلَيْهِ اجْرًا ﴿۷﴾ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ
 سَأُنَبِّئُكَ بِتَاوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸﴾

الجزء السادس عشر

ترجمہ :- (خضر اور موسیٰ علیہما السلام) دونوں چلے یہاں تک کہ جب
 وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس (اللہ کے بندے) نے اس

(کشتی) کو بچا دیا۔ کہا (موسیٰ نے) کیا تو نے اس کو بچا دیا ہے تاکہ تو غرق نہ ہو
 ہمیں موجود لوگوں کو، البتہ تحقیق کی تھی تو نے ایک چیز بھاری (۷۱) کہا خضر (علیہ السلام)
 کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تو ہرگز صبر نہ کر سکے گا
 میرے ساتھ (۷۲) کہا (موسیٰ نے) نہ مواخذہ کریں مجھ سے اس
 (چیز) پر جو میں بھول گیا ہوں۔ اور نہ ڈالیں آپ مجھ پر میرے
 معاملے میں دشواری (۷۳) پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ
 دونوں ملے ایک لڑکے سے۔ پس قتل کیا (خضر نے) اس
 (لڑکے) کو۔ کہا (موسیٰ نے) کیا تو نے قتل کر دیا ہے ایک
 نفس بے گناہ کو بغیر کسی جان کے عوض البتہ تحقیق کی ہے
 آپ نے نامعقول بات (۷۴) کہا (اُس شخص نے) کیا میں
 نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم ہرگز صبر نہیں کر سکو گے
 میرے ساتھ (۷۵) کہا (موسیٰ نے) اگر میں نے پوچھا آپ
 سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد، پس آپ
 مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا۔ تحقیق پہنچ چکے ہیں آپ
 میری طرف سے عذر کو (۷۶) پس چلے وہ دونوں یہاں
 تک کہ آئے ایک بستی والوں کے پاس۔ ان دونوں
 نے اُن سے کھانا طلب کیا، پس انہوں نے انکار کیا اس
 بات سے کہ وہ انہیں مکان بنائیں۔ پس پائی اس (بستی) میں
 ایک دیوار جو گہنا چاہتی تھی۔ پس اُس (خضر) نے اُس کو
 میدھا کہ دیا۔ کہا (موسیٰ نے) اگر آپ چاہتے تو لے لیتے
 اس پر مزدوری (۷۷) کہا (خضر نے) یہ ہے جدائی میرے اور
 تیرے درمیان۔ میں تمہیں بتلا دوں گا حقیقت اُس چیز کی جس

پر آپ صبر نہیں کر سکے (۷۸)

ربط آیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی علمیت کے معاملہ میں ذرا سی لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ تجھ سے زیادہ عالم ہمارا ایک بندہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُس سے ملاقات کی خواہش کی تو اللہ نے فرمایا کہ فلاں سمت سفر اختیار کرو، ہمارا وہ بندہ تمہیں مجمع البحرین کے قریب مل جائے گا۔ اللہ نے نشانی کے طور پر فرمایا کہ جہاں تمہاری ملی ہوئی مچھلی گم ہو جائے گی، ہمارا وہ خاص بندہ اسی مقام پر مل جائے گا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم حضرت یوشع بن نون کے ہمراہ سفر کیا۔ جہاں پر مچھلی گم ہوئی تھی وہیں پر اللہ کے خاص بندے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات بھی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر اُن سے کچھ سیکھنا چاہا۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا، حضرت خضر علیہ السلام نے ساتھ رکھنے کے لیے یہ شرط پیش کی کہ آپ مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کریں گے یہاں تک کہ میں خود تمہیں اُس کی حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکو گے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

موسیٰ اور
خضر کا سفر

اب موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے سفر کا آغاز کیا پہلے انہوں نے کشتی کے ذریعے بحری سفر کیا جس کے دوران ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد انہوں نے خنجر کے راستے سفر اختیار کیا۔ اس دوران اُن کو دو واقعات پیش آئے۔ ان تینوں واقعات کا ذکر آج کے درس میں آ رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَانْطَلَقَا پھر وہ دونوں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام چل پڑے۔ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے اور اس سے دونوں اصحاب

مراد ہیں۔ مگر اُن کے ساتھ تیسرا آدمی حضرت یوشع بن نون بھی تو تھا۔ مگر اُن کی رفاقت کا قرآن پاک نے ذکر نہیں کیا۔ اس ضمن میں مفسرین کہہ ام کا اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ تیسرے آدمی بطور خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک سفر تھے اور خادم اپنے آقا کے احکام کے تابع ہوتا ہے اس لیے اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تعلیم و تعلم چونکہ انہی دو بزرگوں کے درمیان مقصود محقق، لہذا ان دو کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ امام بغویؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات ہو کر انہی ہم سفری کی شرائط طے ہو گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون کو اپنی قوم کے پاس واپس بھیج دیا تھا۔ اب یہ دونوں بزرگ کتنا عرصہ اکٹھے رہے اور انہوں نے کتنا لمبا سفر اختیار کیا، اس بات کا تو کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ جب تک اللہ کو منظور تھا، ان کی رفاقت قائم رہی اور تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ بہر حال وہ دونوں چل دیے۔ پہلے کچھ خشکی کا سفر کیا ہوگا۔ پھر آگے دریا آگیا۔ حَتَّىٰ اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا حَتَّىٰ وَجَبَ وہ دونوں یعنی موسیٰ اور خضر علیہما السلام کشتی میں سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے اُس کشتی کو بھاڑ دیا۔ تفصیلات کے مطابق جب یہ دونوں حضرات دریا کے کنارے پر پہنچے تو وہاں پر کشتی تیار تھی۔ یہ بھی دریا عبور کرنا چاہتے تھے لہذا انہوں نے کشتی والوں سے کشتی میں سوار کرانے کے لیے کہا مگر اہل کشتی متردد ہوئے۔ بعض نے کہا کہ انہیں کشتی میں سوار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ معلوم نہیں یہ کس کدھر کے لوگ ہیں۔ تاہم بعض دوسروں نے کہا کہ یہ تو نورانی شکل والے اللہ کے نیک بندے ہیں، انہیں ضرور سوار کر لینا چاہیے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے۔ فَخَرَفَ الْخَصْرُ فَحَمَلُوهُمْ فِي سَفِينَةٍ بَعِيرٍ نَوَّلَ انہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا۔ اور انہیں بغیر کدیر کشتی میں سوار کر لیا۔ آگے

کشتی کا سفر

اسی روایت میں آتا ہے وَوَقَعَ عَصْفُورٌ عَلَىٰ حَرْفِ
السَّفِينَةِ فَفَئَسَ مِنْقَارُهُ فِي الْبَحْرِ اَبِكُ چڑیا کشتی
کے کنارے پر آکر بیٹھ گئی۔ پھر اُس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی تو
خضر نے موسیٰ سے کہا میرے اور تمہارے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ
کے علم سے اس قدر ہے جتنی اس چڑیا کی چونچ کی تری کو سمندر سے
اصل میں یہ خدا کی جانب سے تربیت تھی۔ کیونکہ اسی مسئلہ میں موسیٰ علیہ السلام
پر ابتلا آئی تھی کہ مجھ سے زیادہ عالم کوئی نہیں ہے۔ غرضیکہ خضر
علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! میرا اور تیرا علم مثلاً
مَا نَقَصَ هَذَا الْعَصْفُورُ مِنْ هَذَا الْبَحْرِ اَنَا معمولی ہے
جتنا اس چڑیا نے چونچ ڈلو کر اس سمندر میں کمی کر دی ہے۔

کشتی کو توڑنے کے متعلق بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے
قَدْ قَلَعَ لَوْحًا مِّنَ السَّفِينَةِ بِالْقُدُومِ
خضر علیہ السلام نے کھارڈالے کہ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ مفسرین بیان
کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے اس سورج میں شیشے کا پیوند لگا دیا تھا۔ جس کی
وجہ سے پانی کشتی میں نہیں آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اُن کا معجزہ تھا کہ کشتی
میں سورج ہونے کے باوجود پانی اُوپر نہیں چڑھتا تھا۔ پھر جب خطرہ ٹل گیا
تو خضر علیہ السلام نے اکھاڑا ہوا تختہ دوبارہ اسی جگہ نصب کر دیا۔

بہر حال جب خضر علیہ السلام نے تختہ اکھاڑ دیا تو موسیٰ علیہ السلام سے

صبر نہ ہو سکا اور وہ بول اٹھے قَالَ اخْرِقْتَهَا لَتُغْرِقَ اَهْلَهَا
کیا تو نے کشتی کو بچاڑ دیا ہے تاکہ اس میں سوار لوگوں کو ڈبو دے؟ ان لوگوں
نے ہم پر بڑی مہربانی کی، ہمیں کشتی میں سوار کر لیا اور ہم سے کہہ کر یہ بھی نہ لیا ہوگا
تم نے ان کے احسان کا یہ بدلہ دیا ہے کہ ان کی کشتی ہی توڑ دی ہے۔
لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا آپ نے تو بڑی مصیبت کھڑی کر دی

قَالَ أَفَلَا إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا خضر علیہ السلام
 نے کہا، اے موسیٰ! کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ ہر گز صبر
 نہیں کر سکے گا۔ اگرچہ دونوں حضرات کے درمیان معاہدہ میں یہ طے پا
 چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کوئی سوال نہیں کریں گے مگر انہوں نے بھول کر یہ
 سوال کر دیا۔ چنانچہ جب خضر علیہ السلام نے انہیں معاہدہ یاد کرایا تو انہیں اپنی
 غلطی کا احساس ہوا تو کہتے ہوئے کہے کہ قَالَ لَا تَأْخُذْ بَعَمَلِكِ
 نَسِيتُ مِیرِی اس بھول پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کرو۔ وَلَا تُرْهِقْنِیْ
 صَبْرًا اَمْرِی عَسْرًا اور آپ میرے معاملے میں مجھ پر دشواری نہ
 ڈالیں۔ مطلب یہ کہ بھول چوک معاف ہوتی ہے لہذا اس دفعہ آپ در
 گزر کریں اور مجھ پر سختی نہ کریں۔

زبان غریب

دونوں ساتھیوں نے کشتی کے ذریعے دریا پار کیا فَاذْطَلَقَا پھر آگے
 چل دیے۔ دریا سے پار صحرا تھا، اس میں سفر شروع کر دیا۔ قوت القلوب
 والے کہتے ہیں کہ اس دوران میں موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ
 اس لوق و دوق صحرا میں ہمارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا۔ اتنے میں انہوں
 نے دیکھا کہ ایک ہرن دوڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا ہے آپ نے دل میں خیال
 کیا کہ اگر یہ ہرن شکار ہو جائے تو ہماری خوراک بن سکتا ہے۔ جب وہ ہرن قریب
 آیا تو موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہرن دزد شہ ہے اور اس کا گوشت
 دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ کچا ہے جب کہ دوسرا روٹا ہوا شہ ہے
 خضر علیہ السلام نے تالا ہوا گوشت اپنے سامنے کر لیا اور کچے کے متعلق موسیٰ
 علیہ السلام سے کہا کہ تم خود اسے بھون کر خوراک بنا لو۔ مطلب یہ کہ تمہیں اس
 سفر میں کھانے سے متعلق طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے جب کہ
 میری یہ حالت نہ ہوئی۔ مجھے تو اسلئے بھونا ہوا گوشت بھیج دیا ہے اور
 تم خود اسے کھانے کے قابل بنا لو۔

وہ دونوں ساتھی سفر کرتے رہے حتیٰ اذالقیبا غلاماً یہاں تک
کہ اُن کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی۔ فَقَتَلَهُ تَوْخَضْرُ عَلَیْہِ السَّلَام
نے اُس بچے کو قتل کر دیا۔ حدیث شریف میں اس قتل کے متعلق آتا
ہے فَاحْذَ الْجَنْحُ رَأْسَهُ بِیَدِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِیَدِهِ فَقَتَلَهُ
خَضْرُ عَلَیْہِ السَّلَام نے اُس بچے کا سر پکڑ کر گردن سے اکھاڑ دیا۔ یہ تو بہت
ہی خطرناک معاملہ تھا۔ ایک بے گناہ لڑکے کا سر تن سے جدا کر دیا۔ موسیٰ
علیہ السلام یہ دیکھ کر رہ نہ سکے اور فوراً بول اٹھے قَالَ اقْتَلْتَ نَفْسًا
زَكِيَّةً اَبْغَيْتَ نَفْسَکَیَا تُوْنِے ایک بے گناہ جان کو بغیر جان کے
بدلے قتل کر دیا ہے لَقَدْ جِدْتَ شَيْئًا سَکَرًا تُوْنِے تو بڑی
ماہقول بات کر دی ہے معصوم بچے کا قتل کوئی اچھی بات نہیں ہے۔
لفظ "غلام" کے معانی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹا
بچہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور نوجوان بھی۔ امام حسن بصریٰ اور مؤرخ کلیبی
وغیرہ کہتے ہیں کہ مقتول نوجوان تھا اور لوگوں کے گھروں میں اور مسافروں
پر ڈاکے ڈالتا تھا۔ تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں نَفْسًا زَكِيَّةً سے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا بچہ تھا جو ابھی معصوم تھا کیونکہ جب جوان ہو جائے تو
پھر زکیہ یعنی بے گناہ نہیں رہتا۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں
اِذَا ابْصَرَ الْجَنْحُ غُلَامًا یَلْعَبُ مَعَ الْعِلْمَانِ خَضْرُ عَلَیْہِ السَّلَام
نے دیکھا کہ ایک بچہ دو سکڑ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے تو اپنے دونوں
ہاتھوں سے پکڑ کر اُس کا سر مروڑ دیا کھیل کو روکا لفظ بھی بتلاتا ہے کہ
وہ چھوٹا بچہ تھا۔

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک بے گناہ بچے کے قتل پر
اعترض کیا قَالَ تَوْخَضْرُ عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا اَلَمْ اَقْلَلْ لَکَ اَنَّا
لَنْ نَسْتَطِیْعَ مَعِی صَبْرًا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم

میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؛ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔
 انہوں نے دوسری مرتبہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی قَالَ كُنْتُمْ اَنْ
سَأَلْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ اَبَعَدْتُمْ هَا فَالَا تَصَابِحْتُمْ اگر اس مرتبہ
 کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو بیشک مجھے اپنی معیت میں نہ رکھا
قَدْ بَلَغْتُكُمْ لہٰذا لَدُنِّي عَذْرًا تحقیق میری طرف سے آپ
 عذر کو پہنچ چکے ہیں مطلب یہ کہ اب حجت تمام ہو چکی ہے، اگر اب
 آپ مجھے اپنے سے جدا کر دیں گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا
 کیونکہ شرط کی خلاف ورزی میری طرف سے ہوئی ہے۔ مفسرین فرماتے
 ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی دفعہ قبول کرنا تھا۔ آپ کا دوسرا
 اقرار تھا کہ اگر آئندہ ایسی غلطی ہوگی تو بیشک آپ مجھے علیحدہ کر دیں اور
 پھر تیسری مرتبہ کا سوال جو آگے آ رہا ہے، وہ بالکل جدائی کی نیت سے تھا۔
 ارشاد ہوتا ہے فَاَنْطَلَقَا یہ دونوں ساتھی اور آگے بڑھ گئے
حَتَّىٰ اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں
 کے پاس پہنچے اِسْتَطْعَمُوْهُمَ اَهْلُهَا تو اس بستی والوں سے کھانا طلب
 کیا۔ سفر کر کے آئے تھے، بھوک سے نڈھال تھے، لہٰذا گاؤں والوں
 سے کہا کہ وہ مسافر ہیں اور انہیں کھانے پینے کے لیے کچھ دیا جائے
 یہ کون سی بستی تھی، یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض نے انطاکیہ کا نام
 لیا ہے جو کہ علاقہ شام میں واقع ہے۔ بہر حال جب انہوں نے کھانا
مَنْكَا فَاَبَوْا اَنْ يُصِيبَهُمْ کما تو بستی والوں نے ان دونوں کو
 ممان بنانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے ان معزز مسافروں کے ساتھ
 اچھا سلوک نہ کیا جو کہ ان کی کمینگی پر دلالت کرتا ہے۔ کمینگی کسی کی ذات
 یا نسل سے نہیں بلکہ اخلاق سے ظاہر ہوتی ہے۔ کمینے کام کرنے والے
 لوگ کمینے ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی ذات اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔

ایک بستی
میں دروازہ

یہ اس بستی والوں کی عمومی حالت تھی ورنہ ان میں کوئی اکا دکا اچھا آدمی بھی ہوگا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس بستی کی عورت نے ان مہمانوں کو کھانے کے لیے کچھ پیش کیا تھا، اور ان بزرگوں نے اس عورت کے حق میں دعا بھی کی تھی۔

بہر حال اس بستی میں ورود کے بعد فَوْجًا فَوْجًا جَدَّارًا ان دونوں نے ایک دیوار دیکھی یُرِيدُ اَنْ يَنْقَضَ جو گرا ہی جاتی تھی بوسیدہ ہو کر ایک طرف کو جھٹ گئی تھی اور قریب تھا کہ وہ گرے جائے فَاَقَامَ تُو خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا روایت میں آتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے دیوار کو گرے کر دوبارہ تعمیر نہیں کیا تھا بلکہ کرامت کے طور پر اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بولے قَالَ كَوْشِدْتُ لَتَّخَذْتُ عَلَيْهِ احْبًا اَکْرَآپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے مگر آپ نے تو یہ بالکل مفت کام کر دیا حالانکہ اس بستی والوں نے آپ کو کھانا بھی نہیں کھلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معاہدہ کی تیسری مرتبہ خلافت درزی ہو چکی تھی قَالَ اب خضر علیہ السلام نے کہا هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ اب میرے اور تیرے درمیان جدائی کی نوبت آچکی ہے۔ آپ میرے ساتھ رہ کر میری باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لہذا آپ اپنی راہ پکڑیں، موسیٰ علیہ السلام تو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اگر اب کی دفعہ سوال کروں تو بیشک آپ مجھے الگ کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ البتہ خضر علیہ السلام نے فرمایا مَسْأَلَتُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا میں عنقریب تمہیں ان چیزوں کی حقیقت سے مطلع کر دوں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ یہ تینوں چیزیں تکوینی امور سے تعلق رکھتی تھیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو تو عطا کر رکھا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام ان کی حقیقت

سے واقف نہیں تھے، اس لیے وہ بار بار سوال کرتے رہے۔ ان تینوں کی حقیقت اللہ نے اگلی آیات میں خضر علیہ السلام کی زبان سے بیان فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، کاش وہ کچھ دیر مزید صبر کرتے تو عجیب و غریب واقعات کا مشاہدہ کرتے۔ تاہم وہ ان تین عجائبات کو دیکھنے کے بعد اپنے مقام کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔

قال الم ۱۶

درس نوزدہم ۱۹

الكهف ۱۸

آیت ۹

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ
فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ
مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٩﴾

ترجمہ:- اور بہر حال کشتی، پس وہ تھی چند محتاجوں کی جو دریا
میں کام کرتے تھے۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کشتی
کو عیب ناک بنادوں، اور تھا اُن کے آگے ایک بادشاہ جو پکڑ
لیتا تھا ہر (صحیح) کشتی کو بزور ﴿۹﴾

رابط آیات

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا جو واقعہ بیان ہو رہا ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام
کی تربیت مطلوب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی لغزش پر انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔ انہیں
لمبا چوڑا سفر اختیار کرنا پڑا۔ پھر خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو بعض شرائط کے تحت
اُن کی رفاقت منظور ہوئی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام ان شرائط پر قائم نہ رہ سکے۔ خضر علیہ السلام کی
معیت میں تین واقعات پیش آئے تو موسیٰ علیہ السلام وعدہ کے مطابق خاموش نہ رہ سکے
انہوں نے پہلا اعتراض بھول کر کیا تھا۔ پھر دوسرا اعتراض پر خود پیش کش کی کہ اس بار
درگزر کیا جائے اور اگر آئندہ اعتراض کروں تو بیشک مجھے الگ کر دیا جائے۔ چنانچہ
تیسرے اعتراض پر خضر علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ اب میرا اور تمہارا راستہ جدا ہے
البتہ میں ان تین چیزوں کی حقیقت واضح کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکتے
آج کے درس میں کشتی والے واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جب کہ باقی
دو واقعات کے متعلق حقیقت اگلے درس میں بیان کی جائے گی۔

واقعہ کشتی کی
حیات موسیٰ
سے مناسبت

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب موسیٰ اور خضر علیہما السلام نے کشتی کا سفر

شروع کیا، تو حضرت علیہ السلام نے اچانک کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا جس سے کشتی کے مسافروں کی جانیں خطرہ میں پڑ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے اور کہنے لگے ”اَخْرَقْتُمْكَ لِتُخْرِقَ اَهْلُكَ“ کیا آپ نے کشتی کو اس لیے توڑ دیا ہے کہ اس کے مسافر غرق ہو جائیں؟ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اپنے ذاتی واقعہ کو بھول گئے جو انہیں ابتدائی زندگی میں پیش آیا تھا۔ اگر آپ اُس واقعہ کو یاد کر لیتے تو پھر اس کشتی کے واقعہ پر بھی صبر کا درس نہ چھوڑتے۔ جس زمانے میں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اُس دور میں فرعون بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دیتا تھا کیونکہ اُسے اپنی بی بی سے کسی کے ہاتھوں اپنی سلطنت کے چھین جانے کا خطرہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے قتل کے خوف سے آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف فرعون کے مظالم سے بچایا بلکہ آپ کی لہروں کے درمیان بھی آپ کی حفاظت کی۔ آپ بڑے ہوئے اور پھر فرعون کے زوال کا باعث بنے۔ تو یہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ تہیہ مضبوط تھی کہ آپ کشتی میں سوار رہ کر کچھ کر پریشان ہو گئے مگر آپ کو اس طرف دھیان کیوں نہ آیا کہ جو خداوند کریم آپ کو دریا کی لہروں سے بچا سکتا ہے، وہ اس کشتی کے سواروں کو بھی دریا سے پار لگانے پر قادر ہے، لہذا آپ کو زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت علیہ السلام نے کشتی کو توڑنے کی حکمت اس طرح بیان کی اَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ بِهَرِحال کشتی چنیز مسکینوں کی تھی لَعَمْرُؤُا فِي الْبَحْرِ جُودِیَا میں محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ فَأَرَدْتُ اَنْ اَعِیْبَهَا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس کو غیب دار بنا دوں یعنی اس کو صحیح سلامت نہ رہنے دوں

کشتی توڑنے
کی حکمت

کیونکہ وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلَكٌ مِّنْ جُنِّكَ اِکے ایک بادشاہ تھا۔
 يٰۤاَخِذْ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَضَبًا بِوَجْهِهَا لِيَتَقَابَرْنَ کو برور و ان سے کار لیتا تھا۔ اللہ کی
 مشیت یہ تھی کہ ان مساکین کی کشتی غصب ہونے سے بچ جائے۔ لہذا خضر
 علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کشتی میں نقص پیدا کر دیا تاکہ بادشاہ
 اسے نکمی سمجھ کر چھوڑ دے کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے غصب کر لینا
 چوری، ڈاکے اور خیانت کی طرح حرام ہے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے روبا
 نہیں کہ وہ دوسرے آدمی کا مال چھین لے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں
 غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔ وہ جائز ہے
 اسی طرح زمانہ امن میں غیر مسلم ذی ایمان سے ان کی جان و مال کی حفاظت
 کے طور پر جو جزیہ لیا جاتا ہے وہ بھی حلال ہے

مسکین اور
 فقیر کی
 اصطلاحات

قرآن پاک میں فقیر اور مسکین کی اصطلاحات اکثر مقامات پر استعمال
 ہوئی ہیں، تاہم مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہر دو قسم کے
 لوگوں میں سے کون زیادہ محتاج ہے۔ بعض فقیر کو زیادہ محتاج سمجھتے اور
 بعض مسکین کو۔ لفظ مسکین کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو بالکل تنہا دست
 ہو۔ سورۃ البلد میں موجود ہے اَوْفِیْ سَکِیْنًا ذَا مَرْبَیْۃٍ یعنی بالکل
 مٹی میں ملا ہوا جس کے پاس بالکل کچھ نہیں۔ دوسری طرف فقیر کا لفظ
 اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ذریعہ آمدنی موجود
 ہو مگر وہ اس کی جائز ضروریات کے لیے ناکافی ہو۔ بعض مفسرین ان
 اصطلاحات کے الٹ معنی کرتے ہیں یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس
 بالکل کچھ نہیں اور مسکین وہ ہے جس کے پاس محض ابھت موجود ہے
 مگر اس کی گتہ راوقات نہیں ہوتی۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ
 فقر کا لغوی معنی ریڑھ کی ہڈی ہے، اگر وہ ٹوٹ جائے تو آدمی بالکل
 ناکارہ ہو جاتا ہے لہذا فقیر وہ شخص ہے جو بالکل بے یار و مددگار ہے

اور جس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی موجود نہیں ہے۔ بہر حال فقیر اور مسکین دونوں محتاج ہیں، اسی لیے سورۃ توبہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے خرچ کی مدت بیان کی ہیں۔ وہاں سب سے پہلے فقیر اور مسکین کو اس کا مستحق قرار دیا ہے ”اِنَّهَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِيْنِ“ (آیت ۶۰)

بعض مفسرین نے ان مساکین کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ وہ اس کشتی کے ذریعے محنت مزدوری کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص سے کرایہ پر لے رکھی ہو اور آمدن کا کچھ حصہ اصل مالک کو بھی ادا کرتے ہوں، تاہم بظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ کشتی خود انہی کی ملکیت تھی۔ وہ دس بھائی تھے۔ ان میں سے — پانچ تندرست و توانا تھے اور کام کرتے تھے جب کہ پانچ بھائی لیے لنگر کھاتے یعنی معذور تھے اور کام کاج کے قابل نہیں تھے، لہذا سارے کے سارے بھائیوں کی گزراں اسی کشتی کی آمدنی پر تھی۔ ان حالات میں کشتی عیب دار کہہ دینا ان سب بھائیوں سے ذریعہ روزگار چھیننے کے مترادف تھا جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت تشویش ہوئی اور انہوں نے فوراً اعتراض کر دیا۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ خضر علیہ السلام کا کشتی کو عیب ناک بنا دینا اس کی ہزار درشتگی سے بہتر تھا کیونکہ مصلحت اسی میں تھی۔ اگر یہ کشتی صحیح سلامت رہتی تو پکڑی جاتی اور وہ مساکین ذریعہ آمدنی سے محروم ہو جاتے مفسرین کی روایت کے مطابق جب کشتی پکڑے جانے کی حد سے گزر گئی تو خضر علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھ سے ٹوٹے ہوئے تختے کو پھر درست حالت میں کر دیا۔ آپ صاحب معجزہ اور مومن اللہ تھے، لہذا مصلحت خداوندی کے مطابق کشتی کا ٹوٹ جانا اور پھر خضر علیہ السلام کے

کشتی کی
ملکیت

عیب ناک کی
مصلحت

ہا کھتوں سے درست ہو جانا کچھ عجیب بات نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ
حضرت علیہ السلام نے کشتی کا تختہ توڑ کر اس کی جگہ شیٹے کا پوند لگا دیا تھا تاکہ
کشتی بظاہر ٹوٹی ہوئی نظر آئے مگر اُس میں پانی داخل نہ ہو۔ بہر حال کشتی کو
عجیب دار بنانے کی یہ وجہ تھی۔

اسلام اور
جدید عصری
تفکرات

مولانا سید منظر احسن گیلانی ہمارے زمانے کے ذہین و فطین عالم
گزرے ہیں۔ آپ صوبہ بہار کے ایک گاؤں گیلان کے رہنے والے
تھے اور بیس پچیس سال قبل وہیں فوت ہوئے، آپ حیدر آباد دکن
میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے صدر تھے۔ آپ دارالعلوم
دلیوینڈ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپ نے کشتی کے واقعہ کے تناظر
میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جس طرح کشتی کی عیب ناکی ہی اُس کی سلامتی کی
ضمانت بنی اسی طرح متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جدید تعلیم سے بے بہرگی
ہی دین کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔

قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن و احمد یونیورسٹی
تھی جس کے تعلیم یافتہ لوگ اسلامی ذہن رکھتے تھے۔ یہ مولانا منظر احسن گیلانی کی
کاوش کا نتیجہ تھا، وگرنہ دیگر تمام یونیورسٹیوں (علی گڑھ، کلکتہ، لاہور وغیرہ) کے
تعلیم یافتہ لوگ اکادمی کا شکار ہی رہے ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے
تو گذشتہ ڈیڑھ صدی میں برصغیر کے بعض خضر صفت لوگوں نے بے سرو سامانی
کی حالت میں دینی تعلیم کا بیڑہ اٹھایا اور کفر و اکادمی کے اندھیروں میں توحید
سنت کے چراغ روشن کیے۔ اس سلسلہ میں اولین کوشش حضرت مولانا
محمد قاسم نانوتویؒ کی تھی جنہوں نے دارالعلوم دلیوینڈ سے دینی مدارس کی ابتدا
کی اور پھر اس کی شاخیں مراد آباد، سہارنپور اور دہلی تک پھیلا دیں ۱۸۵۷ء
کی جنگ آزادی میں سب سے زیادہ نقصان بھی مسلمانوں کا ہی ہوا۔ انگریزوں
نے ان سے خوب انتقام لیا اور ہزاروں علمائے حق کو سولی پر لٹکا دیا۔

مسلمانوں سے اقتدار چھین لیا گیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ان حالات میں بزرگان دین نے دینی مدارس قائم کر کے السجاد کے آگے بند باندھ دیا۔

یہ مدرسے خالص دینی تعلیم کے داعی تھے اور انہیں جدید علوم سے جان بوجھ کر الگ رکھا گیا۔ یہ مدارس اس لحاظ سے عجیب ناک تھے کہ ان کے فارغ التحصیل طلباء کے پاس حصول معیشت کے لیے کوئی ڈگری نہیں ہوتی تھی۔ بنیادیں مدارس اچھی طرح جانتے تھے کہ جن مدارس میں حکومت کا عمل دخل شروع ہو جائے اور ان کے پیش نظر عصری تقاضے بھی ہوں، وہاں دین کا پہلو کمزور ہو جاتا ہے، ان کا نتیجہ یہ تھا کہ حکومت سے امداد حاصل کرنے والے مدارس کو انگریزوں نے جلد ہی زیر تسلط کر لیا اور پھر انہیں اپنے غلط مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ لہذا ان مدارس نے مالی وسائل کی پرواہ کیے بغیر دین کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا۔ چنانچہ گزشتہ دوڑھ صدی میں ان ٹوٹے پھوٹے شکستہ حال اور عصری تقاضوں سے بے نیاز مدارس نے دین کی بے مثال خدمت کی ہے۔ یہ انہی بزرگوں کی کاوش کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں پانچ سات سو دینی مدارس کام کر رہے ہیں خود ہندوستان کے سیکولر سٹیٹ ہونے کے باوجود وہاں پر ایسے مدارس کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اسی طرح مسلم بنگال میں بھی یہ مدرسے دینی تعلیم کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ انگریزوں نے ایسے مدارس کی اس قدر حوصلہ شکنی کی کہ ایک عام پرائمری پاس تو ووٹر بن سکتا تھا مگر دینی مدرسے کے فارغ التحصیل کو ووٹ دینے کے حق سے محروم رکھا گیا تھا ۱۹۴۵ء میں اگرچہ میں دارالعلوم دیوبند کا سند یافتہ تھا مگر میں ووٹ کے حق سے اس لیے محروم رہا کہ نہ تو میرے پاس بائیس ہزار روپے کی جائداد تھی اور نہ پرائمری کی سند۔

بہر حال جس طرح خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار بنا کر اللہ کے حکم سے اس پر کام کرنے والے مزدوروں کی معیشت کی حفاظت کی، اسی طرح ہمارے بزرگوں نے دینی مدارس کو عصری تقاضوں سے الگ رکھ کر دین کی ایسی عملی خدمت کی جس کا بدل آج تک نہیں مل سکا۔ پاکستان کی چالیس سالہ تاریخ میں یہاں کی کوئی حکومت بھی ان مدارس کا بدل پیدا نہیں کر سکی۔ ان مدارس کے تربیت یافتہ لوگ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، سب کو برداشت کرتے ہیں مگر مسلمانوں کی دینی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں جدید تعلیم حاصل کرنے والوں پر فوراً حدت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ دین کے معاملہ میں ان پر اختصار کیا جاسکے۔ وہ خود خلاف سنت کام کرتے ہیں لہذا ان کے پیچھے تو نماز بھی ادا نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال ان مدارس کے تربیت یافتہ لوگوں نے ہی دین کا عملی نمونہ پیش کیا ہے اور جدید عصری تقاضوں سے دور رہنا ہی دین کی حفاظت کا سبب بنا ہے۔

اس وقت پاکستان میں اسلامیہ یونیورسٹی ہاؤس اور واحد یونیورسٹی ہے جس کے متعلق یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد دینی تعلیم پر رکھی گئی ہے مگر گزشتہ بیس سال کے دوران اس یونیورسٹی نے بھی دین کا کوئی عملی نمونہ پیش نہیں کیا۔ اس یونیورسٹی اور ملک کی باقی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہاں بھی جدید علوم کے ساتھ ساتھ مخلوط تعلیم کا انتظام ہے، لہذا ایسے ادارے سے دین کی خدمت کی توقع عجبت ہے۔ دین کے عملی نمونے کے لیے دارالعلوم دیوبند یا منطابہ العلم سہارنپور کی طرز کے مدارس کی طرف ہی نظریں اٹھتی ہیں جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر دین کی ترویج پر کمر بستہ ہیں جس طرح واقعہ خضر میں کشتی کی عیب ناکی اس کی ہزار درستی سے بہتر تھی، اسی طرح دینی مدارس کی جدید عصری تقاضوں سے علیحدگی کی عیب ناکی دین کے حق میں ہزار درجے بہتر ہے۔

دینی مدارس
کی عیب ناکی

قَالَ ۱۶

درستم ۲۰

الکھف ۱۸

آیت ۸۰ تا ۸۲

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنَّهُ
يُرَاهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۸۰ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۱ وَأَمَّا
الْجِدَارُ فَكَانَ لِفُلْمَيْنِ إِيْمَانٍ فِي الْمَدِينَةِ
وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ
رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا
رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ
نُفُوسُ مَوْلَىٰ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲

ترجمہ :- اور بہر حال وہ لڑکا، پس تھے اُس کے ماں باپ
دونوں ایماندار، پس ہم نے معلوم کیا کہ ڈال دے گا وہ اُن
دونوں کو سرکشی اور کفر میں ۝۸۰ پس ارادہ کیا ہم نے کہ
تبدیل کر دے اُن کے لیے اُن کا پروردگار بہتر اس سے
پاکیزگی میں اور زیادہ قریب شفقت میں ۝۸۱ اور بہر حال
دیوار، پس تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی شہر میں۔ اور تھا اُس
کے نیچے خزانہ اُن کا۔ اور اُن دونوں کا باپ نیک آدمی
تھا، پس ارادہ کیا تیرے پروردگار نے کہ وہ دونوں پہنچ
جائیں اپنی جوانی تک اور نکال لیں اپنے خزانے کو۔ یہ

سب مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ، اور نہیں
 کیا میں نے یہ کام اپنی مرضی سے ۔ یہ ہے حقیقت اُس
 چیز کی کہ نہیں رکھتے تھے آپ اُس پر صبر کی طاقت ^(۸۲)
 خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے اعتراض پر کہا ”هَذَا فِرَاقٌ
 بَيْنِي وَبَيْنِكَ“ اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے ، البتہ پیش آمدہ تینوں
 واقعات کی حقیقت میں آپ پر واضح کیے دیتا ہوں۔ کشتی کے واقعہ کے متعلق فرمایا
 کہ وہ چند مساکین کی کشتی تھی جو کشتی کے ذریعے محنت مزدوری کر کے اپنی اور اپنے
 معذور بھائیوں کی پیٹ پروری کرتے تھے۔ اُن کی کشتی کو عیب دار بنانے کی وجہ یہ تھی کہ
 آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو تمام صحیح سلامت کشتیوں کو بیگار میں پکڑ رہا تھا۔ تو میں
 نے اس کشتی کو اس لیے توڑ دیا تاکہ یہ ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے
 بچ جائے اور اُن مساکین کا ذریعہ روزگار برقرار رہے۔

قتل غلام
 کی حکمت

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا دوسرا واقعہ ایک بچے کے قتل کا تھا۔ ایک
 بڑا اچھا بچہ دو سبز بچوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا۔ جب ان دونوں حضرات کا وہاں سے
 گزر ہوا تو خضر علیہ السلام نے اُس بے گناہ بچے کا سر پکڑ کر دھڑ سے علیحدہ کر دیا۔ یہ
 دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سخت گھبرائے اور بے اختیار اُن کی زبان سے نکلا کہ تُو نے ایک
 معصوم بچے کو قتل کر دیا ہے۔ اس واقعہ کی حکمت یوں بیان کی گئی ہے۔ وَأَمَّا
الْفُلُكُمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ اور بیشک وہ بچہ کہ اس کے ماں باپ
 ایماندار لوگ تھے فَخَشِينَا ہم نے خطرہ محسوس کیا أَنَّ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا
وَكُفْرًا کہ وہ اُن دونوں کو سرکشی اور کفر میں ڈال دے گا۔ اس بچے کے ساتھ والدین
 کو بڑی محبت ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ بڑا ہو کر وہ ان کے لیے وبال جان بن جائے
 گا اور یہ بات خود اُن کے حق میں نقصان دہ ہوگی فَارَدْنَا أَنْ يَبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا
خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رَجْمًا پس ہم نے ارادہ کیا کہ تبدیل کر دے، اُن

دروں یعنی والدین کے لیے اس لڑکے سے بہتر پاکیزگی کے اعتبار سے اور شفقت و مہربانی میں زیادہ قربت کے لحاظ سے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس بچے کی بجائے اُس کے والدین کو دوسرا بہتر بیٹا عطا کرے اور اللہ کے حکم سے اس بچے کو راستے سے ہٹا دیا جائے اس بچے کے قتل کی یہ حکمت بیان کی۔

دنیا میں نیک و بد ہر طرح کے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو والدین کی نیک نامی کا باعث بھی بنتے ہیں اور بعض اپنے والدین کے لیے بدنامی اور تکلیف کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ بچوں کی وجہ سے والدین کو آرام و راحت یا تکلیف و پریشانی اٹھانا پڑی۔ تاہم اس بچے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحت تھی کہ وہ اس کے والدین کو اس کے شر سے بچانا چاہتا ہے۔

صحیحین کی روایت میں آتا ہے اَمَّا الْغُلَامُ فَطُبِعَ كَافِرًا اس بچے کی استعداد اور صلاحیت اس قسم کی تھی کہ وہ بڑا ہو کر کافر ہی ہوتا، لہذا اللہ تعالیٰ کی حکمت میں بچے کی بہتری اسی میں تھی کہ بچے کو مکلف ہونے کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے تاکہ یہ کفر و سرکشی کی سڑک سے بچ جائے اور ماں باپ کے حق میں بھی یہی بہتر تھا کیونکہ وہ بچے کے کفر کی وجہ سے خود بھی کفر میں پڑنے والے تھے، مگر اللہ نے انہیں بچا لیا۔

انسان کی سرشت کے متعلق صاحب تفسیر منظرہ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور صفت کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ بعض لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم غالب ہوتی ہے اور وہ شخص عالم فاضل ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح جس شخص میں صفت رحم کا غلبہ ہوتا ہے، وہ بڑا رحمدل واقع ہوتا ہے۔ گویا ایسے اشخاص

کا مبداء تعین اللہ کی کوئی نہ کوئی صفت ہوتا ہے۔ اس مقتول بچے کا مبداء تعین اللہ کی صفت موصول تھا، لہذا اس سے بڑا ہو کر اسی صفت کا ظہور متوقع تھا۔ یہ بچہ جو ان ہو کر یقیناً کفر و گمراہی میں مبتلا ہوتا اور چونکہ والدین کو اس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ اس لیے وہ بھی اُس کے پیچھے لگ کر کفر و ضلالت کا شکار ہو جاتے۔ لہذا اُس کے قتل میں اللہ کی یہی حکمت کار فرما تھی کہ بچہ اور والدین دونوں سراسے بچ گئے۔ اور اس صفت موصول والے بچے کی بجائے اللہ نے انہیں مومن بچہ عطا کر دیا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس مقتول بچے کی جگہ اُس کے والدین کو نیک اور اطاعت گزار بچہ عطا فرمایا۔ تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ بچے کی جگہ اللہ نے نہایت ہی صالحہ بچی عطا فرمائی۔ جب یہ بچی جو ان ہوئی تو اس کا نکاح اللہ کے ایک نبی کے ساتھ ہوا، اور پھر اس سے آگے ایک نبی پیدا ہوا جس کی وجہ سے اللہ کی مخلوق میں سے ایک امت کو ہدایت نصیب ہوئی۔ بعض مفسرین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس بچی کی نسل میں سے اللہ نے ستر نبی پیدا فرمائے۔ یہ تھا اُس مقتول بچے کا نعم البدل جس کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ارادہ کیا کہ اُن کا پروردگار اُن کے لیے پاکیزگی اور شفقت کے اعتبار سے بہتر بچہ تبدیل کر دے۔

لفظ خشینا
کی تشریح

گذشتہ آیت کہ میرے لفظ خشینا اس لحاظ سے بحث طلب ہے کہ یہ خضر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف۔ اگر یہ خضر علیہ السلام کا کلام ہو تو ظاہر ہے کہ انہیں خدشہ محسوس ہوا کہ یہ بچہ جو ان ہو کر مکشئی اور کفر میں مبتلا ہو جائے گا۔ لہذا انہوں نے اُس کو راستہ سے ہٹا دیا۔ چونکہ خشینا اور اس آیت کا لفظ اَرَدْنَا جمع کے صیغے ہیں۔ لہذا ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف معلوم ہوتی ہے ویسے

یہاں پر ادب کا تقاضا بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جہاں کشتی کو عجیب ناک
 بنانا مقصود تھا وہاں خضر علیہ السلام نے اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرتے
 ہوئے اَرَدْتُ واحد کا صیغہ استعمال کیا کہ میں نے ایسا ارادہ کیا، اور یہاں
 پر چونکہ فی الجملہ فساد والی اور فی الجملہ اصلاح والی دونوں باتیں ہیں۔ لہذا یہاں
 یہ فَارَدْنَا جمع کا استعمال کیا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ خَشِیْنَا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے یعنی
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اندیشہ کیا کہ بچہ والدین کو سرکشی اور کفر میں
 مبتلا کر دے گا۔ یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خوف کا اطلاق مخلوق
 پر ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تو درخوف سے پاک ہے۔ چنانچہ مفسرین
 کرام خشیت کا اطلاق علم پر کرتے ہیں کیونکہ علم کا نتیجہ ہی خشیت ہوتا
 ہے۔ اس لحاظ سے خشیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم
 جانتے تھے کہ یہ بچہ جو ان ہو کہ والدین کو سرکشی میں ڈال دے گا۔ اس لیے
 ہم نے ارادہ کیا کہ اس کو مٹا کر اس کا بہتر نعم البدل عطا کیا جائے۔ امام
 ابن جریرؒ اور صاحب مجمع البحرین وغیرہ کہتے ہیں فَخَشِیْنَا کا معنی
 فَكَّرْ هُنَا ہے یعنی ہم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر
 اپنے ماں باپ کو سرکشی میں مبتلا کر دے لہذا ہم نے اس کی بجائے مومن
 بچہ عطا کرنے کا فیصلہ کیا۔

کسی شخص کا قتل بہت بڑا گناہ ہے مگر خضر علیہ السلام کے ہاتھوں
 بچے کا قتل موسیٰ علیہ السلام کے بھی حسبِ حال ہے۔ ایسا
 ہی قتل آپ کے ہاتھوں سے بھی ہوا تھا۔ جب ایک قبیلہ ایک بنی اسرائیل
 سے جھگڑا رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے قبیلہ کو ایک مرکب مارا جس سے
 وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ اگرچہ یہ قتل خطا تھا مگر فرعون کے مظالم کے

موسیٰ کے
 لیے ثنویہ

خوف سے موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے۔ تو اس بچے کے قتل کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے تنبیہ بھی ہے کہ آپ نے بھی تو ایک قبیلے کو قتل کر دیا تھا، پھر کھلا خضر علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے پر کیسے اعتراض کر دیا؟ آگے سورۃ القصص میں آتا ہے کہ قتل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ یہ تو شیطانی حرکت ہے۔ ارادہ تو ایک مظلوم کے ساتھ خیر خواہی کا تھا۔ مگر قتل ہو گیا۔ خضر علیہ السلام نے اس بچے کو بھی اُس کے والدین اور خود اسکی خیر خواہی کے طور پر قتل کیا تھا۔ مگر یہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے فوراً اعتراض کر دیا اور انہیں اپنا قتل یاد نہ آیا۔ بہر حال اس واقعہ میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی تہنیت اور تنبیہ مقصود تھی۔

دیوار کی
درستی
کی حکمت

تیسرا واقعہ ایک بستی میں دیوار کی درستی کے متعلق تھا۔ جب موسیٰ اور خضر علیہما السلام اُس بستی میں پہنچے تو انہیں بھوک لگ رہی تھی انہوں نے بستی والوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ اسی بستی میں ایک شکستہ دیوار پر نظر پڑی جو گمناہی چاہتی تھی۔ خضر علیہ السلام نے ہاتھ سے پکڑ کر اُس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے اور فوراً بول اٹھے، آپ نے ان بے مروت لوگوں کے ساتھ یہ احسان کیسے کر دیا۔ جنہوں نے آپ کو کھانا بھی مہیا نہیں کیا۔ آپ تو اس دیوار کی درستی پر اجرت لے سکتے تھے۔ اس پر خضر علیہ السلام نے دیوار کی درستی کی یہ حکمت بیان کی وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ اور بہر حال وہ دیوار شہر میں دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا اور اس دیوار کے نیچے اُن یتیموں کا خزانہ تھا۔ تفسیر یہ ہے کہ

سونا چاندی زیر زمین دفن تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہاں کوئی تختی مدفون تھی جس پر نصیحت کی بعض باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ بہر حال وہ مالی لحاظ سے یاسند و نصائح کے اعتبار سے قیمتی چیز تھی۔ راجح بات یہی ہے کہ سونا یا چاندی تھی۔ یا سونے کی تختی تھی۔ اگر وہ دیوار گمر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا اور یتیم بچوں کا مال گناؤں کے دوسرے لوگ ہتھیالیتے۔

اور دوسری بات یہ تھی وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا اور ان دو یتیموں کا باپ نیک آدمی تھا۔ ایسی نیچی کے صلہ میں فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا پس تیرے پروردگار نے ارادہ کیا کہ دونوں بچے سن بلوغت کو پہنچ جائیں وَكَيْتُخْرِجَا كُزَّهُمَا اور وہ اپنا خزانہ خود نکال لیں۔ اشد کی ایک منزل تو بلوغت ہے جب آدمی ذرا سیانا ہو کہ شرعی طور پر مکلف ہو جاتا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد یتیم کا مال اس کے سپرد کر دینا چاہیے خواہ وہ بے سمجھ ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر تک انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ انسان کو عقل اور قوت اس عمر میں جا کر حاصل ہوتی ہے۔

سونا چاندی زمین میں پیدا ہونے والی چیز ہے یا بعد میں دفن کیا گیا ہو۔ کنز ہی کہلاتا ہے۔ پھر جب وہ برباد ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ کا خاص حکم لگوتا ہے جسے خمس کہا جاتا ہے یعنی کل مال کے چار حصے خزانے کے مالک کے ہوں گے اور پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے گا۔

جیسا کہ اس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے یتیم بچوں کے خزانہ کی حفاظت کا بندوبست ان کے باپ کی نیچی کے صلہ میں کیا۔ یہی قانون ہمارے لیے بھی نافذ العمل ہے۔ اگر کوئی نیک آدمی ہو تو اس کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی

والدین کی
نیچی کا صلہ

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے اہل خاندان بلکہ ارد گرد کے رہنے والے لوگوں کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ ایک خارجی اور امام حسینؑ کی کسی موقع پر گفت و شنید ہو گئی۔ امام حسینؑ نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کیوں کی تو خارجی نے جواب دیا کہ اُن کے باپ کی نیکی کی وجہ سے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ اُن یتیموں کے والدین کی نسبت میرے والدین نیکی میں بڑھے ہوئے ہیں، پھر تم اُن کی مخالفت کیوں کرتے ہو اور ہمارا خیال کیوں نہیں رکھتے؟ اُس شخص سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگا۔ تم خاندان قریش کے لوگ بڑے جھگڑا لہو واقع ہوئے ہو۔

حضرت مامون
من اللہ
حق

فرمایا ان یتیم بچوں کے ساتھ حضرت علیہ السلام کی خیر خواہی رحمتہ
مِن رَّبِّكَ تیرے پروردگار کی مہربانی تھی۔ وَمَا فَعَلْتَهُ عَنْ
أَمْرِي اور خیر خواہی کا یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ بلکہ یہ تو میں
نے اللہ کے حکم سے کیا ہے کیونکہ اس کے حکم کا پابند ہوں۔ اسی طرح
کشتی کی شکستگی اور بچے کے قتل میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم کارفرما تھا کیونکہ
میں تو مامور من اللہ ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیہ السلام نے فرمایا ذَلِك
تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا یہ ہے حقیقت ان
امور کی جن پر صبر کرنے کی آپ طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ یہ تینوں کام
بظاہر خلاف واقع تھے مگر ان کی حقیقت کو اللہ ہی جانتا تھا اور اُسی کے
حکم سے میں نے یہ کام انجام دیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت علیہ السلام
کے علوم میں فرق تھا۔ صحیحین کی حدیث میں آتا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے
کہا يَا مُوسَى اِنِّي عَلِيَّ عَلِمَ مِنِّي عِلْمُ اللَّهِ عَلَّمِيهِ لَا
تَعْلَمُهُ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلِيَّ عَلِمَ مِنِّي عِلْمُ اللَّهِ
عَلَّمَاكَ اللَّهُ لَا اَعْلَمُهُ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک علم
دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے، اور اللہ نے آپ کو ایک علم دیا

ہے جسے میں نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسے جو چاہے دے دے
 دونوں انبیاء کے محکمے الگ الگ تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام
 کو شریعت کا علم عطا فرمایا تھا جب کہ خضر علیہ السلام کے پاس حکومت دنیا
 کا محکمہ تھا اور آپ اسی سلسلہ میں اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔

قال الم ۱۶

درس بست یک ۲۱

الکھف ۱۸

آیت ۸۳ ۸۸

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ
 مِنْهُ ذِكْرًا ۖ (۸۳) إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ
 مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۖ (۸۴) فَاتَّبَعَ سَبَبًا ۖ (۸۵) حَتَّىٰ إِذَا
 بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ
 حَمِئَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۖ قُلْنَا يَذَا الْقَرْنَيْنِ
 إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ۖ (۸۶)
 قَالَ إِمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ
 رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ۖ (۸۷) وَإِمَّا مَنْ أَمَنَّ وَعَمِلَ
 صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ
 أَمْرِنَا يُسْرًا ۖ (۸۸)

ترجمہ :- اور لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں
 آپ کہ دیجئے کہہ میں پڑھ کر سناتا ہوں تمہیں اُس کا کچھ
 ذکر (۸۳) بیشک ہم نے قدرت دی اُس کو زمین میں، اور
 دیا ہم نے اُس کو ہر ایک چیز سے سامان (۸۴) پس چلا وہ
 ایک راستے پر (۸۵) یہاں تک کہ جب وہ پہنچا سوچ
 غروب ہونے کی جگہ پر، تو پایا اُس کو کہ وہ غروب ہوا
 ہے ایک سیاہ ندی میں۔ اور پایا اس نے اُس کے پاس

ایک قوم کو۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین ! یا تم ان کو سزا دو اور یا ان میں نیکی پکڑو (۸۶) اُس نے کہا جس شخص نے ظلم کیا، پس عنقریب ہم اُس شخص کو سزا دیں گے۔ پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے پروردگار کی طرف۔ وہ اس کو سزا دیگا سخت سزا (۸۷) اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے اچھا عمل کیا، پس اُس کے لیے بدلہ ہے اچھا۔ اور ہم بھی کہیں گے اُس کے لیے اپنے معاملہ میں آسانی کی بات (۸۸)

تین واقعات
تین اصول

یہ بات گذشتہ سورۃ اور اس سورۃ کے مضامین کے سلسلہ میں بیان ہو چکی ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے ایمان پر حضور علیہ السلام سے تین سوال کیے تھے۔ پہلا سوال روح کے بارے میں تھا۔ جس کا مختصر جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ نبی اسرائیل میں دیا ہے۔ باقی دو سوالات اصحاب کھف اور ذوالقرنین کے متعلق تھے جن میں سے اصحاب کھف کی تفصیل اسی سورۃ کی ابتدا میں بیان ہو چکی ہے اور ذوالقرنین کے متعلق بعض اختلافات اب آ رہے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں مذکور تین واقعات میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تین بنیادی قوانین بیان فرمائے ہیں۔ اصحاب کھف کے واقعہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں استقلال کا قانون سمجھایا ہے۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے والے اصحاب کھف اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر ایماندار شخص کو اصحاب کھف کے واقعہ سے استقلال کی تعلیم حاصل کر کے ایمان کے سلسلے میں ہمیشہ مستقل مزاج رہنا چاہیئے۔ جس طرح اللہ نے اصحاب کھف کی حفاظت فرمائی اسی طرح وہ ہر استقلال اختیار کرنے والے شخص کی مدد فرمائے گا۔

دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا بیان ہوا ہے جس میں ہمارے لیے صبر کی تلقین ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ برداشت امور میں صبر کا دامن عقلمانے رکھے۔ مذکورہ واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کو بڑی پریشانی اٹھانا پڑی۔ انہوں نے ہر چند برداشت کرنے کی کوشش کی مگر وہ خضر علیہ السلام کی رفاقت کو قائم نہ رکھ سکے۔ خضر علیہ السلام نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میری صحبت میں عجیب و غریب واقعات دیکھ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ ان تین واقعات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام مزید معجزات حاصل نہ کر سکے اور دونوں حضرات میں جدائی واقع ہو گئی۔ گویا اس واقعہ میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہم صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑیں۔ اسی طرح ذوالقرنین کے واقعہ میں ہمیں شکر کی تلقین کی گئی ہے جس طرح ذوالقرنین نے خدا تعالیٰ کی طرف سے انعامات پا کر اس کا شکر ادا کیا، اسی طرح ہمیں بھی ہمیشہ شکر کا التزام کرنا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ** اے پیغمبر! لوگ آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کون تھا اور اس نے کیا کارگزاری انجام دی؟ ذوالقرنین کی شخصیت کے متعلق لوگوں کے نظریات مختلف ہیں۔ بعض نے کہا کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر لیونانی ہے جس نے تیس پینتیس برس کی عمر میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ تاریخ میں اس کا ذکر کثرت سے ملتا ہے اس کا وزیر ارسطاطالیس (ارسطو) تھا۔ یہ بہت بڑا حکیم تھا۔ منطق کا موجد تھا۔ اخلاق اور سیاسیات میں اس کی تصنیفات بڑی مشہور ہیں۔ ارسطو افلاطون کا شاگرد تھا۔ یہ سکندر ابن فیلقوس مسیح علیہ السلام سے تقریباً سو اٹھ سو سال پہلے گزرا ہے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ یہ ٹیکسلا اور پھر جہلم تک بھی آیا تھا۔ اس شخص پر ذوالقرنین کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ آدمی مشرک تھا۔

ذوالقرنین
کا تعارف

جب کہ جس ذوالقرنین کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے وہ مومن اور نیک آدمی تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا تھا۔ اس نے خانہ کعبہ کا طواف بھی کیا۔ یہ سب تفسیری روایات میں آتا ہے۔ قرآن وحدیث سے یہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ اس قیاس کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر یونانی نہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے قریب پیدا ہونے والا سکندر اول ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین سے مراد ایرانی سلطنت کا بانی کینخسرو ہے جسے سائرس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے قریب گزرا ہے۔ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے فارس اور میڈیا کی دو سلطنتوں کو یکجا کر دیا تھا مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کی پیش گوئی پہلے انبیاء کی کتابوں میں بھی موجود تھی۔ وہاں بھی اسے دو سینگوں والا ہی کہا گیا تھا۔ گویا یہ ایسا بادشاہ ہو گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ بعض مفسرین فریدون بادشاہ کا نام بھی لیتے ہیں جس کا ذکر فارسی تاریخ میں ملتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ذو کالقب عام طور پر یمین کی قوم تبع کے ساتھ لگتا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ اسی قوم کا کوئی بادشاہ ہو۔

ان تمام شواہد کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر یونانی نہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا سکندر اول ہے۔ بعض نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ نبی تھا مگر اکثر مفسرین نے اسے نبی کی بجائے نیک اور صالح انسان کہا ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہیں مجموعی طور پر ساری دنیا پر تسلط حاصل رہا ہے ان میں سے دو بادشاہ کافر اور دو ایماندار تھے۔ پہلا بادشاہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا فرود تھا اور دوسرا بخت نصر تھا جس نے یہودیوں پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ یہ دونوں کافر تھے۔ البتہ ایماندار بادشاہوں میں ایک سکندر

ذوالقرنین ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے اور دو سرے حضرت سلیمان علیہ السلام میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مثالی حکومت کے لیے اس طرح دُعا کی تھی :
 ”هَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي“
 (ص ۳۵) یا اللہ! مجھے ایسی حکومت عطا فرما، جو میرے بعد کسی دو سرے کے حصے میں نہ آئے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کو ایسی ہی سلطنت عطا فرمائی۔

قصرین کی
وجہ تسمیہ

قرنین کا لغوی معنی 'دوسیدنگ' ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس شخص نے فارس اور میڈیا کی دو سلطنتوں کو جوڑ کر ایک کر دیا تھا بعض فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ شخص دنیا کے دونوں مشرقی اور مغربی کناروں تک پہنچا، اس لیے ذوالقرنین کہلایا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرن ایک صدی یا سنگت کو کہتے ہیں۔ کسی قوم کی مجموعی عمر کو بھی قرن کہتے ہیں۔ ذوالقرنین نے لمبی عمر پائی جس کے دوران میں دو عہد یاں یاد و نسلیں گزری گئیں، اس لیے اسے ذوالقرنین کا لقب دیا گیا۔

ذوالقصرین
پر انعامات

ارشاد ہوتا ہے وَكَيْدُكُلُونَاكَ عَجَبُ ذِي الْقُرْنَيْنِ
 آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں۔ فَلَا اے پیغمبر! آپ
کہہ دیجئے سَاتَلُّوْا عَلٰی حَكَمِ مِّنْهُ ذِكْرًا میں تم کو اس کا کچھ
 حال پڑھ کر سنا ہوں۔ الَّذِي نَزَّلْنَا مَكْنًا لَّهِ فِي الْاَرْضِ
 ہم نے اُسے زمین میں ٹھکانا دیا، یعنی اُس کو خوب افتداعطا کیا وَاتَيْنَاهُ
مِنْ جَبَلٍ مَّشْيُ سَبِيًّا اور اُسے ہر قسم کا ساز و سامان بھی وافر
 دیا۔ سبب سے مراد رسی بھی ہوتی ہے اور وسیلہ یا تعلق بھی۔ اس سے راستہ
 بھی مراد لیا جاتا ہے، آگے راستہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کا
 اطلاق سامان پر بھی ہوتا ہے، اس میں علم بھی داخل ہے کیونکہ مفسرین کرام
 فرماتے ہیں کہ جس چیز کے ذریعے انسان اپنے مقصد تک پہنچتا ہے، وہ

سبب کہلاتا ہے اور اس میں روپیہ پیسہ، آلات اور علم بھی شامل ہے۔
 مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ تمام ضروریات فراہم کر دی
 تھیں جن کے ذریعے اتنی وسیع سلطنت کا انتظام و انصرام کیا جاسکتا
 تھا۔ بہر حال کُل شئی سے مراد کائنات کی ہر بڑی چھوٹی چیز مراد نہیں
 بلکہ وہ تمام اشیاء مراد ہیں جو اُس زمانے کی ضروریات مملکت کے لیے مطلوب تھیں
 جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے، ذوالقرنین نے اپنی زندگی میں تین طویل
 سفر کیے۔ یہاں پہلے مغربی سفر کا ذکر ہو رہا ہے۔ فَاتَّبَعَ سَبِيْلًا
 مَعْرُوبَةً اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ
 یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کی جگہ پر پہنچا وَجَدَهَا
 تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ تَرٰسَهُ اَيْکِ سِیَاحِ نَدٰی میں غروب
 ہوتا پایا۔ وہاں کا پانی اور مٹی سیاہ رنگ کی تھی۔ بعض نے اس سے بکرہ
 اسود مراد لیا ہے جس کی سرحد روس اور ترکی کے ساتھ ملتی ہے اس طرح
 معلوم ہوتا تھا کہ سورج سیاہ دلدل میں ڈوب رہا ہے ایک قرأت میں
 عَيْنٍ حَامِئَةٍ بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب گرم چشمہ ہے۔
 دراصل سورج تو کہیں غروب نہیں ہوتا بلکہ اپنی منزل پر چوبیس گھنٹے
 اور بارہ میلے رواں دواں رہتا ہے۔ اللہ نے سورج اور چاند کے متعلق
 فرمایا ہے کُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (ریوڈس - ۴۰)
 سب اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ زمین کا جو حصہ
 سورج کے سامنے آجاتا ہے، وہاں سورج طلوع ہوتا نظر آتا ہے اور جو
 حصہ زمین سورج کی دوسری طرف جا رہا ہوتا ہے، وہاں سورج غروب
 ہوتا نظر آتا ہے۔ انسان دنیائے کسی بھی خطے میں موجود ہو اُسے وہیں
 سورج طلوع اور غروب ہوتا نظر آئے گا اگر وہ کسی صحرائے ہے تو وہ
 سورج کو زمین میں غروب ہوتا پائے گا اور اگر وہ سمندر کے کنارے پر

مغربی
سفر

ہے یا سمندر میں سفر کر رہا ہے تو اُسے سورج پانی میں ڈوبتا نظر آئے گا۔ جب حاجی کراچی اور جدہ کے درمیان ہفتہ بھر کا بحری سفر اختیار کرتے ہیں تو وہ ہر روز سورج کو سمندر سے طلوع ہوتا اور اسی میں غروب ہوتا دیکھتے ہیں۔ بہر حال ذوالقرنین مغرب کی طرف چلتے چلتے ایسے مقام تک پہنچ گیا۔ جہاں کوئی ندی تھی یا بحر اسود تھا اس نے دیکھا کہ سورج پانی میں غروب ہو رہا ہے حاکم سے دلدل بھی مراد لی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں سیاہ رنگ کی دلدل ہو۔

جب ذوالقرنین اس مقام پر پہنچا وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا تو وہاں اس نے کچھ لوگوں کو پایا۔ یہ لوگ ایسا نڈار نہیں تھے بلکہ سرکش اور فسادی تھے۔ ان کی زبان اور معاشرت بھی مختلف تھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ وحشی قسم کے لوگ تھے جو چمڑے کا لباس پہنتے تھے اور عھدیے کی برائی میں مبتلا تھے۔ جب وہاں پہنچے تو اللہ نے فرمایا قُلْنَا يَا ذَا الْقُرْنَيْنِ ہم نے کہا، اے ذوالقرنین! إِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ بَيْنَ يَدَيْكَ ذِئْبًا یا تو تم ان کو سزا دو کہ إِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا اور یا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مفسد لوگوں کو ان کی بری کارگزاری کی سزا بھی دی جاسکتی ہے اور بعض اوقات اگر ان کے ساتھ حسن سلوک اختیار کیا جائے تو تب بھی وہ برائی سے باز آجاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اختیار دیدیا کہ ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو وَقَالَ ذَا الْقُرْنَيْنِ نے کہا إِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ بَيْنَ يَدَيْكَ ذِئْبًا یا تو ہم اس کو سزا دیں گے کفر، شرک، ظلم اور تعدی کرنے والوں کو سزا دی جاسکتی ہے۔ یہ اصول بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ تعدی کرنے والوں کو معاف نہ کیا جائے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اجتماعی نظام کے لیے ضروری ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور بد معاشرہ کی سرکوبی کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا۔

مفسد قوم سے سلوک

تو نظام سلطنت بگڑ جائے گا اور ملک میں بد امنی پیدا ہو جائیگی۔ البتہ اگر بری قانون میں اس اصول کی پابندی نہیں کی جاتی۔ وہاں تو مفاد کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس طرف ہے۔ بعض اوقات مفاد کی خاطر غنڈوں کو بھی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے بہر حال سکندر ذوالقمرین نے کہا کہ ہم ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دیں گے ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى رَبِّهِ پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹا جائیگا۔ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا مُّكْرًا پھر وہ اس کو سخت سزا دے گا جب آخرت میں خدا کی عدالت میں پیش ہوگا تو وہاں کا عذاب بھی چکھنا پڑیگا ذوالقمرین نے کہا کہ دنیا کے قانون کی خلاف ورزی پر تو ہم سزا دیں گے مگر حقیقی اور آخری سزا خدا تعالیٰ دے گا۔

ذوالقمرین نے یہ بھی کہا وَأَمَّا مَنْ جَاءَ مِنْ أَوْ جَوَّ شَخْصٍ إِيْمَانٍ لائے گا وَعَمِلَ صَالِحًا اور اچھے اعمال انجام دے گا۔ اچھے اعمال میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج عبادات اربعہ ہیں۔ اس کے علاوہ جہاد، قربانی، صدقہ، خیرات، سماحت، عدل وغیرہ سب نیک افعال ہیں۔ جن کو انجام دینے سے انسان نجات کا مستحق بنتا ہے۔ تاہم ان سب اعمال کا مدار ایمان پر ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں، ملائکہ، کتب کو برحق مانے۔ تقدیر اور معاد پر یقین کرے۔ ایسا شخص مومن ہوگا۔ اور اعمال صالحہ کی انجام دہی پر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر اجر کا مستحق ہوگا۔ فَرِيًّا فَكَهْ حَبْرًا اور الْحَسَنِي اس کے لیے اچھا بدلہ ہوگا۔ اس کا احترام کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی نیچی کو صنائع نہیں کرتا۔ وَسَنَقُولُ لَهُ مَنْ أَمْرًا اور ہم اپنے معاملہ میں اس کے لیے آسان بات کہیں گے۔ نیک اور ایماندار آدمی کے ساتھ حسن سلوک ہی روا ہے۔ ایسے شخص کے ساتھ بدسلوکی کرنا ظلم کے مترادف ہے۔

اہل ایمان
کے لیے
حسباً

چنانچہ سکندر ذوالقمر نے بھی یہی کہا کہ ایماندار اور نیک آدمی کے ساتھ ہم بھی
آسانی کریں گے اور سرکش کو ضرور سزا دیں گے۔

قال الم ۱۶

درس نسبت و دو ۲۲

الکہف ۱۸

آیت ۸۹ تا ۹۴

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ⑧۹ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
 وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ يَجْعَلْ لَهُم مِّنْ
 دُونِهَا سِتْرًا ⑨۰ كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا
 لَدَيْهِ خُبْرًا ⑨۱ ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ⑨۲ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ
 بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا
 يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ⑨۳ قَالُوا يَا الْقَرْنَيْنِ
 إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ
 نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ
 سَدًّا ⑨۴

ترجمہ:- پھر وہ چلا ایک راستے پر ⑧۹ یہاں تک کہ جب
 وہ پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پر، پایا اس نے سورج کو کہ
 طلوع کرتا ہے ایسے لوگوں پر کہ نہیں بنایا ہم نے اُن
 کے لیے اُس (سورج) کے ورے کوئی حجاب ⑨۰ اسی طرح
 تھا (یہ معاملہ) اور تحقیق ہم نے احاطہ کیا اُس چیز کا جو اس
 کے پاس تھی خبر ⑨۱ پھر وہ چلا ایک راستے پر ⑨۲ یہاں تک
 کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان پایا اُن دونوں
 کے ورے ایک قوم کو، نہیں قریب تھے کہ وہ سمجھتے ہا
 کو ⑨۳ انہوں نے کہا، اے ذوالقرنین! بیشک اقوام

یاجوج ماجوج فساد کرتے ہیں زمین میں - پس کیا ہم مقرر
کہ دیں آپ کے لیے کوئی خراج، اس پر کہ آپ بنا دیں
ہمارے درمیان اور اُن کے درمیان ایک رکاوٹ (۹۴)

ذوالقرنین
کا مشرقی سفر

ذوالقرنین کے تین سفروں میں سے مغربی سفر کا حال گذشتہ درس میں بیان ہو چکا
ہے۔ اب آج کے درس میں مشرقی اور شمالی سفر کا حال بیان ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
ثُمَّ اتَّبَعَ سَبِيلًا بِمَرْوَةٍ رَاسَتِ بِرُحْلٍ جَوْكَ مَشْرِقٍ كِي طَرَفٍ تَحَا تَفْسِيرُ رَوَايَاتِ
کے مطابق یہ سفر بارہ سال میں مکمل ہوا۔ واللہ اعلم کم و بیش عرصہ بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے ذوالقرنین کو خاص فضیلت بخشی تھی اور خصوصی قوت بھی عطا ہوئی، آپ سے بعض امور
معجزانہ طور پر بھی سرزد ہونے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ سفر کم تر عرصہ میں طے ہو گیا ہو،
اللہ نے اس کی توفیق اپنی قدرت اور حکمت کے مطابق بخشی تھی۔ بہر حال انہوں نے مشرق
کی طرف سفر اختیار کیا حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ بَيَّا تَمَكَّ كَجَبِّ دِه سَوَاحِ
نِکَلْنِ کِي جگہ پر پہنچا۔ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَى قَوْمٍ لَّمْ يَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ
دُونِهَا سِتْرًا و ہاں اس نے پایا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے کہ نہیں بنایا
ہم نے اُن کے اور سورج کے ورے کوئی حجاب۔ مطلب یہ ہے کہ وہ قوم بالکل بے حجاب
تھی۔ انہوں نے کوئی مکان نہیں بنا رکھے تھے اور نہ وہ کسی پہاڑ وغیرہ کی آڑ میں زندگی بسر
کرتے تھے۔ سورج کی تیش براہِ راست اُن لوگوں کے اجسام پر پڑتی تھی۔ ہو سکتا ہے
کہ مغربی لوگوں کی طرح یہ مشرقی لوگ بھی غیر متمدن ہوں۔ مغربی لوگوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ
نے ذوالقرنین کو اختیار دے دیا تھا کہ چاہے تو اُن کو سزا دے دے یا اُن کے ساتھ
رعایت برتے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مشرق کے رہنے والے بھی غیر متمدن ہوں اور
مکان وغیرہ بنانے کی وہ ضرورت ہی محسوس نہ کرتے ہوں یا مکانات کا وہاں رواج ہی
نہ ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ اس قوم کے لوگوں نے زیرِ زمین پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں جب

سورج کی دھوپ تیز ہوتی تو ان پناہ گاہوں میں چلے جاتے۔ بعض کہتے ہیں کہ شدت کی گہری کے دوران یہ لوگ پانی میں داخل ہو جاتے، جیسے بھینسین وغیرہ پانی میں چلی جاتی ہیں اور جب دھوپ کی شدت میں کمی واقع ہوتی تو پھر باہر نکل آتے، یہ سب غیر یقینی باتیں ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح بات اتنی ہی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ نے فرمایا كَذَلِكَ معاملہ ایسا ہی تھا وَقَدْ أَحْطَيْنَا بِمَا كَذَبُوكُمْ اور تحقیق ہم نے ذوالقرنین کے ساتھ پیش آنے والے تمام حالات کا احاطہ کر رکھا ہے، وہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان حالات و واقعات کی مزید تفصیل نہیں بتائی۔ مشرق اور مغرب میں ذوالقرنین جن مقامات تک پہنچا، اللہ نے تمام علاقوں پر آپ کو تسلط عطا کیا تھا۔ آپ کے لقب ذوالقرنین کی ایک وجہ تسمیہ یہ بھی ہے کہ آپ دنیا کے دونوں کناروں تک پہنچے۔ قرن کا معنی ایسٹنگ بھی ہوتا ہے اور کنارہ بھی۔

ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا پھر وہ ایک راستے پر چلا یعنی تیسرا سفر اختیار کیا۔ مفسرین اور مؤرخین اپنے انداز سے بتاتے ہیں کہ یہ سفر بجانب شمال تھا۔ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا وَحَدَّ مَرْجَ دُونَهُمَا قَوْمًا تو اس نے پہاڑوں کی اس طرف ایک قوم کو پایا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا وہ ذوالقرنین ان لوگوں کی بات سمجھتے تھے اور نہ وہ لوگ ذوالقرنین کی زبان سے واقف تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں ذوالقرنین اور اُس قوم کے درمیان مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات چیت کسی ترجمان کی وساطت سے ہوئی ہوگی مختلف زبانیں جاننے والوں کے درمیان ترجمانی کا طریقہ قدیم زمانے سے رائج ہے اسکی مثال

ذوالقرنین
کا شمالی سفر

ترجمان کی
ضرورت

حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ملتی ہے۔ آپ نے دعوتِ اسلام کے جو خطوط
 مکہ میں مختلف سلاطین کو بھیجے تھے ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی
 تھا جو حضور کے صحابی حضرت وحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کے ہاتھ پہنچا گیا۔ حضور
 علیہ السلام نے وحیہ کلبیؓ کو رخصت کرتے وقت ہدایت کی تھی کہ یہ خط براہِ راست
 قیصر کے پاس نہ لے جانا بلکہ اسے گورنر بصرہ کو پیش کر کے کہنا کہ ہمارا یہ خط
 قیصر روم تک پہنچا دو۔ وحیہؓ نے ایسا ہی کیا۔ گورنر نے وہ خط آگے قیصر کو
 پہنچایا۔ اس دوران قیصر اپنی نذر پوری کرنے کی خاطر عبادت کے لیے پاسا دہ
 بیت المقدس گیا ہوا تھا واپسی پر اسے خط پیش کیا گیا اور خط پڑھنے کے
 لیے ترجمان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پیشتر اس کے کہ قیصر اس خط کے
 مندرجات سے آگاہی حاصل کرے اس نے حکم دیا کہ اس کے علاقے میں اگر
 کوئی عرب شخص موجود ہو تو اسے بھی پیش کیا جائے تاکہ وہ اس سے خط
 بھیجنے والے کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر سکے۔ بادشاہ کے کارندے
 فوراً قریبی شہروں میں روانہ ہو گئے تاکہ کسی عرب باشندے کو تلاش کر سکیں
 اس وقت ابوسفیانؓ جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، ایک تجارتی
 قافلے کے ساتھ موجود تھے۔ شاہ کے کارندے ان کو ساتھ لگے اور بادشاہ
 کے دربار میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے ابوسفیان کی عزت افزائی کی۔ ان کو
 آگے بٹھایا اور ان کے ساتھیوں کو نیچے جگہ دی۔ پھر ترجمان کو بلا یا گیا۔ جو عربی
 اور رومی زبانوں سے واقف تھا اور ساری گفتگو اس کے ذریعے ہوئی۔ قیصر روم
 نے ان اجنبیوں سے پوچھا کہ تم میں مدعی نبوت کے ساتھ قریبی تعلق رکھنے
 والا کوئی آدمی بھی ہے۔ تو ابوسفیانؓ نے کہا کہ ہاں میں انہی کے خاندان سے
 تعلق رکھتا ہوں، ہمارے پردادا ایک ہی تھے، نیز ابوسفیان کی بیٹی بھی حضور
 علیہ السلام کے نکاح میں تھی، لہذا قریبت کا یہ بھی ایک ذریعہ تھا۔ بہر حال یہ ساری
 گفتگو ترجمان کے ذریعے ہوئی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین اور اس شمالی

قوم کے درمیان گفتگو بھی کسی ترجمان کے ذریعے ہی ہوتی ہوگی۔ کیونکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔

ذوالقرنین ارشاد ہوتا ہے قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّا لَوُكُورٌ نَّكَالٌ اور قوم ذوالقرنین! اِنَّا لَوُكُورٌ نَّكَالٌ يٰجُوجَ وَمَاجُوجَ مَفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بیشک اقوام یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرنے والے ہیں دراصل یاجوج ماجوج دو پہاڑوں کے درمیان سے اس طرف آباد تھے اور یہ قوم ادھر بھی رہا جوج ماجوج کے سے گزر کر اس قوم کی طرف آجاتے تھے اور یہاں آکر قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتے۔ فصلیں تباہ کر دیتے اور جو کچھ ہاتھ آتا ہے کر اپنے علاقے میں چلے جاتے۔ یہ قوم کمزور تھی اور یاجوج ماجوج کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھی لہذا یہ ان سے بڑے تنگ تھے۔ انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے ذوالقرنین کے سامنے اس طرح درخواست پیش کی۔ کہنے لگے اے ذوالقرنین! یہ فسادی لوگ ہیں فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰى كَيْفِمْ اَب کے لیے کوئی خرچ یا ٹیکس مقرر کر دیں جو آپ کو باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں اس کام کے عوض اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا کہ تو ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان اس پہاڑی درے میں رکاوٹ کھڑی کر دے تاکہ یہ لوگ ہماری طرف آکر ہمیں تنگ نہ کریں۔ ذوالقرنین نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور دو پہاڑوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جس کا ذکر اگلے درس میں آئے گا، انشاء اللہ۔

اقوام یاجوج و ماجوج قرآن پاک میں یاجوج و ماجوج کا ذکر دو مقامات پر آیا ہے پہلا مقام تو یہی سورۃ الکہف ہے اور دوسرے مقام سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی نشانی کے طور پر یاجوج ماجوج اقوام کا ذکر کیا ہے مفسرین اور مؤرخین نے ان اقوام کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر صحیح

بات یہی ہے جو یا قرآن پاک میں آگئی ہے یا حضور علیہ السلام کے ارشاد میں ملتی ہے۔ باقی باتیں یا تو بالکل ڈھکوسلے ہیں یا پھر غیر یقینی ہیں۔ تاہم اتنا یقینی ہے کہ یا جوج و ماجوج کا تعلق نسلِ انسانی سے ہے۔ کعب احبار کی روایت کے مطابق ان اقوام کا سلسلہ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے مگر ان کا تعلق حضرت حوا سے قائم نہیں ہوتا۔ زیادہ صحیح اور رائج بات یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یا فتی کی اولاد سے ہیں اور اس طرح ان کا سلسلہ نسب آدم اور حوا دونوں تک پہنچتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت سے پہلے ساری دنیا پر یا جوج و ماجوج کا غلبہ ہوگا، یہ لوگ بڑی تباہی مچائیں گے۔ حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق کسی وبائی مرض (طاعون وغیرہ میں) مبتلا ہو کر ایک دم ہی ہلاک بھی ہو جائیں گے، کتاب الایمان میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ عام النازل اور اقوام یا جوج و ماجوج کی آبادی کا تناسب ایک اور نو سو ننانوے کا ہے یہ تمام لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جہنمی ہوں گے۔

اس آیت میں مذکور دو پہاڑوں اور ان کے درمیان درے کے مقام وقوع کے متعلق بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بحرِ اخضر کے قریب یہ وہ جگہ ہے جو باب الابواب یا در بند کے نام سے مشہور ہے اس زمانے میں بند کی تعمیر بعض دوسرے بادشاہوں سے بھی ثابت ہے جیسے چینوں نے پندرہ سو میل لمبی مشہور دیوار چین تعمیر کر لی تھی۔ بہر حال یا جوج و ماجوج اور ان پہاڑوں کے محل وقوع کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اقوام اس وقت نظروں سے اوجھل ہیں اور ان کا ظہور قیامت کے قریب ہی زمانے میں ہوگا۔ اس زمانے میں لوگ کہتے ہیں کہ آج کے سائنسی دور میں دنیا کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہیں رہا مگر یا جوج و ماجوج کہیں نظر نہیں آئے، تو یہ کوئی حتمی بات نہیں ہے

اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مخفی رکھنا چاہے تو وہ قادرِ مطلق ہے، ایسا کر سکتا ہے
 تفسیری روایات کے مطابق یا جوج یا جوج چار ہزار اقوام پر مشتمل ہیں۔ ان میں
 سے ہر مرنے والا شخص اپنے پیچھے کم از کم ایک ہزار قابل جنگ آدمی چھوڑ جاتا
 ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان اقوام کی تعداد کس قدر کثرت
 میں ہے۔ اب اگلی آیات میں ذوالقرنین کے بند باندھنے کا ذکر آ رہا ہے

قال الم ۱۶

الکھت ۱۸

درس ببت مرہ ۲۳

آیت ۹۵ تا ۱۰۱

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ
 بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ (۹۵) أَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۙ حَتَّىٰ
 إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۙ حَتَّىٰ إِذَا
 جَعَلَهُ نَارًا ۙ قَالَ أَتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۙ (۹۶) فَمَا
 اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۙ (۹۷)
 قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ۚ فَاذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي
 جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۙ (۹۸) وَتَرَكْنَا
 بَعْضَهُم يَوْمَئِذٍ لِّمَوْجٍ فَفِي بَعْضٍ وَنُفِخَ
 فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۙ (۹۹) وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ
 يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۙ (۱۰۰) الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ
 فِي غَظَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ
 سَمْعًا ۙ (۱۰۱)

۱۰۱

ترجمہ :- کہا (ذوالقرنین نے) جو اللہ نے مجھے قدرت دی
 ہے وہ بہتر ہے، پس تم تعاون کرو میرے ساتھ جہانی
 محنت کے ساتھ تاکہ میں بنادوں تمہارے درمیان اور
 اُن (مفسد یا جوج و ماجوج) کے درمیان ایک دیوار (۹۵)
 لاؤ دو مجھے لوہے کے تختے، یہاں تک کہ جب

برابر کہ دیا دوپھاڑوں کے درمیان بالائی حصے تک، تو کہیں
اُس نے پھونکو اس کو، یہاں تک کہ جب کہ دیا اُس
کو آگ (کی طرح) تو کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈال دوں
میں اس پر پگھلا ہوا تانبا (۹۶) پس نہ طاقت رکھی انہوں
نے کہ چڑھ جائیں اُس پر اور نہ طاقت رکھی انہوں نے
اس میں سوراخ کرنے کی (۹۷) کہا اُس نے کہ یہ مہربانی
ہے میرے رب کی۔ پس جب آئے گا میرے رب کا
وعدہ، کہ دے گا اس کو گڑا کہ ٹکڑے ٹکڑے۔ اور میرے
رب کا وعدہ برحق ہے (۹۸) اور ہم چھوڑیں گے بعض
کو اس دن کہ وہ ایک دوسرے میں گھسے ہوئے
ہوں گے۔ اور پھونکا جائے گا صور میں۔ پس ہم جمع کریں
گے ان سب کو (۹۹) اور ہم پیش کریں گے جہنم اُس
دن کافروں کے لیے پیش کرنا (۱۰۰) وہ کہ جن کی آنکھوں میں
پرے تھے میری یاد سے اور وہ نہیں سن سکتے تھے
(ہماری آیات) (۱۰۱)

بند باندھنے
کی پیش کش

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب سکندر ذوالقنین انتہائی شمال میں
ایک قوم کے پاس پہنچے تو اُن لوگوں نے شکایت کی کہ اس پہاڑی دے سے اُس
طرف یا جوج مہاجوج کی اقوام ہیں جو اس درے سے گزر کر ہمیں تنگ کرتے ہیں،
لہذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے اور اُن کے درمیان اس درے میں
دیوار کھڑی کر دیں تاکہ وہ ادھر نہ آسکیں۔ انہوں نے اس کام کے لیے معاوضے کی
پیش کش بھی کی۔ اب آج کی آیات میں ذوالقنین کا جواب آ رہا ہے قَالَ مَا مَكْنِيَ
فِيهِ رَبِّي حَتَّىٰ كُنْتُ لَكَ عِطًا کہ میرے لیے اللہ کی عطا کردہ قدرت بہتر ہے یعنی خدا تعالیٰ

نے مجھے حکومت دی ہے، مال و اسباب عطا فرمائے ہیں، لہذا مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ تم صرف یہ کرو فَاعِيْدُوْنِيْ بِقُوَّةٍ تم جسمانی مشقت میں میرے ساتھ تعاون کرو۔ مجھے افرادی قوت کی ضرورت ہے جو مطلوبہ خام مال مہیا کرے۔ باقی سارا خرچہ میری حکومت برداشت کرے گی۔ اور اگر تم افرادی قوت مہیا کر دو وَاَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک بند باندھ دوں گا جس کو وہ مفسد قوم عبور نہیں کر سکے گی اور اس طرح تم ان کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اس سے مفسرین کرام یہ بات بھی اخذ کرتے ہیں کہ کسی اچھی حکومت کے مناسب حال نہیں کہ وہ لوگوں سے بلا وجہ ٹیکس وصول کر کے اپنی عیاشی کے کاموں میں خرچ کرے، بلکہ اچھی حکومت وہ ہے جو سکندر ذوالقمرین کی طرح لوگوں کی بے لوث خدمت کرے۔

ذوالقمرین نے ان لوگوں سے کہا کہ مطلوبہ بند کی تعمیر کے لیے اَتُوْنِيْ بِبَنِيٍّ زین الحسد یاد لاؤ میرے پاس لوہے کے تختے، لوہا وہاں کسی جگہ پر موجود ہو گا جس کو لانے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ لوہا اس پہاڑی درے میں بھرا شروع کیا گیا حتیٰ اِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ یہاں تک کہ جب وہ انتہائی کناروں تک برابر ہو گیا مطلب یہ کہ لوگ لوہے کے تختے لالا کر دو پہاڑوں کے درمیان درے کو پُر کرتے رہے۔ اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ لوہے کے تختے انتہائی بلندی تک کس طرح جوڑے گئے۔ کیا ان کے پاس کوئی خاص آلات تھے، ہو سکتا ہے کہ سکندر ذوالقمرین نے کمر امت کے طور پر خود اپنے ہاتھوں سے جوڑ دیے ہوں۔ بہر حال حاصل وسائل کے ذریعے پورے درے کو تختوں سے پُر کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ایندھن کا انتظام بھی کیا گیا۔ لوہے کے گرم کرنے کے لیے لکڑی، تیل، کوئلہ یا گندھاک وغیرہ جو کچھ بھی مہیا تھا، وہ بھی تختوں کے درمیان رکھ دیا گیا

اور آگ تپانے کے لیے اُن کے درمیان پھونکنیاں بھی لگائیں۔ جب یہ سارا سامان تیار ہو گیا قَالَ انْفُخُوا تو ذوالقرنین نے کہا کہ آگ جلا کر ان کو پھونکو تاکہ آگ بھڑک اٹھے اور لوہا پگھل کر یکجان ہو جائے۔ آج کل تو لوہے کو پگھلانے کے لیے فرنیں (پھٹیاں) کام کر رہی ہیں مگر اُس زمانے میں ذوالقرنین نے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا اور ایک کھلی جگہ میں لوہے کو اتنی آگ دی کہ اُس کے تمام تختے پگھل کر یکجان ہو گئے۔

فرمایا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا بیان تک کہ جب اُس لوہے کو بالکل آگ کی طرح کر دیا۔ قَالَ ذَوَالْقَرْنَيْنِ نے کہا أَتَوْنِي اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا میرے پاس تانبہ لاؤ تاکہ میں اس لوہے پر ڈال دوں۔ ظاہر ہے کہ تانبہ لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے اور اسے پگھلانے کے لیے درجہ حرارت بھی زیادہ درکار ہوتا ہے۔ چنانچہ جب لوہا گرم ہو کر پگھل گیا تو پھر اُس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا جس سے لوہے کی وہ دیوار مزید مضبوط ہو گئی اور اُس میں شکاف پڑنے کا اندیشہ تک نہ رہا۔ جب یہ درہ لوہے کی مضبوط دیوار سے بند ہو گیا تو پھر شرپند قوم یا جوج ماجوج کے دوسری طرف جانے کا امکان ختم ہو گیا۔ کیونکہ اس درے کے اطراف میں بڑے دشوار گزار پہاڑ تھے جنہیں عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سکندر ذوالقرنین نے یہ بہت بڑا کام انجام دے کر درے سے اس طرف پہنچنے والے لوگوں کو مفسدین کے شر سے محفوظ کر دیا۔ اللَّهُ كَافِرَانِ هَـ۔ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَّظْهَرُوهُ اب اُس مفسد قوم کے بس میں نہیں رہا تھا کہ وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ سکتے وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا اور نہ وہ طاقت رکھتے تھے کہ اُس مضبوط بند میں شکاف ڈال سکتے۔

یہ عظیم کام سرانجام دینے کے باوجود سکندر ذوالقرنین نے اُسے اپنا کمال نہیں جتلا بلکہ قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي کہا یہ تو

میرے پروردگار کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ میں نے یہ کام اس کی توفیق سے پورا کیا ہے۔ اب یہ بند نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہے فَاِذَا جَاؤْا وَعْدَ رَبِّحْ جَعَلَهُ دُكَّاءً مگر جب پروردگار کا وعدہ آجائے گا تو وہ اس کی تمام تر مضبوطی کے باوجود اس کو توڑ دے گا۔ بند میں شکاف پڑ جائیں گے اور یا جوج ماجوج کی قوم اپنے علاقے سے نکل کر پھیل جائیگی۔ وَعْدَ رَبِّحْ حَقًّا اور میرے پروردگار کا وعدہ بالکل برحق ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا اقوام یا جوج و ماجوج کے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام کار حجان یہ ہے کہ اسلام کے ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یا جوج ماجوج کا اظہار تارلیوں کی شکل میں ہوا یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا جس نے پورے ایشیا میں پھیل کر بڑی تباہی مچائی دمشق، عراق اور خراسان وغیرہ میں تقریباً ایک کروڑ آدمیوں کو ذبح کر ڈالا اور مارکی اور اس طرح جانی اور مالی نقصان کا باعث ہوا۔ مولانا ابوالرشاد صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ یا جوج ماجوج سے روسی یا برطانوی اقوام مراد ہو سکتی ہیں۔ بعض نے منگول اور ترکوں کو یا جوج ماجوج قرار دیا ہے، مگر یہ سب احتمالات ہیں۔ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صحیح روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا جوج و ماجوج انسان ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے مگر حوا ایک نہیں پہنچتا۔ بائبل کی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ تو لعنتی ہو گیا۔ اب تو اس زمین پر رہنے کے قابل نہیں رہا، چنانچہ وہ اس مستعد زمین سے نکل کر کہیں دوسری جگہ چلا گیا تھا۔ اس کی بیوی اور اولاد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسکی اولاد کے اوصاف کا ذکر بعض انبیاء کے صحیفوں میں بھی کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اقوام یا جوج و ماجوج اسی نسل سے ہوں مگر یہ بھی کوئی معتبر بات نہیں ہے۔

یا جوج و
ما جوج کی
تلاش

بہر حال احادیث سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ روسی، برطانوی، ترک کی ہنگول
اقوام پر منطبق نہیں ہوتیں اگرچہ ان اقوام نے بھی دنیا میں بڑا شر و فساد پھیلا یا ہے
مگر یا جوج و ماجوج کوئی اور ہی مخلوق ہے جو اس وقت کسی خطہ میں بند ہے
اور اس کا ظہور قریب قیامت میں ہوگا۔

اکثر لوگ سوال کہتے ہیں کہ اگر یا جوج و ماجوج نامی واقعی کوئی اقوام ہیں
تو پھر وہ کہاں ہیں؟ اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی بات زیادہ
افوق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں بعض باتیں قرآن پاک سے ظاہر
ہوتی ہیں اور بعض احادیث سے۔ مثلاً قرآن پاک سے ثابت ہے کہ ذوالقرنین
اللہ کا مقبول بندہ تھا۔ وہ جبل القدر بادشاہ تھا۔ سکندری ایک آہنی دیوار
تھی۔ دو پہاڑوں کے درمیانی درہ میں انتہائی بلندی تک بند باندھا گیا۔ اُس درے
سے دوسری طرف اقوام یا جوج و ماجوج کا مسکن تھا۔ اس کے علاوہ حضور
علیہ السلام کے فرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اُس بند
میں حضورؐ اس سوراخ ہو گیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ
بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام غینہ سے بیدار ہوئے تو آپ کی زبان پر یہ
الفاظ تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَبِاللَّعَابِ مِنْ شَرِّ قَدِ افْتَدَبَ
یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عربوں کے واسطے ہلاکت ہے کہ ایک
شران کے قریب آچکا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا فَتَحَ مِنْ دُمُرٍ
يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ یعنی یا جوج و ماجوج کے بند کو حضورؐ اس کا کھول دیا گیا ہے
آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے دس کا اور ایک روایت کے مطابق نوے
کا سوراخ بھی بنا کر دکھایا کہ اس دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے۔ ام المؤمنین
نے عرض کیا حضور! اَنْهَلَكُ وَفِيْنَا صَالِحُونَ کیا ہم ہلاک کر دیے
جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا
کہ لوگ اُس وقت ہلاک کر دیے جائیں گے اِذَا كَثُرَ الْحَبَثُ جب

نجات اور فتنہ و فساد بڑھ جائے گا چاہے ان میں نیک آدمی بھی موجود ہوں
ترمذی شریف کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس بند کو
دن بھر توڑتے رہتے ہیں مگر جب رات ہوتی ہے تو وہ بند یا دیوار پھر فیے
کی ویسے مکمل ہو جاتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر جب ان
اقوام کے خروج کا وقت آئیگا تو اس وقت ان کی زبان سے نکلے گا کہ ہم
انشاء اللہ کل اس دیوار کو توڑ دیں گے اور پھر اگلے دن دیوار میں شکاف
پڑ جائے گا۔ اور یاجوج و ماجوج وہاں سے نکل کھڑے ہوں گے یہ درجہ
دوئم کی روایت ہے۔

یاجوج و
ماجوج کا خروج
اور ہلاکت

بہر حال اقوام یاجوج و ماجوج کا خروج قرب قیامت میں حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے
فرمائیں گے اِنَّا اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّكَ مِنْ لَدُنِّي نَبَدُوں کو نکال
دیا ہے، اب کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس دوران میں یاجوج و ماجوج
ساری دنیا پر پھیل جائیں گے۔ بڑا اثر و فساد مچائیں گے۔ سورۃ انبیاء میں موجود
ہے ”حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ يَاجُوجُ وَمَاجُوجُ وَهُمْ مَرْمَرٌ
كُلٌّ حَدِثٌ يَنْسِلُوْنَ“ (آیت - ۹۶) یاجوج و ماجوج اقوام ہر
اونچے پہاڑ اور ٹیلے سے اچھلتے کودتے چلے آئیں گے اور ساری متحدہ دنیا میں
پھیل جائیں گے۔

یاجوج و ماجوج کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بیت
المقدس کے قریب ایک پہاڑ پر آکر کہیں گے قَتَلْنَا مَنَ فِي
الْاَرْضِ ہم نے زمین پر سب کو قتل کر دیا ہے۔ آؤ اب آسمان والوں کو
بھی ختم کر دیں۔ پھر وہ بعض آلات کے ذریعے آسمان کی طرف تیر چھینکیں
گے جو خون آلود حالت میں واپس آئیں گے۔ پھر یہ لوگ نعرہ ماریں گے۔
کہ دیکھو ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کر دیا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کو حکم

ہوگا کہ آپ میرے کچھ خاص بندوں کو لے کر وہ طور پر چلے جائیں اور دعائیں
مصرف ہو جائیں۔ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے۔ اس دوران میں یا جوج
ما جوج ساری دنیا میں پھیل چکے ہوں گے اور بڑا شر و فساد برپا کریں گے۔ پھر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں طاعون کی قسم کی وبا پڑے گی۔ مرض
پیدا ہوگی جس سے یہ سارے یا جوج و ما جوج ہلاک ہو جائیں گے۔ اُن کی لاشیں
جگہ جگہ بکھری پڑی ہوں گی۔ اُن سے تعفن پیدا ہونے کا خطرہ ہوگا۔ اللہ کے حکم
سے بڑے بڑے پندے آئیں گے اور وہ لاشوں کو اٹھا کر کہیں لے جائیں
گے۔ پھر خوب بارش ہوئے گی جس سے تمام روئے زمین دھل جائے گی
اور زمین ایک چٹیل میدان اور آئینے کی طرح صاف ہو جائے گی۔ حدیث شریف
میں یہ بھی آتا ہے کہ یا جوج و ما جوج کے بعد لوگ حج اور عمرہ بھی ادا کریں گے۔
احادیث سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض احادیث پہلے دیے
کی ہیں اور بعض دوسرے دیے کی ہیں۔

مرتب آخر

در اصل یا جو حیرت اور ما جو حیرت انکارِ خدا اور ظلم و تعدی کا نام ہے۔ تاہم
جن یا جوج و ما جوج اقوام کا ذکر کیا ہے اور ہا ہے اُن کی اکثریت کفر و شرک
میں مبتلا ہوگی۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر انہیں سے کچھ ایمان بھی لائیں گے
تو شر و فساد میں بھی مبتلا ہوں گے۔ اقوام یا جوج و ما جوج اور سید سکندری کے
محل وقوع کے متعلق لوگوں نے بہت سے سوال کیے ہیں اور ان کے جواب
بھی دیے گئے ہیں، تاہم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی بات توجہ طلب
ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں پیدا ہونے والے مختلف سوالات اور اُن
کے جوابات کے باوجود اس کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ یہ قوم عام جنوں اور ان لوگوں کے درمیان ایک بزرخی مخلوق ہو۔ صاحب تفسیر
روح المعانی علامہ آلوسیؒ بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ یہیں تو ان اقوام اور سید سکندری
کا محل وقوع معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور اُن کے درمیان بڑے

بڑے سمندر حائل ہوں۔ لوگوں کا یہ دعویٰ کہ ہم ساری خشتی اور تری پر محیط ہو چکے ہیں، درست نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض مقامات اور اشیاء اب بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج سے پانچ سو سال پہلے تک ہمیں چوتھے براعظم کا علم نہیں تھا۔ ساری متمدن دنیا امریکہ سے ناواقف تھی۔ جس طرح پورا براعظم دنیا کی نظروں سے اوجھل رہا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یا جوج و ماجوج اور سد سکندری اب تک دنیا کی نظروں سے غائب ہو۔ دنیا کے عجائبات میں سے آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع دیوارِ عظیم بھی ہے۔ ایک ہزار میل سے زیادہ لمبی، ایک ہزار فٹ اونچی اور بعض مقامات پر بارہ بارہ میل چوڑی اس دیوار پر برطانوی سائنسدانوں کی ایک ٹیم تحقیقات کر رہی ہے۔ ان کی ایک سال کی رپورٹ سے سمندر کے عجیب و غریب انرار منکشف ہوئے ہیں، لہذا یہ کیسے دھوئے کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ دنیا کے لوگ دنیا کی ہر خشتی اور تری سے مکمل طور پر واقف ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنی طرف سے کسی چیز کا تعین کرنا جس میں تمام علامتیں نہ پائی جائیں، درست نہیں ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَتَرَكُنَا بَعْضَهُمْ كَيَوْمَ يَذِلُّ الْمَوْجُ
فِ بَعْضٍ اور ہم چھوڑ دیں گے بعض کو اُس دن کہ وہ ایک دوسرے
 میں گھس رہے ہوں گے۔ بعض نے اس کو بھی یا جوج و ماجوج پر محمول کیا ہے
 حالانکہ ان کے متعلق سورۃ انبیاء میں آچکا ہے کہ وہ ہر اونچے پہاڑ اور ٹیلے
 سے اچھلتے کودتے آئیں گے۔ چنانچہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام پر آیت
 کا مصداق وقوع قیامت ہے۔ جب پہلا بگل بجے گا تو دنیا کی ہر چیز فنا
 ہو جائے گی وَنَفِخَ فِي الصُّورِ پھر جب دوبارہ صور بھونکا جائے گا
فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا تو ہم سب کو جمع کر لیں گے مخلوق زندہ ہو کر
 حساب کتاب کے لیے میدانِ محشر میں جمع ہو جائے گی۔ اُس وقت

وقوع
قیامت

بڑا خلفشار ہوگا اور لوگ ایک دوسرے میں گھسٹتے چلے جائیں گے۔ ان کو مثال پروانوں کی ہوگی جن کی نہ کوئی مقررہ رفتار ہوتی ہے اور نہ کوئی سمت متعین ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام عرب اشراف و فقیہ کے عالم میں بھاگیں گے۔ اور ایک دوسرے میں گھسیں گے۔

پھر یہ ہوگا: وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ
عَرَضْنَا الشَّرَّ نَظَرًا بَرًّا لِّمَن يَرَىٰ ۚ
وہ کافر الذہین کانت اعدائهم
ذکر کی جن کی حواہیں یہ یاد سے پرے تھے۔ انہوں نے دنیا میں کبھی مجھے یاد نہیں کیا تھا۔ اس طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی تھیں یہ لوگ حساب کتاب کے بعد یقیناً جہنم میں جائیں گے۔ ان کی دنیا میں یہ حالت بھی تھی وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا اُن کو اچھی بات سننے کی توفیق بھی نہیں ملتی تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ عفت میں پڑے رہے پیغمبر کی تعلیم کو انہوں نے اپنے کانوں میں کوئی جگہ نہ دی، لہذا اب جہنم کا شمار ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ آنکھوں پر پردے پڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انسان آج تک باجوج و مابوج کی اقسام کو نہیں دیکھ سکے کہ وہ کہاں ہیں۔ جب اللہ کا حکم ہوگا تو وہ ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی چیز کو انسان پر ایک مدت تک مخفی رکھے۔ اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا اور اصحاب کہف کو تین سو نو سال تک غار میں سلائے رکھا اور اس عرصہ میں کسی انسان کی نظر ان پر نہیں پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا تذکرہ بھی فرمادیا ہے۔ یا جوج و ماجوج کے خروج اور پھر ان کی ہلاکت کے بعد مسیح علیہ السلام مزید کچھ عرصہ دنیا میں رہیں گے اور پھر وفات پا جائیں گے۔ نیک لوگ بھی کچھ مدت

یہک دنیا میں موجود رہیں گے۔ پھر نہایت نرم ہوا چلے گی جو ہر نیک آدمی تک پہنچے گی اس سے نیچے کار لوگ مرتے چلے جائیں گے اور پھر نئے زمین پر بدترین قسم کے لوگ ہی رہ جائیں گے۔ یہ گدھوں سے زیادہ بے شرم و بے حیا ہوں گے۔ لکھی کہ چوں میں بدکاری کریں گے۔ اس وقت قیامت کا بجل بجے گا اور وہ برپا ہو جائے گی۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ
 دُونِي أَوْلِيَاءُ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ①
 قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ② الَّذِينَ
 ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ
 أَنَّهُمْ مُجْسِبُونَ صُنْعًا ③ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا
 نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا ④ ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ
 جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي
 هُزُؤًا ⑤ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ⑥ خَالِدِينَ
 فِيهَا لَا يَبْغَوْنَ عَنْهَا حَوْلًا ⑦

ترجمہ:- کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ

وہ ٹھہرائیں گے میرے بندوں کو میرے سوا اپنا کارساز۔

بیشک ہم نے کیا ہے جہنم کافروں کے لیے معافی ①

(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کیا ہیں تمہیں بتلاؤں وہ لوگ

جو سب سے زیادہ خسارے میں ہیں اعمال کے لحاظ سے ②

یہ وہ لوگ ہیں جن کی ضائع ہو گئی کوشش دنیا کی زندگی

ہیں ، اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھی کارگزاری کر رہے ہیں (۱۰۳) یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ پس ضائع ہو گئے اُن کے اعمال ، پس نہیں ہم قائم کریں گے ان کے لیے قیامت والے دن وزن (۱۰۵) یہ بدلہ ہے اُن کا جہنم اسوجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور بنایا انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا کیا ہوا (۱۰۶) بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے ، ہوگی اُن کے لیے جنت الفردوس معافی (۱۰۷) ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُس میں ۔ نہیں تلاش کریں گے اس سے تبدیلی (۱۰۸)

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء کا ذکر فرما کر اُن کے ایک مشترکہ نظریہ کو بیان کیا ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار تھے اور انہوں نے اپنی ہر کارگزاری کو رحمتِ خداوندی پر محمول کیا۔ اس سورۃ میں پہلا واقعہ اصحابِ کعبہ کا بیان ہوا ہے۔ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے اور اس کے دوست تھے جنہوں نے عقیدہ توحید پر قائم رہنے کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر غار میں پناہ لی۔ انہوں نے اپنی قوم سے علیحدہ ہوتے وقت یہی کہا تھا کہ ہمارا تعلق صرف اللہ وحدہ لا شریک کے ساتھ ہے يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ وہ تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلانے لگا۔ اور تمہارے معاملہ میں تمہارے لیے آسانی پیدا کر دیگا۔

آگے اسی سورۃ میں اللہ نے مومن اور کافر بھائی کا ذکر کیا ہے۔ کافر مالدار اور دو باغوں کا مالک تھا جب کہ مومن آدمی نادار تھا۔ پھر ایک دن باغ والے نے دیکھا کہ اُس کی ہر چیز تباہ ہو چکی ہے تو مومن بھائی نے اُس سے کہا کہ تو نے اپنے خالق کے ساتھ کفر کیا اور اس کی عطا کردہ نعمت کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اُسے اپنی عقل اور محنت کا

ثمرہ سمجھا، اسے اللہ کی رحمت پر محمول نہ کیا۔ تجھے چاہیے تھا کہ جب باغ میں داخل ہوتے تو یوں کہتے "مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" میں اگرچہ تم سے مال میں کم ہوں مگر مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ مجھے بہتر بدلہ دیگا اس کے بعد اللہ نے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے ان دونوں ساتھیوں کے سامنے جن میں تین واقعات کا ظہور ہوا انکی حقیقت موسیٰ علیہ السلام پر واضح نہیں تھی، لہذا وہ ہر بار خضر علیہ السلام کو ٹوٹتے رہے۔ پھر جب انکی جدائی کا وقت آیا تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو تینوں واقعات کی حقیقت اور حکمت سے آگاہ کیا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ "رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّكَ" تیرے رب کی رحمت اور مہربانی سے ہوا ہے۔ سکندر ذوالقمرین بھی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے اللہ نے انہیں دنیا کی سلطنت عطا فرمائی اور انہوں نے مغرب، مشرق اور شمال کا سفر اختیار کیا پھر جب انہوں نے ایک قوم کی فرمائش پر اقوام یا جموج و ماہوج سے بچاؤ کے لیے دیوار بنادی تو اس فعل کو بھی اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا "هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي" یہ تو میرے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے میرے ہاتھوں سے مفسدوں کا راستہ بند کر دیا۔

کفار کا
برعمر بطل

اب آگے اللہ نے توحید کی بات سمجھائی ہے کہ جب اللہ کے مقربین انبیاء اور اولیاء اللہ کی رحمت کے طلبگار ہیں تو ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا دوست اور کار ساز کیسے بنالیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَكُونُوا كَالَّذِينَ آمَنُوا کہ یہ گمان کرتے ہیں أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ کہ میرے بندوں کو میرے سوا اپنا کار ساز بنالیں گے۔ فرمایا یہ گمراہ کن اور باطل عقیدہ ہے۔ اس سورۃ میں مذکور انبیاء اور اولیاء کا حال دیکھ لو، وہ تو کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں کرتے تھے مگر مشرک لوگ انہی انبیاء اور اولیاء کو دنیا میں اپنا کار ساز سمجھتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک سمجھتے ہیں

بیان عبادی کا لفظ آیا ہے اور بندوں میں انبیاء اولیاء، فرشتے اور ... کا نام لگا کر آئے ہیں۔ اللہ نے اپنے نافرمان بندوں کے لیے بھی عباد کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی ابتدا میں اللہ نے فرمایا
 "فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهِمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولٰٓئِكَ بِاٰسِ شَدِيْدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ" پس جب اُن میں سے پہلے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے اوپر سخت لڑائی والے بندے بھیجے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ کیا کافر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ میرے کسی بھی بندے کو اپنا کارساز اور حمایتی بنا لیں گے۔ فرمایا اُن کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ نیک لوگوں کا حال تو اس سورۃ مبارکہ میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں مگر اُن کی پرستش کرنے والے انہی کو اپنا حمایتی اور کارساز سمجھتے ہیں ایک وقت آنے والا ہے جب عابد اور معبود سب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونگے اُس وقت معبودوں کی حالت یہ ہونگی "سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْلُوْنَ عَلَيْهِمْ صِنْدًا" (مردیم - ۸۲) کہ وہ عباد کرنے والوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے اور اُن کے دشمن بن جائیں گے وہ اللہ کے دربار میں عرض کریں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ ہمیں اپنا معبود بنا لو، ہم سے حاجتیں طلب کرو اور ہمیں نذر و نیاز پیش کرو۔ درحقیقت انہوں نے شیطان کا اتباع کیا اور اپنے نفس کی پیروی کی۔ دیکھیں! اصحاب کہف کا ذکر ہو چکا ہے۔ انہوں نے اللہ کی رحمت کے بھروسے پر غار میں پناہ لی مگر اب لوگ انہی کو حاجت ردا اور مشکل کشا سمجھنے لگے ہیں۔ بعض علاقوں میں مشرک لوگ اصحاب کہف کے نام کی نیاز دیتے ہیں۔ سات روٹیاں اصحاب کہف کی اور آٹھویں اُن کے کتے کی مشہور ہیں جو نیاز میں دی جاتی ہیں۔ اگر ایصال ثواب مقصود ہو تو بچہ

نذر و نیاز
میں مشرک

تو کوئی صرح نہیں اور اگر ان کو حاجت روا سمجھ کر نیاز دی جاتی ہے تو یہی
 شرک بن جاتا ہے کیونکہ اللہ کے مقرب ترین بندے بھی کوئی اختیار
 نہیں رکھتے اور نہ وہ کسی کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔ یہ تو محض وسوسہ اندازی
 اور گمراہی ہوتی ہے۔ فرمایا جو لوگ میرے بندوں میں سے میرے سوا کسی
 کو اپنا کارساز بنائیں گے اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِّلْكَافِرِيْنَ نَزْلًا
 بیشک ہم نے ایسے کافروں کے لیے جہنم کی آگ بطور مہمانی تیار کر رکھی ہے
 اُن کو وہاں پر کوئی راحت نہیں ہوگی بلکہ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہونگے
 فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ اَبِہْرِیْبِیْہِ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ

ظاہر ترین
 لوگ

بِاَلَا خُسْرٍ اِنَّمَا کَیَا مِیْن تَحِیْیِیْنِ بِلَاوِیْنِ کہ ایسے لوگ اعمال
 کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں۔
 اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَبِیْلُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
 جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ہی گم ہو گئی۔ یعنی دنیا میں جو کچھ کارگزاری انہوں
 نے کی تھی، وہ یہیں بھٹک کر رہ گئی۔ ضَلَّ سَبِیْلُہُمْ کے دو مطلب
 ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کی ساری کاوش صرف دنیا طلبی کے لیے تھی اور آخرت
 سے اُن کو کوئی غرض نہ تھی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں جو
 بھی عمل اختیار کیا، وہ ضائع ہو گیا۔

ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا کی اکثر آبادی مع ارباب اقتدار
 دنیا کی بہتری کے لیے ہی ساری لگ و دو کر رہے ہیں۔ روسی تو فیصلے ہی منکر خدا
 ہیں اور وہ عقیدہ خدا کو "افیون" سے تعبیر کرتے ہیں اُن کے نزدیک یہ مادی دنیا
 ہی اول و آخر ہے، خدا تعالیٰ، اس کے رسول، اُس کی کتابیں، وقوع قیامت،
 اور جزا و سزا سب بناوٹی باتیں ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے کے لیے وضع
 کی گئی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں بھی عام لوگوں کو بھینسا یا جاتا ہے اور امیر لوگ
 غریبوں کا خون چوستے رہتے ہیں، وہ بھی محض سرمایہ اکٹھا کرنے کے لیے اور

دنیا میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کے لیے جائز و ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ آخرت کا تصور اُن کے ہاں بھی برائے نام ہی ہے۔ جو لوگ چار و ناچار خدا کا نام لیتے بھی ہیں اُن میں سے بھی کچھ مشرک ہیں اور کچھ تثلیث کے قائل ہیں۔ امریکہ ہو یا برطانیہ، فرانس ہو یا جرمنی کسی منتہائے مقصود آخرت اور رضائے الہی نہیں بلکہ اُن کی ساری بھاگ دوڑ، علم و ہنر، سائنس اور ٹیکنالوجی محض دنیا کی خاطر ہے وہ ہمیشہ معیاری خوراک، معیاری لباس، معیاری رہائش اور معیاری سواری کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، اُن کے تمام منصوبے، تمام کارخانے اور تمام کمپنیاں دنیا کے آرام و راحت کے سامان مہیا کرنے پر کام کر رہے ہیں ذَلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اُن کے علم کی انتہا دنیا تک محدود ہے نہ وہ کسی بزرخ کے قائل ہیں۔ نہ آخرت کے۔ نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی آسمانی کتاب کو۔ چین اور روس کے اکثر لوگ تو سکرے سے منجھڑے خدا ہیں، بائبل میں سے بھی اکثر ملحق ہیں، خاص طور پر لمریکہ تو ملحدین کا گڑھ ہے، کمیونسٹ تو کارل مارکس کی کتاب کو ہی صحیفۂ آسمانی سمجھتے ہیں جس میں صرف معاشی بہتری کے اصول بتلائے گئے ہیں اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے دُعا میں سکھلایا اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا اے اللہ! ہمارا منتہائے مقصود اور مبلغ علم صرف دنیا کو ہی نہ بنا کہ ہم دنیا کے علاوہ آخرت سے آنکھیں موند لیں قرآن پاک نے کفار و مشرکین اور دہریوں کی یہی صفت بیان کی ہے اِنَّ اَكْبَرَ اَهْوَالِهِمْ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وِرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلاً (الدھر - ۲۷) یہ جلدی والی یعنی دنیا کی زندگی کو ہی پسند کرتے اور آگے آنے والے بوجھل دِن یعنی قیامت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ اعمال کے لحاظ سے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ جس مادی دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ تو جلد ہی ختم ہو جائے گی اور پھر سوائے خدا تعالیٰ کی گرفت کے اُن کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

خارے کی دوسری صورت اعمال کا ضیاع ہے۔ جیسا کہ آج کے
میں آج سے ”فَحِطُّوا إِلَىٰ أَعْمَالِكُمْ“ ان کے تمام اعمال ہی ضائع
ہو گئے۔ انہوں نے دنیا میں اچھے کام بھی کیے، صدقہ خیرات کیا، غریبوں
اور محتاجوں کی خبر گیری کی، سڑکیں اور ہسپتال بنوائے، کنوئیں لگوائے اور
دیگر رفاہ عامہ کے کام انجام دیے مگر ان کے کفر و شرک نے ان تمام
بیکیموں کو ضائع کر دیا کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل کارآمد نہیں اس مضمون
کو سورۃ العاشیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ”عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ
تَصُومُ نَارًا حَامِيَةً“ (آیت ۳، ۴) بڑی بڑی عبادتیں اور رخصتیں
کر کے تھک چکے ہوں گے مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیے جائیں گے
کیونکہ کفر و شرک کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو چکے ہوں گے مشرک
کی غازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، صدقہ و خیرات سب برباد ہو جائیں گے
کیونکہ اصول یہ ہے ”فَمَنْ لَّعِنَ مِّنَ الصَّالِحِينَ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِّسَعْيِهِ“ (الانبیاء - ۹۴) جو بھی اچھے
اعمال انجام دیگا۔ بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کی محنت کی ناکدوری نہیں کی
جائیگی۔ ایمان بطور شرط ہے۔ اگر ایمان ہی نہیں تو کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں۔
اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ نماز کے لیے طہارت اور استقبال قبلہ شرائط ہیں
اگر کوئی شخص بغیر طہارت کے نماز پڑھتا ہے یا قبلہ کی طرف رخ نہیں
کرتا تو وہ ہزار رکعت بھی پڑھ جائے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جس
شخص میں ایمان کی شرط مفقود ہے، کفر و شرک میں ملوث ہے، اس کی
کوئی عبادت و ریاضت یا عوامی بہبود کے کام کچھ مفید نہیں ہوں گے۔
اس کے باوجود ان کی حالت یہ ہے ”وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ
يُحْسِنُونَ صُنْعًا“ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے اعمال انجام دے
ہے۔ فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ كِتَابِ

وَلَقَدْ آتَيْنَاهُ سِيْرًا مِّنْهُنَّ لِيُظْهِرَ لَهَا بَعْثَ الْمَوْتِ وَغَيْرَ مَا هُنَّ بِمَعْلُومَاتٍ
 کا انکار کیا۔ آیات سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام، کتب، معجزات، انبیاء
 بعث بعد الموت وغیرہ مراد ہیں۔ ان لوگوں نے کسی حقیقت کو تسلیم نہ کیا
 جس کا نتیجہ یہ ہوا فَخَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ کہ ان کے تمام نیک اعمال
 ضائع ہو گئے فَلَا نَقِيْمٌ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَذُنَا
 ہم اُن کے لیے قیامت والے دن میزان بھی قائم نہیں کریں گے۔
 وزن کرنے کی ضرورت تو تب پیش آئے گی جب برائیوں کے ساتھ
 نیک اعمال بھی ہوں گے اور اگر نیک اعمال ان کے کفر و شرک کی وجہ سے
 پہلے ہی ضائع ہو چکے ہیں تو اب ترازو لگانے کا کیا مطلب؟ ان کے
 لیے جہنم کا حکم ہو جائے گا۔ "فَيُؤْخَذُ بِالتَّوَاتُصِ وَالْأَقْدَامِ" (الجرن)
 لہذا انہیں سر اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے
 گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعمال تو لے تو جائیں گے مگر وہ بالکل
 بے وزن ہوں گے اور ان کا کوئی اچھا نتیجہ مرتب نہیں ہو گا۔ وزن کے
 متعلق حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ قیامت والے دن بڑے موٹے
 تانے لوگ آئیں گے، خوب کھاپی کر جسم کو پالا پوسا ہو گا۔ مگر اللہ کی میزان
 میں ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہو گا۔

تمسخر کرنے
 والوں کی
 کیلیے سزا

فَرَمَا ذَٰلِكَ جَزَاءُ هُمُ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا ان کے کفر کی
 وجہ سے ان کا بدلہ جہنم کی آگ ہو گی۔ اور اس وجہ سے بھی وَاتَّخَذُوا آيَاتِنَا
 وَرُسُلَنَا هُزُوًا کہ انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کو تمسخر کا نشانہ
 بنایا۔ مٹھٹا اور تمسخر کی قیامت کا ذکر موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آچکا ہے
 ایک شخص کے قتل پر جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ گلے ذبح کر کے
 اس کے گوشت کا ٹکڑا مرے پر مار دو وہ تمہیں اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے
 گا، تو قوم کہنے لگی "اتَّخَذْنَا هُزُوًا" اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو ہم

سے مذاق کہتا ہے ”فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ“
 (البقرة - ۶۷) پناہ بخدا کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ گویا ٹھٹھا مذاق تو نادانوں
 کا کام ہے میں ایسا کام کیوں کروں گا۔ سورۃ توبہ میں اللہ نے منافقوں کے
 شعلق بھی فرمایا ہے ”قُلْ اَبَا اللّٰهِ وَاٰلِیْہٖ وَرَسُوْلُہٗ کُنْتُمْ
 تَسْتَكْبِرُوْنَ“ (التوبہ - ۶۵) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں بھلا
 تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔ یہ تو
 گناہ کبیرہ ہے اور بعض صورتوں میں کفر ہے۔ آج پوری دنیا میں دیکھ لیں
 ہنسی مذاق کو کتنا عروج حاصل ہے۔ تمام فلمیں، ڈرامے، ناول، اخباری کارٹون
 وغیرہ کی بنیاد تمسخر پر ہی تو قائم ہے۔ ہر کام میں دوسروں کو خوش کرنے کے
 لیے نقالی کی جاتی ہے۔ خاص طور پر کارٹون سازی ایسی قباحت ہے جس
 سے بڑے بڑے آدمی بھی محفوظ نہیں۔ اخبار نویس قانونی طور پر مجاز ہیں کہ
 وہ کسی بھی آدمی کو کارٹون کا شکار بنا سکتے ہیں۔ فلم سازوں نے تو پیغمبروں کی نقالی
 کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کیا۔ کہیں حضرت شمعون کی فلم بندی ہو رہی ہے تو کوئی
 سلیمان علیہ السلام کا پارٹ ادا کر رہا ہے کہیں امیر حمزہ کا پارٹ ادا کیا جا رہا ہے
 اور کوئی حضرت عمرؓ کے روپ میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اسلام کے اولین جانشینوں
 کو ناول میں پیش کرنے پر سلمان رشدی کے خلاف ساری دنیا میں کیوں شور مچا،
 یہ نقالی اور ہنسی مذاق کا نتیجہ ہے، جس نے دنیا کو اس حد تک پہنچا دیا ہے
 اب نیک لوگوں کا حال بھی سن لیں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
 وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ بَشٰکِ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے
 اچھے اعمال انجام دیے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر مدد و امت اختیار کی۔ جہاد
 میں حصہ لیا، صدقہ خیرات، محتاجوں کے حقوق ادا کیے۔ مظلوموں کی اعانت
 کی، حرام و حلال میں امتیاز برقرار رکھا۔ خدا کی کتاب کو پڑھا، اس کے نظام
 کے قیام کی کوشش کی۔ تعلیم و تبلیغ میں حصہ لیا۔ مساجد اور مدارس قائم کیے۔

نیک لوگوں
 کے لیے
 جنت الفردوس

شراب، حور، فرار اور فحاشی سے اجتناب کیا۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے
 كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا جنت الفردوس میں مہمانی
 ہوگی۔ فردوس رومی یا حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی باغ ہے۔
 عربی زبان میں باغ کے لیے بستان اور جنت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔
 حضور علیہ السلام نے فردوس کو جنت کا اعلیٰ طبقہ قرار دیا ہے اسی
 لیے فرمایا کہ جب اللہ سے مانگو فَاَسْئَلِ اللّٰهَ الْفِرْدَوْسَ
 تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔ اسی طبقہ سے تمام نہریں جاری ہوتی ہیں۔
 جو جنت کے دو سر طبقات میں پہنچتی ہیں۔ اسی جنت الفردوس کے اوپر
 رحمان کا عرش ہے جس کی تجلی اعظم یہاں پڑتی رہتی ہے۔ فرمایا اہل ایمان کی
 مہمانی جنت الفردوس میں ہوگی خِلْدٌ يِّنْ فِيْهَا جنتی لوگ اس میں ہمیشہ
 رہنے والے ہوں گے۔ لَا يَغْمُونَ عَنْهَا حَوْلًا وہ وہاں سے کسی
 تبدیلی کے خواہش مند نہیں ہوں گے۔ یعنی جنت الفردوس ایسا مقام ہوگا۔
 اور وہاں ایسی آسائشیں حاصل ہوں گی کہ دل میں کبھی اکتاہٹ پیدا نہیں
 ہوگی کہ جنتی کسی دوسری جگہ کی خواہش کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے
 کہ جنتی وہاں سے نکلے بھی نہیں جائیں گے۔ اُن کا داخلہ کسی خاص مدت
 کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ
الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا
بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝ ۱۰۹ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ
يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَنْ
كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا
وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ ۱۱۰

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، اگر ہو جائے سمندر سیاہی
تیرے رب کے کلمات کے لیے تو بیشک سمندر ختم ہو
جائے گا قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم
ہوں، اور اگرچہ ہم اُس جیسا ایک اور بھی (سمندر) مدد کھیلے
۱۰۹ آئیں (۱۰۹) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) کہ بیشک میں
ایک انسان ہوں تمہارے جیسا۔ وحی کی جاتی ہے میری
طرف کہ بیشک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس جو
شخص اُمید رکھتا ہے اپنے رب کی ملاقات کی، پس اُس
کو چاہیئے کہ عمل کرے اچھا، اور نہ شرک بنائے اپنے
رب کی عبادت میں کسی کو ۱۱۰

اس سورۃ کی ابتداء توحید کے بیان سے ہوئی تھی اور اب آخر میں بھی اللہ نے
توحید ہی کا ذکر کیا ہے کیونکہ اکثر لوگ اسی مسئلہ میں ٹھوکر کھاتے ہیں اور پھر شرک میں مبتلا

توحید

ہو کہ آخرت برآ کر لیتے ہیں۔ ابتدائے سورۃ میں عقیدہ اہلبیت کی تائید کی گئی ہے۔ اس میں کلماتِ علم و حکمت کا بیان ہے اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ ہے۔ گزشتہ درس کے آخر میں نوح کاروں کے انعامات کے ضمن میں جنت الفردوس کا تذکرہ تھا کہ جنتی لوگ وہاں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہیں گے اور وہاں سے کسی تبدیلی کے خواہشمند نہیں ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں خدا تعالیٰ کے کلماتِ علم و حکمت اور اس کی صفاتِ کمال کا ظہور ہوگا، لہذا وہاں کے رہنے والوں کے مزاج میں کبھی اکٹا ہرٹ پیدا نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ کمالِ اطمینان اور سکون کے ساتھ وقت گزاریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے کلمات کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں لو کہ اِن الْبَحْرِ مَادًّا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي اِذَا سَمِعَ رَسِيْلًا مِنْ رَبِّهِ بَنِيَّ جَاءَتْهُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٌ لِيُفِيْدَ الْبَحْرَ قَبْلَ اَنْ يَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي تَوْسَمِندٌ خَتْمٌ يُّوْجَاوُ كَا۔
پیشتر اس کے کہ میرے پروردگار کے کلمات ختم ہوں۔ مفسرین کرام فرماتے کہ یہاں پر کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے کلمات ہیں اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے وَاللّٰهُ يَكُوْلُ سَنِيْ عَلِيٍّ كَمُوْنُوْہ وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کلمات بھی بے انتہا ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تمام سمندروں کا پانی سیاہی بن جائے اور اس سیاہی کے ساتھ میرے رب کے کلمات شروع کر دیے جائیں تو اتنی بڑی مقدار میں سیاہی بھی ختم ہو جائیگی۔ عبد یحقیق کے مطابق کل دنیا پر تین حصے سمندر رہے جس کا کل رقبہ

۴۸ کروڑ مربع میل بنتا ہے اور صرف ایک حصہ خشکی ہے۔ فرمایا اس سمندر کے علاوہ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَادًّا اِذَا سَمِعَ رَسِيْلًا مِنْ رَبِّهِ بَنِيَّ جَاءَتْهُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٌ لِيُفِيْدَ الْبَحْرَ قَبْلَ اَنْ يَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي تَوْسَمِندٌ خَتْمٌ يُّوْجَاوُ كَا۔
و وسیع و عریض سمندر اور لے آئیں تب بھی اللہ کے علم و حکمت کے کلمات ختم کرنے کے لیے سیاہی کم پڑ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے کلمات اور اس کی صفات کا ظہور ہمیشہ ہوتا ہے گا۔ جس کی وجہ سے جنتی لوگ جنت میں کبھی

اور لوگ ہیں کہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔

فرمایا میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی معبود ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ پس جو کوئی مرنے کے بعد اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے یا اس بات سے خوف کھاتا ہے کہ اُس کے سامنے پیش ہو کر حساب کتاب دینا ہے فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا پس اُسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال انجام دے وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ اصول نجات یہی ہے۔

شرک خفی

شرک کی جملہ اقسام میں سے ایک شرک خفی بھی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مجھے اپنی امت کے لوگوں سے شرک خفی کا بڑا ڈر ہے عرض کیا گیا، حضرت! وہ کیا ہے؟ فرمایا، یہاں سے سارا عمل برباد ہو جاتا ہے۔ جو شخص دوسرے لوگوں کو سنانے کے لیے کوئی کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کو رسوا کرے گا۔ اور جو کوئی لوگوں کو دکھانے کے لیے کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو بھی رسوا کرے گا۔ جس شخص نے دوسروں کی خاطر کوئی کام کیا اور رضائے الہی کو پیش نظر نہ رکھا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ أَنَا أَغْنَىٰ الدُّنْيَا شُرکًا میں اُن شرکیوں کے شرک سے بے نیاز ہوں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے غیر اللہ کی رضا کے لیے کوئی کام کیا۔ میں اس سے کہوں گا کہ اس عمل کا ثواب اُسی سے طلب کرے جسکی رضا کی نیت سے کیا تھا میں تو اس کا کوئی اجر نہیں دوں گا۔ غرضیکہ یہ شرک خفی یا شرک اصغر ہے جس سے اعلیٰ ترین عمل بھی باطل ہو جاتا ہے۔

قبولیت عبادت
کی شرائط

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ قبولیت عبادت کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط اخلاص ہے اور یہ توحید خالص کے بغیر انسان میں پیدا نہیں ہوتا۔

البَشَر یعنی حضور انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ آپ انسانوں کے کام کرتے تھے۔ آپ کپڑے دھو لیتے یا مکان کی صفائی کر لیتے، بکری کا دودھ دودھ لیتے، جوتے کو ٹانگا لگا لیتے، کپڑے میں کوئی تکلیف دہ چیز کانٹا وغیرہ ہوتا تو اُسے نکال دیتے اور پھر آرام بھی فرماتے۔

حضور علیہ السلام کا تعلق نوع انسانی کے ساتھ تھا۔ آپ کسی دوسری جنس میں سے نہیں تھے۔ اسی مقام پر اگر لوگ دھوکا کھاتے اور بھٹک جاتے ہیں اور آپ کو نوع انسانی سے ہی خارج کر دیتے ہیں۔ بحیثیت انسان آپ کی بیویاں تھیں، اولاد بھی، والدین اور آباؤ اجداد تھے آپ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ فضیلت عطا فرمائی وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء - ۱۱۳) اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم تھا۔ تاہم آپ نسل انسانی میں سے تھے۔ ملائکہ، جنات یا کسی دوسری مخلوق میں سے نہیں تھے۔ انسان ہونا باعث شرف ہے۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ خَالِقُ الْبَشَرِ طَیِّنٌ (ص - ۷۱) میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی گو انسان کہنے سے (نعوذ باللہ) اس کی توہین ہو جاتی ہے۔ بھائی! ایسی بات نہیں ہے۔ انسان انسان میں بڑا فرق ہے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اپنے جیسے انسانوں کا نمونہ ہوتا ہے جو ہر لمحہ نافرمانی کرتے اور فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام کو بھی ایسا ہی انسان تصور کیا جائے تو بلاشبہ باعث توہین ہو گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص امتیاز بخشا ہے۔ اللہ کا ہر نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُن سے گتہ نہ سرزد ہونے دیا جائے۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو بھی جائے تو فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے مگر تمام انبیاء انسان ہی ہوتے ہیں اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

اکتا ہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ انہیں ہر وقت وارد ہونے والی صفات و تجلیات کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل ہوتی رہے گی اور سکون و راحت کا زیادہ سے زیادہ سامان ملتا رہے گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ کلمات سے مراد خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے کلمات بھی ہو سکتے ہیں۔ سورۃ لقمان میں موجود ہے ”وَلَوْ أَنَّ مَكَافِ الْأَرْضِ مِثْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُهِ مِنْ آثَرِهِمْ سَبْعُونَ أَلْفًا مِثْ مَا نَفَخْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ“ (آیت - ۲۷) اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سارا سمندر سیاہی بن جائے پھر اس کے بعد اس جیسے سیاہی کے ساتھ سمندر اور بھی مل جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ایک بات بھی ابھی ختم نہیں ہوگی کہ تمام سمندر ختم ہو جائیں گے۔

اگلی آیت میں پہلے رسالت اور پھر توحید اور معاد کا ذکر آ رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَوْ كُنْتُ اِلٰهًا لَمَّا كُنْتُ مِنَ الْاِلٰهِيْنَ۔ لیکن اللہ نے مجھے یہ امتیاز بخشا ہے کیونکہ اس کے میری طرف وحی کی جاتی ہے اور یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو بعض انسانوں کو خالق ارض و سما کی طرف سے نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس مہستی کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے، اس کی طرف وحی بھی نازل فرماتا ہے اور اس کو شریعت کا قطعی اور یقینی علم بھی عطا کرتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت کیا گیا کہ جب حضور علیہ السلام گھر میں ہوتے تو آپ کیا کام کرتے تھے۔ ام المؤمنین نے جواب دیا۔ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَأُ مِّنَ

بشریت
رسول

اُسے نافع اور ضار سمجھے، وہ شخص شرک میں مبتلا ہو گیا۔ عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے، یہ قولی بھی ہوتی ہے اور فعلی اور جسمانی بھی۔ جو کوئی آدمی کسی غیر اللہ کو متصرف اور نفع نقصان کا مالک سمجھ کر اُس کی عبادت کرے گا وہ مشرک ہو گا۔

شرک کی
مختلف
قسمیں

اس وقت شرک کی بے شمار قسمیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا، اُس کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا، اُسے عالم الغیب سمجھنا سب شرک کی اقسام ہیں۔ خدا کے سوا غیر کی قسم اٹھانا اور دل میں اُس کی تعظیم کرنا، کسی کے سامنے رکوع و سجود بجالانا، غیر اللہ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا سب شرک میں داخل ہے۔ بچوں کے نام رکھنے میں بھی شرک ہوتا ہے، اگر کسی کو غیر اللہ کے ساتھ منسوب کر دیا تو یہ شرک ہو گا کیونکہ خالق صرف اللہ ہے۔ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی زندگی میں تو ان کی بات پر عمل نہیں کرتے مگر مرنے کے بعد ان کی قبروں کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ ہر نیا وزیر سرے پہلے حضرت علی ہجویریؒ کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھاتا ہے تاکہ اس بزرگ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر سکے یہ بھی شرکیہ فعل ہے۔ چادر چڑھا کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے کوئی بہت بڑا کام سرانجام دے دیا ہے۔ بھائی۔ اس سے نہ تو اُس بزرگ کو کچھ فائدہ ہے اور نہ مخلوق خدا کو۔ اگر ان بزرگوں سے محبت ہے تو ان کی تعلیمات پر عمل کرو اور ان کے لیے دعا کرو جو سنت طریقہ ہے۔ چادر چڑھانے کی رسم ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ بیرونی ممالک سے وفود آتے ہیں تو محمد علی جناح کی قبر پر پھولوں کی چادریں چڑھاتے ہیں۔ جواب میں ہمارے وفود بھی بیرون ملک جاکر چادریں چڑھاتے ہیں۔ خواہ وہ مشرکوں اور ملحدوں کی قبریں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ باتیں شرک ہیں یا بدعت ہیں اللہ نے خبردار کیا ہے کہ شرک کی دیوار دنیا میں بہت زیادہ پھیل چکی ہے

توسید البشر اور سید الانبیاء ہیں۔ آپ پوری نوری بشر کے امام ہیں۔ آپ کو نسل انسانی سے خارج کر کے نورِ محمدیؐ نور اللہ کا عقیدہ رکھنا غلط ہے اور یہ خدا کا جزو بنانے کے مترادف ہے۔ اللہ نے فرمایا "وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ حِزْبًا طَائِفًا اِلَّا الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ" (الزخرف - ۱۵) بعض مشرکوں نے اللہ کے بندوں میں سے اُس کا جزو بنا لیا ہے بیشک انسان تو کھلا نامحرم گزار ہے اسی لیے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں یا مسیح اور عذیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنا خدا کے لیے اولاد ثابت کرنا ہے اور یہی کفر کی بات ہے۔ چنانچہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام سے بشریت کا اعلان کر دیا ہے تاکہ کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

فرمایا میری طرف وحی کی جاتی ہے اِنَّ هَا الْاِلٰهَ كُفْرًا وَّلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

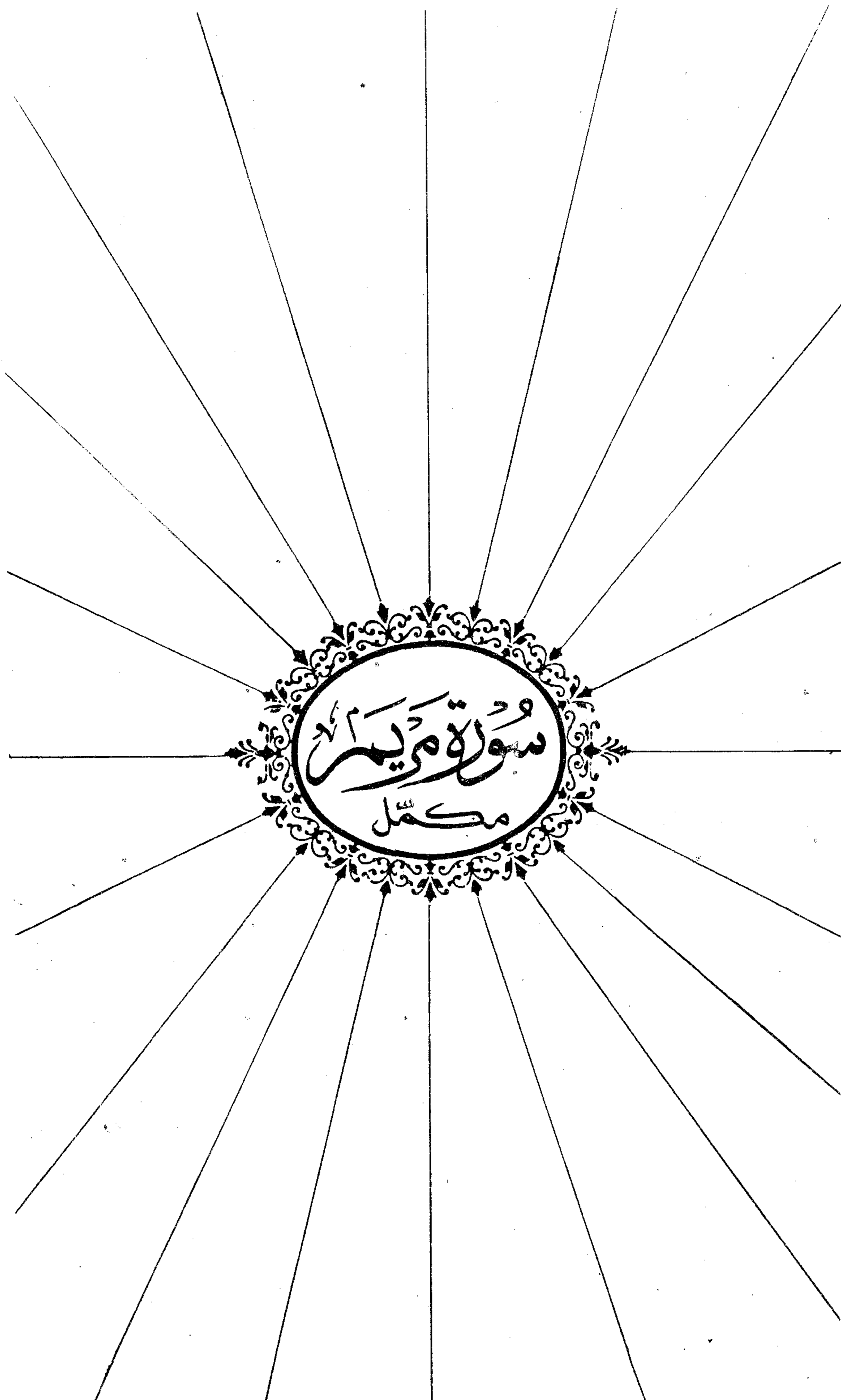
تمہارا معبود بہ حق صرف ایک ہی معبود ہے۔ اسی نکتے پر اگر اکثر لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ہر توحید پرست نے غیر اللہ کو معبود بنانے کی مخالفت کی ہے۔ اصحابِ کہف نے بھی یہی کہا تھا "هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ الْاِلٰهَةِ الْاِلٰهَةَ" (الحکمت - ۱۵) یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے رکھے ہیں مگر ہم اس عقیدہ کو نہیں مان سکتے۔ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ وعدہ لا شریک ہے اس کی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں کوئی بھی شریک نہیں

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوری - ۱۱) اُس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی کسی صفت خاصہ میں کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھہرائے گا۔ وہ کافر و مشرک ہو کہ جہنم رسید ہو گا۔ کوئی کسی کو عبادت میں شریک کرنے یا کسی صفت میں یا اللہ کی صفت مخلوق میں مانے بغیر اللہ کو علم کل تسلیم کرے، قدرت نامہ کا مالک سمجھے۔ حاجت روا اور مشکل کشا مانے، اُس کے تقرب کی خاطر اور اُس کی رضا حاصل کرنے کے لیے نذر و نیاز پیش کرے،

اللہ کا فرمان ہے ”فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“ (المؤمن - ۶۵)
 پس تم خالص اُسی کی عبادت کرتے ہوئے اُس کو پکارو۔ نفاق سے بیزاری اور
 ایمان سے اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا قبولیت عمل کی دوسری شرط یہ ہے
 کہ عمل حضور علیہ السلام کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ مَثَلِ عَمَلِ عَمَلًا
 لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ زَوْرٌ جِس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے
 کے مطابق نہیں ہے تو حضور کا فرمان ہے کہ ایسا عمل مردود ہے، قبول نہیں
 ہوگا۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ لوگ عمل کرنے سے پہلے دریافت نہیں
 کرتے کہ اس عمل کی کیا حیثیت ہے بلکہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اگر لوگ
 صحیح طریقہ معلوم کر لیں تو فلاح حاصل کر لیں۔

فضائل
سورۃ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ الکہف کی بڑی فضیلت بیان فرمائی
 ہے۔ اگرچہ پورے مجمعہ پوری سورۃ کی تلاوت کی جائے تو اس کا بہت بڑا اجر ہے
 اگر یہ نہ ہو سکے تو دس آیات ابتدائی اور دس آیات آخری تلاوت کرنے والے
 کو بڑی نورانیت حاصل ہوگی صرف ابتدائی دس آیتیں یا کم از کم تین ابتدائی آیتیں بھی
 فتنہ دجال سے حفاظت کی ضامن ہوں گی۔ بہت سے دجالی فتنوں میں سے
 سب سے بڑا فتنہ اُس وقت برپا ہوگا۔ جب دجال کا خروج ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی
 روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص سونے سے قبل سورۃ الکہف کی آخری آیت
 تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے سر سے لے کر پاؤں تک نورانیت عطا فرما
 گا۔ اس روایت کو امام ابن کثیرؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ
 محدث دہلویؒ نے اس روایت کو ”ازالۃ الخفا“ میں حضرت عمرؓ سے
 روایت کیا ہے۔ بہر حال یہ سورۃ دجال اور دجالی فتنوں سے بچاؤ میں
 خاص اثر رکھتی ہے۔ خاص طور پر دس ابتدائی اور دس آخری آیات۔ اگر
 کوئی پوری سورۃ تلاوت کرے تو یہ اُس کے حق میں بہت بہتر ہوگا۔



قال الم ۱۶

مریم ۱۹

درس اول ۱

آیت ۱ تا ۴

سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَتِسْعُونَ آيَةً وَفِيهَا سِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورة مریم مکی ہے اور یہ اٹھانوے آیات اور اسی چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

كَهَيِّعَصَ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكِرِيَّا ② اِذْ
 نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ
 الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ
 بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④

ترجمہ:- کَہَیْعَصَ ① یہ ذکر ہے تیرے پروردگار کی
 رحمت کا جو اُس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر
 کی ② جب کہ پکارا اس نے اپنے پروردگار کو پکارنا آہستہ
 آواز سے ③ اس نے کہا، اے میرے پروردگار! بیشک
 میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، اور بھڑک اٹھا ہے سر سفیدی
 سے، اور نہیں میں تجھ سے دعا کرنے میں محروم ④

اس سورۃ میں حضرت مرثم کا ذکر ہے، لہذا یہ سورۃ آپ ہی کے نام پر سورۃ مریم
 کے نام سے موسوم ہے۔ یہ سورۃ اٹھانوے آیات اور چھ رکوع پر مشتمل ہے۔ اس کے

کوائف اور
زمانہ نزول

۹۶۲ الفاظ اور ۲۳۰۲ حروف ہیں۔

یہ سورۃ مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

اس امر کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ سن پانچ اور چھ نبوی میں جب صحابہ کرم کی دو جماعتیں مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچیں تو وہاں کے بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنا چاہے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ امیر قافلہ نے نجاشی کے سامنے نہ صرف حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کے حالات بیان کیے بلکہ سورۃ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت بھی کی جن میں حضرت مریمؓ اور اور مسیح علیہ السلام کی ولادت اور دیگر حیران کن واقعات مذکور ہیں۔

جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر عرصہٴ حیات تنگ کر دیا اور انہیں ہجرت حبشہ طرح طرح کی تکالیف پہنچانے لگے تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے جانے کا حکم دے دیا۔ اُس وقت حبشہ میں نجاشی بادشاہ مہمان تھا جو کہ انصاف پسند تھا۔ لہذا آپ نے اس علاقہ کو مسلمانوں کے لیے زیادہ محفوظ تصور کیا۔ چنانچہ حبشہ کی طرف یکے بعد دیگرے مسلمانوں کی دو جماعتوں نے ہجرت کی۔ پہلی جماعت میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کی بیوی حضور کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ دوسری جماعت ۸۲ یا ۸۳ افراد پر مشتمل تھی جن میں ۱۸ عورتیں بھی شامل تھیں۔

مضامین
سورۃ

اس سورۃ مبارکہ میں تین مرکزی مضامین بیان ہوئے ہیں۔ یعنی (۱) توحید (۲) رسالت، اور (۳) جزائے عمل۔ اس کے علاوہ بہت سی ضمنی باتیں بھی آگئی ہیں۔ جس طرح گذشتہ سورۃ میں اللہ کے انبیاء اور اولیاء کا ذکر تھا، اسی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی اللہ نے کئی نبیوں کا حال بیان فرمایا ہے۔ ابتداء میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ پھر حضرت مریمؓ اور مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آگے ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعات بھی آئیں گے۔ یہ سارے نبی اپنی حاجتیں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے اُسی کو درود لا شریک اور متصرف فی الامور سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اُمس کے سوا

نہ کوئی عالم الغیب ہے، نہ مشکل کشا اور حاجت روا۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ
 کی رحمت کے ہمیشہ امیدوار رہتے تھے۔ اس کے برخلاف ان انبیاء کے پیروکاروں
 نے اپنی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام
 کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا کا درجہ دے دیا (نعوذ باللہ)
 اور پھر انہیں متصرف فی الامور مان کر ان سے حاجتیں طلب کرنے لگے۔ حضرت
 زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ابتدائے سورۃ میں ہی ہے کہ انہوں نے اللہ
 سے اولاد کے لیے درخواست کی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا
 ذکر بھی ہے۔ اس طرح اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا ہے اور انبیاء کا ذکر
 کر کے اللہ نے نبوت و رسالت کا مسئلہ بھی واضح کر دیا ہے۔ تیسرا مسئلہ
 وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ہے وہ بھی اس سورۃ میں بیان ہو گیا ہے
 اس سورۃ کی ابتدا و حروفِ مقطعات سے ہوئی ہے کہ **كُلُّ يَعْقُصَ**
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ اسماء اللہ میں سے اللہ
 کا ایک نام ہے۔ حضرت علیؓ کی بعض روایات سے بھی ایسا ہی معلوم
 ہوتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ جس طرح بعض سورتوں کے نام **حروفِ مقطعات**
 پر ہیں جیسے **ق، ص، ن، لیس، طس** اسی طرح **كُلُّ يَعْقُصَ**
 بھی اسی سورۃ مبارکہ کا نام ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان حروفِ
 مقطعات کا ہر حرف اللہ تعالیٰ کے کسی اسم صفت کو ظاہر کرتا ہے جیسے
لَا سے کفایت کرنے والا **كَافٍ** جو کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے
هُوَ سے ہادی، ی سے ی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا ہاتھ
 تمام ہاتھوں پر غالب ہے اسی طرح حروفِ **ع** سے اسمِ علیم یا عظیم مراد ہے
 علیم کل اور عظمت الا صرف خداوند قدوس ہے۔ اور **ص** سے مراد صادق
 ہے یعنی سچائی کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

حروفِ
 مقطعات

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس بات کو دلیل سے

تو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ بطور کشف اور ذوق اللہ نے مجھے یہ بات سمجھائی ہے کہ یہ حروف دراصل سورۃ کا اجمالی نام ہیں اور ان میں سورۃ کا خلاصہ بیان ہوا ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ بعض کبلی نام ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ ایک حقیقت وابستہ ہوتی ہے جیسے سلطان یا قاضی وغیرہ۔ آج کل ڈگری کے ناموں۔ بی اے، ایم اے، پی ایچ ڈی وغیرہ کے اندر بھی ایک پوری حقیقت ہوتی ہے، اسی طرح حروف مقطعات بھی متعلقہ سورۃ کا اجمالی خلاصہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کھدیخص کا اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ منتشر علوم اس مادی جہان میں اگر اس طرح متعین ہوتے ہیں کہ لوگوں کے ذہن میں رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی بات آ سکے۔

امام جلال الدین سیوطی اور بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں اسلم یعنی زیادہ سلامتی والی بات یہ ہے کہ انسان کا عقیدہ یہ ہو اللہ اعلم بمرادہ بذلک یعنی ان حروف کی صحیح مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ مراد برحق ہے اور ہمارا اس پر پختہ یقین ہے ہم اس کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے، ہمارا کام ایمان لانا اور تصدیق کرنا ہے۔ یہ ساری باتیں تقریب ذہن کے لیے بیان ہوئی ہیں کیونکہ خود حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ سے ان حروف کی تفصیل یا معانی منقول نہیں ہیں سورۃ کی ابتدا حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

ذکر علیہ السلام

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا يه ذکر ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا جو اس نے اپنے جلیل القدر نبی زکریا علیہ السلام پر فرمائی۔ آپ کی جائے سکونت یروشلم تھی جسے بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے اور جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ زکریا علیہ السلام بڑھی کا کام کرنے اپنے ہاتھ سے رزق کھاتے تھے کسی پیشے کو یا اس کو اختیار کرنے والے کو حقیر سمجھنا نہایت ہی نادانی کی بات ہے مگر اکثر لوگ اس

لہ جلالین ص ۱ (فیاض)

جہالت میں ملوث ہیں۔ کپڑا بننے والے کو حقیر سمجھنا، برتن بنانے والے یا کپڑا بیٹنے والے کو کم تر خیال کرنا۔ بجائے خود ضلالت کی علامت ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص حقارت سے آدم علیہ السلام کو جولا یا اور لیس علیہ السلام کو درزی کے گار۔ اس پر کفر لازم آئے گا۔ بعض ددلت مند اور زمیندار لوگ دوسروں کو کچن سمجھتے ہیں تاکہ وہ ان کے سامنے جے رہیں اور ان کے حلقہ اثر سے باہر نہ نکل سکیں۔ دراصل ذلت و حقارت کسی پیشے کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق کی وجہ سے ہوتی ہے، جس شخص کا اخلاق اچھا نہیں اور جو سحاصی، ممنوعات اور مکروہات میں ملوث ہے، شریعت اور احکام الہی کی پردہ دری کرنا ہے۔ درحقیقت ذلیل اور حقیر تو وہ ہے۔ شریف آدمی کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کرے، اللہ کی نظروں میں وہ حقیر نہیں ہے۔ بہر حال فرمایا کہ یہ ذکر ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔ گذشتہ سورۃ میں اصحابِ کفایت حضرت موسیٰ اور حضرت علیہ السلام اور سکندر ذوالقمرین کا حال بیان ہو چکا ہے کہ یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلبگار تھے۔ یہ خود متصرف فی الامور نہیں تھے کہ ان سے حاجت براری کی جائے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا متعارف کرانے کے بعد فرمایا اِذَا نَادٰی رَبُّهُ نِذَاؤْ خَفِیًّا جب کہ پکارا اُس نے اپنے پروردگار کو آہستہ پکارنا۔ نداء کا عام فہم معنی تو پکارنا ہوتا ہے تاہم بیاں پر اس سے دعا مراد ہے یعنی انہوں نے اپنے پروردگار کے حضور چپکے چپکے سے دعا کی۔ دعا اگرچہ بلند آواز سے بھی کی جاسکتی ہے تاہم آہستہ آواز سے کہنا زیادہ افضل ہے۔ امام ابو بکر جصاص نے اپنی تفسیر میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت نقل کی ہے خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ وَخَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَسْتَحْفِیُّ بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو انسان کے لیے کفایت

چپکے چپکے
دعا

کہ جائے۔ خود قرآن میں بھی موجود ہے ”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً
 إِنَّكَ لَا يَجِبُ الْمُتَعَدِّيْنَ“ (الاعراف - ۵۵) اپنے پروردگار کو گہرے زاری
 اور آہستگی سے پکارو۔ کیونکہ وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آہستگی میں
 بہتری یہ ہے کہ انسان ریا سے بچ جاتا ہے۔ تاہم اگر کسی دوسرے کے
 معاملہ میں خلل اندازی نہ ہوتی ہو تو ذکر بلند آواز سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور
 اگر آپ کا بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا خلل کا باعث ہو تو فقہائے کرام
 کے نزدیک ایسا کمزور و کمزور ہوگا۔ اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ایک دوسرے کے سامنے قرآن پاک
 بھی بلند آواز سے نہ پڑھو تاکہ خلل واقع نہ ہو۔ فرض کرو ایک شخص نماز پڑھ
 رہا ہے اور دوسرا ذکر بالجہر کر رہا ہے تو یہ کوئی نیکی کی بات نہیں بلکہ غازی
 خلل اندازی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور ذکر آہستہ
 آواز سے کرنا بلند آواز سے کرنے کی نسبت ستر کنا زیادہ افضل ہے۔
 غرضیکہ **دَعَاءٌ خَفِيًّا** سے مراد آہستہ دعا کرنا ہے جیسا کہ دعا کے اگلے
 الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

عجز و نکاری
 کا اظہار

قَالَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ نے چپکے چپکے سے عرض کیا **رَبِّ اِلٰهٍ وَّ**
وَهَنَ الْعَظْمُ مِثْلِي اے میرے پروردگار! بیشک میری ہڈیاں
 کمزور ہو گئی ہیں۔ **وَاسْتَعْلَكَ الرَّأْسُ شَيْبًا** اور میرا سر سفیدی سے
 بھڑک اٹھا ہے۔ سر کے بال سفید ہو چکے ہیں، جسم کمزور پڑ گیا ہے، گویا
 مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے۔ یہ ذکر یا علیہ السلام کی طرف سے عاجزی و نکاری
 اور کمزوری کا اظہار ہو رہا ہے۔ دعائیں جس قدر انکاری پائی جاتی ہیں
 دعا اسی قدر بارگاہ الہی میں شمولی کے قابل ہوتی ہے۔ دعائیں جس قدر
 اخلاص، نیاز مندی اور حضور قلب ہوگا۔ دعا اسی قدر مقبول ہوگی۔ ذکر یا علیہ
 السلام نے اپنے بڑھاپے کا ذکر اللہ تعالیٰ کا تحم اور مہربانی حاصل کرنے کیلئے

کیا سعدی صاحب نے بھی گلستان میں کہا ہے۔

رسم است کہ مالکان تحریر

آزاد کنند بندہ پیر

یعنی دستوریہ ہے کہ غلاموں کے آقا اپنے بوڑھے غلاموں کو آزاد کر دیتے ہیں۔ جب خدمت کرنے کے قابل نہ رہا تو پھر آزاد کر دیا۔ شیخ سعدی نے بھی اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذبہ ترجمہ پیدا کرنے کے لیے اپنے بڑھاپے کا ذکر کیا ہے کہ اس عمر میں اللہ سے معاف فرمائے۔ تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی دعا کی قبولیت کے لیے اپنے بڑھاپے اور کمزوری کا ذکر کیا۔ اور پھر عرض کیا۔ پروردگار! وَلَمْ أَكُنْ أَبَدًا عَائِلًا رَبِّ شَقِيتًا اور میرے پروردگار! نہیں ہوں میں تجھ سے دعا کرنے میں محروم۔ مطلب یہ کہ مجھے امید ہے کہ اس عمر میں اور عاجزی کی حالت میں تو میری اس دعا کو رد نہیں کرے گا۔ بعض مفسرین یہ معنی بھی کہتے ہیں کہ اے پروردگار! میں تیری دعوت پر کبھی بد بخت ثابت نہیں ہوا۔ تو نے جب بھی مجھے بلایا ہے، میں نے تیرے حکم کی تعمیل میں کوشش کی ہے اور کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ اب بوڑھا ہو کہ تیری بارگاہ میں درخواست کر رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ تو مجھے اس دعا سے محروم نہیں کرے گا۔ اس دعا کا متن اگلی آیات میں آ رہا ہے۔

قال الع ۱۶

درس دوم ۲

مریم ۱۹

آیت ۵ ۶ ۷

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي
عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَرِثُنِي
وَرِثٌ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ⑥ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑦

ترجمہ:- اور تحقیق میں خوف کھاتا ہوں اپنے بھائی بندوں سے

اپنے پیچھے اور میری عورت بانجھ ہے۔ پس مجھے عطا کر

اپنی طرف سے جانشین ⑤ جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب

کا وارث ہو، اور بنا دے اُس کو اے پروردگار! پسندیدہ ⑦

حضرت زکریا
کی دعا

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے نہایت عاجزی
کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں ہاتھ پھیلائے تھے کہ مولا کہیم! میری ہڈیاں کمزور ہو چکی
ہیں اور سرسفید ہو گیا ہے۔ میں قبولیت دعا سے کبھی محروم نہیں رہا، لہذا میں امید رکھتا ہوں
کہ تو میری دعا کو ضرور شرف قبولیت بخشے گا۔ آپکی یہ دعا اولاد کے لیے تھی۔ عرض کیا، پروردگار
وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي بِشَكِّ مِثْلِ خَوْفِ بَنِي إِسْرَءِيلَ ⑧
سے خوف کھاتا ہوں۔

موالی جمع ہے موالی کی۔ یہ لفظ عربی زبان میں بہت سے معانی میں استعمال ہوتا
ہے۔ صاحب قاموس نے اس لفظ کے پچیس معنی لکھے ہیں جن میں غلام، آزاد شدہ
غلام، غلام آزاد کمنے والا، رشیق، ساتھی، آقا اور چچا زاد بھائی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ مشترک
لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے، اُستاد کے لیے اور پیغمبر کے لیے بھی استعمال
ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر موالی سے مراد چچا زاد بھائی ہیں۔

زکریا علیہ السلام نے عرض کیا، کہ میں اپنے بھائی بندوں یعنی قرابت داروں سے خوف

کھاتا ہوں کہ میرے بعد وہ میرے دینی مشن کو صحیح طریقے سے آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔ وہ بالائق ہیں اور میری نیابت کا کماحقہ حق ادا نہیں کر سکیں گے اور دوسری بات یہ ہے وَكَاْنَتْ اُمْرًا فِیْ عَاقِرًا اور میری عورت بانجھ ہے، وہ بچہ پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں جس کی وجہ سے میں ساری عمر اولاد سے محروم رہا ہوں۔ میری التجا ہے فَهَبْ لِحِیْ لَدُنْكَ وَلِیْتًا کہ مجھے اپنی طرف سے جانشین عطا فرما۔ ولی کا معنی کارساز بھی ہوتا ہے اور قرابت دار بھی، تاہم یہاں پر جانشین مراد ہے جو میرے بعد میرا فرض دین ادا کر سکے۔ یَرْثِیْ جو میرا وارث ہو وَكِیْرًا مِنْ اِلٍ یَعْقُوْبَ اور تمام آل یعقوب کا وارث ہو۔ یَرْثِیْ کا معنی مورث کے مال پر قابض ہونا ہے۔ اللہ نے سورۃ النساء میں وارث کا تفصیلی قانون بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے ترکہ کے وارث کون کون عزیرہ و اقارب ہوتے ہیں۔

مسئلہ وارث
اور شیعوہ
حضرات

تمام اہل سنت کے نزدیک بنی اور امتی کی وارثت میں فرق ہے ہر امتی جو بھی کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد چھوڑ کر فوت ہو جاتا ہے، اس کے وارث بمطابق احکامات الہیہ اس کی اولاد اور دیگر عزیرہ و اقارب ہوتے ہیں جب کہ بنی کی فوتیگی کے بعد اس کے مال کے وارث اس کے عزیرہ نہیں ہوتے، بلکہ اگر کوئی مال موجود ہو تو وہ صدقہ ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے رافضی اور شیعوہ وارثت کے معاملہ میں بنی اور امتی میں کوئی فرق نہیں سمجھتے بلکہ امتیوں کے قانون وارثت کو بنی کی وارثت پر بھی نافذ العمل سمجھتے ہیں وہ اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر قرآن پاک کی تین آیات پیش کرتے ہیں آیہ اہمیت تو یہی ہے جو زید درس سے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ مَوْلَاکَ اَرِیْمُ مجھے ایک جانشین عطا فرما جو میرا آل یعقوب کا وارث ہو۔ دوسری آیت وَدَرَسَتْ سُلَیْمٰنُ ذَاوُدَ الرَّحْمٰنُ (۲۷)

ہے جس کا معنی ہے کہ سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔
 شیعہ حضرات تیسری آیت سورۃ النساء کی پیش کرتے ہیں "يُوصِيكُمُ اللَّهُ
 فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي مِمَّا حَظًّا الْاُنْثٰیٰیْنِ (آیت ۱۱)
 اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ انہیں تاکید کی حکم دیتا ہے کہ وراثت اسی طرح
 تقسیم کرو کہ ہر لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو۔ کہتے ہیں کہ ان آیات
 سے انبیاء کی وراثت ثابت ہوتی ہے اور اسی بناء پر حضرت فاطمہؑ نے
 حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضور علیہ السلام کی وراثت کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر آپ
 نے انکار کر دیا۔ شیعہ حضرات کی طرف سے صحابہ کو ہر حصہ حصہ کرنے کی ایک
 وجہ یہ بھی ہے۔

صحیح صورت حال

اس مسئلہ کی صحیح صورت حال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی مال و دولت
 میں وراثت نہیں ہوتی جس کا ثبوت خود حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔
 نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِیَآءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ
 ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے بلکہ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ
 صدقہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو صحابہ کی کثیر جماعت نے نقل کیا ہے۔
 جس میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ شامل ہیں۔ اس روایت کے راویوں
 میں حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ بھی شامل ہیں جو کہ اہل بیت میں سے ہیں
 حضرت عمرؓ نے ان دو بزرگوں سے خدا تعالیٰ کی قسم لے کر پوچھا کہ کیا تم
 اس حدیث مبارک کو جانتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہاں، ہم نے یہ حدیث
 حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ اس سے معلوم ہوا شیعہ
 حضرات کا استدلال سورۃ نسا کی مذکورہ آیت سے درست نہیں ہے۔
 کیونکہ اس سورۃ میں بیان کردہ وراثت کا پورا قانون امت کے لیے ہے
 اور نبی کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے بعض احکام
 سے استثناء کی بعض دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ نسا کی

آیت ۳۰ میں فَاَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ الدِّسَاءِ مِثْنِي وَثُلَاثٍ
وَرُبْعٍ "مسلمانوں میں دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح
کی اجازت دی گئی ہے۔ بظاہر یہ حکم عام ہے اور اس میں نبی اور امتی سب
شامل ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی کی ذات اس حکم سے مستثنیٰ ہے
جیسا کہ سورۃ احزاب سے متبادر ہے۔ حضور علیہ السلام نے زندگی میں کل
گیارہ عورتوں سے نکاح کیا۔

حضرت فاطمہؓ نے ایک موقع پر حضرت ابو بکرؓ سے اپنے باپ کی وراثت
کا ضرور مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ آپ کے
بعد آپ کا وارث کون ہوگا۔؟ آپ نے فرمایا، میری اولاد۔ اس پر حضرت
فاطمہؓ نے کہا کہ پھر میرے باپ کی وراثت مجھے ملنی چاہیے۔ اس کے
جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وہی حدیث پیش کی جس میں آپ کا
فرمان ہے کہ ہم نبیوں کا گروہ کسی کو وارث نہیں بناتے بلکہ ہمارا جو مال بچ جائے
وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے کہا فَاَنْتَ اَعْلَمُ مَا سَمِعْتَ
مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی جوابات آپ نے
حضور علیہ السلام کی زبان اقدس سے سنی ہے اس کو آپ بہتر جانتے ہیں۔
یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئیں اور اس کے بعد وراثت کا مطالبہ نہیں کیا۔

مسئلہ یہی ہے کہ نبی خود تو وارث ہوتا ہے مگر کسی دوسرے کو اپنا وارث
نہیں بناتا۔ خود حضور علیہ السلام کو اپنے باپ کی وراثت سے ایک خچر،
ایک لونڈی ام ایمن اور کچھ دوسرا سامان ملا تھا جس کا ذکر صاحب طبقات
ابن سعد اور دیگر سیرت نگار حضرات نے کیا ہے۔ حدیث میں یہ الفاظ
بھی آتے ہیں کہ گروہ انبیاء لَا یُورَثُ دِرْهَمًا وَلَا دِیْنَارًا پلے
پیسے کو وارث نہیں بنایا کرتے۔ اِنَّمَا وَرَثَةُ الْعِلْمِ بلکہ وہ علم کا
وارث بنتے ہیں فَتَمَنْ أَخَذَ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافٍ جس نے یہ

چیز لے لی اُس نے وراثت کا بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ گویا نبی کا مال و اسباب
 تو صدقہ ہوتا ہے، البتہ علم کی وراثت میں جو کوئی جتنا چاہے حصہ حاصل کر لے۔
 جہاں تک آیت زیر درس میں زکریا علیہ السلام کی دعا کا تعلق ہے کہ
 آپ نے درخواست کی کہ مولا کریم! مجھے جانشین عطا فرما جو میرا اور آل
 یعقوب کا وارث ہو، تو اس سے بھی جائداد کی وراثت مراد نہیں بلکہ علمی
 نیابت مراد ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام مزدور پیشہ آدمی تھے
 بڑھئی کا کام گھسے بمشکل زندگی میں گزراوقات کرتے تھے۔ وہ کوئی لمبی چوڑی
 جائداد کے مالک نہیں تھے جس کی انہیں فکر تھی کہ ان کے بعد اس کو کون
 سنبھالے گا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسا جانشین عطا فرما جو ان کے بعد
 تبلیغ دین کا کام کر سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پوری آل یعقوب کا وارث
 ایک شخص تو نہیں ہو سکتا۔ مال و دولت کا وارث تو قریبی عزیز ہی ہو سکتا ہے نہ
 کہ کوئی ایک شخص جس کے لیے زکریا علیہ السلام دعا کر رہے ہیں۔ یہ بھی قرینہ
 ہے کہ زکریا علیہ السلام کی مراد جائداد کی وراثت نہیں تھی بلکہ پوری آل یعقوب
 کی علمی وراثت مراد تھی۔

سورۃ نحل کی جس آیت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد
 علیہ السلام کے وارث بنے تو اس سے بھی علمی وراثت مراد ہے نہ کہ مال و دولت
 اگر اس سے مادی وراثت مراد ہو تو حضرت داؤد علیہ السلام کے حضرت سلیمان
 علیہ السلام کے علاوہ اٹھارہ بیٹے اور بھی تھے۔ اس معاملہ میں صرف ایک
 بیٹے کو وارث بنانا اور باقی اٹھارہ کو محروم کر دینا تو کسی طرح قرین قیاس
 معلوم نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے علاوہ حضرت
 داؤد علیہ السلام کے باقی بیٹے اس قابل نہیں تھے کہ وہ آپ کی علمی وراثت
 کے وارث بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو غیر معمولی صلاحیتوں سے
 نوازا تھا اور وہ بار خلافت اٹھانے کے قابل تھے۔ چنانچہ باپ کی وفات

کے بعد صرف تیرہ سال کی عمر میں آپ اپنے باپ کے جانشین بنے۔ آپ نبی اور صاحب صحیفہ رسول تھے۔ اللہ نے آپ کو بے مثال سلطنت عطا فرمائی۔ یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی وراثت علمی تھی نہ کہ مالی۔

قرآن پاک میں وراثت کا لفظ کتاب کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جیسے ”وَإِلَّا الَّذِينَ أَوْرَثُوا الْكِتَابَ“ (الشوریٰ - ۱۳) یعنی وہ لوگ جو کتاب کے وارث بنے۔ دوسری جگہ ہے ”ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ“ (فاطر - ۲۲) پھر ہم نے لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جن کے آگے تین گروہ بن گئے، ایک گروہ صادقین کا، دوسرا میانہ روی والا اور تیسرا ظلم کرنے والوں کا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے لوگو! قُومُوا عَلَى شَعَائِرِكُمْ لَا تَكُمُّ عَلَىٰ إِرْثٍ مِّنْ أَبِيكُمْ إِلَّا هِيَ حُرَجُ شَعَائِرِكُمْ پکھڑے ہو جاؤ کیونکہ تم اپنے جدا مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو۔ ابراہیم علیہ السلام حج کے لیے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں گئے، انہوں نے قربانی کی اور طواف کیا۔ چونکہ تم ان کی وراثت پر ہو، لہذا تم بھی یہی کام کرو یہاں پر وراثت سے مراد مال و دولت کی وراثت نہیں بلکہ دینی اور ملی وراثت ہے۔ عربوں کے محاورے میں وراثت کا لفظ بزرگی پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں وَرِثْنَا الْحَمْدَ یعنی ہم اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی کے وارث بنے ہیں۔ مقصد یہ کہ وراثت کا اطلاق مال کے علاوہ دوسری چیزوں پر بھی ہوتا ہے اور آیت زیر درس میں ذکر کیا علیہ السلام کی وراثت سے مراد ان کی دینی خلافت ہے نہ کہ مال و دولت مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذکر کیا علیہ السلام حبر اور عالم تھے تو اس مقام پر اس کی حیثیت اور علیت

کی جانشینی مراد ہے۔ ان تمام قرآن کی موجودگی میں شیعہ کا وراثت سے متعلق
اشدلال درست نہیں ہے۔

زکریا علیہ السلام نے دعائیں یہ بھی عرض کیا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا
اے پروردگار! میرے جانشین کو پسندیدہ بھی بنادے کیونکہ اچھے اخلاق کے
حامل لوگ ہی دنیا میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور اپنے مشن کو آگے چلا سکتے ہیں
اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو بلند ترین اخلاق کا حامل قرار دیا وَإِنَّكَ
لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم - ۴) بیشک آپ علق عظیم پر
ہیں۔ نبیوں کا اخلاق ہمیشہ معیاری ہوتا ہے۔ ان کا قول، فعل اور عمل ہر لحاظ
سے پسندیدہ ہوتا ہے تو زکریا علیہ السلام نے اپنے جانشین کے لیے بھی
اعلیٰ اخلاق کی دعا کی۔

قال الم ۱۶

درس سوئم ۳

مریم ۱۹

آیت ۷ تا ۱۱

لِزَكْرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ
 نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ الْم
 يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَأَنِّي آمِرَاتِي عَاقِرًا وَقَدْ
 بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذَلِكَ ۚ قَالَ
 رَبِّكَ هُوَ عَلَىٰ هَئِئِهِ وَقَدْ خَلَقْتَكَ مِنْ قَبْلُ
 وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً
 قَالَ آيَتُكَ إِلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩
 فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ
 أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ⑪

ترجمہ: اللہ نے فرمایا اے زکریا علیہ السلام! ہم خوشخبری دیتے
 ہیں تمہیں لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ نہیں بنایا ہم
 نے اس کے لیے اس سے پہلے کوئی ہم نام ⑦ کہا
 (زکریا نے) اے پروردگار! کیسے ہو گا میرے لئے
 لڑکا، اور میری عورت بانجھ ہے، اور بیشک میں پہنچ چکا
 ہوں بڑھاپے سے انتہائی درجہ کو ⑧ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اسی
 طرح ہو گا یہ۔ فرمایا تیرے پروردگار نے یہ بات مجھ پر آسان
 ہے اور تحقیق میں نے پیدا کیا ہے تجھے اس سے پہلے

اور نہیں تھا تو کوئی چیز ⑨ عرض کیا (زکریا علیہ السلام نے) اے پروردگار بنا دے میرے لیے کوئی نشانی۔ فرمایا، تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو نہ کلام کرے گا لوگوں کے ساتھ تین رات تک صحیح سلامت ⑩ پس نکلے وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے حجرے سے۔ پس اشارہ کیا انہوں نے اُن کی طرف یہ کہ تبسّح بیان کرو صبح اور پچھلے پہر ⑪

گزشتہ آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا کا ذکر ہو چکا ہے۔ اُن کی قوم اور خاندان کے لوگ ناپسندیدہ اخلاق کے حامل تھے۔ اُن کی حالت کو دیکھتے ہوئے زکریا علیہ السلام کو سخت تشویش تھی کہ اُن کے بعد دین کی خدمت اور احکام الہی کی تبلیغ کا کام کون انجام دے گا۔ چنانچہ انہوں نے بڑھاپے کی عمر میں اللہ رب العزت کے سامنے اولاد کے لیے درخواست پیش کی عرض کیا، پروردگار! مجھے ایسا پسندیدہ بیٹا عطا فرما جو میرے بعد میرا جانشین ہو اور پورے خاندان یعقوب کا بھی وارث ہو۔ آپ کا مطلب یہ تھا، کہ ایسا بیٹا عطا فرما جو میری علمی نیابت کا فریضہ انجام دے سکے۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی اس دُعا کا داعیہ بھی بیان فرمایا ہے انہوں نے حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو پوچھا ”يَمْرُئِيلُ أَفْ لَكَ هَذَا“ (آل عمران ۳۷) اے مریم! تیرے پاس یہ پھل کہاں سے آگئے تو اُس نے کہا ”هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“ کہ یہ تو اللہ کی عطا ہے۔ ”هَذَا لَكَ دَعَا زَكْرِيَّا رَبَّهُ“ (آل عمران ۳۸) اس مقام پر زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے پاکیزہ اور پسندیدہ اولاد کی دُعا کی مفسرین کلام بیان فرماتے ہیں کہ دُعا کے وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال اور آپ کی بیوی کی عمر ۹۸ سال ہو چکی تھی اور ساری عمر اُن کے اولاد بھی نہیں ہوئی تھی۔ ماہرین طب کہتے ہیں کہ اگر انسان کو کوئی بیماری یا کوئی خارجی حادثہ پیش نہ آئے تو اس کی طبعی عمر یہی ہے جس کو حضرت زکریا علیہ السلام پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ

عمر کم و بیش بھی ہو سکتی ہے تاہم عموماً ایک سو بیس تک پہنچ کر انسانی اعضا کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام کاج کے قابل نہیں رہتے۔ تو اس عمر میں زکریا علیہ السلام نے اپنے لیے نیک بیٹے کی دعا کی۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت حکیم ابن حزام نے بھی ۱۲۰ سال عمر پائی تھی۔ آپ کا تعلق حضرت خدیجہ کے خاندان سے تھا۔ شریف الطبع آدمی تھے۔ آپ نے فتح مکہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح حضرت علیؑ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی تھی، اسی طرح ان کی پیدائش بھی خانہ کعبہ میں ہوئی بعض اوقات اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی بچے کی پیدائش دوران سفر گاڑی، بحری جہاز یا ہوائی جہاز میں ہونے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح ان کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ طواف وغیرہ کے لیے وہاں گئی ہوں گی کہ پیدائش کا وقت آگیا۔ بہر حال زکریا علیہ السلام نے ۱۲۰ سال کی عمر میں اولاد کے لیے دعا کی۔

عزیزیکہ زکریا علیہ السلام کی عاجزانہ دعا کے جواب میں اللہ نے فرمایا
 یٰٰزَکَرِیَّا اے زکریا علیہ السلام! اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِفُلَانٍ مِّنْہُمْ تَمِیْمٌ
 ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اِسْمُہُ یَحْیٰی جس کا نام نامی بھی ہو
 گا۔ اور یہ ایک ایسا نام ہے کہ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلِ سَمِیًّا
 کہ ہم نے اس سے پہلے یہ نام رکھا ہی نہیں۔ یحییٰ کا معنی حیات والا بچہ
 ہے۔ آپ اس لحاظ سے اسم باسما تھے کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کو
 دینی حیات نصیب ہوئی۔ حیات سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ نے
 آپ کی باخبر والدہ کے رحم کو زندہ کر دیا۔ رحم قوت تولید کھو چکا
 تھا مگر اللہ نے پھر اس میں زندگی کے آثار پیدا کر دیے۔

سَمِیًّا کا ایک معنی تو ہم نام ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ

بیٹے کی
بشارت

نے خود ہی فرما دیا ہے کہ اس سے پہلے ہم نے کسی کا یہ نام رکھا ہی نہیں
لہذا آپ کا ہم نام کوئی نہیں تھا۔ سمیّا کا دوسرا معنی مثل بھی ہوتا ہے اور یہ لفظ
آگے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی آتا ہے۔ **هَكَذَا تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا**
(آیت ۶۵) کیا تم اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل جانتے ہو؟ ہرگز نہیں، کیونکہ
اللہ تعالیٰ کی مثل موجود ہی نہیں ہے۔ **كَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ)**
بہر حال سچی کا معنی حیات والا ہے اور جیسا کہ صاحب کشف نے لکھا
ہے اس کے مقابلے میں موت نام ہی آتا ہے جس کی مثال موت ابن
المرزہ ہے۔

بچہ علیہ السلام بلاشبہ بے مثل تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ
میں بعض ایسے خواص رکھ دیے تھے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام میں بھی
نہیں تھے۔ آپ میں رقت اور گمہ زاری بہت زیادہ پائی جاتی تھی، اکثر
وقت گمہ زاری میں گزرتا۔ اس کے علاوہ آپ کے متعلق اللہ نے فرمایا
ہے **سَيِّدًا وَحَسْبُورًا وَكَبِيرًا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران: ۳۹)**
آپ اللہ کے نبی تھے اور سورا یعنی خواہشات نفسانیہ سے بالکل بری
تھے۔ آپ نے ساری عمر شادی بھی نہیں کی۔ بہر حال حضرت یحییٰ علیہ السلام
کی بعض خصوصیات تھیں۔ حضرت ابراہیم، موسیٰ، یسے اور آخر میں خود
خاتم النبیین بھی گزرے ہیں۔ آپ کے درجات یقیناً سب سے بڑھ کر ہیں۔
باقی انبیاء میں سے بھی بڑے بڑے جلیل القدر نبی گزرے ہیں۔ اسی سلسلہ
یحییٰ علیہ السلام کو بعض خصوصیات کی وجہ سے باقی انبیاء سے ہر ذی طور پر
اتیاز حاصل تھا۔ اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ اللہ نے آپ
کو اور آپ کی والدہ کو بعض معاملات میں تمام نوع انسانی میں منفرد بنایا
جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس
کو چومکا دیتا ہے۔ یعنی اس پر اپنا اثر ڈالتا ہے مگر حضرت مریم اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وہ اپنا اثر نہیں ڈال سکا۔ کیونکہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے اللہ کی ذات سے پہلے ہی پناہ مانگ لی تھی ”اِنِّیْ اِلَیْهِ اَعِیْذُ هَآیْکَ وَ ذُرِّیَّتَہَا مِنْ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ“ (ال عمران ۳۶) یعنی میں آپ کے لیے اور آپ کی اولاد کے لیے شیطان مردود سے خدا تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔ اللہ نے اُن کی یہ دُعا قبول فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان چوکا نہیں لگا سکا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ شیطان کی وسوسہ اندازی آپ پر بھی ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں شیطان وسوسہ اندازی تو کر لے مگر میری یہ خصوصیت ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس وسوسہ اندازی سے محفوظ رکھتا ہے اور مجھ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں مشغول تھے کہ ابلیس آگ کا شعلہ لیکر آپ پر پھینکنے کے لیے آیا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو سلامتی میں رکھا۔ بہر حال اسی طرح کبھی علیہ السلام بھی بعض خواص کی وجہ سے ممتاز تھے جب اللہ تعالیٰ نے زکریاؑ کو بیٹے کی خوشخبری دی تو آپ حیران ہو گئے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ کُؤْنُ لٰی عَلَیْہِمْ کُنْہُ لَکَ پُروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا۔ وَ کَانَتْ اَمْوَآئِقُ عَاقِرًا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتًیًّا اور میں بڑھاپے کی وجہ سے کمزوری کی حالت میں پہنچ چکا ہوں۔ اس سوال کی وجہ زکریاؑ علیہ السلام کا ذات باری پر کوئی شک و تردید نہیں تھا بلکہ آپ استعجاب کر رہے تھے کہ اس عمر میں بچہ پیدا ہونے کی کیا کیفیت ہوگی کیا میں اور میری بیوی دوبارہ جوان ہو جائیں گے اور اس قابل ہو جائیں گے کہ بچہ پیدا ہو سکے؟ آپ تو پہلے بھی اس بات کا

حضرت زکریاؑ
کی حیرانگی

اظہار کر چکے تھے کہ میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور بال سفید ہو چکے ہیں ۔
 بڑھاپے کی وجہ سے جسم لاغر ہو چکا ہے ، اب بچہ پیدا ہونے کی کیفیت
 کیا ہوگی ؟

بڑھاپے کا اثر ہر خاص و عام پر ہوتا ہے کہ یہ تو کمزور ہو رہے ہیں خود حضور
 علیہ السلام نے بھی بڑھاپے کے اثرات قبول کیے ۔ چنانچہ آپ زندگی کے
 آخری ایک یا دو سال نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے ۔ طبیعت میں ضعف
 پیدا ہو چکا تھا اگرچہ آپ کے زیادہ بال سفید نہیں ہوئے تھے حضرت انسؓ کہتے
 ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں کم و بیش صرف
 بیس سفید بال آئے تھے ، تاہم آپ میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی ۔

اللہ تعالیٰ
 کی طرف
 سے تسکین

حضرت زکریا علیہ السلام کے استفسار کے جواب میں قَالَ كَذَلِكَ
 اللہ نے فرمایا ، اسی طرح ہوگا ۔ خدا تعالیٰ کی مشیت پر تعجب نہیں کرنا چاہیے
 کہ وہ جس قسم کے چاہے حالات پیدا کرے اپنی مشیت کو پورا کرنے پر قادر
 ہے ۔ قَالَ رَبِّكَ تَبَرَّءُ بِرُودِكَ اَنْ تَنْزِلَ فَرَمَا يَهُوَّ عَلٰى هٰٓئِینَ
 یہ کام میرے لیے آسان ہے ۔ بڑھاپے کی عمر میں بچے کی پیدائش کوئی مشکل
 کام نہیں ۔ ذرا اپنی پیدائش میں غور کرو وَقَدْ خَلَقْتُمْ مِنْ قَبْلُ
 اس سے پہلے میں نے تمہیں بھی پیدا کیا ، تمہیں وجود بخشنا حالانکہ ظاہری
 اسباب معدوم تھے وَلَكُمْ تَكُنْ شَيْئًا اور تو کوئی چیز نہیں تھا ۔ عام
 انسان کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا ہے کیا انسان پر ایک ایسا وقت
 نہیں آیا کہ مَرِيكَ كُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (الدھر - ۱) جب وہ
 کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اے
 آگے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ، وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے
 اپنی مشیت کی تکمیل کر لے ۔ وہ چاہے تو کسی کو جوانی میں اولاد سے محروم
 رکھے اور اس کی نسا ہو تو بڑھاپے میں بھی بچہ پیدا کر دے ۔ اللہ تعالیٰ

نے یہ کہہ کر زکریا علیہ السلام کو مطمئن کر دیا۔

زکریا علیہ السلام خوشی سے لبریز تھے اور وہ بچے کی پیدائش کے متعلق کوئی نشانی چاہتے تھے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً پھر عرض کیا پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی بنا دے جس سے اندازہ ہو جائے کہ میری بیوی کو واقعی حمل قرار پایا ہے۔ تاکہ میاں بیوی کو مزید خوشی حاصل ہو جائے قَالَ آيَتُكَ أَنْ تَكُونَ نَافِلًا نشانی یہ ہے کہ أَلَّا تَكَلِّمَ النَّاسَ لثَلَاثَ لَيَالٍ تَوَلُّوهُ سے تین دن رات تک کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔ مسوئیاً حالانکہ تو بالکل صحیح سلامت ہو گا۔ بعض اوقات انسان کسی بیماری یا ذہنی خرابی کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے بولنے چاہنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات زبان میں مکنت پیدا ہو جاتی ہے یا کوئی شخص گونگا ہوتا ہے اور کلام نہیں کر سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ بالکل تندرست اور صحیح سلامت ہونے کے باوجود کلام کرنے پر قادر نہیں ہوں گے۔ البتہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد ثنا اور تسبیح و تہلیل انجام دیتے رہیں گے فرمایا یہ نشانی ہے، جب آپ کی حالت ایسی ہو جائے تو سمجھ لینا کہ آپ کی بیوی کو حمل قرار پایا ہے اور اب بچہ ہونے والا ہے۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ زکریا علیہ السلام لبسے چلنے سے عاجز آگئے۔ اس حالت میں فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ زکریا علیہ السلام اپنے لوگوں کے پاس آئے اپنے حجرہ عبادت سے نکلے اور قوم کے پاس آئے فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنِ ابْنُوا لِي بُرْجًا بتا رہا تھا کہ لَا تَكُنْ مِنَ الْخٰسِرِينَ نہ بول سکتے تھے، صرف اشارے سے بات سمجھائی کہ كُنْ سَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكَ كَثِيرًا وَبِشْيَءٍ نَّحْمَدُكَ اور تجھے پر اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر۔ گویا اس حالت میں زکریا علیہ السلام نے

حق تبلیغ ادا کیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف راغب کیا۔
 یہ نشانی ایک معجزہ تھی جو اللہ نے محمدی علیہ السلام کی پیدائش کے ضمن میں
 ظاہر فرمائی تھی۔

قال الم ۱۶

مریم ۱۹

درس چہارم ۴

آیت ۱۲ تا ۱۵

لِيَحْيِيَ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۖ وَاتَّبِعْهُ الْحَكْمَ صَبِيًّا ۝^{۱۲}
 وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۝^{۱۳} وَبَرًّا
 بِوَالِدَيْهِ ۖ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝^{۱۴} وَسَلَامٌ
 عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ
 حَيًّا ۝^{۱۵}

ترجمہ :- اے یحییٰ ! پکڑو کتاب کو مضبوطی کے ساتھ
 اور دیا ہم نے اُن کو حکم بچپن میں ۝^{۱۲} اور شفقت اپنی طرف
 سے اور پاکیزگی اور تھا وہ متقی ۝^{۱۳} اور نیکی کرنے والا اپنے
 والدین کے ساتھ اور نہیں تھا وہ سرکش اور نافرمان ۝^{۱۴} پس
 سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا، اور جس دن وہ
 مرے گا اور جس دن دوبارہ اٹھایا جائے گا ۝^{۱۵}

یات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا
 کہ انہوں نے بڑھاپے میں ایک ایسے بیٹے کی درخواست کی جو اُن کی علمی جانشینی
 کا حق ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور زکریا علیہ السلام کی خوشی
 اور سرور کے لیے استقرار حمل کی نشانی بھی بتلائی کہ آپ تین دن رات تک سوائے
 اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید کے کوئی کلام نہیں کر سکیں گے۔ یہ نشانی بھی ظاہر
 ہوئی اور پھر اللہ نے بانجھ بیوی سے زکریا علیہ السلام کو ایک عظیم الشان فرزند عطا فرمایا یہ بھی
 اللہ کا نبی تھا اور اس کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتلادیا تھا اور یہ بھی کہ اس سے پہلے اس
 نام کا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

تمسک
بالکتاب

جب یہ بچہ سن شعور کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے یوں خطاب فرمایا
 لِيَتَّخِذَ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ يَحْيِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اس کتاب کو مضبوطی
 کے ساتھ پکڑ لو۔ یحییٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کا درمیانی دور تھا اور اس دور میں اللہ کی کتاب نورات ہی فذل
 تھی، لہذا اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب کے ساتھ تمسک کا حکم دیا کہ اس کے
 احکام کو سیکھو، خود ان پر عمل کرو اور پھر اس کی تبلیغ کا حق ادا کرتے ہوئے
 دوسروں سے اس پر عمل کرو۔ اگرچہ بعض انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے صحائف بھی
 عطا فرمائے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء اسی تور
 کی تبلیغ و اشاعت پر مامور تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو بھی اسی
 بات کا حکم دیا۔ نبی اسرائیل کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا یہی حکم تھا۔ "خُذُوا مَا
 آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"
 (البقرة - ۶۳) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے، اسے مضبوطی سے پکڑ لو،
 اس کو سیکھو سکھلاؤ، خود عمل پیرا ہو جاؤ اور اسے آگے بھی چلاؤ۔ اللہ نے یہ
 بھی فرمایا "الَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
 إِنَّا لَا نَنْصِفُ أَحَدًا الْمُصْلِحِينَ" (الاعراف - ۱۷۱) جو لوگ کتاب کو
 مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں تو ہم مصالِحین کی نیکی کو ضائع
 نہیں کرتے۔ بہر حال تمسک بالکتاب تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ تعلیم ہے
 اس آخری امرت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب
 اور آخری نبی کی سنت کو مضبوطی سے تھام لیں حجۃ الوداع سے واپسی کے
 سفر کے دوران حضور علیہ السلام نے امرت کے لیے دو چیزوں کی وصیت فرمائی
 تھی، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے حضور کے اہل بیت، کتاب اللہ
 کی تاکید اس لیے کہ دین کی اساسی تعلیم اسی کتاب میں ہے، اور اہل بیت
 کی تاکید اس لیے کہ اس کتاب کی تعلیم کا قریبی ذریعہ حضور علیہ السلام کا خاندان

قرآن و سنت
پر استقامت

ہی ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِيْ بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ“ اللہ نے جو کچھ تمہارے گھروں میں نازل کیا ہے اس کو یاد کرتی رہو۔ یہ ازواج مطہرات سے خطاب ہے اور نازل ہونے والی چیز کتاب و سنت ہی تو ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گہری ہے تَرَكَتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُم بِهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر ان کو مضبوطی سے پکڑ رکھو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور میرا دستور العمل ہے۔ مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام الہی کو سیکھا جائے، ان پر عمل کیا جائے اور ان کو آگے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ اگر کتاب کے متن کو نہ پڑھا جائے نہ سمجھا جائے، نہ اس پر عمل کیا جائے اور نہ اس کی تبلیغ کی جائے تو کتاب اپنی جگہ پڑی ہے گی اور اس سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوگا اسی لیے اللہ نے کتاب الہی کے بارے میں جگہ جگہ فرمایا ہے ”فَبِآيِّ حَدِيثٍ اَبْعَدُہُ يُوْمِنُوْنَ“ (المسلسلہ - ۵۰) اگر اللہ کی آخری کتاب پر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر اور کون سی کتاب آئے گی جس پر عمل کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری پروگرام تو یہی ہے جو ہمیشہ کے لیے قابل عمل ہے۔ اللہ نے فرمایا ”اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا“ (محمد - ۲۴) تم قرآن پاک میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، اس کو ضبط کر کے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ کیا تمہارے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ سورۃ ص میں فرمایا ”کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اٰیٰتٍ مُّبٰرَکَہٗ لِّیَذَّکَّرُوْا اٰیٰتِہٖ“ یہ ایک مبارک کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے تاکہ اس کی آیتوں میں غور و فکر کر سکو۔

وَلْيَتَذَكَّرْ أُولُوا الْأَلْبَابِ (آیت - ۲۹) تاکہ صاحب عقل و فہم
اس سے نصیحت حاصل کریں۔ خود سیکھیں، اس کے مطابق اپنا عقیدہ
بنائیں اور اپنے اخلاق اور عمل کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔
جو لوگ ایسا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کے شامل حال ہوگی۔

یحییٰ علیہ السلام
کا علم و
دانش

آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کیے گئے بعض انعامات
کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا **وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا** اور ہم نے اُن کو
بچپن ہی میں حکم یعنی علم و دانش عطا کیا۔ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کو نبوت
چالیس سال کی عمر میں ملتی رہی ہے مگر دو شخصیتیں ایسی ہیں جنہیں یہ شرف
بچپن میں ہی حاصل ہو گیا۔ ایک یحییٰ علیہ السلام اور دوسرے عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ
دونوں انبیاء بچپن ہی میں کتاب اللہ کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیتے
ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد حضرت زکریا علیہ السلام ضعیف ہو
چکے تھے۔ آپ بھی اللہ کے عظیم المرتبت نبی تھے اور اپنی جائیداد کے لیے
اللہ سے مانگ کر بیٹا لیا تھا۔ اللہ نے اُسے بچپن میں ہی کمال درجے کا شعور
عطا فرمایا اور آپ نے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ اور اس طرح
آپ اپنے والد گرامی کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ تو فرمایا ہم نے اُسے بچپن
میں ہی علم و دانش عطا فرمایا جو کہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔

یحییٰ علیہ السلام
کی شفقت
اور پاکیزگی

اللہ نے یحییٰ علیہ السلام کو علم و دانش دیا اور ساتھ فرمایا **وَحَنَانًا مِّنَ
لَّدُنَّا وَزَكَاةً** ہم نے اپنی طرف سے انہیں شفقت اور پاکیزگی بھی عطا
فرمائی۔ اللہ نے یحییٰ علیہ السلام میں کمال درجے کی رقت رکھی تھی۔ مفسرین بیان
کرتے ہیں کہ ہر وقت آپ کے آنسو جاری رہتے تھے۔ آپ اکثر تڑپتے
گرہہ و زاری کرتے تھے۔ بہر حال حنان شفقت، رافت اور مہربانی کو
کہتے ہیں۔ اس کی مثالیں پرانے شعراء کے کلام میں بھی ملتی ہیں۔ جیسے

أَبَا مَنذِرٍ أَفْنَيْتَ فَاسْتَبَقَ بَعْضًا حَنَانِيكَ بَعْضُ الشَّرَّاهُونَ مِنْ بَعْضٍ

اے ابو المنذر! تم نے تو سب کو فنا کر دیا ہے، بعض کو تو سہنے دور ہم
تو تمہاری شفقت کے طلبگار ہیں۔

الحنان اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا
ہے کہ بعض جہنمی دوزخ میں یا حنان یا حنان پکاریں گے وہ ہزار سال تک
شفقت کرنے والے خدا تعالیٰ کو پکارتے رہیں گے پھر اس کے بعد ان
کو جواب ملے گا تو مایوس ہو جائیں گے کیونکہ یہ لوگ ابدی سزا کے مستحق ہوں
گے اور رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں ہوگی۔ بہر حال حنان کا معنی شفقت
اور رُفقت ہوتا ہے جنس شوق کو بھی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے یحییٰ علیہ السلام کو آخرت کا شوق بھی عطا فرمایا تھا، اور آپ کے اندر
رُفقت اور نرمی بھی پائی جاتی ہے تو فرمایا ہم نے اپنی طرف سے انہیں شفقت
عطا فرمائی۔

زکوٰۃ کا معنی پاکیزگی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت بھی یحییٰ علیہ السلام
کو عطا فرمائی تھی۔ ابو داؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ تمہارا باقی ماندہ مال
پاک ہو جائے۔ جب تک مال سے زکوٰۃ نہ نکالی جائے وہ ناپاک ہی رہتا
ہے۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مال کو پاکیزہ بناتی ہے جس
طرح ناپاک جسم یا ناپاک کپڑا دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا، اسی طرح زکوٰۃ نکالے
بغیر مال پاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب تک دیگر مالی حقوق ادا نہ کیے جائیں
مال ناپاک رہتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اگر مستی الدعوات
بننا چاہتے ہو تو خوراک کو پاک بناؤ۔ پاکیزہ خوراک کھاؤ گے تو عبادت، ریت
اور نماز بھی قبول ہوگی، ورنہ نہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے
ہیں کہ پاکیزہ خوراک کھائے بغیر پاکیزہ خون پیدا نہیں ہوگا، اور اگر خون
ناپاک ہوگا۔ تو اخلاق بھی ناپاک ہوں گے اور انسان کمال حاصل نہیں کر سکے

گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے سچی علیہ السلام کو کمال درجے کی پاکیزگی عطا فرمائی تھی۔
 فرمایا وَكَانَ تَقِيًّا اور سچی علیہ السلام بڑے متقی تھے۔ امام شاہ ولی
 تقویٰ کا معنی یوں کہلاتے ہیں "محافظت برحدود شرع" یعنی شریعت کے حدود
 کی حفاظت کہنا تقویٰ ہے۔ اس کا معنی ڈرنا اور بچنا بھی ہے، کفر، شرک،
 نفاق، بدعتیہ کی اور کبائر سے بچنا اور پھر درجہ بدرجہ مشکوک چیزوں سے پرہیز
 کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی سات
 صفات ذکر کی ہیں جن میں آخری صفت یہی ہے۔ "وَالْحَافِظُونَ
 لِحُدُودِ اللَّهِ" (آیت - ۱۱۲) وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں
 نہ کہ ان کو توڑتے ہیں۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا "تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا
 تَعْتَدُوهَا" (آیت - ۲۲۹) یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ ان سے تجاوز
 نہ کرو۔ "وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
 الظَّالِمُونَ" (آیت - ۲۲۹) جو اللہ کی حدود سے آگے نکلے گا۔ وہ
 ظالموں میں شمار ہوگا۔ بہر حال حدود اللہ کی حفاظت کرنے کا نام تقویٰ ہے۔
 تو فرمایا حضرت سچی علیہ السلام کمال درجے کے متقی تھے۔

اللہ نے سچی علیہ السلام کی ایک یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے وَبِرًّا
 بِالْوَالِدَيْنِ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے۔ یہ حکم عام ہے
 اور ہر شخص کا فرض ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔
 اور اگر ماں باپ بوڑھے ہو چکے ہیں تو زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ اگر والدین
 کفر یا شرک کی طرف راغب کریں۔ تو پھر ان کی اطاعت ساقط ہو جاتی
 ہے۔ البتہ فرمایا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان - ۱۵)
 کہ دنیا میں دستور کے مطابق ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرو۔ اور اگر والدین
 مومن ہیں تو پھر ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرو اور کوئی ایسا کام نہ کرو
 جو ان کی اذیت کا باعث ہو۔

انسانی حقوق میں اولین حق والدین کا ہے اور اس کے بعد قرابتداروں کا نمبر آتا ہے۔ فرمایا "قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ" (بنی اسرائیل - ۲۶) قرابت داروں کے بعد مساکین اور مسافروں کے حقوق بھی ادا کرو بلکہ فرمایا "قَاتِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ" ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔ جب تک تمام حقوق ادا نہیں کرو گے، تم میں کمال اخلاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور مخلوق کے حقوق سے پہلے اللہ کا حق بھی ہے "وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا" (بنی اسرائیل - ۲۳) اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے اس کا حق مقدم ہے اور وہ یہ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور پھر والدین کے ساتھ احسان کرو۔ مطلب یہ کہ انان متقی اس وقت ہوگا جب وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی بجا آوری کرے گا۔ یہ تمام خوبیاں حضرت یحییٰ علیہ السلام میں اللہ نے ڈال دی تھیں۔

فرمایا "وَلَوْ كُنَّ جَبَّارًا عَصِيًّا" یحییٰ علیہ السلام نہ تو سرکش تھے اور نہ نافرمان۔ جبر کا معنی سرکشی کرنا، ظلم کرنا یا کسی کو ناحق ستانا ہوتا ہے۔ اکثر حکمران اور طاقتور لوگ جبار ہوتے ہیں، فرعون، منور اور ابو جہل وغیرہ اسی خصلت کے مالک تھے۔ جبار خدا تعالیٰ کا نام بھی ہے اس کے دو معنی آتے ہیں۔ پہلا معنی بڑائی اور کسی چیز کا مالک ہونا ہے حقیقت میں جبار تو خدا تعالیٰ ہے۔ جو تمام بیانیوں کا مالک ہے اور ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ جباری اسی کی ذات کے ساتھ لائق ہے۔ عاجز مخلوق کے ساتھ جباریت مناسب نہیں۔ جبر کا دوسرا معنی تلافی کرنا ہے یعنی کسی کی شکستگی اور کمزور حالت کو درست کر دینا۔ کسی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دینا۔ یہ صفات بھی اللہ تعالیٰ کی ہیں اور صحیح معنوں میں جبار کہلانے کا وہی حقدار ہے یحییٰ علیہ السلام مخلوق ہیں اس لیے فرمایا کہ وہ جبار نہیں تھے

اور نہ ہی نافرمان تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اپنے والدین کے مکمل فرمانبردار تھے۔
 حضرت یحییٰ علیہ السلام کے یہ اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے یحییٰ علیہ السلام
 اُن کو خوشخبری بھی سنائی وَسَلِّمْ عَلَیْهِ اور سلامتی ہے آپ پر یَوْمَ وَلَدَ کے لیے
 جس دن آپ پیدا ہوئے وَلِیَوْمَ مَرِّمَوْتِ اور جس دن آپ
 دنیا سے رخصت ہوں گے وَلِیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا اور جس دن آپ کو
 دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تینوں مواقع پر یحییٰ علیہ السلام کو
 آفات و بلیات سے محفوظ رکھا۔ پیدائش کے وقت بھی ہر قسم کی آفات
 خصوصاً دینی آفات سے سلامتی میں رکھا۔ اور پھر موت کا وقت تو بڑا نازک
 ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ رَافِعْ اَعْوَدُ بِكَ عِنْدَ الْمَوْتِ اِلَی اللّٰهِ
 میں موت کے وقت تیری ذات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں۔ اس وقت
 شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مرنے والا آدمی ایمان کے ساتھ رخصت
 نہ ہو۔ شیطان انسان کو دبا چنے کی کوشش کرتا ہے اسی لیے حضور
 علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ دعا سکھائی ہے تاکہ موت کے وقت
 شیطان کے شر سے محفوظ رہ سکیں اور پھر جب قیامت والے دن سب
 لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو وہ بھی بڑا نازک موقع ہوگا، ہر ایک کو
 اپنی اپنی پٹی ہوگی، ہر کوئی اپنے بچاؤ کا خواہشمند ہوگا۔ یحییٰ علیہ السلام پر
 اس دن بھی سلامتی ہوگی کہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے۔

قال الم ۱۶

درس پنجم ۵

مریم ۱۹

آیت ۱۶ ۲۱۲

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ
 أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۶ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ
 حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا
 سَوِيًّا ۝۱۷ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ
 كُنْتُ تَقِيًّا ۝۱۸ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ
 لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝۱۹ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ
 وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝۲۰ قَالَ كَذَلِكَ
 قَالَ رَبِّكِ هُوَ عَلَى هَيْئٍ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ
 وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱

ترجمہ :- اور ذکر کریں آپ کتاب میں مریمؑ کا، جب کہ وہ جدا
 ہوئیں اپنے گھر والوں سے ایک مشرقی مکان میں ۱۶ پس
 بنایا اُس نے اُن کے دے ایک پردہ پس بھیجا ہم نے
 اُس کی طرف اپنا ایک فرشتہ ۔ وہ متمثل ہوا اس کے سامنے
 ایک پورے انسان کی شکل میں ۱۷ کہا (مریمؑ نے) تحقیق میں پناہ
 لیتی ہوں رحمان کے ساتھ تجھ سے اگر تو ڈرنے والا ہے ۱۸
 اس نے کہا بیشک میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کی طرف
 سے تاکہ میں دوں تجھے ایک لڑکا پاکیزہ ۱۹ وہ کہنے لگی

کہاں سے ہو گا میرے لیے لڑکا، اور نہیں چھو مجھے کسی
 انسان نے اور نہیں ہوں میں بدکار ②۰ اُس نے کہا، اسی
 طرح ہو گا، فرمایا ہے تیرے پروردگار نے کہ یہ مجھ پر آسان
 ہے۔ اور تاکہ ہم بنا دیں اس کو ایک نشانی لوگوں کے لیے
 اور مہربانی اپنی طرف سے۔ اور تھا یہ معاملہ فیصلہ کیا ہوا ②۱
 پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ انہوں نے حضرت مریم کے پاس
 بے موسم پھل دیکھے تو اللہ کی بارگاہ میں اولاد کے لیے درخواست کی حالانکہ وہ جس بڑھاپے
 کو پہنچ چکے تھے وہاں عادتاً اولاد ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔
 اور سحی علیہ السلام جیسا عظیم الشان فرزند عطا کیا جس کا نام بھی اللہ نے خود تجویز فرمایا اور اس نام کا پہلے
 کوئی بچہ نہیں تھا۔ آپ کی پیدائش اللہ کی قدرت کا عظیم نمونہ تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی
 جو اُس نے اپنے برگزیدہ بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔ اس کے بعد اللہ نے سحی علیہ السلام کی
 حیثیت اور اُن کی فضیلت کا ذکر کیا۔ اللہ نے آپ کو بچپن میں ہی علم و دانش کی دولت عطا فرمائی
 آپ اللہ کے اطاعت گزار بندے اور اخلاق عالیہ کے حامل تھے۔ انہوں نے حقوق اللہ
 اور حقوق العباد کو پورے طریقے سے ادا کیا۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بہترین نمونہ تھے
 پھر اللہ نے انہیں بشارت سنائی کہ اُن پر پیدائش کے وقت، موت کے وقت اور دوبارہ جی اُٹھنے
 کے موقع پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے۔

حیرت انگیز
 واقعات

گذشتہ سورۃ میں اصحاب کہف، موسیٰ اور خضر علیہما السلام اور سکندر ذوالقمرین کے حیرت انگیز
 واقعات کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے معمولی چیزیں ہیں کیونکہ وہ
 قادر مطلق ہے اور کوئی بھی کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی
 بھی ساتھ رہی ہے۔ اصحاب کہف نے بھی اللہ کی رحمت کا ذکر کیا۔ پھر خضر علیہ السلام کے
 ہاتھ پر جو محیر العقول واقعات پیش آئے تھے، آپ نے انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر
 محمول کیا۔ اس کے بعد سکندر ذوالقمرین نے جو سکندری تعمیر کی، اُسے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت

کے ساتھ منسلک کیا۔ اب اس سورۃ میں حضرت زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیرت انگیز واقعات کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہ واقعات بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کا نمونہ ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل بیان کر کے دراصل اللہ تعالیٰ نے عقیدہ انبیت کا رد فرمایا ہے اور مسئلہ توحید سمجھایا ہے۔ شرک کی بدترین قسم خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے کی خاص طور پر نفی کی ہے۔ آگے حضرت مریمؑ کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جو کہ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تمثیل ہے یہ واقعات بعض دوسری سورتوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، خاص طور پر سورۃ آل عمران تو حضرت مریمؑ کے والد عمران کے نام پر ہی موسوم ہے جس میں اللہ نے خاندان عمران اور مسیح علیہ السلام کے متعلق تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان سے خطاب کر کے فرمایا ہے
وَإِذْ كَرَّمْنَا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ابْنَتَ مَرْيَمَ
کا ذکر کریں۔ کتاب سے مراد یہاں قرآن پاک ہے جو کہ حضور علیہ السلام پر نازل ہو رہا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب میں حضرت مریمؑ کا واقعہ نازل فرمایا اور اپنے نبی کو اس کا ذکر کرنے کے لیے کہا۔ اس سے پہلے یحییٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی کتاب کا ذکر آچکا ہے ”يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ“ یعنی اے یحییٰ علیہ السلام اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ وہاں پر کتاب سے مراد تورات تھی کیونکہ اُس دور میں تورات ہی کے احکام نافذ العمل تھے اور حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اسی کی تبلیغ و اشاعت پر مامور من اللہ تھے۔ تاہم اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم میں باقی کتب سماویہ کی نسبت علوم و معارف کے زیادہ خزانے موجود ہیں

حضرت مریمؑ
کا تذکرہ

یہ کتاب ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے کیونکہ اسکی حفاظت کی فہم داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جامع ترین کتاب ہے۔ اللہ نے اس کتاب میں حضرت مریمؑ کا ذکر فرمایا ہے۔

مریم کا معنی خادم ہوتا ہے۔ آپ کی والدہ نے منت مافیٰ بطنی کہ اللہ تعالیٰ اُسے بیٹا عطا کرے تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی، مگر اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی بجائے بیٹی عطا فرمائی تو عمران کی بیوی نے کہا کہ میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہوئی ہے "وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ" اور بیٹا اور بیٹی برابر تو نہیں ہوتے "وَلَا خِفَ سَمِيَّتُهَا مَرْيَمُ" (درال عمران - ۳۶) اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اُس نے جو بزرگی، کرامت اور شرف اس لڑکی کو بخشا وہ عام لڑکوں کو بھی کم نصیب ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ آپ کتاب میں حضرت مریمؑ کا تذکرہ کریں۔

ارشاد ہوتا ہے "إِذَا نَتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا" جب مریمؑ علیحدہ ہوئیں اپنے گھر والوں سے ایک مشرقی مکان میں۔ یہ واقعہ یروشلم شہر میں ہی پیش آیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کی عمر ۱۳ یا ۱۵ سال کی تھی جب آپ کو پہلی دفعہ حیض آیا۔ آپ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اُن کے لیے بیت المقدس میں الگ کمرہ مخصوص کر رکھا تھا۔ جہاں وہ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتیں۔ جب انہیں حیض کی شکایت پیدا ہوئی تو ان کو وہاں رہنا ممکن نہ رہا چنانچہ وہ بیت المقدس سے مشرقی جانب بیت اللحم میں منتقل ہو گئیں جہاں مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جس کی طرف رُخ کمرہ کے عیسائی نماز پڑھتے ہیں۔

مشرقی مکان کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں۔ اس سے بیت المقدس

حضرت مریمؑ کی علیحدگی

بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت مریم کے اپنے گھر سے مشرقی جانب تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بیت المقدس ہی میں مشرق ہی کے کسی کمرے میں چلی گئی ہوں۔ یا پھر بیت المقدس سے باہر ذرا فاصلے پر بھی مشرق کی طرف کوئی جگہ ہو سکتی ہے، جہاں حضرت مریم چلی گئیں کیونکہ انہیں ایام ماہواری شروع ہو چکے تھے اور انہوں نے غسل بھی کرنا تھا۔ پھر کیا ہوا؟ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا انہوں نے گھر والوں سے درے ایک پردہ لگا لیا تاکہ غسل کر سکیں۔ قرآن میں تو صرف گھر والوں سے علیحدگی ہی کا ذکر ہے۔ تاہم مفسرین فرماتے ہیں، کہ انہوں نے غسل کرنے کے لیے پردہ لگا لیا۔

جب حضرت مریم بالکل تنہائی میں چلی گئیں تو اللہ نے فرمایا
فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا روح سے مراد فرشتہ ہے اور روح الامین جبرائیل علیہ السلام کا لقب ہے جسے فرمایا نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (الشعراء: ۱۹۳) قرآن پر روح الامین کی وساطت سے نازل ہوا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریم کے پاس بھیجا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا پس وہ ایک مکمل انسان کی شکل و صورت میں حضرت مریم کے سامنے آکھڑا ہوا۔ سَوِيًّا سے مراد یہ ہے کہ وہ شکل و صورت، رنگ، ڈھنگ، غرضیکہ ہر لحاظ سے ایک خوبصورت انسانی شکل میں وارد ہوئے۔

جس طرح جنات کو اللہ نے یہ طاقت دی ہے کہ وہ جس شکل میں چاہیں متشکل ہو سکتے ہیں اسی طرح فرشتے بھی جس صورت میں چاہیں اپنے آپ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ احادیث میں کثرت سے آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

تنہائی میں
فرشتے
کی آمد

اکثر آپ کے پاس آپ کے ایک صحابی حضرت وحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے۔ حضرت وحیہ قبیلہ کلب کے سردار تھے، بڑے لمبے چوڑے قد کا ٹھکڑے کے وجہ سے انسان تھے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو قیصر روم کے پاس اپنا نامہ مبارک دے کر بھیجا تھا۔ بہر حال حضرت جبرائیل علیہ السلام وحیہ کلبیؓ کی شکل میں مشکل ہو کر حضور علیہ السلام کے پاس آتے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے وحیہ کلبیؓ بیٹھے ہیں مگر اُن کے جانے کے بعد پتہ چلتا کہ وہ تو جبرائیل علیہ السلام تھے اور قلاں آیات نازل ہوئی ہیں۔ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات جبرائیل علیہ السلام کسی اجنبی شخص کی شکل و صورت میں بھی آتے تھے۔ چنانچہ ارکان اسلام والی مشہور حدیث میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ایک خوبصورت وجہیہ شکل انسان کی شکل میں آئے۔ اُن کے کپڑے بالکل سفید اور بال بالکل سیاہ تھے۔ اجنبی ہونے کے باوجود اُن پر سفر کے آثار نظر نہیں آتے تھے انہوں نے صحابہ کی مجلس میں حضور علیہ السلام سے گفت و شنید کی اور پھر چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد آپ علیہ السلام نے بتلایا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور تمہیں دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔

محدث عبدالغنی نابلسیؒ اور بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت مریمؑ کے سامنے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں آئے تھے اُن کا استدلال یہ ہے کہ سوگایا سے ایسی شخصیت مراد ہے جو پوری نوع انسانی میں ہر لحاظ سے معتدل ہو اور یہ صفت صرف حضور علیہ السلام میں پائی جاتی ہے کہ آپ عادل البشر ہیں۔ آپ اپنے قوی و اعضاء اور شکل و صورت میں سب سے زیادہ معتدل ہیں شیخ ابن سیناؒ کا بھی یہی قول ہے کہ پوری کائنات میں اپنے جسم اور قوی کے اعتبار سے معتدل ترین شخصیت حضور علیہ السلام کی ہے۔ ہر انسان کے قوی کم و بیش ہوتے ہیں کسی میں بلغم کی زیادتی ہوتی ہے اور کسی میں خشکی کی کسی میں سودا کا مادہ زیادہ ہوتا ہے

تو کسی میں صفر اکھا، مگر حضور علیہ السلام کے تمام اخلاط معتدل تھے اور اللہ نے آپ کو بہترین شکل و صورت اور معتدل ترین اخلاط یہ پیدا فرمایا تھا۔

حضرت مریم سے گفتگو
جب حضرت مریمؑ نے اس تنہائی میں ایک شخص کو اپنے سامنے موجود پایا تو سخت گھبرائیں۔ یہ ان کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا اور آپ کو اپنی عفت و پاکدامنی کا پاس تھا۔ قَالَتْ نَوْرًا بُولِيسَ اِنْجِي اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں اِنْ كُنْتُ تَقِيًّا اگر تو متقی ہے۔ یہ محاورہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہتا ہے کہ یہ کام نہ کر اگر تو مومن ہے۔ تو مریمؑ نے بھی یہی کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتی ہوں۔ بھلا تو اس تنہائی میں کیسے یہاں آگیا؟ بعض فرماتے ہیں کہ اِنْ كُنْتُ میں اِنْ نافیہ ہے اور اصل میں یہ ہے مَا كُنْتُ تَقِيًّا یعنی تو متقی معلوم نہیں ہوتا جو اس تنہائی میں وارد ہوا۔ بہر حال نفی کا معنی ہو یا اثبات کا مطلب ایک ہی ہے کہ اگر تیرے دل میں خوف خدا ہے تو فوراً یہاں سے چلا جا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی امان میں رکھے۔ حضرت مریمؑ پر گھبرائے کا عالم تھا اور اسی حالت میں ان کی زبان سے یہ کلمات ادا ہوئے۔

اس کے جواب میں قَالَ فرشتے نے کہا، اِنَّمَا اَنَا رَسُولُ رَبِّكَ گھبراؤ نہیں، میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ میں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں۔ اور میرے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے لَا هَبَ لَكِ عِلْمًا زَكِيًّا تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں۔ مجھے اللہ نے اس کام پر مامور کیا ہے۔ اس پر حضرت مریمؑ کو سخت استعجاب ہوا۔ قَالَتْ كَيْفَ يَكُوْنُ لِيْ عِلْمٌ كَمَا لَمْ يَكُنْ لِيْ میرے لیے وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ کیونکہ مجھے تو آج تک کسی مرد نے نہیں چھوا وَلَمْ اَلِكْ بقیہ اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ بچہ پیدا

ہونے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کہ یا تو عورت کسی مرد کی منکوحہ ہو اور پھر دونوں کے ملاپ کے نتیجے میں حمل قرار پائے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ یہ بدکاری کا نتیجہ ہو، مگر مریمؑ تو دونوں چیزوں سے پاک تھیں۔ لہذا انہیں بچے کی بشارت پر سخت حیرانگی ہوئی کہ میرے ماں کیسے بچہ پیدا ہو گا۔ جب کہ اس کے لیے ظاہری اسباب تو موجود ہی نہیں ہیں۔ تب فرشتے نے جواب دیا **قَالَ كَذَلِكَ قَالَ ابْنُ مَرْيَمَ** ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ بغیر ظاہری اسباب کے ہی تمہیں بچہ عطا کرے۔ **قَالَ رَبِّ اكْنُزْهُ** نے فرمایا ہے **هُوَ عَلَيَّ** کہ ایک نامیرے لیے بالکل آسان ہے۔ میری قدرت ناممکن اور حکمت بالمشیت سے کوئی چیز بعید نہیں۔ میں ہر چیز کرنے پر قادر ہوں، لہذا بغیر ظاہری اسباب کے بچہ عطا کر سکتا ہوں۔

سورۃ آل عمران میں یہ ذکر آچکا ہے **إِنَّمَا مَثَلُ عِيسَىٰ** **عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ** (آل عمران - ۵۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ جنہیں اللہ نے محض مٹی سے پیدا کیا۔ جب کہ وہاں انسان کی پیدائش کے لیے روایتی اسباب تھیں تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش پر تعجب نہ کرتے ہو مگر آدم علیہ السلام کی پیدائش پر تعجب نہیں کرتے عیسیٰ علیہ السلام تو پھر بھی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے مگر آدم علیہ السلام کے لیے تو یہ ذریعہ بھی موجود نہیں تھا۔ نہ ماں، نہ باپ بلکہ مٹی کا مجسمہ بنا کر اللہ نے اس میں روح پھونکی اور آدم علیہ السلام کو وجود بخشا۔ انسان کی اصل خاکی ہے اور خاک میں عجز و نیاز مندی کا عنصر غالب ہے لہذا انسان کو غرور و تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کا انسان ہونا ہی اس کے لیے بہت بڑی بات ہے۔

میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناپسند تھا، سو مجھے انسان کیا

اللہ تعالیٰ
کی قدرت ناممکنہ

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمرہ شمعہ ملاحظہ کیجئے، اللہ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا، پھر حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے ماں کے واسطے کے بغیر پیدا فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور نسل انسانی کی بقا کا عام اصول یہ ہے کہ یہ نسل ماں باپ دونوں کے توسط سے آگے بڑھتی ہے۔ خدا قادر مطلق ہے اُس نے زکریا علیہ السلام کو ایک سو بیس سال کی عمر میں فرزند عطا کیا حالانکہ اُن کی بیوی بھی بامعجزہ تھی۔ یہ بھی خدا کی قدرت کا ایک نمونہ اور اُس کی رحمت کی ایک نشانی ہے تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے مریم! بغیر کسی مرد کے ہاتھ لگائے تجھے بچہ عطا کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے

فرمایا، بچہ عطا کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً
لِّلنَّاسِ تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادیں۔ سورۃ مؤمنوں
میں اللہ نے فرمایا وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَامَّتَهُ آيَةً (آیت ۵)
ہم نے عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو تمام جہان کے لیے ایک نشانی بنادیا
ان دونوں کی پوری زندگی کے حالات ہی ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر قائم کر دیا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ
پر ایمان لائیں۔ فرمایا یہ صرف نشانی نہیں بلکہ وَرَحْمَةً مِنَّا ہماری جانب
سے مہربانی بھی شامل حال ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ
علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی
تھی کہ انہیں برگزیدہ بنایا اور اُن پر طرح طرح کے انعامات کیے۔ اللہ نے
خود مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ میں بھی کمال رُجے کا مادہ رحم و مدیعت
فرمایا تھا۔ وَكَانَ امْرَأًا مَّقْصُودًا اور یہ ایک طے شدہ فیصلہ تھا۔
اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ طے شدہ بات تھی کہ حضرت مریمؑ کو اس

نشان
قدرت

طریقے سے بغیر باپ کے بیٹا عطا کرتا ہے جو کہ اللہ کا جلیل القدر صاحب
کتاب رسول ہوگا۔ اب اگلی آیات میں حضرت علی علیہ السلام کی پیدائش
اور دیگر حالات بیان ہو رہے ہیں۔

قال الم ۱۲

درس ششم ۶.

مریم ۱۹

آیت ۲۲ ۲۱ ۲۶

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۚ ۲۲ فَاجَاءَهَا
 الْمَخَاضُ الْحَدِيدُ ۚ جَذَعَ النَّخْلَةَ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ
 قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَّنْسِيًّا ۚ ۲۳ فَنَادَاهَا مِنْ
 تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۚ ۲۴
 وَهَزَيْتَنِ إِلَيْكَ ۖ جَذَعَ النَّخْلَةَ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا
 جَنِيًّا ۚ ۲۵ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فِيمَا تَوَلَّيَ
 مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۚ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا
 فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۚ ۲۶

ترجمہ:- پس حاملہ ہوئی وہ (مریمؑ) اُس بچے کے ساتھ - پھر
 اُس کو لے کر چلی گئی ایک دور مکان میں ۲۲ پھر مجبور کیا اُس
 کو درد زدہ نے کھجور کے ایک تنے کی طرف - تو کہنے لگی
 کاش کہ میں مَر جاتی اس سے پہلے ، اور ہوتی میں بھولی
 بھلائی ہوئی ۲۳ پس پکارا اُس کو اُس کے نیچے کی طرف
 سے کہ نہ غمگین ہو تم ، بیشک بنایا ہے تیرے پر درگاہ
 نے تیرے نیچے ایک چشمہ ۲۴ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے
 کو تو گریں گے تم پر کھجور کے تازہ پھل ۲۵ پس کھاؤ اور
 پیو اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کرو - پس اگر دیکھو تم کسی ایک کو آدمیوں

میں سے تو کہو بیشک میں نے نذر مانی ہے رحمان کے
 لیے روزہ رکھنے کی۔ پس میں ہرگز کلام نہیں کروں گی آج
 کے دن کسی انسان سے (۲۶)

پہلے حضرت مریمؑ کی ولادت کا ذکر ہوا۔ پھر جب وہ جوان ہو گئیں تو اللہ کی طرف سے
 فرشتہ انسانی شکل میں متمثل ہو کر تنہائی میں ان کے سامنے آگیا۔ حضرت مریمؑ کو بڑا استعجاب ہوا۔
 اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی پناہ طلب کی۔ فرشتے نے کہا کہ میں تیرے پروردگار کا فرستادہ
 ہوں اور تجھے ایک بچہ عطا کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت مریمؑ کو مزید تعجب ہوا کہ نہ تو ان کا
 نکاح ہوا ہے اور نہ ہی مقاربت، وہ بدکار بھی نہیں ہیں، تو پھر بچہ کیسے ہوگا۔ اللہ کے فرشتے نے
 کہا کہ بچہ پیدا کرنا تیرے پروردگار کے لیے نہایت آسان ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اور ہر چیز کام کرنے
 پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا چاہتا ہے۔ یہ اُس کی
 مہربانی سے ہوگا جو کہ فیصلہ شدہ امر ہے۔

اب آج کی ابتدائی آیت میں حضرت مریمؑ کے استقرارِ حمل کا ذکر ہے۔ البتہ درمیان
 میں ایک چیز محذوف ہے جس کا ذکر سورۃ الانبیاء میں اللہ نے اس طرح کیا ہے "فَقَحَّضْنَا
 فِيهَا مِنْ رُوحِنَا" (الانبیاء ۹۱) ہم نے اس میں اپنی روح پھونپی جس سے حمل قرار پایا
 یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرتِ تامہ کا ظہور تھا کہ محض پھونک مارنے سے حمل ہو گیا۔ یہاں پر
 اسی بات کو بیان کیا گیا ہے فَحَمَلَتْہُ پس مریم حاملہ ہو گئیں۔ اب حمل کی مدت کے متعلق
 مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، سات، آٹھ یا نو ماہ کا حمل عام طور پر ہوتا ہے اور عام مفسرین
 اسی بات کے قائل ہیں کہ حضرت مریمؑ نے حمل کی مدت معمول کے مطابق پوری کی۔ البتہ حضرت
 عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ حمل کی مدت معمول سے ہٹ کر تھی۔ ان کی تحقیق کے
 مطابق نوحہ جبرائیلؑ سے حمل قرار پایا۔ اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے پیٹ
 میں بچے کی تصویر بنائی اور چنہ گھنٹوں کے اندر اندر بچہ مکمل طور پر تیار ہو کر ولادت کے قابل ہو گیا
 امام جہزریؒ نے المثل السائر میں اس بات کو پورے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حمل قرار پانے

کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ زچگی کی حالت طاری ہو گئی اور ولادت کا وقت قریب آ گیا۔ اب حضرت مریمؑ کو طبعی طور پر پریشانی لاحق ہوئی۔ ایسی حالت میں انہوں نے اپنی جائے قیام پر رہنا پسند نہ کیا۔ لہذا وہ کسی دور مکان میں چلی گئیں تاکہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔

زچگی کی
حالت

اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا فَاَنْتَبَذَتْ بِاَمِّ مَكَّانًا قَصِيًّا۔ حضرت مریم بچے کو پیٹ میں اٹھائے۔ کسی دور مکان میں چلی گئیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ بیت اللحم میں چلی گئیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اُسی مقام پر ہوئی تھی اور یہ جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل کی مسافت پر ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اپنے مکان سے کہیں دور کسی جنگل یا پہاڑ میں چلی گئیں۔ انہوں نے تنہائی کی جگہ تلاش کر لی جہاں کوئی مرد یا عورت نہیں تھی۔ اسی حالت میں فَلَجَاءَهَا الْمَخَاضُ الْحَالِ جَذَعُ الْخُكَّةِ دردِ زہ نے انہیں کھجور کے ایک تنے کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ مخض دراصل پیٹ میں بچے کی حرکت کو کہتے ہیں جب وہ ولادت کے قریب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عورت کے لیے اضطرابی حالت ہوتی ہے۔ اور اس حالت میں بعض اوقات عورت اپنے ہاتھوں یا پیشانی کے ساتھ کسی جگہ سے ٹیک لگاتی ہے کیونکہ بچے کی پیدائش کے وقت زور لگتا ہے۔ اُس وقت عورت کو بڑی تکلیف ہوتی ہے جسے بعض عورتیں برداشت نہ کر کے موت کے منہ میں بھی چلی جاتی ہیں اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ زچگی کی حالت میں وفات پانے والی ایماندار عورت شہادت کا درجہ پائیگی۔ بہر حال دردِ زہ نے حضرت مریمؑ کو مجبور کیا اور وہ خوشاک کھجور کے ایک تنے کے پاس چلی گئیں۔ آپ پر سخت اضطرابی حالت تھی اور اسی حالت میں آپ نے کہا قَالَتْ يٰكَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا کاش کہ یہ معاملہ پیش آنے سے پہلے

میں مر چکی ہوتی وَكُنْتُ نَسِيًا مِّنْهُمْ اور میں بھولی بھری ہو جاتی
یعنی میرا نام و نشان تک باقی نہ ہوتا۔

موت کی
تمت

حضرت مریمؑ کی طرف سے یہ موت کی تمنا تھی جو کہ عام حالات
میں جائزہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ
فرماتے ہیں کہ دنیاوی غم کی وجہ سے اضطراری حالت میں ایسی بات زبان
سے نکل جاتا عیب کی بات نہیں ہے۔ تاہم حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے
لیے باعث تشویش یہ امر تھا کہ لوگ طعنہ زنی کریں گے کہ کنواری مریمؑ کے
ہاں بچہ کیسے پیدا ہو گیا۔ حضرت مریمؑ کا خیال تھا کہ وہ لوگوں کی طعنہ زنی پر
صبر نہیں کر سکیں گی۔ اور بے صبری بجائے خود ایک مصیبت ہے لہذا
اس مصیبت در مصیبت سے بہتر ہے کہ اُسے موت ہی آجائے کیونکہ
موت واقع ہونے سے بظاہر ہر قسم کی تکالیف ختم ہو جاتی ہیں۔ اور
انسان کسی بات کا مکلف نہیں رہتا۔ امام ابو بکر حصا ص اور بعض دوسرے
مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کو اپنی تکلیف کا احساس نہیں تھا۔
اور نہ وہ اس وجہ سے موت مانگ رہی تھیں۔ انہیں تو خدا تعالیٰ کا پیغام
فرشتے کے ذریعے پہنچ چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس طریقے سے بیٹا
عطا کرنا چاہتا ہے، لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی مثبت اور تقدیر پر راضی تھیں
اور وہ سمجھتی تھیں کہ اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ٹھیک ہے۔ البتہ
انہیں فکر اس بات کی تھی کہ لوگ اُن پر بلا وجہ طعنہ زنی کر کے گناہ میں
بتلا ہوں گے اور آپ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ لوگوں کے لیے گناہ کا
باعث بنیں۔ اس بات کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں
بھی ملتی ہے۔ انہوں نے بتوں کے متعلق اللہ کے حضور دُعا کی تھی۔
”رَبِّ انْهِنِّ اَصْنَانِ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ اِیَّیْہِمْ یُرْوَ دُکَانَہِمْ
ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ حالانکہ بت تو بے جان

ڈھانچے تھے، وہ بھلا کسی کو کیا گمراہ کرتے۔ دراصل لوگ خود بتوں کی پوجا کہ
کے اور اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر گمراہی میں پڑتے تھے، تاہم
اس گمراہی کا سبب تو یہی بت تھے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے عرض
کیا "وَاجِبُنِي ذُرِّيَّتِي اَنْ تَعْبُدَ الْاَصْنَامَ" (ابراہیم - ۲۵)
اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے محفوظ رکھ۔ بہر حال
مقصود یہ ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو گمراہی کا سبب قرار
دیا، اسی طرح حضرت مریمؑ نے بلا نکاح بچے کی پیدائش کو لوگوں کے گناہ
میں مبتلا ہونے پر محمول کیا، اور اس واسطے موت کی تمنا کی تاکہ گناہ میں آلودگی
کا سبب ہی ختم ہو جائے۔

حضرت مریمؑ کی اس پریشانی کے عالم میں فَنَادَ لَهَا صَاحِبُ
تَحْتِهَا بِسْمِکَ اِس کو نیچے کی جانب سے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پکانے
والا وہی فرشتہ تھا جس نے پہلے بچے کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی۔ مگر
اب زچگی کی حالت میں وہ حضرت مریمؑ کے سامنے نہیں آیا تھا، بلکہ
نیچے اوٹ میں رہ کر اُس نے حضرت مریمؑ کو آواز دی اَلَا تَحْزَنُ
کہ اے مریم! غمگین نہ ہو۔ زچگی کی اس حالت میں تمہیں پریشانی ضرور ہے
ایسے موقع پر عورتیں پاس ہوتی ہیں جو ضرورت کی اشیاء دہیا کرتی ہیں اور
زچہ کی ڈھارس بندھاتی ہیں، مگر تو یہاں بالکل اکیلی ہے۔ اس لیے تشویش
پیدا ہوتا ایک طبعی امر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس تکلیف دہ وقت
میں تمہارے پاس خورد و نوش کا بھی کوئی سامان نہیں ہے، لہذا تمہاری تکلیف
بجائے ہے، مگر تسلی رکھو اور خوف نہ کھاؤ۔ جس خدا تعالیٰ نے تمہیں بغیر شادی
کے بچہ عطا کیا ہے، وہ تمہاری دیگر ضروریات کا بھی ضرور انتظام کرے گا۔
لہذا پریشانی کی بات اپنے ذہن سے نکال دو اور غم نہ کھاؤ۔ بعض فرماتے
ہیں کہ آواز دینے والا فرشتہ نہیں بلکہ گود سے نیچے اللہ نے خود مسیح علیہ السلام

حضرت مریمؑ
کے لیے
تسلی

کو بلو کہ تسلی کا سامان پیدا کر دیا تھا۔

فرمایا، غم نہ کھاؤ قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتَكِ سِرِّيًّا تحقیق تیرے ^{بہودہ گار} خورد و نوش ^{کامان} نے نیچے ایک چشمہ بنا دیا ہے۔ اُس مقام پر بظاہر پانی نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے قریب ہی ایک خصوصی چشمہ جاری کر دیا تاکہ وہ پانی کی ضرورتاً وہاں سے پوری کر سکیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ تختہ کسا میں ہا کی ضمیر کھجور کی طرف لوٹتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ فرشتے نے کھجور کی پچی طرف سے آواز دی کہ اللہ نے چشمہ جاری کر کے پانی کا انتظام کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سریا کا لفظ چشمہ کے لیے بھی آتا ہے اور سردار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے تمہارے پیٹ سے ایک سردار یعنی مسیح علیہ السلام کو نکالا ہے لہذا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تاہم اس مقام پر چونکہ سامان خورد و نوش کی ضرورت تھی اس لیے سریا کا معنی چشمہ ہی زیادہ مناسب حال ہے۔

پھر فرشتے نے یہ بھی آواز دی وَهَبْنِي إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ اور اپنی طرف کھجور کے اس تنے کو ہلاؤ۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا تَسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا تمہاری طرف تازہ اور پچی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ جنیا اُس پھل کو کہتے ہیں جو پک کر برداشت کے قابل ہو جاتا ہے تو فرشتے نے کہا کہ ذرا اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ، اللہ نے تمہاری خوراک کا بندوبست کر دیا ہے، کھجوریں خود بخود تمہارے پاس آکر گرہیں گی۔ اللہ نے کھجور جیسی خوش ذائقہ اور مقوی جسم بہترین غذا بھی مہیا فرمادی۔

اس مقام پر قابلِ غور یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھجور کے تنے کو ہلانے کا حکم کیوں دیا؟ حالانکہ جو یہ وردگار معجزانہ طور پر پانی کا چشمہ جاری کر سکتا تھا وہ کھجوریں بھی خود بخود حضرت مریمؑ کے قریب اتار سکتا تھا۔ مگر ہلانے کا ^{حرکت} ^{میں حرکت}

حکم دے کہ اللہ نے یہ بات سمجھائی کہ حرکت میں برکت ہے۔ تم مختوری
 سی کوشش کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری خوردنی ضروریات پوری کرے گا اس
 سے یہ قانون بھی سمجھایا گیا ہے کہ کسی آدمی کو بیکار نہیں رہنا چاہیے بلکہ گز
 اوقات کے لیے حتی المقدور کوئی نہ کوئی کام کرنا چاہیے۔ عالم اسباب
 میں بیکار محض بیٹھ رہنا درست نہیں ہے۔

فرمایا تے کو ہلانے سے کھجوریں گہریں گی فیکلی ان کو کھانہ و شربتی
 اور اس چشمے کا پانی پیو تاکہ تمہاری جسمانی قوت بحال ہو نیز وقیر ع
 عینا اس بچے کو دیکھ کہ محبت سے اپنی آنکھیں بھی ٹھنڈی کرو تمہیں
 خوشی ہوئی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامرہ سے کمال دے
 کا بچہ عطا کیا ہے جو بے مثال اور خد اکا نبی اور رسول ہے۔

آگے اللہ نے لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچنے کی ایک ترکیب بھی
 بتائی۔ فرمایا فَامَّا تَرٰی مِنْ الْبَشَرِ اَحَدًا اَلَمْ یَمُوتْ
 میں سے کسی کو دیکھو، تو اس سے کوئی بات نہ کرنا فَقُولُوا بَلٰکُم یٰوٰس
 کہنا اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا کہ میں نے خدائے
 رحمان کے لیے چپ کا روزہ رکھنے کی نذر مانی ہوئی ہے فَاَنْ اَکَلَمَ
الْیَوْمَ رَاٰ نَسِیًا لہذا آج میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔ مفسرین
 فرماتے ہیں کہ یہاں پر روزے کی نذر ماننے کا تو ذکر موجود ہے مگر نذر خود
 روزے کی نیت کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ فرماتے ہیں کہ نذر
 ماننے کے حکم میں روزے کی نیت کرنے کا حکم بھی شامل ہے اور مطلب یہ
 ہے کہ اے مریم! تم چپ کے روزے کی نیت کر لو۔ اور پھر کہہ دینا کہ میں
 آج کسی سے بات نہیں کروں گی کیوں کہ میں نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے
 صبح سے شام تک یہ روزہ رکھنا۔ پھر زچگی کی تکلیف کسی حد تک رفع ہو
 جائیگی، جسم میں قوت آئے گی تو پھر اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا۔

چپ کا
 روزہ

۲۰۱
چپ کا روزہ پرانی شریعت میں جائز تھا۔ مگر عبدیہ کہ البوداؤد شریف
مند امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسری کتب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے ،
ہماری شریعت میں چپ کا روزہ روا نہیں ہے۔ اسی طرح صوم وصال
یعنی مسلسل کئی کئی دن کا روزہ بھی ہماری شریعت میں جائز نہیں بلکہ ہر روزے
کے لیے سحری اور افطاری ضروری ہے۔ البوداؤد شریف کی روایت
میں یہ بھی ہے لَا يُتَمَرُّ بَعْدَ الْبُحُوحِ یعنی بالغ ہو جانے کے بعد
یتیمی کا حکم باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح ہماری شریعت میں چپ کا روزہ
بھی جائز نہیں ہے۔

فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا لِمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ
 شَيْئًا فَرِيًّا ۝ (۲۷) يَأْخُذُ هَرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ
 سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۝ (۲۸) فَأَشَارَتْ إِلَيْهِنَّ
 قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ (۲۹)
 قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ (۳۰)
 وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ
 وَالزَّكَاةِ ۖ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ (۳۱) وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ
 يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ (۳۲) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ
 وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ (۳۳)

ترجمہ:- پس لائی وہ بچے کو اپنی قوم کے پاس، اس کو اٹھا
 رہی تھی (اپنی گود میں) تو انہوں نے کہا، اے مریم! البتہ
 تحقیق لائی ہے تو ایک چیز اُدھری (۲۷) اے ہارون کی بہن!
 تیرا باپ کوئی بُرا آدمی نہیں تھا اور نہ تیسری ماں بکار
 تھی (۲۸) پس اُس (مریم) نے اشارہ کیا اُس (بچے) کی
 طرف۔ وہ کہنے لگے ہم کیسے کلام کریں اس (بچے) کے
 ساتھ جو گھوڑے میں ہے (۲۹) وہ (بچہ) بولا، بیشک میں
 اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے

نبی بنایا ہے (۳۰) اور مجھے برکت والا بنایا ہے۔ جہاں بھی میں ہوں۔ اور اُس نے مجھے تاکید کی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک کہ میں زندہ رہوں (۳۱) اور نیکی کمنے والا اپنی والدہ کے ساتھ۔ اور نہیں بنایا مجھ کو سرکش اور بدبخت (۳۲) اور سلامتی ہے مجھ پر جس دن کہ میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مرنے گا اور جس دن میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا (۳۳)

گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے حضرت مریمؑ کی پریشانی کا حال ذکر کیا اور پھر اُن کو تسلی بھیجی جنگل یا پہاڑی غاریں اُن کو کھانے پینے کی اشیاء اپنی قدرت تامہ سے مہیا کیں۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اے مریمؑ! اگر کسی شخص سے ملاقات ہو جائے تو کہنا کہ آج کے دن میں نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے، لہذا کسی سے کلام نہیں کروں گی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے مع نیچے قوم کے پاس آنے اور مسیح علیہ السلام کی طرف سے اپنی ماں کی صفائی بیان کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے فَاتَتْ بِهَا قَوْمَهَا حَمْلًا پس آئی مریمؑ اپنی قوم کے پاس اپنے بچے کو گود میں اٹھائے ہوئے۔ یہاں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت مریمؑ ولادت مسیح کے بعد کتنا عرصہ تک جائے ولادت پر مقیم رہیں۔ البتہ بعض تفسیری روایات میں چالیس دن کا ذکر آتا ہے۔ تفسیری روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حضرت مریمؑ کی ملاقات سب سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی یوسف بخاری سے ہوئی۔ یہ بھی بیت المقدس کے خادم اور صلح آدمی تھے۔ انہوں نے بھی بچے کی پیدائش پر بڑا تعجب کیا اور حضرت مریمؑ سے سوال کیا، کیا کوئی پودا یا اناج بغیر بیج کے پیدا ہوتا ہے اسی طرح کسی عورت کے ہاں بغیر مرد کے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مریمؑ نے اس کا جواب یہ دیا کہ تمہارا دعویٰ درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرنے پر

ربط آیات

حضرت مریمؑ
قوم کے پاس

فادر ہے۔ آخر اُس نے دنیا میں پہلا پودا یا پہلا دانہ بھی تو بغیر بیج کے پیدا کیا تھا۔ اسی طرح پہلا انسان بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا۔ تو اب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کونسی مشکل بات ہے کہ وہ چیز بغیر ظاہری وسیلہ کے پیدا فرمائے۔ بہر حال اس جواب سے یوسف بخار کی تسلی ہو گئی۔

جب حضرت مریمؑ بچے کو گود ہی میں اٹھائے اپنے خاندان یا قوم کے پاس آئی تو وہ دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے اور سب نے یک زبان کہا قَالُوا يَمْرُؤُكُمْ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا اے مریمؑ! تو تو ایک اوپری یعنی نامور چیز لے آئی ہے۔ کہنے لگے ابھی تک تیرا نکاح تو کسی سے ہوا نہیں، پھر تو بچہ کہاں سے لے آئی۔ انہوں نے حضرت مریمؑ کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور کہا يَا خُتُّ هَارُونَ اے ہارون کی بہن! مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأًا سَوْءًا تیرا باپ کوئی بُرا آدمی تو نہیں تھا۔ وَمَا كَانَتْ اُمُّكَ بَغِيًّا اور تیری ماں بھی کوئی بدکار عورت نہیں تھی، مگر تو نے یہ کیا گل کھلایا۔ تیرے والدین تو نہایت پارسا تھے، ان کی نیکی کا ہر طرف چرچا تھا مگر تو نے بدکاری کا ارتکاب کر کے اپنے نیک والدین کو بھی بدنام کر دیا۔ حضرت مریمؑ کے والد عمران بیت المقدس کے امام اور نہایت صالح آدمی تھے، وہ اگرچہ نبی نہیں تھے مگر ان کی نیکی لوگوں میں منکمل تھی۔ ان کی والدہ بھی صاحبِ کرامت تھیں تو لوگوں نے ان نیک ماں باپ کا ذکر کر کے حضرت مریمؑ کو ملامت کی یہاں پر حضرت مریمؑ کو ہارون کی بہن کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہارون کون ہیں؟ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ تمہارے قرآن میں ہارون کو مریمؑ کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کے درمیان تو ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اس وقت

ہارون کون
تھے؟

حضرت مغیرہؓ کو اس کا جواب چونکہ معلوم نہیں تھا، اس لیے انہوں نے کہا کہ اس کا جواب حضور علیہ السلام سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ صحیح روایت میں آتا ہے کہ جب اس بات کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہوا تو آپ نے فرمایا: **يَسْمُونَ بِأَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِينَ قَبْلَهُمْ** یعنی لوگ اس وقت اپنے انبیاء اور پہلے نیک بزرگوں کے نام رکھتے تھے بمطابق یہ کہ حضرت مریمؑ کے بھائی ہارون وہ نہیں تھے جو حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی اور نبی تھے بلکہ یہ کوئی دوسرے ہارون تھے جن کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے بعض فرماتے ہیں کہ مریمؑ کے والد کا تعلق حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھا اور دستور یہ ہے کہ کسی سے تعارف کراتے وقت یا میسے ہی فخریہ انداز میں خاندان کے کسی بڑے آدمی کے نام پر موسوم کیا جاتا ہے، اس لیے لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی خاندانی نسبت سے حضرت مریمؑ کو ہارون کی بہن کہا۔ اس کی مثال قرآن پاک میں دوسری جگہ موجود ہے **وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا** (ہود - ۵۰) ہم نے عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا ہے اس قوم کا بڑا آدمی تھا جو ہود علیہ السلام سے ہزاروں سال پہلے گزر چکا تھا مگر اس کی طرف نسبت کر کے آپ کو عاد کا بھائی کہا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح حضرت مریمؑ کو حضرت ہارون کی بہن کہا گیا ہو۔ قوم کا مطلب یہ تھا کہ تم اللہ کے حبیب القدر نبی ہارون علیہ السلام کی بہن یعنی اس کی اولاد سے ہو مگر تم نے یہ کیا غضب ڈھایا کہ کنواری ہو کہ بچہ لے آئی؟

بعض تاریخی محققین اور بائبل کے عالم ایک دوسری توجہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگرچہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے مگر مرتبہ چھوٹے بھائی کا زیادہ ہے کہ اللہ نے انہیں کتاب تورات عطا فرمائی اور ہارون علیہ السلام مہینہ وزیر کے تھے۔ خلافت کا کام حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے سپرد تھا اور آپ کے بعد بھی آپ ہی کی نسل میں جاری رہا البتہ مذہبی رسومات اور عبادت کی پیشوائی حضرت ہارون کے سپرد تھی اور ان کے بعد بھی آپ کی نسل میں منتقل ہوتی رہی۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اور پھر قبولیت تو بہ کے لیے ان کے قتل کا حکم اللہ نے دیا تو اس وقت پوجانہ کرنے والوں کے ہاتھوں پوجا کرنے والوں کے قتل کی نگرانی بھی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد تھی مطلب یہ کہ عبادت اور مذہبی رسوم کی ادائیگی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں چلی آ رہی تھی اور اس زمانے میں یہ کام حضرت مریمؑ کے والد عمران کے سپرد تھا جو کہ بیت المقدس کے امام تھے، اس لحاظ سے بھی حضرت مریمؑ کو ہارون کی بہن کا خطاب درست معلوم ہوتا ہے۔

ماحول کا اثر

ماہرین نفسیات بیان کرتے ہیں کہ انسان میں خاندان اور ماحول کے اثرات کسی نہ کسی حد تک ضرور پائے جاتے ہیں۔ خاندان اور برادری یا ارد گرد کا ماحول انسان کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں اِنَّمَا الْاَخْلَاقُ بِالْاَحْوَالِ لَا بِالتَّعْلِيمِ یعنی اخلاق ماحول سے پیدا ہوتے ہیں نہ کہ تعلیم سے جن گھروں میں یا گلی محلوں میں گالی گلوچ کی آوازیں آتی ہوں گی۔ وہاں کے بچے بھی سی کچھ سیکھیں گے۔ اسی لیے اسلام نے سوسائٹی کو پاک رکھنے کا تاکید کی۔ حکم دیا ہے۔ جو تک ہمارا ماحول پاک نہیں ہوگا۔ ہمارے اخلاق نہیں سنور سکتے۔ لہذا سوسائٹی کا اچھا ہونا بڑا ضروری ہے۔ سورۃ الفجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَاَدْخُلِي جَنَّتِي پہلے میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ پھر جنت میں داخلے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک سوسائٹی اچھے اور نیک لوگوں کی نصیب نہیں ہوگی، اس وقت تک کامیابی ممکن نہیں تو لوگوں نے حضرت مریمؑ کو طعن کیا کہ تمہارا خاندان اور سوسائٹی تو اچھی تھی مگر تم نے یہ غلط کام کیوں کیا۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریمؑ بچے کو لے کر مقام حج سے گھر کی طرف آرہی تھیں تو وہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے سخت خائف تھیں۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے بچے کو قوت گویائی عطا فرمائی اور اُس نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ گھبراؤ نہیں جس اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے وہ تمہارے دامن پر بھی دھبہ نہیں آنے دیگا۔ چنانچہ انھیں تسلی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی بہتر راستہ نکالے گا۔ پھر جب قوم کے لوگوں نے سختی سے باز پرس کی فَاشارَتْ اِلَيْهِ تُوْمَرِيْمُ نے اُس بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ سارا معاملہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے اس بچے سے ہی دریافت کر لو۔ اس پر لوگ مَرْيَمُ بَدَعَتْ کہ یہ ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔ قَالُوا كُنْ عَلٰى كَيْفِ نَكَلَمُكَ کان کان فی المہدِ صِدِّیْگا بھلا ہم گوائے یعنی گود میں پڑے ہوئے بچے سے کیسے گفتگو کر سکتے ہیں، جسے ابھی تک اپنے آپ کا بھی شعور نہیں ہے۔

ابھی یہ بات حیرت ہو رہی تھی فَاِنْصَرَفَتْ بچہ خود بخود بول اٹھا اور کہا اِنَّ عِبْدَ اللّٰهِ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ گویا مسیح علیہ السلام نے ماں کی گود میں پہلے ہی حبلہ میں توحید باری تعالیٰ کا اعلان کر کے یہود و نصاریٰ کے منہ بند کر دیے۔ مسیح علیہ السلام کے بارے میں بعد میں دو انتہائی گمراہ معروض وجود میں آئے۔ یہودیوں نے تو مسیح علیہ السلام کو زانیہ کا بیٹا تک کہہ دیا اور اس طرح اُن کی توہین کی۔ دوسری طرف نصاریٰ کا گمراہ تھا جنہوں نے آپ کو خدا کا بیٹا تجویز کر کے الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا۔ اور اس طرح دونوں گمراہی کا شکار ہو گئے، حالانکہ اگر غور کرتے تو مسیح علیہ السلام کی زبان سے نکلا ہوا پہلا جملہ ہی حقیقت حال کی وضاحت کے لیے کافی تھا۔ وہ اللہ کے مقرب بندے اور نبی تھے۔ نہ تو وہ بد بخت تھے کہ زانیہ کے شکم سے پیدا ہوتے اور نہ وہ الوہیت کے مرتبے پر فائز تھے، بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے

بچے کی
شہادت

وہ باعزت تھے۔ نہ کہ حقیر۔

پھر فرمایا الَّذِي كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى نے مجھے کتاب یعنی انجیل عطا فرمائی ہے وَجَعَلَنِي نَبِيًّا اور مجھے نبی بنایا ہے اگرچہ نبوت کا ظہور اپنے مقررہ وقت پر جا کر ہو گا۔ کتاب بھی اللہ نے اُسی وقت آپ کو نہیں دے دی تھی مگر نبوت اور کتاب کا فیصلہ مشیتِ ایزدی میں ہو چکا تھا جس کو اللہ نے بچپن میں ہی مسیح علیہ السلام کی زبان سے کہلوا دیا اللہ کے دو نبی ایسے ہوئے ہیں۔ جنہیں بچپن میں نبوۃ عطا ہوئی۔ ایک یحییٰ علیہ السلام جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور دوسرے مسیح علیہ السلام۔

بابرکت
مسیح علیہ السلام

اُس موقع پر آپ نے چوتھی بات یہ فرمائی وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اللہ نے مجھے بركت والا بنایا ہے۔ بركت میں تقدس کی زیادتی کا مفہوم پایا جاتا ہے، اور مبارک سے مراد ایسی ہستی ہے جس سے اللہ کی مخلوق کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے۔ وہ مُعَلِّمُ الْخَيْرِ یعنی خیر کی تعلیم دینے والا ہو اور نفع یعنی بہت زیادہ نفع پہنچانے والا ہو، صاحبِ کرامت و معجزات ہو، یہ سب چیزیں بركت میں داخل ہیں۔ اصل میں بركت دہندہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جیسے فرمایا تَبَارَكَ الَّذِي يَبْدُؤُا الْمَلَكُوتَ (الملک - ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں بادشاہی ہے۔ نیز فرمایا فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (مومنون - ۱۴) بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے بہر حال مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے أَنْتُمْ مَا كُنْتُمْ فِي جِهَانٍ كَيْسَ بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا فِيكُمْ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بركت والا ہوں پانچویں بات اللہ تعالیٰ نے بچے کی زبان سے یہ کہلوائی وَأَوْصَانِي

نماز اور
زکوٰۃ کی
پہلی

بِالصَّكَّاءِ وَالزَّكَاةِ اللّٰهُ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے
 نماز اور زکوٰۃ دونوں عبادتیں ہیں، ایک بدنی ہے اور دوسری مالی۔ نماز سے
 تعلق باللہ قائم ہوتا ہے اور زکوٰۃ مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کا ذریعہ ہے
 ہے۔ جب تک انسان بقیہ حیات ہے اسے نماز معاف نہیں البتہ زکوٰۃ
 اُس وقت فرض ہوتی ہے جب کوئی شخص مالدار ہو اور اس کا مال نصاب
 کو پہنچ جائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو عمر بھر مکان نہیں بنایا، نہ اُن
 کے پاس مال و اسباب تھا، لہذا اُن کے زکوٰۃ ادا کرنے کا تو امکان نہیں تھا
 البتہ زکوٰۃ ادا کرنے کی تعلیم آگے دی جاسکتی ہے تاکہ صاحبانِ نصاب
 اس کو ہر سال باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں۔ آگے حضرت اسماعیل علیہ السلام
 کے متعلق بھی آتا ہے ”وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّكَّاءِ
 وَالزَّكَاةِ“ (رمیو - ۵۵) وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے
 تھے۔ تو اس جملے سے مسیح علیہ السلام کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی
 کی تلقین کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ نماز خود بھی پڑھوں گا اور دوسروں کو بھی
 پڑھنے کا حکم دوں گا۔ زکوٰۃ کا لغوی معنی طہارت اور پاکیزگی بھی ہوتا ہے
 اس لحاظ سے عیسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے
 نماز پڑھنے اور پاکیزگی اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ اور میں یہ فریضہ بجالاتا
 رہوں گا مَا دُمْتُ حَيًّا جب تک زندہ ہوں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں چھٹی بات یہ فرمائی وَبِأَبَوَيْكَ
 میں اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا ہوں۔ پہلے کچی علیہ السلام کے واقعہ
 میں گنہگار چکا ہے وَبِأَبَوَيْكَ (رایت - ۱۴) کہ وہ اپنے ماں باپ
 دونوں کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے۔ اور یہاں پر صرف والدہ کا نام ہے
 کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ یہ آیت اس بات پر واضح طور پر
 دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ اس

والدین کے
 ساتھ حسن
 سلوک

کے باوجود بعض گمراہ لوگ منجملہ سرسید، پرویز اور حافظ وزیر آبادی وغیرہ مسیح علیہ السلام کا باپ ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے محض اپنے ڈھکوسلے چلاتے رہتے ہیں۔

طبی لحاظ سے بھی کسی شخص کی باپ کے بغیر پیدائش ناممکن نہیں، ماہرین طب کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے مادہ منویہ میں مثبت اور منفی دونوں قسم کے مواد پائے جاتے ہیں اور یہی چیز پیدائش ہونے والے بچے میں جنس کی تفریق کرتی ہے۔ اگر مرد کی منفی صفت عورت کی مثبت صفت کے ساتھ مل جائے تو بچی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر عورت کی منفی صفت مرد کی مثبت صفت کے ساتھ مل جائے تو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ عورت کی مثبت قوت میں اضافہ کر دے تو بغیر مرد سے بچہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ گویا طبی طور پر بھی بغیر باپ کے بچے کی پیدائش عقل سے بعید نہیں۔

پھر اگلی بات مسیح علیہ السلام نے یہ فرمائی وَلَمْ يَجْعَلْ لِي جَبَّارًا شَقِيًّا اور اللہ نے مجھے سرکش اور بد بخت نہیں بنایا۔ میں ایسا شخص نہیں ہوں جو قول یا فعل سے والدین کی دل آزاری کروں۔ اُن کے ساتھ تلخ کلامی یا گالی گلوچ پر اُتر آؤں۔ اس کے برخلاف انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ يَحْتَقِقُ الْعِبَادَ فِي سَبْعِ سَاعَاتٍ والدین کا ہے کہ اُن سے حسن سلوک کیا جائے۔ گزشتہ سورۃ بنی اسرائیل میں گنہگار چکا ہے تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (آیت - ۲۳) اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جدید تہذیب میں والدین کے حقوق بالکل فراموش کر دیے گئے ہیں۔ اب تو نویت بیاں تک پہنچ چکی ہے کہ بچے کی پیدائش کا موقع ہے تو عورت کو ہسپتال میں داخل کر دو اور والدین بوڑھے ہو گئے تو انہیں دارالامان میں داخل کر دو۔ اب اولاد والدین کی

جدید تہذیب
اور والدین

ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ بات انسانی قدروں کے خلاف ہے جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ والدین اور اولاد کے درمیان شفقت و محبت کا رشتہ ختم ہو رہا ہے۔ والدین کی خدمت کرنے سے انسان میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے والدین کے قدموں کے نیچے جنت رکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید تہذیب نے بعض اچھے کام بھی کیے ہیں اور بُرے بھی، مگر پاکیزہ اخلاق و جذبات کا تو جنازہ نکل چکا ہے۔ اس تہذیب میں بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی قدریں ختم ہو چکی ہیں حالانکہ اللہ نے اپنی وحدانیت کے بعد اسی بات کا حکم دیا ہے۔

مسیح علیہ السلام
کے لیے
سلامتی

مسیح علیہ السلام نے اپنی ماں کی گود میں یہ بھی کہا وَالسَّلَامُ عَلَيَّ
يَوْمَ وُلِدْتُ اور سلامتی ہے مجھ پر جس دن کہ میں پیدا ہوا وَيَوْمَ أَمُوتُ
اور جس دن میں دنیا سے رخصت ہوں گا وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا اور جس
دن میں دوبارہ کھڑا کیا جاؤں گا۔ انبیاء اور صالحین کے بارے میں سلامتی
کا ذکر ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر اچھے کام کی ابتداء میں الْحَمْدُ لِلّٰهِ
وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصطفیٰ اکبر کہ اللہ کی تعریف
کی جاتی ہے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لیے سلامتی کی دعا مانگی جاتی ہے
اللہ تعالیٰ ایسی ہستیوں کے دین اور ایمان کو ہر قسم کی آلودگی سے محفوظ رکھتا
ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندوں کو جسمانی تکالیف ضرور آتی ہیں مگر دینی اعتبار
سے وہ ہمیشہ سلامتی میں ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس
آخری امت کا اولین حصہ سلامتی والا ہے ابتداءً اسلام میں اگرچہ اہل ایمان
کو بے حد تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ مگر اُن کا دین مکمل طور پر سلامت
رہا۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گنہ رانا گیا۔ فتنے ابھرتے رہے، اخلاق بگڑ
گئے، عقیدہ خراب ہو گیا۔ سوسائٹی گھڑی ہو گئی اور پورا ماحول بد سے بدتر ہوتا

چلا گیا۔ عرضیہ حصہ کے فرمان کے مطابق سلامتی کے اعتبار سے امرت
 کا اوّل حصہ ہی بہتر تھا۔ وہ کون سی تکلیف ہے جو اہل ایمان نے اسلام
 کے اولین دور کی زندگی میں برداشت نہیں کی، انہیں ایک لمحہ کے لیے
 بھی سکون نصیب نہ ہوا مگر دینی لحاظ سے انہیں فوجی سلامتی حاصل تھی۔

قال الم ۱۶

درجہ ششم ۸

مریم ۱۹

آیت ۲۴ تا ۴۰

ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ
 يَمْتَرُونَ ۝ (۳۴) مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ
 سُبْحَنَهُ ۖ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ
 فَيَكُونُ ۝ (۳۵) وَإِنَّ اللَّهَ رَبُّكُمْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ
 هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ (۳۶) فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ
 بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ
 عَظِيمٍ ۝ (۳۷) أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ
 الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ (۳۸) وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ
 الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا
 يُؤْمِنُونَ ۝ (۳۹) إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا
 رُجْعُهُمْ ۝ (۴۰)

وقف لازم

۲۵

ترجمہ:- یہ ہے عیسیٰ مریمؑ کا بیٹا۔ یہ سچی بات جس میں یہ لوگ
 جھگڑا کرتے ہیں (۳۴) نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے لائق کہ
 وہ بنائے کوئی اولاد۔ پاک ہے اُس کی ذات۔ جب وہ فیصلہ
 کرتا ہے کسی کام کا، تو بیشک وہ کہتا ہے اس کے لیے
 ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے (۳۵) اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی
 میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ اُسی کی عبادت کرو، اور

یہی ہے سیدھا راستہ (۳۶) پس اختلاف کیا گروہوں نے اپنے درمیان۔ پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا اُن کے بڑے دِن کی حاضری کے وقت (۳۷) کیا خوب سنتے ہوں گے وہ اور کیا خوب دیکھتے ہوں گے جس دِن کہ ہمارے پاس آئیں گے، لیکن ظالم لوگ آج کے دِن کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں (۳۸) اور ڈرا دے اِن کو حسرت کے دِن سے جب کہ فیصلہ کیا جائے گا معاملے کا، اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے (۳۹) بیشک ہم ہی وارث ہیں زمین کے، اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی یہ سب لوٹائے جائیں گے (۴۰)

رابط آیات

گذشتہ آیات میں حضرت مریمؑ کا ذکر ہوا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کی غیر معمولی طریقے سے ولادت کا بیان آیا۔ اس ضمن میں حضرت مریمؑ کی پریشانی کا حال بھی بیان ہو چکا ہے۔ پھر وہ اپنے بچے کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہوں نے سخت طعن ملامت کی کہ تیرے والدین تو بڑے صالح لوگ تھے، تم یہ بغیر نکاح کے بچہ کیسے لے آئی۔ حضرت مریمؑ نے خود جواب دینے کی بجائے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ سارا معاملہ خود اسی سے پوچھ لو۔ اللہ نے بچے کو قوت گویائی عطا فرمائی تو بچے نے بول کر کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے۔ میں اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا ہوں۔ مجھ پر سلامتی ہے پیدائش کے دِن، موت کے دِن اور دوبارہ اٹھانے کے دِن۔

عیسیٰ ابن مریمؑ

یہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کا کلام تھا۔ اب اگلی دو آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت پر خود اللہ تعالیٰ نے تبصرہ کیا ہے اور اس کے بعد پھر عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“ یہی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جنہوں نے

گذشتہ آیات میں اپنا تعارف خود کرایا ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ آپ کے ابتدائی دور میں بھی لوگ آپ کو اسی نام سے پکارتے تھے۔ اس کی مثال سورۃ مائدہ میں موجود ہے کہ آپ کے حواریوں نے آپ کو اسی طرح خطاب کیا

”اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“ (آیت - ۱۲)

اور قیامت کو بھی آپ کو اسی نام سے پکارا جائے گا۔ ”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“ (آیت - ۱۱۶) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو؟ وجہ یہی ہے کہ آپ کی پیدائش میں والد کا توسط نہیں ہے اور آپ صرف حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں۔ اللہ نے فرمایا

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ كَمَثَرٌ لِّسَجَىٰ بَاتٍ سَيِّئٍ مِّمَّنْ يَكْفُرُ

لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ جھگڑا کرنے والے انتہائی درجے کے دو گمراہ پیدا ہو گئے۔ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اور حضرت مریمؑ کو متہم کیا، انہیں و جال، کذاب اور مفتری تک کہا۔ اس کے برخلاف نصاریٰ نے آپ کی تعریف میں مبالغہ کر کے الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گمراہ گمراہ ہو کر جہنم داخل ہوئے۔ اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو قابلِ ملامت ہیں اور نہ وہ خود خدا ہیں بلکہ حق بات یہ ہے کہ وہ مریمؑ کے بیٹے اور اللہ کے بندے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے خود اقرار کیا

”اَخْتِ عَبْدُ اللَّهِ“ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہی خطاب دیا۔ ”اَنْتَ هُوَ الْاَعْبَدُ اَلْعَمَلُ عَلَيْهِ“ (النحرف - ۵۹) وہ ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا بغرض کہ مسیح علیہ السلام کی صحیح حیثیت یہی ہے کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ اس سے ان دونوں انتہا پسند فرقوں کا رد بھی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا مَّا كَانَ لِلَّهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

وَلَدِ اللّٰہ کے لیے لائق نہیں ہے کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ اُس کی ذات ایسی کمزوریوں سے پاک ہے۔ اللہ کی نہ تو حقیقی اولاد ہے اور نہ مجازی۔ حقیقی اولاد جنس سے ہوتی ہے۔ اگر خدا کی اولاد مانی جائے تو پھر خدا کی جنس بھی مانی پڑے گی (العیاذ باللہ) اس طرح خدا تعالیٰ قدیم نہیں ہے گا۔ بلکہ مرکب ہو کہ حادث بن جائے گا۔ حالانکہ خدا تو غیر مرئی ہے۔ قدیم اور ازلی ہے اور اس کی کوئی جنس نہیں تو گوہر یا خدا کی حقیقی اولاد نہیں تسلیم کی جاسکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مجازی اولاد بھی نہیں مانی جاسکتی۔ مجازی اولاد کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا ہے اور اُس کو تصرف کا اختیار دے دیا ہے۔ اب اس کو اختیار ہے کہ لوگوں کی مشکل کٹائی اور حاجت روائی کرے یا پھر نہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کسی کو متصرف فی الامور نہیں بنایا۔ تمام امور کا تصرف وہ خود کرتا ہے۔ وہ خود تدبیر کنندہ ہے کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑی سے بڑی سیکم وہ ہر کام براہ راست خود کرتا ہے، لہذا یہ مجازی اولاد اور تصرف والا عقیدہ بھی مشرکانہ عقیدہ ہے۔

یہ غلطی لوگوں کو اس وجہ سے ہوئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر لیا۔ دنیا کے حکام اعلیٰ، صدر یا بادشاہ انتظامی امور کے لیے اپنے گورنر یا نائب مقرر کر کے انہیں بعض اختیارات تفویض کر دیتے ہیں تاکہ امور سلطنت خوش اسلوبی سے انجام دیے جاسکیں برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ قادر مطلق، مختار ازلی، قدیم اور بے مثل ہے وہ ہر کمزوری اور عیب سے پاک ہے اُسے کسی کام کے انجام دینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی، لہذا وہ احتیاج سے بھی پاک ہے تو ایسی صورت میں اُسے اپنا نائب بنانے اور اختیارات تفویض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اولاد بقائے نسل کے لیے ہوتی ہے ان

میں فطرتی طور پر یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کی نسل قائم رہے
مگر اللہ تعالیٰ کو نہ تو کوئی احتیاج ہے اور نہ اُسے بقائے نسل کی ضرورت
ہے۔ وہ خود ازلی اور ابدی ہے۔ نہ اُس پر فنا ہے اور نہ اُسے بقائے نسل
کی ضرورت ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی اولاد تجویز کرنا لاجل ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اولاد ضعف، بڑھاپے اور بیماری میں خدمت
کرتی ہے۔ انسان اس بات کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مشکل وقت
میں اُس کی اعانت کرنے والا کوئی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ ان تمام نقائص سے
مبرا ہے۔ نہ اُس پر ضعف طاری ہوتا ہے، نہ بڑھاپا اور نہ وہ انعوذ باللہ
بیمار ہوتا ہے لہذا ان کاموں کے لیے نہ وہ محتاج ہے اور نہ ہی اُسے اولاد
کی کوئی ضرورت ہے۔ وہ تو خود غنی ہے جب کہ باقی ساری مخلوق اُس کی محتاج
ہے۔ ”وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ“ (محمد - ۳۸) سُبْحَنَهُ اُسکی ذات
پاک ہے وہ بے نیاز ہے اِذَا قُضِيَ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ
فَيَكُوْنُ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے
ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ ہر کام اس کے قبضے اور اختیار میں ہے تو جب
چاہے اور جیسے چاہے اُسے انجام دے۔ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ
نہیں آتی۔ وہ قدرت رکھتا ہے کہ بغیر باپ کے بیٹا پیدا کر دے اور اُس نے
عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے ہی پیدا فرمایا۔

اگلی آیت پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے جس میں آپ نے
صراطِ مستقیم کی تشریح کی ہے۔ ارشاد ہے وَإِلَّا اللّٰهُ رَبِّيَّ وَرَبُّكُمْ
بیشک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے فَاعْبُدُوْهُ پس اُسی کی
عبادت کرو هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہ ہمارا راستہ ہی ہے۔ اسی
مضمون کو اللہ نے سورۃ مائدہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہلویا ہے۔
”وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَا بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيَّ وَرَبُّكُمْ

صراطِ مستقیم

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ
 وَمَأْوَاهُ النَّارُ (آیت - ۲۷) اے بنی اسرائیل! میرے اور تمہارے
 پروردگار صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ کیونکہ جس نے اللہ تعالیٰ کے
 ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ
 میں ہوگا۔ مسیح علیہ السلام تو جب تک دنیا میں رہے ہی تعلیم دیتے رہے۔
 اللہ وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دیتے رہے شرک سے منع کرتے رہے
 مگر تم نے انہی کو اللہ کا شریک بنا دیا اور انہیں الوہیت کے درجے پر
 پہنچا دیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
 کی ذات سے ہے۔ سورۃ کی ابتداء میں اللہ نے حضرت زکریا علیہ السلام پر
 اپنی مہربانی کا ذکر فرمایا۔ اس سے پہلے سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب
 کہف، حضرت خضر علیہ السلام اور سکندر ذو القرنین پر اپنی مہربانی کا تذکرہ کیا
 وہاں پر نزول قرآن کا ایک مقصد یہ بھی بیان کیا گیا تھا۔ "وَيُذِرَ الَّذِينَ
 قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا" (آیت - ۴) تاکہ ان لوگوں کو ڈرایا جائے
 جنہوں نے خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔ تو اسی سلسلے کے
 ساتھ یہ بات بھی مربوط ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ نہ اس کی
 کوئی حقیقی اولاد ہے اور نہ مجازی۔ اُس کو اولاد کی ضرورت بھی نہیں ہے
 حقیقت یہ ہے کہ میرا اور تمہارا سب کا پروردگار اللہ وحدہ لا شریک ہے
 لہذا عبادت بھی اُسی کی کرو، اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہی بات تمام انبیاء
 علیہم السلام کہتے رہے اور یہی تعلیم آسمانی کتب اور صحائف نے دی۔
 کہ گئے پھر مسیح علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا کہ ان کے رفع الی السماء
 کے بعد فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ کئی گروہ اور
 فرقے بن گئے جنہوں نے آپس میں مسیح علیہ السلام کی ذات اور حیثیت

یہی اختلاف

کے بارے میں اختلاف کیا۔ چار فرقے تو بڑے مشہور ہیں جن کا ذکر اکثر مفسرین کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت فرقے معترضہ وجود میں آئے۔ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ایسے ہلاکت ہے کفر کرنے والوں کے لیے بڑے دن کی عسری کے وقت بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے جب کافروں کا بہت بڑا حال ہوگا۔

جن مختلف فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر گمراہ فرقے ہوئے جنہوں نے مسیح علیہ السلام کی محبت میں غلو کر کے پہلے خدا کا بیٹا اور پھر تینوں میں سے تیسرا کہہ دیا۔ تاہم ان میں حق کے ساتھ مشابہت رکھنے والے لوگ بھی موجود تھے۔ توحید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدے کی بات صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَدُوحٌ مِنْهُ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ

جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور اس کا حکم ہے۔ جو اللہ نے مریمؑ کی طرف ڈالا۔ اور اس (اللہ) کی طرف سروح ہیں نیز جنت برحق ہے اور دوزخ بھی برحق ہے۔ فرمایا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بہر حال جنت میں داخل کرے گا اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔

غرضیکہ اللہ کے تمام انبیاء اور رسول اس کے بندے ہیں۔ نہ تو ان کی حیثیت کو کم کہنا چاہیے جیسا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام تراشی کی اور نہ ان کو ان کی حیثیت سے بڑھا چاہیے جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بنادیا۔ خود حضور علیہ السلام کا بھی ارشاد مبارک ہے لَا تَطْرُقُنِي كَمَا أَطْرَقَ النَّصَارَىٰ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ لِّكَ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ۔ لوگو! میرے بارے میں غلو سے کام نہ لینا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلو کیا تھا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔ بہر حال ہمارے لیے ضروری ہے کہ اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی عقیدہ رکھیں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہی کلمات ہر نماز کی تشهد میں شامل ہیں "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" ظاہر ہے ان کلمات کی ادائیگی کے بغیر نماز ہی مکمل نہیں ہوتی، لہذا ہر شخص کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

فرمایا بڑے دن کی حاضری میں تباہی اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا فرمایا اَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُوكُمْ بِالنَّارِ خُوب سُنَّتے اور خوب دیکھتے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے قیامت والے دن ان پر ہر چیز واضح ہو جائے گی مگر اب ان کی حالت یہ ہے کہ نہ تو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں اور نہ کوئی صحیح کلام سنتے ہیں۔ آج یہ سماعت و بصارت دونوں چیزوں سے عاری ہیں اور انہوں نے غلط عقیدے بنا رکھے ہیں۔ کوئی انبیت والا عقیدہ رکھتا اور کوئی تینوں میں سے تیسرا کہتا ہے۔ کسی نے شرک اور تشبیہ والا عقیدہ بنا رکھا ہے۔ اللہ نے فرمایا آج تو یہ حق بات کو سننے اور دیکھنے سے عاری ہیں مگر بڑی حاضری

سماعت و
بصارت
سے عاری

کے دن سب کچھ نہیں گے اور دیکھیں گے۔ اُس دن ان برے چیز عیاں ہو جائے گی۔ فرمایا لَکِنَ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ آج کے دن لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوں گے۔ ظالم کون ہیں؟ ظالم ہر ہے کہ سب سے بڑا ظلم کفر اور شرک ہے جیسا اللہ کا فرمان ہے وَالْكَافِرُونَ هُمْ الظَّالِمُونَ (البقرہ - ۲۵۴) کفر کرنے والے ظالم ہیں نیز یہ بھی فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان - ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اب پوری دنیا میں دیکھ لیں پانچ ارب کی آبادی میں سے کم و بیش چار ارب انسان کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ اس وقت نہ کوئی بات سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں۔ نہ تو عقلی دلیل کو مانتے ہیں اور نہ نقلی کو، بلکہ اپنے باطل عقائد میں ہی مگن ہیں

اللہ نے فرمایا اے پیغمبر! وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ يَقْنَبُ الْأَمْسِرُ اَپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرا دیں جس دن کہ معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ وہ حسرت کا دن قیامت کا دن ہوگا۔ اس دن حساب کتاب ہونے کے بعد اہل ایمان جنت میں جائیں گے اور کافر و مشرک جہنم واصل ہوں گے۔ پھر گنہگار مگر اہل ایمان اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں آجائیں گے اور ابدی دوزخی وہیں رہ جائیں گے۔ پھر اُس وقت جبکہ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے، یُقْنَبُ بِالْمَوْتِ موت کو ایک جانور کی شکل میں لایا جائے گا اُسے دوزخ اور جنت کے درمیان نمایاں جگہ پر کھڑا کیا جائے گا جہاں سے جنتی اور دوزخی اُسے دیکھ سکیں گے پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ کیا ہے؟ سب کہیں گے، موت ہے۔ پھر اُس جانور یعنی موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ موت کو موت آچھی، اب خُلُودٌ وَلَا مَوْتَ اب تم ہمیشہ رہیں رہو گے اور کسی کو موت نہیں آئے گی۔ پھر اہل دوزخ سے بھی اسی طرح

خطاب کیا جائے گا۔ یہی وہ دن ہے جسے حسرت کا دن کہا گیا ہے۔ جتنا افسوس اس دن ہوگا، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ انہیں یوم حسرت سے ڈراویں۔ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ اور ایمان قبول نہیں کرتے۔ ان کو خبردار کر دیں کہ آگے حسرت کا دن آنے والا ہے۔ اس دن کی حسرت سے بچنے کے لیے آج اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو قبول کر لو۔ طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَيْسَتْ حَسْرَةٌ عَلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا عَلَى سَاعَةٍ تَنَزَّلَتْ بِهِمْ وَلَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ فِيهَا اہل جنت کے لیے اس سے زیادہ حسرت کسی بات پر نہیں ہوگی کہ انہوں نے فلاں وقت پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں نہ کیا۔ اگر فاسخ وقت میں اللہ تعالیٰ کا مزید ذکر کرتے تو آج مزید درجات بلند ہوتے۔ ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر مرنے والا آدمی نادم ہوگا، خواہ نیک ہو یا بد عرض کیا مَا تَدْرِكُ حَسْرَتَهُ حضور! ندامت کس وجہ سے ہوگی؟ فرمایا نیک آدمی کو اس وجہ سے ندامت ہوگی کہ اس نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہ حاصل کر لیں۔ اور بُرا اس وجہ سے نادم ہوگا کہ اس نے زندگی میں برائیوں سے بچنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ چونکہ اس دن ہر آدمی حسرت کرے گا۔ اس لیے بھی اس دن کو حسرت کا دن کہا گیا ہے۔

فَرَمَا إِنَّا نَخْتَلِجُ نَسْرُثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ہم ہی وارث ہیں پوری زمین کے اور جو کچھ اس کے اُوپر موجود ہے۔ یہ دنیا چند دن کا کھیل ہے۔ یہاں کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر یہاں پر نہ کوئی انسان ہوگا۔ اور نہ کوئی اور چیز۔ اُس وقت ساری زمین اللہ کی ملکیت ہوگی۔ وَالْمَيْمَنَاتُ يَجْعَلُونَ اور سب ہماری

طرف ہی لوٹے جائیں گے۔ یہ سب میدانِ حشر میں جمع کیے جائیں
 گے۔ اور ہم ہر ایک کے ساتھ اس کی فیکر، اعتقاد اور عمل کے
 مطابق سلوک کریں گے۔

قال الم ۱۶

درس نم ۹

مریم ۱۹

آیت ۴۱ تا ۴۵

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا
 نَبِيًّا ۚ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهٖ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ
 وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۚ يٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ
 جِئْتُكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ اَهْدِكَ
 صِرَاطًا سَوِيًّا ۚ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّ
 الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۚ يٰۤاَبَتِ اِنِّیْ
 اَخَافُ اَنْ يَّمْسَكَ عَذَابُكَ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ
 لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۚ

ترجمہ :- اور آپ ذکر کریں کتاب (قرآن) میں ابراہیم علیہ السلام کا

بیشک تھے وہ بہت بڑے راست باز اور اللہ کے نبی (۴۱)

جب کہا انہوں نے اپنے باپ سے ، اے میرے باپ !

تو کیوں عبادت کرتا ہے اُس کی جو نہیں سنتا اور نہ دیکھتا ہے

اور وہ نہیں کام آسکتا تجھ سے کسی بات میں (۴۲) اے میرے

باپ ! بیشک آیا ہے میرے پاس علم جو نہیں آیا تیرے

پاس - پس تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سید راستہ (۴۳)

اے میرے باپ ! نہ عبادت کر تو شیطان کی ، بیشک شیطان

ہے رحمان کے لیے نافرمان (۴۴) اے میرے باپ ! بیشک

میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں پہنچے تجھے عذاب رحمان کی طرف

سے۔ پس ہو جائے گا تو شیطان کا ساتھی ﴿۳۵﴾
 دوسرے رکوع کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کا ذکر بھی اسی ربطِ آیت
 طرح کیا تھا "وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرَّيَمَ" وہاں پر اللہ نے
 اُن پر کی گئی اپنی خاص مہربانی کا تذکرہ فرمایا۔ یہ واقعہ بطور تمہید تھا۔ پھر اللہ نے
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر کر کے مسئلہ توحید سمجھایا اور شرک کا رد
 کیا۔ درمیان میں فرمایا "مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ" وَلَدٍ
 سُبْحَنَهُ (آیت ۳۵) اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے لیے بیٹا بنانے سے
 پاک ہے۔ مسیح علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی تعلیم دی "وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ
 وَرَبُّكُمْ قَاعْبُدُوهُ" (آیت ۳۶) میرا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ
 ہے، اسی کی عبادت کرو۔ اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ اس طرح اللہ نے
 نصاریٰ کے عقیدہ ولادت کی نفی فرمادی۔

عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے کے بعد آگے بعض دیگر انبیاء کا ذکر بھی
 آ رہا ہے جن میں سرفہرست حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کی عزت و
 توقیر نہ صرف مسلمان کرتے ہیں بلکہ یہود و نصاریٰ بھی آپ کی عظمت کے
 قائل ہیں۔ خاص طور پر مشرکین عرب کو تو اس بات پر فخر تھا کہ وہ ابراہیم
 علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مگر بڑے افسوس کا مقام ہے کہ یہ تمام
 گروہ آپ کی تعلیمات پر قائم نہ رہے بلکہ آپ کے دین اور ملت کو ہی
 بگاڑ دیا۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر ہیں۔ نصاریٰ
 بھی یہی دعویٰ کرتے تھے اور مشرکین عرب تو خاص طور پر ملتِ ابراہیمی پر ماننے
 کے دعویدار تھے۔ اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا
 ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے خود بھی قائل تھے اور
 دوسروں کو بھی توحید کی دعوت دیتے تھے۔ آپ شرک اور بت پرستی کے
 سخت خلاف تھے اور ہر موقع پر اس کی مذمت کرتے تھے خلیفہ

ملتِ ابراہیمی
 میں بگاڑ

دور آپ ہی سے شروع ہوا، اس لیے آپ تمام ائمہ حنفیت کے امام تھے
 آپ کی حنفیت کی گواہی خود قرآن پاک نے جگہ جگہ دی ہے "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ
 كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ
 الْمُشْرِكِينَ" (النحل - ۱۲۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام پیشوا اور اللہ
 کی اطاعت کرنے والے اور ایک طرف لگنے والے تھے۔ اور مشرکوں میں
 سے نہیں تھے۔ سورۃ آل عمران میں ہے "مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ
 يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا"
 وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ" (آیت - ۶۷) حضرت ابراہیم
 علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ ایک طرف لگنے والے
 حنیف تھے، اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اب یہود، نصاریٰ اور
 اور مشرکین کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس بنا پر اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کی طرف کرتے ہیں۔ اللہ کے فرمان کے مطابق ان تینوں میں سے کوئی
 گمراہ بھی آپ کے طریقے پر نہیں ہے۔ ان سب نے غلط عقائد وضع کیے
 اور پھر شرک میں مبتلا ہو گئے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح کیا ہے وَأَذْكُرُ
 فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ اے پیغمبر! آپ اس کتاب یعنی قرآن
 پاک میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کریں جو کہ موحدین کے پیشوا اور تمام حنفیہ کے
 امام تھے۔ آپ کی حیثیت اور مرتبہ کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ إِنَّهُ
 كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا بیشک آپ بڑے راست باز اور اللہ
 کے نبی تھے۔ اللہ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا جیسا کہ سورۃ النسا میں موجود ہے
 وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا (آیت - ۱۲۵) اللہ نے
 آپ کو بہت سی آزمائشوں میں ڈالا، اور ہر امتحان میں کامیاب ہوئے
 چنانچہ اللہ نے آپ کو عمومی امامت بھی عطا فرمائی اِنْخِيبْ جَاعِلُكَ

ابراہیم علیہ السلام
 کا تذکرہ

لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ - ۱۲۴) میں تمہیں تمام لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صدیقیت کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ صدیق مبالغے کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ راست باز۔ اس کے ساتھ اللہ نے آپ کو نبی بھی بنایا ہے اس بات کی وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ ہر نبی صدیق تو ہوتا ہے۔ مگر ہر صدیق نبی نہیں ہوتا کیونکہ صدیقیت کا درجہ نبی سے کم ہے۔ صدیق سے مراد وہ شخص ہے جو عقیدے، عمل، اخلاق، وعدے اور نیت میں سچائی اختیار کرے۔ اللہ کے نبیوں میں تو یہ صفت لازمی طور پر ہوتی ہے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ درجہ بدرجہ صدیقیت کے درجے پر فائز ہیں۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے تمام صحابہ کرام صدیق ہیں۔ تاہم ان میں سے خلفائے راشدین انبیاء کے بعد سب سے بڑے صدیق ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو حضور علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ آپ کی بیٹی اور حضور کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ بھی صدیقہ ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اَنَا صَدِيقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقْوَلُهَا بَعْدِي اِلَّا كَذِبًا یعنی میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد جو بھی صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین کے درجے بھی متفاوت ہیں۔ پہلے نمبر پر حضرت ابو بکرؓ صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروقؓ، پھر عثمان غنیؓ اور چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ صدیق اکبر ہیں۔ اس کے بعد جو شخص صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے گا، وہ واقعی جھوٹا ہوگا۔ کیونکہ یہ مرتبہ خلفائے راشدین پر ختم ہو چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے صابیت کا دور تھا۔ یہ دور
آدم علیہ السلام کے فرزند شیت علیہ السلام یا اورسین علیہ السلام سے شروع
عبادت اور
حنفیت
کا دور

ہوا۔ اس دور میں بابل بڑا مشہور شہر تھا جو کہ ساٹھ سو عیسویں میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ شہر آشوری اور کلدانی تہذیبوں کا مرکز رہا، مگر اب ٹیکسلا کی طرح کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ بغداد سے ساٹھ ستر میل دور اس شہر کے مکین صابی لوگ تھے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب ”حُسنُ الْمُحَاضِرَةِ فِي أَحْوَالِ الْمُصْبِرِ وَالْقَاهِرَةِ“ میں لکھتے ہیں کہ صابیت کے چار اصول مسلم تھے یعنی توحید، طہارت، صوم اور صلوٰۃ مگر آہستہ آہستہ یہ اصول ختم ہو گئے۔ یہ لوگ زیادہ تربت پرستی اور ستارۃ پرستی میں مبتلا تھے ستاروں میں الوہیت کا کہنہ منہ مانتے تھے۔ انہوں نے ستاروں کے نام پر عبادت خانے بنا رکھے تھے۔ چنانچہ رومی، یونانی، برصغیر کے ہندو اور پرانے چینی بدھ وغیرہ صابی تھے، مگر انہوں نے صابی ملت کے اصل اصولوں کو بگاڑ دیا۔

پھر مسیح علیہ السلام سے ۲۱۶۰ سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ دورِ حنیفیت شروع ہوا۔ آپ نے شرک کی بیخ کنی کی اور لوگوں کو توحید سے روشناس کرایا۔ آپ نے ۷۰ برس عمر پائی اور اس دوران میں بڑے بڑے انقلاب دیکھے۔ آپ پر بڑی آزمائشیں آئیں اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب ہوئے آپ کے ہاتھوں لگایا ہوا توحید کا پودہ آہستہ آہستہ کملائے لگا، حتیٰ کہ آپ کو ماننے والے خود یہود و نصاریٰ نے حنیفیت میں خرابیاں پیدا کر دیں اور ان میں توحید کی بجائے شرک در آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنہوں نے ملتِ ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا اور لوگوں کو ایک خدا کی طرف متوجہ کیا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پھر خرابیاں شروع ہو گئیں مسلمانوں میں بھی گمراہ فرقے پیدا ہو گئے۔ اور خالص توحید میں شرک کی پھر ملاوٹ ہونے لگی۔ ارشاد ہوتا ہے اِذَا فَتَاكَ لِابْنِهِ جَبْ اِبْرَاهِيمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ نے

ابراہیم علیہ السلام
کا باپ

اپنے باپ سے کہا۔ یہاں پر باپ کے نام کی تصریح تو نہیں ہے تاہم سورۃ النعام میں موجود **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّیْهِ اٰمُرْ (آیت - ۷۴)** کہ جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو اپنا معبود بناتے ہو۔ میں تو تمہیں گھلی گمرہی میں دیکھ رہا ہوں۔ شیعوں اور بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا اور آپ کے باپ کا نام تاریخ تھا۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ آزر تو بہت بڑا مشرک تھا جب کہ حضرت ابراہیمؑ کے تمام آباؤ اجداد مومن تھے، لہذا آزر آپ کا باپ نہیں ہے۔ ان حضرات کا یہ نظریہ بلا دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **”يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ“** (الانعام - ۹۵) یعنی اللہ تعالیٰ مردوں سے زندہ اور زندوں سے مردہ نکالتا ہے۔ مقصد یہی ہے کافروں سے مومن اور مومنوں سے کافر پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم مغیر کا مشرک باپ پیدا ہونا کوئی اچھے کی بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزر اور تاریخ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ اصل نام تاریخ ہی ہے مگر بہت پرستوں کے پر و بہت ہونے کی بنا پر آزر لقب تھا۔

تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا **يَا بَتِّ اے میرے باپ!** عربی محاورے میں یہ لفظ محبت کے انداز میں استعمال ہوتا ہے جیسے **يَا بَتِّ** یعنی اے میرے بیٹے حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو اسی لفظ سے خطاب کر کے کہا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کہ یہ ظلم عظیم ہے۔ خود حضور علیہ السلام حضرت انسؓ کو **يَا بَتِّ** کہہ کر خطاب فرماتے تھے حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ حضورؐ سے بار بار پوچھتے کہ حضور! دجال کے فتنے میں کیا بٹے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا **يَا بَتِّ** اے میرے بیٹے! خوف نہ کھاؤ دجال تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ غرضیکہ **يَا بَتِّ** کی طرح **يَا بَتِّ**

باپ
خطاب

میں بھی محبت و الفت پائی جاتی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی جیسے اردو میں ”بابی“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باب سے یوں کہا
 لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا
 آپ ان کی کیوں عبادت کرتے ہیں۔ جو نہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ
 آپ کے کسی کام آسکتے ہیں؟ ان بتوں کو تو خود آپ ایک جگہ سے
 اٹھا کر دوسری جگہ رکھتے ہیں۔ یہ تو اپنے آپ چل پھر بھی نہیں سکتے،
 بھلا یہ آپ کے کس کام آئیں گے۔ یہ تو بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ
 خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر انہیں کو معبود بنالیں اور ان سے حاجتیں
 طلب کرنے لگیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی سننے اور دیکھنے والا بھی معبود
 نہیں بن سکتا۔ فرشتے اللہ کی مقرب مخلوق ہیں۔ جو دیکھتے اور سنتے ہیں۔
 اور اللہ نے انہیں کسی حد تک اختیار بھی دے رکھا ہے مگر معبود وہ
 بھی نہیں بن سکتے کیونکہ معبود ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ خالق
 ہو، مازنی اور ابدی ہو اور کسی کا مخلج نہ ہو۔

مگر امر واقع یہ ہے کہ ساری کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے
 یَسْأَلُهُ مَلَكٌ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الرحمن - ۲۹)
 آسمان وزمین کی ہر چیز اُسی مالک الملک کے در کی سوالی ہے۔ سب محتاج ہیں
 اور اُسی سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ کوئی زبان حال سے مانگ
 رہا ہے اور کوئی زبان قال سے۔ درختوں کی زبان حال سرسبزی اور
 شادابی طلب کر رہی ہے، پھتھر ہوا اور پانی سب اپنی ضروریات طلب
 کر رہے ہیں۔ جانور۔ چرند اور پرند سب اسی کے سامنے دامن پھیلائے
 ہوئے ہیں اور انسان تو ہیں ہی محتاج۔ دینے والا صرف ایک ہے
 اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس چیز کی ضرورت ہے اور کتنی ضرورت
 ہے۔ اُس کا فرمان ہے ”وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ

ساری مخلوق
محتاج ہے

لَبَّغُوا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يَشَاءُ
 (الشوری - ۲۷) اگر اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے سب پر یکساں کھول
 دے تو سب سرکش ہو جائیں۔ وہ ایک خاص اندازے کے مطابق رزق
 نازل فرماتا ہے۔ اس کی مصلحت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ
 نے یہ بھی فرمایا "يُذِيقُ الْآلِهَ مِنْ السَّمَاءِ الْمَحْكُ
 الْأَرْضِ" (السجدة - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں
 تک ہر کام کی تدبیر وہ خود کرتا ہے۔ اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا
 کہ فلاں کام تم کو کر لیا کرو اور فلاں میں انجام دے لوں گا۔ ہمیں تو یہی
 دُعا سکھلائی گئی ہے يَا مُصَرِّفَ الْفُتُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا
 إِلَى طَاعَتِكَ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی
 اطاعت کی طرف پھیر دے۔ ایمان اور اخلاص کی طرف پھیرنا بھی تیرا
 ہی کام ہے۔ لہذا تو اپنی رحمت سے ہمیں نیکی پر مستحکم رکھ۔

اس آیت کرمیہ میں ابراہیم نے اپنے باپ کو ان بتوں کی پوجا سے
 منع کیا جو نہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ کسی کام آسکتے ہیں۔ یہ بت دو
 قسم کے ہوتے تھے۔ ایک قسم کے بت صنم کہلاتے تھے۔ جو پتھروں
 یا لکڑی کو تراش کر کسی خاص شکل میں بنائے جاتے تھے۔ اور دشن ان بتوں
 کو کہتے تھے جو ان گھڑے ہوتے تھے اور کسی خاص شکل پر شکل نہیں
 ہوتے تھے کسی وضع قطع کے پتھر یا لکڑی کو معبود تسلیم کر کے ان کی
 پوجا شروع کر دی۔ پھر ان کی نذر و نیاز بھی کرتے تھے۔ ان کے آگے کھانا
 مٹھائی اور دودھ وغیرہ رکھتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔ انہی بتوں کی
 پوجا سے ابراہیم علیہ السلام نے روکا۔

حدیث شریف میں صلیب کے نشان کو بھی دشن سے تعبیر کیا گیا ہے جب
 عدی بن حاتم طائی حضور کی خدمت میں پہلی دفعہ پیش ہوئے تو ان کے گلے

میں صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا اَلْقِ عَنْكَ هَذَا الْوُثْنَ یہ
وثن یعنی بت اپنے گلے سے اتار دو۔ عیسائی صلیب کی تعظیم کرتے ہیں۔
جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو مسلمان اللہ تعالیٰ
کی عظمت کی خاطر لڑتے ہیں جب کہ عیسائیوں کے ہاں فتح کا معیار صلیب
ہوتا ہے، وہ صلیب کی بلندی چاہتے ہیں لہذا یہ ان کا معبود ہے اور
یہ صریح شرک ہے۔

بعض لوگ زندہ ہستیوں کی پرستش کرتے ہیں اور بعض اصحاب قبول
کو پوجتے ہیں۔ لوگوں میں خدا کے انبیاء، ملائکہ، جنات اور شیاطین کے
پجاری بھی موجود ہیں۔ بہر حال یہاں پر شرک کی جس قسم کا ذکر ہے وہ پختہ یا
لکڑی کے مجسمے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے پہلی بات تو یہ کی کہ باپ کہتوں کی پوجا سے منع
قطعی علم
بذریعہ وحی کیا اور دوسری بات یہ کہ کیا بت سے میرے باپ رَحْمَہُ قَدْ جَاءَنِي
مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ تَحْقِيقَ میرے پاس ایک ایسا علم آیا
ہے جو تیرے پاس نہیں ہے لہذا میں تجھے کہتا ہوں فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ
صِرَاطًا سَوِيًّا کہ میری اطاعت کہہ میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا
اس سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ تبلیغ دین کے لیے نہایت ہی نرم رویہ
بلکہ محبت کا سا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی طریقہ
اختیار کیا، اور اگر کہیں سخت رویہ اختیار کیا ہے تو بالکل ناگزیر حالات میں۔
حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ میں بھی ہے کہ اللہ نے دونوں
کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا اور ساتھ نصیحت کی قَوْلًا
لَهُ قَوْلًا لَّيْسَ نَازِلًا۔ (۴۴) اور اس سے نرم لہجے میں بات کرنا
بہر حال تبلیغ دین کے لیے نرم رویے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس قطعی اور

یقینی علم ہونا ہے جو باقی مخلوق کے پاس نہیں ہوتا۔ اس سے مراد وحی الہی ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کی ابتدا ہی وحی الہی سے کر کے باب ہی اس طرح باندھا ہے کَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ الْحَقِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي حَضْرَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ پر وحی کی ابتدا کیسے ہوئی۔ مقصد یہ کہ وحی الہی ہی قطعی ذریعہ علم ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام ذرائع ظنی ہیں۔ علم سائنس مشاہدات پر مبنی ہونے کے باوجود خطا سے خالی نہیں۔ کوئی چیز ایک شخص کے مشاہدے میں کچھ آتی ہے جب کہ دوسرے شخص کچھ اور ہی سمجھتا ہے۔ اسی طرح کشف میں بھی غلطی کا امکان ہے غلطی سے مبرا صرف وحی الہی ہے۔ اس کو سمجھنے میں نبی کوئی غلطی نہیں کرتا اور نہ ہی اسے آگے بیان کرنے میں کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ میرے پاس ایک ایسا علم ہے جو تمھارے پاس نہیں ہے۔ لہذا آپ میری بات مانیں، میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

اہل علم کا
اتباع

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اہل علم کا اتباع ضروری ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (آیت - ۶۳) جو چیز تم خود نہیں جانتے اسے جاننے والوں سے پوچھ لو۔ لہذا عوام کا فرض ہے کہ وہ اہل علم کا اتباع کریں۔ اس زمانے میں نام نہاد علماء و گمراہی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ بی بی میں مکتوڑی سی عربی پڑھ لی تو پرویز کی طرح عالم بن بیٹھے۔ ان کو تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ سلف نے حصول علم کے لیے مشقتیں برداشت کیں، ہزاروں اساتذہ سے فیض حاصل کیا، عمر کوں کے طویل حصے علم حاصل کرنے میں لگا دیے ابو علی قاری کا حال دیکھ لیں۔ صرف کے ایک صیغہ میں غلطی کر بیٹھے۔ استاد صاحب نے کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی سخت غلطی کی

اٹھ کر چلے گئے اور زندگی کے مزید چالیس سال فن صرف پر لگا دیے۔
جب بالکل کامل ہو گئے تو پھر پڑھانے کے لیے بیٹھے۔ امام شافعیؒ کا
قول ہے کہ میں نے دوران تعلیم سولہ سال تک رات بھر ایک گلاس
پانی تک نہیں پیا کہ کہیں مطالعہ میں خلل نہ آجائے۔

شیطان
کی عبادت

ابن سیم علیہ السلام نے مزید فرمایا یَا بَیْتُ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ
اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کریں۔ عبادت صرف رکوع
و سجدہ کا نام ہی نہیں بلکہ شیطان کا حکم ماننا اس کی عبادت کہنے کے مترادف
ہے۔ اسی لیے اللہ نے بار بار فرمایا ہے لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ (البقرہ - ۱۶۸) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ جو
شخص خدا تعالیٰ کے قانون کو چھوڑ کر اپنی عقل یا خواہش پر چلتا ہے، وہ
حقیقت میں شیطان کے نقش قدم پر ہی چلتا ہے۔ رسومات کی اتباع
بھی شیطان کی پیروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت، سیاست اور معیشت
کے تمام قوانین واضح کر دیے ہیں، جو بھی ان کی خلاف ورزی کرے گا، وہ
شیطان کا کاتب ہوگا۔

فرمایا، اے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ اِنَّ الشَّيْطَانَ
كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَصِيًّا شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ اُس نے
تو روزِ ازل سے کہہ دیا تھا فَبِمَا أَعْتَوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ (الاعراف - ۱۶) تو نے مجھے گمراہ ٹھہرا ہی
دیا ہے۔ تو اب میں بھی تیرے پیدھے رستے میں بیٹھ کر اُن کو گمراہ کروں گا
شیطان تو پہلے دن سے مردود قرار دیا جا چکا ہے۔ بقول حضرت سحی امیریؒ
شیطان نے سات لاکھ سال عبادت کی مگر ایک انکار کیمے راندہ درگاہ ٹھہرا
اللہ نے فرمایا فَاخْرِجْ فَإِنَّكَ رَجِيمٌ (ص - ۷۷) یہاں سے
نکل جاؤ۔ تم مردود ہو۔ شیطان کے متعلق سورۃ الکہف میں بھی گمراہ چکا ہے

”اَفْتَتَّخِذْ وَلَدًا وَذُرِّيَّتًا اَوَّلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ“ (آیت ۱۵۰) کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ وہ ہر مقام پر وسوسہ اندازی کر کے تمہیں پھیلانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے، اس کی عبادت نہ کرو۔

پھر فرمایا اِذَا نَسِيتَ اَخَافُ اَنْ يَّمْسَسَكَ عَذَابُ مِّنَ الرَّحْمٰتِ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ تمہیں خدا کے رحمان کی عذاب الہی کا خوف کی طرف سے عذاب نہ پہنچ جائے فَتَكُوْنُ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا پس تم شیطان کے دوست بن کر رہ جاؤ گے اور خدا کے رحمان سے کٹ جاؤ گے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے اسم رحمان کا ذکر کیا ہے، جبار اور قہار کا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ مگر جب کوئی شخص اس کی حکم عدولی کر کے توحید کو چھوڑ دیتا ہے اور شیطان کا اتباع کرنے لگتا ہے۔ تو پھر رحمان سزا بھی دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اے باپ! مجھے خطر ہے کہ تم کہیں شیطان کے دوست نہ بن جاؤ۔ اب باپ کا جواب اور اس کی کارگزاری کا بیان اگلی آیات میں آ رہا ہے۔

قال الم ۱۶

درس دہم ۱۰

مریم ۱۹

آیت ۴۶ ۵۰

قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ تَبَرَّأْتُ مِنَ الْهَيْئِ يَا بَرَاهِيمُ لَنْ لَمْ
 تَنْتَهَ لَا رَجْمَكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝۴۶ قَالَ سَلَامٌ
 عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝۴۷
 وَأَعِزِّلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي
 عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝۴۸ فَكَلَّمَا
 ائْتَرَاهُم وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا
 لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۴۹
 وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُم
 لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۵۰

ترجمہ:- کہا (ابراہیم کے والد نے) کیا تو اعراض کرنے والا
 ہے میرے معبودوں سے اے ابراہیم! اگر تو باز نہیں
 آئے گا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو چھوڑ دے
 مجھے لمبے زمانے تک ۝۴۶ کہا (ابراہیم نے) سلام ہو تم
 پر۔ میں بخشش طلب کروں گا تیرے لیے اپنے پروردگار
 سے۔ بیشک وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے ۝۴۷ اور
 میں چھوڑتا ہوں تمہیں اور جن کی تم پرستش کرتے ہو اللہ کے
 سوا، اور پکارتا ہوں اپنے پروردگار کو امید ہے کہ میں نہیں

ہوں گا اپنے پروردگار کو پکارتے کے ساتھ محروم (۴۸) پھر جب ابراہیم علیہ السلام اُن سے جدا ہو گئے اور اُن کے معبودوں سے بھی جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، تو سختاً ہم نے اُن کے لیے (فرزند) اسحاق اور (پوتا) یعقوب اور ہر ایک کو بنایا ہم نے نبی (۴۹) اور سختاً ہم نے اُن کے لیے اپنی رحمت سے اور بنائی ہم نے اُن کے لیے سچائی کی زبان بلند (۵۰)

پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے عقیدے کا ذکر ہوا پھر اللہ تعالیٰ ربط آیت نے شرک کی تردید فرمائی اور اس ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی اختصار کے ساتھ بیان ہوا۔ آپ نے اپنے باپ کو نہایت نرم اور محبت آمیز لہجے میں سمجھایا کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو یہ نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کام آسکتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس قطعی علم آچکا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے، لہذا آپ میری بات مانیں، میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر بیٹا اہل علم ہے تو باپ کو اس سے سیکھنے میں عار نہیں محسوس کرنی چاہیے بلکہ یہ تو فضیلت کی بات ہے کہ باپ نے اپنے قابل بیٹے سے سیکھا۔ یہ چیز عقل کے عین مطابق ہے اور ایسا کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو یہ بھی کہا خدا کے سچے قانون کو چھوڑ کر توحید کو ترک کرنا اور شرک کو اختیار کرنا شیطان کی عبادت کرنے کے مترادف ہے، لہذا آپ شیطان کی پرستش نہ کریں۔ شیطان تو خدا نے رحمان کا نافرمان ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے شیطان کا اتباع ترک نہ کیا، تو منرا کے مستحق ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کے اس محبت آمیز رویہ کا جواب آپ کے باپ نے یوں دیا۔

باپ کا جواب

باپ کو نہایت نرمی اور محبت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی جب باپ نے جواب میں نہایت سخت رویہ اختیار کیا۔ جاہل لوگ نرمی کی بات سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ وہ خود سب و دشنام اور مار دھاڑ پہ اتر آتے ہیں۔

سلامتی اور
معفرت
کی دعا

اب ابراہیم علیہ السلام نے گالی کا جواب دعا کے ساتھ دیا **قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ** کہنے لگے اے باپ! تجھ پر سلامتی ہو۔ اس کو سلام متارکت کہتے ہیں۔ جیسے سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی یہ صفت بھی بیان کی ہے **وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا** (آیت ۶۳) کہ جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر نکل جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم اپنے طریقے پر رہو، ہم تم سے علیحدہ ہوتے ہیں کیونکہ جہالت کا جواب جہالت سے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اور ساتھ ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے ساتھ ہمدردی کا پورا پورا حق بھی ادا کر دیا۔ کہنے لگے **سَاكُنْ بِمَنْزِلِكَ** کہ میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے بخشش کی دعا کروں گا کیونکہ **إِنَّكَ كَانَتْ حَفِيًّا** میرا پروردگار میرے ساتھ بڑا مہربان ہے۔ اور امید ہے کہ میری دعا رائیگاں نہیں جائے گی۔

مشرک کے لیے بخشش کی دعا کمر نادریست نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ** (التوبة - ۱۱۳) کسی نبی اور اہل ایمان کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کہیں۔ اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، اس کے بعد کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ قطعاً جہنمی ہیں۔ مگر ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف باپ کے لیے دعا کا

وعدہ کیا بلکہ فی الواقع دُعا کر بھی دی رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدِنَا
(ابراہیم - ۴۱) اے پروردگار! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی۔
اس بات کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمادی وَمَا كَانَ
اسْتَغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَآبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا
اٰیٰہُۙ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ اَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِلّٰہِ تَبٰیۡنَ مِنْہُ التَّوْبَةُ
ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت ایک وعدے کی
بنیاد پر تھی جو انہوں نے کمرکھاتھا۔ لیکن جب بعد میں واضح ہو گیا کہ وہ دشمن خدا
ہے یعنی اس کا خاتمہ کفر یہی ہوگا۔ تو آپ نے بنی راری کا اظہار کر دیا۔

حضرت علیہ السلام کے چچا ابوطالب آپ کے محسن اور مربی تھے وہ مشرکوں کے
مقابلے میں آپ کی بڑی حمایت کرتے رہے، مگر ایمان قبول نہیں کیا۔ جب
اس کی وفات کفر کی حالت میں ہی ہو گئی تو حضور علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہوا۔
آپ نے فرمایا اَسْتَغْفِرُكَ رَبِّیْ میں تیرے لیے اپنے پروردگار
سے بخشش کی دُعا کروں گا، مگر فرمایا کہ پھر اللہ نے مجھے منع کر دیا کیونکہ
مشرکوں کے لیے دُعا جائز نہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ مشرکوں کی زندگی میں تو ان کے لیے دُعا
مغفرت کی جاسکتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں
ایمان کی توفیق عطا کر کے مغفرت کا اہل بنائے۔ مگر کفر و شرک
کی حالت میں ہی مرنے کے بعد ان کے لیے دُعا درست نہیں کیونکہ وہ
ازلی جہنمی قرار پائے۔ یہاں پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں
کے والدین کافر اور مشرک تھے اور خود انہوں نے ایمان قبول کر لیا۔ اب
وہ بھی ہر نماز میں والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں رَبَّنَا
اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدِنَا اے اللہ مجھے بھی معاف کر دے اور میرے
والدین کو بھی بخش دے۔ اس ضمن میں صاحب کشاف بیان کرتے ہیں کہ

ایسے شخص کی دعا کے مصداق اُن کے قریبی والدین نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مصداق پوری نسل انسانی کے والدین حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا ہوں گی جو کامل مہجے کے مومن اور اولین والدین تھے۔

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعا کا وعدہ کیا اور پھر اُن سے علیحدگی کا ارادہ بھی کر لیا۔ کہنے لگے وَاعْتِزُّ بِكُمْ وَوَدَّعُونَ ^{ابراہیم علیہ السلام کی علیحدگی} مِنْ دُونِ اللَّهِ میں تمہیں بھی چھوڑتا ہوں اور تمہارے معبودوں کو بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ وَأَدْعُوا رَبِّي اور میں تو صرف اپنے پروردگار کو ہی پکارتا ہوں جو قادر مطلق، علیم کل، مختار کل، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ وہ ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے۔ وہ خالق، مدبر اور متصرف ہے۔ میں تو صرف اُسی کو پکارتا ہوں اور تمہارے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ وہ اللہ کے دشمن ہیں وَبَدَأَ يِنَّتَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (الممتحنة - ۴) اور ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی ہے۔ جب تک کہ تم اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان نہ لے آؤ۔ دوسری آیت میں ہے ابراہیم علیہ السلام نے کہا إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي (الصفۃ - ۹۹) میں تو اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں۔ سورۃ العنکبوت میں یوں آتا ہے وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي (رأیت - ۲۲) یعنی میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر کے جارہا ہوں۔ جہاں میرے مالک کا حکم ہوگا وہاں چلا جاؤں اور تمہیں اور تمہارے معبودوں کو بہر حال چھوڑ رہا ہوں۔ عَسَىٰ أَكُونُ بِدَعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکارنے کیساتھ محروم نہیں ہوگا۔ اُس زمانے میں عراق کا پورا علاقہ جس میں فرود کی عملداری تھی۔ کفر و شرک میں ڈوبا ہوا تھا۔ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ اچھڑا ہوا ہے تاکہ مشرک تھے۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاتے والے ابراہیم علیہ السلام کے

علاوہ آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بھی
مومنہ تھیں۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ کا نکاح اس ہجرت
سے پہلے ہو چکا تھا یا ہجرت کے بعد شام پہنچ کر ہوا۔ بہر حال تین افراد
پر مشتمل یہ قافلہ عراق سے چل کر مصر اور پھر شام اور فلسطین پہنچا۔ راستے میں
اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو نبوت بھی عطا فرمائی اور وہ شرق اردن کے
علاقہ میں مامور ہوئے۔

انعام بصورت

اسحاق اور
یعقوب علیہما السلام

ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ جَبَّ آپ قوم اور ان کے معبودوں کو چھوڑ کر چلے
گئے تو اللہ نے آپ پر اولاد کی صورت میں انعام کیا وَهَبْنَا لَهُ
إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام (بیٹا) اور
یعقوب علیہ السلام (پوتا) عطا فرمایا۔ وَكَلَّامًا نَبِيًّا اللہ
نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ اولاد عطا فرمائی بلکہ ہر ایک کو نبی بھی بنایا۔ پھر
ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام بھی اللہ کے
نبی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے چار پشتوں میں نبی پیدا کئے الْكَرِيمِ
ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ الْكَرِيمِ یعنی یوسف
ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم سارے کے سارے اللہ کے برگزیدہ
بندے اور نبی ہوئے۔ حضرت ابراہیم کو اللہ نے دو فرزند عطا کیے
حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں اللہ کے نبی
ہوئے مگر اس مقام پر صرف اسحاق علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت
اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اگلے رکوع میں مستقل عنوان کے تحت آ رہا ہے
اس مقام پر چونکہ صرف یثرب و نصاریٰ کا رد مطلوب تھا اس لیے یہاں
یہاں کے جد امجد حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کا ذکر کیا۔ اور
اگے جہاں مشرکین عرب کا رد مقصود ہے وہاں ان کے جد امجد حضرت

اسما جیل علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔

فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے وَوَهَبْنَا
لَهُمْ مِمَّا رَزَقْنَاهُ اور ہم نے اپنی خاص مہربانی بھی ان کے
 شامل حال کی۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيمًا
 اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی بلند زبان بھی بنائی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت
 ابراہیم اور آپ کی اولاد کے لیے ہمیشہ رحمت کی دعائیں ہوتی رہتی ہیں
 ہم ہر غازی میں پڑھتے ہیں اے اللہ! رحمت بھیج حضرت محمد پر اور آپ کی
 آل پر كَمَا صَلَّيْتَ عَلَآ اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ
اِبْرَاهِيْمَ جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام
 اور آپ کی اولاد پر۔ اس سے زیادہ سچی اور بلند شہرت کیا ہو سکتی ہے
 اللہ تعالیٰ نے یہ ثنائے جمیل، ذکر جمیل، شہرت اور مہربانی خاص طور پر
 حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد کو عطا فرمائی۔ ان کو نبی اور رسول
 بنایا۔ قوم تو ان کو بدداشت نہ کر سکی مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہمیشہ ان
 کے شامل حال رہی۔

جب کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہیں تھا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا، ہم نے اپنی رحمت خاصہ سے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ہارونؑ آخِي (طہ - ۲۹-۳۰) میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنا دے کیونکہ وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کی اور پھر ان دونوں کو فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف مامور کیا کہ جا کر انہیں خدا کا پیغام سنائیں۔ دونوں بھائی اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف بھی نبی تھے اور ان کی تعلیم و تربیت بھی انہی کے ذمے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بڑی بزرگی اور شان عطا فرمائی یہ بھی لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور کفر و شرک کی مذمت بیان کر کے لوگوں کو باز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

ہارون علیہ السلام
تذکرہ

پہلے ابراہیم علیہ السلام، اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کا ذکر گذشتہ رکوع میں ہو چکا ہے۔ اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ مستقل عنوان کے تحت کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ اور آپ کتاب یعنی قرآن حکیم میں اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ بھی کریں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ آپ حضرت ابراہیم کی بڑی بیوی حضرت سارہ کے بطن سے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے مصر پہنچے تو مصر کے بادشاہ نے حضرت ماجرہ بطور لونڈی حضرت سارہ کو خدمت کے لیے دی تھی۔ آپ نے یہ لونڈی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دی جنہوں نے

اسماعیل علیہ السلام
کا تذکرہ

کریں آپ کتاب میں ادریس علیہ السلام کا، بیشک وہ تھے صدیق اور نبی (۵۶) اور ہم نے بلند کیا ان کا مقام بہت ہی اونچا (۵۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے انکے اور ان کے والد کے درمیان مکالمے کا ذکر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت نرم طریقے سے اپنے باپ کو توحید کی دعوت دی مگر والد نے بڑی سختی سے ڈانٹ دیا۔ اور کہا کہ یہاں سے چلا جا ورنہ تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ چنانچہ آپ اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر گئے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی آپ کے شامل حال ہوئی۔ اللہ نے آپ کو حضرت اسحاق جیسا بیٹا اور حضرت یعقوب جیسا عظیم المرتبت پوتا عطا فرمایا، یہ دونوں اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا درس دیتے تھے، کفر و شرک کی تردید کرتے تھے اور لوگوں کو ان سے باز رہنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا مرتبہ ہے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی اقوام ان کی تعریف کرتی ہیں اور ان کا ذکر خیر نیکی کے ساتھ ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ انبیاء نے بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کے حبیب القدر نبی اور رسول تھے۔ آپ بھی توحید کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے، اور اُسی کی رحمت پر بھروسہ رکھتے تھے۔ آپ کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں تھے کہ آپ کو ہی معبود بنا لیا جائے۔ آگے بعض دوسرے انبیاء کا بھی مجموعی طور پر ذکر آ رہا ہے جن کے حالات پر اللہ تعالیٰ نے تبصرہ فرمایا ہے اور ان کے مشن کا ذکر کیا ہے۔

تو یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔ وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ اے پیغمبر! آپ کتاب یعنی قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں اِنَّہٗ كَانَ مُخْلِصًا بِشَکِّکَ آپ منتخب شدہ برگزیدہ تھے۔ سُورَةُ الْاَعْرَافِ میں اللہ نے یہ بات اس طرح بیان کی ہے يُمُوسَىٰ اِنِّیْ اصْطَفٰیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسَالَتِیْ وَبِکَلَامِیْ (ایت ۱۴۴) اے موسیٰ علیہ السلام! بیشک میں

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ
 رَسُولًا نَبِيًّا ۝۵۱ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ
 وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝۵۲ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ
 هَارُونَ نَبِيًّا ۝۵۳ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ
 كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝۵۴ وَكَانَ
 يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ
 مَرْضِيًّا ۝۵۵ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ
 كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝۵۶ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝۵۷

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ ذکر کریں کتاب (قرآن) میں موسیٰ علیہ السلام
 کا۔ بیشک وہ تھے چنے ہوئے اور تھے اللہ کے رسول اور
 نبی ۝۵۱ اور ہم نے پکارا اُن کو طور پر داہنی جانب سے۔ اور
 ہم نے قریب کیا اُن کو سرگوشی میں ۝۵۲ اور بخشا ہم نے اُن
 کے لیے اپنی رحمت سے اُن کا بھائی ہارون علیہ السلام نبی ۝۵۳
 اور ذکر کریں آپ کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا۔
 بیشک وہ تھے سچے وعدے والے اور اللہ کے رسول اور
 نبی ۝۵۴ اور وہ حکم دیتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ
 کا، اور تھے وہ اپنے پروردگار کے پاس پسندیدہ ۝۵۵ اور ذکر

اپنے رسول منتخب فرماتا ہے۔ البتہ نبی کا اطلاق صرف انسانوں پر ہوتا ہے اور وہ بھی اللہ کا پیغام لاتے ہیں۔ علم کلام والے نبی کی تعریف یوں کرتے ہیں
 "إِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللَّهُ لِتَبْلِيغِ مَا أَوْحِيَ إِلَيْهِ" یعنی نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے ایک صورت میں رسول عام ہے کہ اس کا اطلاق فرشتوں اور انسانوں دونوں انواع پر ہوتا ہے۔ اور نبی خاص ہے کہ یہ صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں نبی عام ہے کہ اس کا اطلاق نبی اور رسول دونوں پر ہوتا ہے جسکی طرف وحی کی جاتی ہے اور رسول خاص ہے کہ یہ لفظ صراحتاً صاحب کتاب اور صاحب شریعت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور سابقہ کتب کی تبلیغ کرنے والے انبیاء پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

موسیٰ علیہ السلام
 کا تقرب الی اللہ

اللہ نے فرمایا وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا کوہ طور پر ان کی دائیں جانب سے یہاں پر لفظ ائمن کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے ہے، نہ کہ پہاڑ سے کیونکہ پہاڑ کا توہ دایاں بائیں پہلو نہیں ہوتا۔ تو محلے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی دائیں طرف سے آواز دی۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب آپ مدین سے واپس مصر آئے تھے۔ اُس کی تفصیلات اگلی سورۃ میں تفسیری روایات کے حوالے سے آئیں گی۔ تو فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا وَقَرَّبْنَاهُ جِثًّا اور ہم نے انہیں قریب کیا سرگوشی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے درمیان والے بہت سے حجابات اٹھا کر موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اتنا قریب کر لیا کہ آپ عالم بالا میں قضا و قدر کے دفتر میں ملائکہ کے قلموں کے چلنے کی آواز سن رہے تھے یہ موسیٰ علیہ السلام کا انتہائی عروج تھا۔ اور پھر کیا ہوا وَكَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (النساء - ۱۶۴) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست کلام کیا

نے تجھے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ منتخب کیا ہے۔ اللہ نے آپ کو شرف تکلم بخشا، اور فرمایا کہ آپ اسی انعام پر اکتفا کریں اور بالمشافہ دیکھنے کی خواہش نہ کریں۔

مخلصاً کی دو قرأتیں ہیں۔ اگر مخلصاً پڑھا جائے تو یہ فاعل کا صیغہ بنتا ہے اور اس کا معنی ہو گا نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے۔ آپ کی عبادت بالکل خالص تھی اور اس میں شرک یا ریا کا شائبہ تک نہیں تھا۔ کیونکہ اخلاص اور برگزیدگی بھی پیدا ہوتی ہے جب یہ چیزیں نہ ہوں۔ سورۃ المؤمن میں اللہ کا فرمان ہے ”فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“ (آیت - ۶۵) تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اُس اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ اس لفظ کی دوسری قرأت مخلصاً ہے۔ جس کا معنی منتخب شدہ برگزیدہ اور یہ مفعول کا صیغہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت کی گواہی بھی دی وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا اور آپ اللہ کے رسول اور نبی تھے رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ نے مستقل شریعت، کتاب یا صحیفہ عطا کیا ہو۔ اور نبی وہ ہوتا ہے جس کے لیے مستقل شریعت نازل نہیں ہوتی بلکہ وہ سابقہ شریعت ہی کی تبلیغ کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء صرف تورات کی تعلیم دیتے رہے۔ تاہم وحی الہی بنی اور رسول ہر دو پیمانہ نازل ہوتی ہے۔

رسول اور نبی میں ایک اور امتیاز یہ ہے کہ رسول کا اطلاق انسانوں کے علاوہ ملائکہ پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو بھی رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ ”اللَّهُ يَصْطَفِي مِمَّنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِمَّنَ النَّاسِ“ (الحج - ۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں میں سے

نبی اور رسول
میں فرق

اُن سے نکل چکا اور اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عظیم فرزند عطا کیا۔ البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے اور حضرت اسحاق علیہ السلام اس کے چودہ سال بعد تولد ہوئے۔ پھر آگے اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اتنی کثیر اولاد پیدا کی کہ پورا عرب و عجم اُن سے بھر گیا۔ عرب کے لوگ حضرت اسماعیل کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کا تذکرہ کبر کے مشرکین عرب کو تنبیہ کی کہ دیکھو تمہارے آباؤ اجداد ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام تو اللہ کی توحید کی دعوت دیتے تھے مگر تم شرک میں کیسے مبتلا ہو چکے ہو؟

وعدہ کی
سچائی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے
 اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ بِشَيْءٍ اَبْرَءُ سِجِّ وَعْدِ وَاٰلِ
 تَحٰے۔ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا اور آپ اللہ کے رسول اور نبی تھے
 انبیاء علیہم السلام تو بلاشبہ وعدے کے سچے ہوتے ہیں، مگر عام مومنوں میں
 بھی صفت پائی جانی چاہیے۔ جنور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلْعِدَّةُ دِيْنٌ
 یعنی وعدہ ایک قرض ہوتا ہے جس کا چکانا ضروری ہے۔ وعدہ کمر کے
 خلاف ورزی کرنا منافق کی نشانی ہے کیونکہ منافق کی ایک نشانی یہ ہے
 اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے
 معسرین بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے اسماعیل علیہ السلام سے کسی مقام پر ملنے
 کا وعدہ کیا۔ آپ وہاں پہنچ گئے مگر وہ شخص نہ آیا حتیٰ کہ مختلف روایات کے
 مطابق آپ کو وہاں پرتین دن، ایک ماہ یا سال بھر انتظار کرنا پڑا۔ پابندی
 عہد کی یہ عمدہ مثال ہے۔

ابوداؤد شریف میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ قبل از نبوت جنور علیہ السلام
 کی لین دین کے معاملہ میں عبد اللہ بن ابوالحساء نامی شخص سے بات چیت
 ہو گئی۔ اس نے کہا کہ آپ یہیں بٹھریں میں ابھی فلاں چیز لے کر آتا ہوں۔

اتفاق کی بات کہ وہ شخص اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین دن کے بعد اُسے وعدہ یاد آیا اور وہاں پہنچا تو حضور علیہ السلام کو اپنا منتظر پایا۔ آپ نے فرمایا، اے نوجوان! تو نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا۔ اسی طرح اسماعیل علیہ السلام بھی وعدے کے بڑے پکے اور سچے تھے۔

وعدہ اللہ سے کیا ہو یا مخلوق سے اُس کا ایفا ضروری ہے تاجروں کو اپنے وعدے کا ضرور پاس کرنا چاہیئے۔ اور یہی ذمہ داری کارپہ دازان حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اندرونی اور بیرونی معاہدات پر عمل درآمد کریں۔ اخلاق کا دار و مدار ایقانے عہد پر ہے اور یہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ وعدہ خلافی کرنے والا منافق ہمیشہ ذلیل و خوار ہی ہوتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام سچے وعدے والے اور اللہ کے رسول اور نبی تھے۔

فرمایا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ اور اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے تھے اہل سے مراد پوری قوم بھی ہو سکتی ہے کہ سب کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ دونوں بنیادی عبادات ہیں۔ نماز کے ذریعے تعلق باللہ استوار ہوتا ہے اور زکوٰۃ کے ذریعے مخلوق خدا کے ساتھ تعلقات کی استواری ہوتی ہے اور یہ نفس کی اصلاح کا ذریعہ بھی ہے ایک مومن اور غیر مومن کے درمیان یہی عبادات علامات فارقہ بھی ہیں سورۃ التوبہ میں ہے "فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ فَخِمْهُمْ فِي الدِّينِ" (آیت - ۱۱) کفار، مشرکین اور منافقین کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ تائب ہو کر نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی بن گئے۔ اب جھگڑے ختم ہو گئے، اُن سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں بمطلب

نماز اور
زکوٰۃ کی
تاکید

یہ کہ جو شخص ان دو عبادات نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کر دے۔ وہ جماعت المسلمین کا ممبر بن گیا۔ اگر یہ عبادات انجام نہیں دیتا تو پھر دین کے ساتھ اس کی وفاداری مشکوک ہے

اللہ کے
پسندیدہ
نہی

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا اور اسماعیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ شخصیت تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے، وعدے کے سچے اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ صرف خدا کی عبادت کرتے تھے اور لوگوں کو بھی توحید کی دعوت دیتے تھے۔ نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہیں گو یا آپ اللہ تعالیٰ کے منظور نظر تھے۔ مراد یہ ہے کہ عربوں کو بھی لازم ہے کہ وہ انہی کا طریقہ اختیار کریں جن کی وہ اولاد ہیں۔ کفر و شرک کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اپنالیں۔ کتنی بڑی بات ہے کہ اپنی نسبت تو ان پاک ہستیوں کی طرف کرتے ہیں مگر ان کے طریقے کے سرسرا خلاف چلتے ہیں۔

اللہ
اور اس
کا تذکرہ

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَإِذْ كُنَّا فِي الْمَكِئْبِ اذْ رِجْسٍ اور آپ کتاب یعنی قرآن میں ادریس علیہ السلام کا ذکر کریں۔ ادریس علیہ السلام کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ نوح علیہ السلام سے پہلے تھے یا انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہوئے ہیں۔ بائبل میں آپ کا لقب اخنوخ بیان کیا گیا ہے، صاحب مدارک اور امام بغوی وغیرہ لکھتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور آپ پر کئی صحیفے بھی نازل ہوئے۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے بنی نوح ان کی سہولت کے لیے کئی چیزیں ایجاد کیں۔ مثلاً سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنا انہوں نے شروع کیا۔ کپڑے سینے کی سوئی اور جنگی اوزار انہی کی ایجاد ہیں۔ انہوں نے ترازو بھی بنایا۔ آپ علم فلکیات میں

بھی دسترس رکھتے تھے۔ دنیا میں ریاضی کا نظام بھی اللہ نے آپ ہی کے ذریعے جاری کیا۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا لِّشَکْہِہٖ صٰدِقٌ اَوْ رُحٰی تَحٰی۔

وَرَفَعْنٰہٗ مَّکَانَ عَلِیًّا، ہم نے ادریس علیہ السلام کو بڑا بلند مقام عطا فرمایا۔ بعض معنوں میں فرماتے ہیں کہ مَکَانَ عَلِیًّا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ ہی آسمان پر اٹھالیا تھا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ شرب مہراج میں چوتھے آسمان پر حضور علیہ السلام کی ملاقات ادریس علیہ السلام سے بھی ہوئی تھی۔ اس سلسلے کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ادریس علیہ السلام کی کسی فرشتے کے ساتھ دوستی ہو گئی تھی اور فرشتہ انہیں اپنے پروں میں چھپا کر آسمانوں پر لے گیا۔ پھر جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو ملک الموت آپ کو زمین پر تلاش کرنے لگا مگر اس میں ناکام ہوا۔ پھر اس کی ملاقات اُس فرشتے سے ہو گئی۔ فرشتے نے ملک الموت سے دریافت کیا کہ ادریس علیہ السلام کی زندگی کا تاحسہ باقی ہے تو اس نے کہا کہ میں تو انہی کی تلاش میں ہوں کیونکہ ان کا وقت ذیاب آچکا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُن کی روح چوتھے آسمان پر قبض کر لوں۔ فرشتے نے اپنے پر کھولے تو ادریس علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ چنانچہ اُن کی روح وہیں قبض کی گئی۔ اس روایت کو کعب احبار نے بیان کیا ہے، مگر یہ یقینی بات نہیں ہے۔ صرف آپ کا چوتھے آسمان پر ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

مَکَانَ عَلِیًّا سے شرف اور بزرگی بھی مراد ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی جو نوع انسانی میں بلند ترین مرتبہ ہے۔ آپ پر صحیفے بھی نازل ہوئے، تو گویا آپ عالمی مرتبت ہیں۔ اس آیت میں ادریس علیہ السلام کا اجمالی بیان ہے، تاہم آپ کا مجموعی تذکرہ جس میں آپ کی تبلیغ اور مشن کا ذکر ہے بعد میں آئے گا۔

آپ کا
مرتبہ عالیہ

قال الم ۱۶

درس دوازدهم ۱۲

مریم ۱۹

آیت ۵۸ تا ۶۲

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
 مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ
 ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَءِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجِبِينَ
 إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا
 وَقَبْكَيًا ۝۵۸ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا
 الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ۝۵۹
 إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ
 الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝۶۰ جَدَّتْ عَدْنُ الْبَقِيَّةِ
 وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ
 مَأْتِيًّا ۝۶۱ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا وَلَهُمْ
 رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝۶۲

السجدة ۵

ترجمہ :- یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے
 نبیوں میں سے ، آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اور ان میں
 سے جن کو ہم نے سوار کیا نوح علیہ السلام کے ساتھ ۔
 اور ابراہیم اور اسرائیل علیہما السلام کی اولاد سے اور ان میں
 سے جن کو ہم نے ہدایت دی ہے اور جن کو ہم نے
 پسند کیا ہے ۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان پر رحمان کی آیتیں تو

گر پڑتے ہیں وہ سجدے میں اور روتے ہیں ﴿۵۸﴾ پھر ان کے بعد آئے ایسے نالائق جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی۔ پس عنقریب پائیں گے وہ گمراہی کا نتیجہ ﴿۵۹﴾ لیکن وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اچھا عمل کیا، پس یہی لوگ ہیں جو داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کیا جائے گا ان پر کچھ بھی ﴿۶۰﴾ ایسے جنت جو رہائش کے قابل ہیں۔ خدائے رحمان نے وعدہ کیا ہے اپنے بندوں سے غیب کے ساتھ۔ بیشک اُس کا وعدہ آنے والا ہے ﴿۶۱﴾ نہ نہیں گے وہ اس (جنت) میں کوئی بیہودہ بت مگر سلام۔ اور ان کے لیے روزی ہو گی اس (جنت) میں

صبح اور شام ﴿۶۲﴾

رابط آیت

گزشتہ دروس میں بعض انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ اللہ نے فرمایا ہے۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسحاق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا خاص طور پر اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کا ضمناً ذکر آیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے کا ذکر کیا۔ آپ کو نبی اور رسول بھی کہا گیا ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جس پر مستقل کتاب یا شریعت نازل ہو، مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق مفسرین کرام عام طور پر کسی کتاب کا ذکر نہیں کرتے، اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو رسول کس بنا پر کہا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مفسر قرآن حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بیان کرتے ہیں کہ رسالت کے لیے جدید شریعت یا کتاب ہونا ضروری ہے۔ جدید شریعت یا تو نبی کے لحاظ سے ہوتی ہے یا پھر امت کے لحاظ سے۔ نبوت کے لحاظ سے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جدید شریعت نہیں ملی بلکہ آپ اپنے باپ اور عظیم رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی ہی تبلیغ کرتے تھے، اہم آپ کے مخاطبین ضرور جدید لوگ تھے یہ بنی جرہم کے

لوگ تھے جو اصلاً یمن کے باشندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو موجودہ مکہ مکرمہ کے مقام پر چھوڑ گئے تھے جہاں آب زم زم کا چشمہ بھی جاری ہو چکا تھا۔ عرب کی سرزمین میں پانی کی سخت قلت ہے۔ قوم بنی جرہم کا ایک تجارتی قافلہ اس مقام کے قریب سے گزرا تو انہیں یہاں پانی کا احساس ہوا۔ جب انہوں نے حضرت ہاجرہ سے وہاں آباد ہونے کی درخواست کی تو آپ نے قبول کر لی اور یہ لوگ آباد ہو گئے اور اسی خاندان میں حضرت اسماعیل کی شادی بھی ہوئی۔ چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام انہی جدید لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے، اس لیے آپ رسول بھی ہیں اور نبی بھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کے علاوہ بھی حضرت اسماعیل کی طرف کچھ صحیفے نازل ہوئے ہوں جن سے ہم مطلع نہیں بہر حال اللہ نے آپ کو نبی اور رسول کہا ہے۔

گزشتہ درس میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق گمراہ چکا ہے
 ”وَفَعَّنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا“ اس سے آپ کا درجہ اور شرافت مراد ہے
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے بلند درجے پر فائز فرمایا۔ عربی زبان میں ان الفاظ کا درجہ اور مرتبہ کے لیے استعمال ہونا پرانی شاعری میں بھی ملتا ہے
 حضور علیہ السلام کے صحابی اور شاعر نابغہ جدیدؓ نے اپنے خاندان کی شرافت اور بزرگی کا تذکرہ اس شعر میں کیا ہے۔

بَلَّغْنَا السَّمَاءَ حَمْدًا وَشَنَاءًا
 وَإِنَّا لَنَرْجُو فَوْقَ ذَلِكَ مَظْهَرًا

ہم تو آسمان کی بلند پدیں تک پہنچ چکے ہیں۔ اپنی بزرگی اور رونق کی وجہ سے
 اور ہم اس سے آگے کے مظہر یعنی جلوہ گاہ کے بھی امیدوار ہیں۔ یہ شعر سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے ابولیلی! اکتف المظہر وہ مظہر کہاں ہے جس کے ہم امیدوار ہو، تو انہوں نے عرض کیا کہ وہ جنت ہے

جس کے ہم طالب ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم وہاں تک بھی پہنچ جاؤ گے۔ بہر حال یہ درجے اور مرتبے کی بلندی ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے حصے میں آئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ آپ حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے تھے۔ جب حضرت ادریس علیہ السلام کی عمر ساٹھ برس ہوئی تو آپ کے ہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام متوشلخ تھا۔ یہ نوح علیہ السلام کے دادا تھے اس کے بعد ادریس علیہ السلام مزید تین سو سال تک بقید حیات رہے۔ اس طرح انہوں نے تین سو ساٹھ سال کی عمر پائی۔ پھر یا تو انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور وہیں اُن کی وفات ہوئی اور یا پھر زمین پر ہی فوت ہوئے ان چند انبیاء کا ذکر کرنے اور اُن کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا مِنَ النَّبِيِّينَ میں سے انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام میں سے تھے۔ یعنی سب حضرات ذکر کیا، یحییٰ، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، موسیٰ، ہارون اور ادریس علیہم السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے۔ اور پھر اس سورۃ کے آخری حصے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی آئے گا۔ فرمایا یہ سارے انبیاء آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، انسان اور بشر تھے۔ اور یہ اُن میں سے بھی تھے وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَنًى نَّوْجٍ جن کو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔ اس وقت روئے زمین پر تمام نافرمان نابلو ذکر دیے گئے اور صرف وہی بچے، جو کشتی نوح پر سوار ہو گئے۔ پھر آگے دنیا کی آبادی کشتی میں سوار نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث سے ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام اور سارے عرب سام کی اولاد میں سے تھے

انعام فرماتے
انبیاء

غرضیکہ فرمایا کہ یہ نبی اُن لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔

اور پھر ان میں سے بہت سے وَصَرٌ ذُرِّيَّتِهِ ابْرَاهِيمَ
وَإِسْرَآءِيلَ حضرات ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں سے
تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے جن سے آگے بارہ
قبیلے بنے اور شام و فلسطین میں پھیل گئے۔ اُوہر اسماعیل علیہ السلام کے
بھی بارہ بیٹے تھے آپ کی نسل پورے عرب میں پھیل گئی۔ ان سب
انبیاء کے متعلق فرمایا وَهَدَيْنَاكُمْ هَدْيَنَا كَرِهَ اُنْ لَّوْكَوْلٍ مِّنْ سَعْيِكُمْ
ہم نے ہدایت بخشی اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کی وَاجْتَبَيْنَا
جَنَاحَ كَوْمِہُمْ نَسَبًا كَرِهَ اُنْ لَّوْكَوْلٍ مِّنْ سَعْيِكُمْ۔ فرمایا ان سب کی حالت یہ تھی۔
اِذَا تَنَاسَلُوا عَلَيْهِمُ اٰیٰتُ السَّحٰرِ کہ جب ان کو خدائے
رحمان کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں خَسَوْا سَجْدًا وَّكَبَّرُكِيَّاهُ تَو
روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے۔

ان تمام مذکورہ انبیاء میں سے کوئی بھی اللہ نہیں تھا۔ نہ انہوں نے اللہ
کے سوا کسی دوسری ذات کی الوہیت کا درس دیا۔ بلکہ وہ سب کے سب
اللہ وعدہ لاشرکک کے سامنے سجدہ ریز ہونے والے تھے اور اپنی اپنی
اقوام کو یہی درس دیتے رہے مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان کے
بعد لوگوں نے انہی کو معبود بنا لیا۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو الوہیت کا درجہ دے دیا، یہود دلوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا
کہا اور ابراہیم علیہ السلام کو تمام اختیار سونپ دیے۔ کہنے لگے کہ آپ
دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور کسی غنڈہ شدہ بیوی
کو دوزخ میں نہیں گرنے دیں گے۔ انہوں نے اللہ کی صفات میں ان
انبیاء کو شریک کہہ لیا حالانکہ وہ سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے

والہ تھے اور اُس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی اور علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اللہ نے ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کو بچپن سے ہی بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالا اور پھر ان کو سرخرو کیا۔ یہ ساری بات اللہ نے شرک کی تردید کے سلسلے میں بیان فرمائی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے وہ وجہ بیان کی ہے جس کی بناء پر لوگوں نے اللہ کے برگزیدہ انبیاء کو الوہیت کے منصب پر فائز کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَخَلَقَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفًا پھر ان انبیاء کے بعد ایسے نالائق لوگ آئے۔ خَلَفَ نَالِقٌ کو کہتے ہیں جو جانشینی کا حق ادا نہ کر سکے۔ یہ ایسے ہی جیسے ہندی میں لائق بیٹے کو سپوت اور نالائق کو کپوت کہا جاتا ہے۔ تو ان کے بعد نالائق آئے أَصْحَابُ الصَّلَاةِ جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا، اور وہ ایسی عبادت کو چھوڑ بیٹھے جس کے ذریعے تعلق باللہ استوار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ انہوں نے خواہشات کی پیروی کی اور اچھے بُرے میں تمیز نہ کی۔ آج کل پوری دنیا میں یہ بیماری عام ہے ہر کوئی کھیل تماشے، لہو و لعب، زیب و زینت اور آرام و آسائش کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ کافر تو ویسے ہی محاسبہ اعمال کو تسلیم نہیں کرتے، اب مسلمان بھی ان کی دیکھا دیکھی اسے، روش پر چل نکلے ہیں۔ بہت قلیل نمازی رہ گئے ہیں، ورنہ اکثریت بے نمازوں کی ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ پھر ایسے نالائق لوگ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے چل پڑے۔ فرمایا فَسَوْفَ يَكْفُتُونَ غِيًّا یہ لوگ عنقریب گمراہی کے نتیجے کو پہنچیں گے۔ غیٰ جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ہے اگر یہ معنی کیا جائے تو مطلب ہوگا کہ ایسے نالائق جہنم کی وادی غیٰ میں۔

نالائق
جانشین

پہنچیں گے جو اللہ نے گمراہوں کے لیے مقرر کر رکھی ہے غرضیکہ گمراہی کا نتیجہ یقیناً اُن کے سامنے آنے والا ہے۔

نیک لوگوں
کے لیے
جنت

البتہ گمراہی سے بچ نکلنے والے نیک لوگ بھی ہوں گے إِلَّا مَنْ
تَابَ وَآمَنَ ہاں، وہ جو تائب ہو گئے اور اللہ کی وحدانیت پر
ایمان لے آئے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور کچھ نیک اعمال بھی انجام
دیے فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ یہی لوگ ہیں جو یقیناً
جنت میں داخل ہوں گے۔ ایسے باغات جو رہائش کے قابل ہوں
گے۔ ان میں نہریں بہتی ہوں گی اور آرام و آسائش کی تمام سہولتیں میسر
ہوں گی۔ نیک لوگ ان میں داخل ہوں گے وَلَا يُظْلَمُونَ
شَيْئًا اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائیگی بلکہ ان کے اعمال
کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ فَرِيًّا جَنَّتِ عَذِيبِ النَّارِ وَعَدَ
الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ان چیزوں کا اللہ نے اپنے بندوں کے
ساتھ بغیر دیکھے وعدہ کر رکھا ہے۔ لوگوں نے مذکورہ جنت کو دیکھا
نہیں مگر انہوں نے جنت اور دوزخ کو برحق تسلیم کیا ہے، لہذا انہیں
یہ انعام ضرور ملیگا۔ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا بیشک تیرے پروردگار
کا یہ وعدہ سامنے آنے والا ہے۔ یعنی یہ ضرور پورا ہو کر ہے گا۔

فرمایا ان بہشتوں کی کیفیت یہ ہوگی لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا
کہ یہاں کے رہنے والے یہاں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔ إِلَّا سَلَامًا
وہاں تو سلامتی ہی سلامتی کی آوازیں آئیں گی۔ فرشتے بھی سلام کریں گے
اور جنتی بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف
سے بھی سلام ہوگا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ
(الین) کسی نے جنت کی تعریف یوں کی ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نہ باشد

وہاں ہر شخص مطمئن ہوگا، ہر شخص باعزت ہوگا۔ کسی کی تحقیر و تذلیل نہیں ہوگی نہ کوئی ذہنی کوفت ہوگی اور نہ جسمانی اذیت پہنچے گی۔

فَرَمَا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا

اہل جنت کے لیے صبح و شام بہترین روزی کا انتظام ہوگا۔ عام طور پر لوگ دنیا میں بھی صبح اور شام کھانا کھاتے ہیں، تو بہشت میں بھی ایک آدمیوں کو انہی اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر محنت و مشقت بہترین روزی میسر ہوگی۔ دنیا میں تو گزر اوقات کے لیے ہزار جتن کھننے پڑتے ہیں۔ پریشانیاں اٹھانا پڑتی ہیں اور پھر کہیں دو وقت کی روٹی میسر آتی ہے مگر جنت میں اللہ تعالیٰ بغیر محنت کے باعزت روزی عطا فرمائیگا۔ اہل جنت کی خواہش کا احترام کیا جائے گا، اور ان کی من پسند مہمان نوازی کی جائیگی۔

قَالَ لَع ۱۶

درس سیزدہم ۱۳

مدیم ۱۹

آیت ۶۳ تا ۶۵

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
تَقِيًّا ۝ وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ
أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ
رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ
لَهُ سَمِيًّا ۝

۶۵

ترجمہ:- یہ وہ جنت ہے کہ ہم وارث بنائیں گے
اپنے بندوں میں سے جو پرہیزگار ہوں گے ۝ (۶۳) اور ہم
نہیں اترتے مگر تیرے رب کے حکم سے۔ اُسی کے
لیے ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے
پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ اور نہیں
ہے تیرا پروردگار بھولنے والا ۝ (۶۴) وہ پروردگار ہے
آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے۔
پس آپ اُسی کی عبادت کریں اور قائم رہیں اُس کی عبادت
پر۔ کیا تم جانتے ہو اس کے لیے کوئی ہمنام (یا کوئی
مثال) ۝ (۶۵)

حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق عقیدہ الوہیت کے بطلان کے لیے اللہ تعالیٰ
نے مختلف انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا اور پھر آخر میں اُن سب کا مشترکہ مسلک بیان فرمایا۔
رابط آیا

یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ اور برگزیدہ بندے تھے۔ ابتدا میں حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا ذکر ہوا۔ حضرت علیہ السلام اور ان کی والدہ کا تذکرہ ہوا۔ ان سب پر تبصرہ کرنے سے اللہ نے فرمایا کہ خدائے رحمان کے ان برگزیدہ بندوں کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جائیں تو یہ سب سے بڑے سجدہ میں گر پڑتے۔ یہ تمام حضرات اللہ کے سامنے عاجزی کرتے تھے اور اُسی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ یہ لوگ شرک سے بیزار تھے اور لوگوں کو بھی توحید کی دعوت دیتے تھے۔ پھر بعد میں آنے والوں نے مسیح علیہ السلام کو الہ بنا لیا اور ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو بھی اللہ کی صفات الوہیت میں شریک کر لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ پہلے لوگ تو اچھے تھے مگر بعد میں آنے والے لوگ نالائق ثابت ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔ پھر اللہ نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دینے والوں کے بارے اور ان کے مقام کا ذکر بھی کیا۔

تلاوت

گزشتہ درس میں یہ آیت گزر چکی ہے کہ رحمان کے بندوں کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ سجدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عاجزی، نیاز مندی، انکساری، خشوع و خضوع کا اظہار ہوتا ہے۔ امام ابو بکر حباصؓ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے سجدہ تلاوت کے وجوب کی دلیل ملتی ہے۔ قرآن پاک کے کل چودہ مقامات سجدہ میں سے ایک یہ بھی ہے۔ آیات سجدہ کو پڑھنے اور سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ فارسی تو فوراً سجدہ کر لے گا اور سامع اگر طہارت سے نہیں تو بعد میں طہارت کر کے سجدہ کرے کیونکہ یہ اس کے ذمے واجب ہے۔ امام مالکؒ اور دوسرے کرام کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔

آج کی پہلی آیت بھی جنتیوں کے استحقاق کے متعلق ہے۔ ارشاد
 ہوتا ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُوْرِثُ مِنْهَا عِبَادَنَا
 یہ وہ جنت ہے کہ جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے۔
 اور بندے وہ ہوں گے مگر کَانَ تَقِيًّا جو پرہیزگار ہوں گے۔
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ
 متقی سے مراد ایسا شخص ہے جو کفر و شرک سے بچنے والا ہو۔ اس درجے
 کا اتمام شخص کے لیے لازم ہے ورنہ جنت کا داخلہ ممکن نہیں ہوگا۔
 اس کے بعد کبائر و صفائر اور شکوک و شبہات سے بچنا اعلیٰ درجہ اور
 کامل الایمان ہونے کی دلیل ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تقویٰ
 کی تعریف یوں کرتے ہیں "محافظت بر حدود شرع" یعنی اللہ تعالیٰ کی
 مقرر کردہ حدود کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے۔ ان حدود سے مراد عقیدے
 اعمال، اخلاق اور شریعت کی تمام حدود ہیں۔ ان کی حفاظت کا نام ہی
 تقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت کا وارث متقین کو بنایا ہے۔

جنت کی
 وارثت کا
 فلسفہ

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جنت کی وارثت دو وجوہ سے
 ہے۔ پہلی بات ہے کہ جنت تمام نسل انسانی کے جد امجد حضرت آدم
 علیہ السلام کی وارثت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے
 بعد آپ کو اور آپ کی زوجہ کو جنت کی سکونت عطا کی اور فرمایا وَكُلَا
 مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا تم دونوں اس میں رہ کر جہاں سے
 چاہو خوب کھاؤ پیو، البتہ ایک درخت کے قریب نہ جانا۔ آدم علیہ
 اور حضرت حوا کو جنت تو مل گئی مگر حکمت خداوندی ان سے ایک لغزش
 ہو گئی جس کی بناء پر انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ اللہ نے فرمایا قُلْنَا
 اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا تم ہاں سے نکل جاؤ۔ اوصہر شیطان کو
 بھی جنت سے نکال دیا۔ پھر آدم علیہ السلام کی اولاد سے فرمایا

”فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (البقرہ - ۲۸) پھر حجب

تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت یعنی رسول اور کتابیں آئیں تو جو کوئی اُن کی اتباع کرے گا۔ اُس کے لیے کوئی خوف و غم نہیں ہوگا۔ اللہ نے یہ بھی بتلادیا کہ اے اولادِ آدمؑ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ الْحَيَاتِ (آیت - ۲۶) تمہیں اس زمین پر ٹھہرنا ہوگا۔ اور ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانا ہوگا۔ اس کے بعد پھر اللہ کے دربار میں پیش ہو جاؤ گے۔ اب تمہارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کی وراثت کا مستحق وہی شخص ہوگا۔ جس نے میری ہدایت کو اختیار کر کے، میری توحید کو تسلیم کیا اور نیک اعمال انجام دیے۔ گویا جنت کی وراثت اس شرط کے ساتھ مشروط کہ دی گئی۔

جنت کی وراثت سے متعلق حدیث شریف میں دوسری بات یہ آتی ہے کہ ہر شخص کے لیے دو ٹھکانے ہیں، ایک جنت میں اور دوسرے دوزخ میں۔ جب کوئی شخص جنت میں جائے گا تو اس کا جہنم والا ٹھکانا کافروں کو مل جائے گا جو کہ اُن کی وراثت سمجھا جائے گا۔ اور جب کوئی شخص جہنم میں جائیگا تو اُس کا جنت والا ٹھکانا اہل ایمان کو مل جائے گا اور یہ اُن کی وراثت ہوگا۔ غرضیکہ جنت کی وراثت کا مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے اور یہ اُسے حاصل ہوگی جو متقی ہوگا۔

نیز ملے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ اور ہم نہیں کاشتیاں اترتے مگر تیرے پروردگار کے حکم سے۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا کہ ہم صرف متقیوں کو ہی جنت کا وارث بنا رہے ہیں۔ اب

تفصیلاً یہ فرمادیا کہ ہم تیسرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے اس سے
اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا یہ کسی
اور کسی طرف منسوب ہے، امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات
قرآن پاک کے سیاق و سباق کو سمجھنا اس لیے دشوار ہو جاتا ہے کہ لوگ
کلام کے مرجع کو نہیں سمجھ پاتے۔ یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ حقیقت
یہ ہے کہ یہ بات براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ
نے فرشتوں کی زبان سے کہلوایا ہے کہ ہم تیسرے پروردگار کے حکم کے
بغیر نازل نہیں ہوتے۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو حضرت جبرائیل
علیہ السلام کی آمد کا بڑا شوق رہتا تھا اور جب کبھی اُن کے آنے میں دیر
ہو جاتی تو آپ کا اشتیاق مزید بڑھ جاتا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا
تھا کہ کسی نے سوال کیا جس کا جواب آپ کو وحی الہی کے ذریعے مطلوب ہوتا
تو جب بھی آپ جبرائیل کے منتظر رہتے۔ چنانچہ گذشتہ سورۃ میں بیان ہو چکا
ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر کے آپ علیہ السلام سے
اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے متعلق سوالات کیے تھے جن کے
جوابات اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف کے ذریعے دیے
ایسے مواقع پر جب جبرائیل کی آمد معمول سے مؤخر ہو جاتی تو حضور علیہ السلام
پریشان ہو جاتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام
سے کہا اَلَا تَنْزُورُ اَكْثَرًا مِّمَّا تَنْزُورُ اے جبرائیل! آپ
عام معمول سے زیادہ کیوں نہیں نازل ہوتے؟ تو اس کے جواب میں
اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کہ میرا نازل فرمانا کہ حضرت جبرائیل اور دیگر فرشتوں
کا یہ جواب ارسال کیا کہ ہم نہیں اترتے مگر تیسرے پروردگار کے حکم سے
مطلب یہ کہ ہم اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے بلکہ جب اللہ کا حکم ہوتا

ہے تو اس کا پیغام لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کی مثال سورۃ الصفات میں بھی ملتی ہے۔ ”وَمَا مَنَعَكَ
إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّكَرُومٌ ۚ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّٰكِفُونَ“ (آیت ۱۶۵)
اللہ نے فرشتوں کی طرف سے یہ کلام پہنچایا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے
ہر ایک کا مقام مقرر ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور صفت بستہ حاضر ہوتے
ہیں ہم عبادت الہی اور تقویٰ شدہ ڈیوٹی میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے
اور اللہ کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔

اس سے ملانکہ کو معجزات دینے والوں کا رد بھی ہو گیا۔ جو فرشتے
خود اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں وہ معجزہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ لہذا جو
کوئی فرشتوں کو الہ مان کر اُن سے حاجت طلب کرے گا۔ وہ مشرک
بن جائے گا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے لہٰذا مَکَابِئِنَّا اٰیْدِیْنَا وَمَا
خَلَفْنَا سَبَّحْهُ اَمْسِ اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور
جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔ وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ اور جو کچھ درمیان میں ہے
گویا ہر طرح کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ سائنس سے مراد
مستقبل، پیچھے سے مراد ماضی اور درمیان سے مراد زمانہ حال بھی ہو سکتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے ماضی، حال اور مستقبل اور ہمارے تمام اطراف
کے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ وہ اپنے اختیارات کو جس
طرح چاہے استعمال کرے۔ ہم سارے فرشتے اللہ کے حکم کے مطیع ہیں اور
اُسی کے حکم سے نازل ہوتے اور وحی لانے ہیں، لہذا جلدی یا دیر کرنے میں
ہمارا کوئی بس نہیں ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا اور ساتھ یہ حقیقت
بھی ہے کہ تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ
کو کسی حکم کا انتظار ہو اور اللہ تعالیٰ پیغام دینا ہی بھول جائے۔ بلکہ وہ اپنی
حکمت اور مصلحت کے مطابق جب چاہتا ہے ہمیں پیغام دے کہ آپ کی

طرف بھیج دیتا ہے۔

فَرَمَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں، زمین اور درمیانی فضا کا تربیت کنندہ ہے ہر عباد خداوندی چیز کو حد کمال تک پہنچانا اُسی کے اختیار میں ہے۔ آپ کا کام یہ ہے پرستگاری پرستگاری کہ عبادت اُسی کی کریں۔ جب وہ لاشریک ہے تو پھر عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ آپ اُسی کی عبادت پر قائم رہیں یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو یقیناً گرفت ہو کر سزا ہوگی۔ تمام قرشتے اور تمام انبیاء اُسی ذات کی عبادت کرنے والے ہیں لہذا آپ بھی اسی پر قائم رہیں۔ اس سے عبادت پر صبر کرنا بھی مراد لیا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ عبادت کے لیے بھی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ نماز کے لیے سرسری گرمی میں وضو کرنا لمبا قیام، رکوع اور سجدہ کرنا، وقت کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھنا مشقت طلب امور ہیں۔ اسی طرح روزے میں بھوک پیاس برداشت کرنا، حج کے سفر میں مشکلات سے دوچار ہونا اور مال خرچ کرنے میں بڑی تکالیف اٹھانا پڑتی ہیں۔ جن پر صبر کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ لہذا عبادت پر صبر کی تلقین بھی مناسب حال ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جنت کے ارد گرد ناگوار یوں اور مشکلات کی بارگاہ دی گئی ہے۔ لہذا ان دشواریوں کو عبور کر کے ہی انسان جنت میں پہنچ سکتا ہے۔ یہ بھی ایک مشکل کام ہے جس پر استقامت اور صبر کے لیے کہا گیا ہے۔

لَمَّا كَلَّمَ اللّٰهُ رَبَّ الْعِزَّتِ كِي صِفَتِ بِيَانِ كِي كُئِي بِي هَلْ تَعْلَمُ

لَا سَكِيَتَا كِيَا كُو اُس كَا كُو ئِي هَم نَام جَاتَا هِي۔ سَمِيَا كَا مَعْنِي اِهْم نَام هُونَا كُو
يَحْيٰى عَلِيَّهِ السَّلَام كِي ضَمَن مِيں پيلے كِي گزِر چكايے لَمَّا نَحْمَلْ كَلًّا مِّنْ
قَبْلُ سَكَمِيَتَا اللّٰهُ نِي كِي عَلِيَّهِ السَّلَام كِي وِلَادَتِ كِي خَبَر دِي اور ساتھ

خدا تعالیٰ
بے مشکل ہے

فرمایا کہ اس نام کا پہلے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اور سمیا کا معنی ہم مثل بھی ہوتا ہے۔ اس طرح معنی یہ ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ کا کوئی ہم مثل ہے؟ یقیناً نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو ہر لحاظ سے بے مثل و بے مثال ہے لیسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ - ۱۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں بے مثل ہے، اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک ہے، لہذا اس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیئے۔ لہذا اُسی کی عبادت پر قائم رہیں۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَاتَ لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا ۖ
 أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ
 شَيْئًا ۖ ۶۷ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ
 لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۖ ۶۸ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ
 مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ
 عِتِيًّا ۖ ۶۹ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَى
 بِهَا صِلِيًّا ۖ ۷۰ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ
 عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۖ ۷۱ ثُمَّ لَنُنَجِّي الَّذِينَ
 اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۖ ۷۲

ترجمہ :- اور کہتا ہے انسان کیا جب میں مر جاؤں گا تو کیا
 پھر دوبارہ زندہ نکالا جاؤں گا ۶۶ کیا نہیں یاد کرتا انسان
 اس بات کو کہ بیشک ہم نے اس کو پیدا کیا تھا اس
 سے پہلے اور وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۶۷ تیرے پروردگار
 کی قسم ہم ضرور ان کو اکٹھا کریں گے اور شیطانوں کو
 پھر ہم حاضر کریں گے ان کو جہنم کے گرد گھٹنوں کے
 بل ۶۸ پھر ہم نکالیں گے ہر ایک گمراہ سے جو اُن میں
 سے زیادہ سرکش ہے رحمان کے سامنے ۶۹ پھر ہم

خوب جانتے ہیں اُن کو جو زیادہ لائق ہیں جہنم کے اندر داخل ہونے کے ⑤ اور نہیں ہے تم میں سے کوئی بھی مگر یہ کہ وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔ ہے یہ بہت تیرے پروردگار پر قطعی طور پر فیصلہ کی ہوئی ⑥ پھر ہم نجات دیں گے اُن لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس کے اندر اوندھے منہ گرنے والے ⑦

رابطہ آیت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کا ذکر کرنے کے بعد ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے والوں کے انعام کا ذکر کیا کہ وہ بہشتوں میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بہشتوں کی خوبی اور فضیلت بھی بیان فرمائی۔ یہ بہشت اُن لوگوں کو ملے گی جو متقی یعنی کفر، شرک، نفاق، بد اعتقادی اور گناہوں سے بچنے والے ہوں گے۔

پھر اللہ نے فرشتوں کے متعلق فرمایا کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے بلکہ پروردگار کے حکم کے مطابق ہی، ہمارا نزول ہوتا ہے اور ہم اللہ کی طرف سے مفوضہ کام پورا کرتے ہیں۔ وہی پروردگار جو ارض و سما اور تمام چیزوں کا رب ہے اسی کی عبادت پر قائم رہنا چاہیے، وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔

بعث
بعد الموت

آگے اللہ تعالیٰ نے نافرمان لوگوں کے نظریہ بعث بعد الموت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ اور انسان کہتا ہے۔ یہاں پر انسان سے مراد کافر اور مشرک انسان ہیں۔ وہ کہتے ہیں إِذَا هَامَمْتُ كَسُوفَ أُخْرَجُ حَيًّا کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر دوبارہ زندہ نکالا جاؤں گا؟ یہ تو ناممکن ہے۔ دراصل ایسا شخص وقوع قیامت کا انکار کرتا ہے اور محاسبے کے عمل پر یقین نہیں رکھتا۔ سورۃ السجدہ میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ کہتے ہیں إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَنَا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ (آیت - ۱۰) کیا جب ہم مرکز مٹی میں رُل مل جائیں گے، تو کیا پھر دوبارہ زندہ ہوں گے؟ یہ بات تو عقل سے بعید معلوم ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص

مجلس پر یقین نہیں رکھتا تو پھر وہ آزاد ہو کہ کفر اور شرک کرنے لگتا ہے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کا رد فرمایا ہے اور پھر بعثت بعد الموت کو ایک دلیل کے ذریعے سمجھایا ہے أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ کیا انسان اس بات کو یاد نہیں رکھتا أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ کہ ہم نے اس سے پہلے ہی اسے پیدا کیا وَلَكُمْ يَوْمَ سَكِينٌ اور وہ کوئی (قابل ذکر) چیز نہ تھا۔ کیا انسان اس حقیقت پر غور نہیں کرتا کہ جس اللہ نے اسے نیستی سے ہستی میں وجود بخشا جب کہ اس سے پہلے وہ کچھ نہیں تھا تو اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی ناممکن امر محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے لیے تخلیق کرنا مشکل ہوتا تو پہلی دفعہ ہوتا وہ تو قاعدہ مطلق ہے اس کے لیے نہ پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل تھا اور نہ اس کا اعادہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنی تخلیق کو تسلیم کرتے ہو تو اب دوبارہ پیدا کرنا کیسے محال ہوگا۔ جب کہ اس کا نقش پہلے سے موجود ہے۔

اس میں ملامت کو ابدی ماننے والوں کا رد بھی ہو گیا۔ اُن کا یہ نظریہ غلط ثابت ہو گیا ہے کہ وہ مادہ ازل سے موجود ہے اور اس کے ساتھ تصویر آکر مل جاتی ہے تو انسان بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت نامہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو پیدا کیا ہے۔ وہ جب چاہے گا اس کا اعادہ بھی کرے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کی بابت کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَوَرَّيْكَ لَكُمُ الشَّيْطَانُ وَالشَّيْطَانُ تیرے پروردگار کی قسم ہم ضرور اُن کو یعنی انسانوں اور شیطانوں کو الٹھا کریں گے۔ شیطان ہی انسانوں کے دلوں میں دوسے ڈالتا تھا کہ جب ہم مکر مٹھی ہو جائیں گے، ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو پھر کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس لیے فرمایا کہ ہم

انسانوں اور شیاطین دونوں گمراہوں کو جمع کر لیں گے۔ ثُمَّ لَنُخْضِرَنَّهُمْ
 پھر ہم ان کو حاضر کریں گے حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِثًا جہنم کے گرد اس
 حالت میں کہ وہ گھٹنے ٹیکنے والے ہوں گے مطلب یہ کہ وہ ذلیل و خوار
 ہو کر مجرموں کی حیثیت میں پیش ہوں گے۔ ثُمَّ لَنُنْزِعَنَّ
 مِنْ كُلِّ شَيْعَةٍ پھر ہم ہر گمراہ میں سے ایسے لوگوں کو الگ کر
 لیں گے اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا جو خدائے رحمان کے
 سامنے زیادہ سرکشی اور اکر دکھاتے تھے۔ مجرموں کی درجہ بندی ہوگی
 اور ہر قسم کے مجرمین کو الگ الگ گمراہوں میں پیش کیا جائے گا۔
 پھر جو بدترین مجرم ہوں گے۔ ان کی سزا بھی سخت ترین ہوگی۔ ثُمَّ
 لَنُخَنِّنَنَّ اَعْلَمُ بِالْذِّیْنِ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِدِّیْكَ
 پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ
 لائق ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ حسب حال سلوک کریں گے۔

درمیان میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص منزل کا ذکر بھی فرمایا ہے
 وَ اِنَّ مِنْكُمْ اِلَّا وَ اِذْ دُھِکَا اور تم میں کوئی بھی نہیں مگر وہ جہنم
 میں داخل ہونے والا ہے یعنی ہر شخص کو ایک دفعہ جہنم میں ضرور جانا ہوگا۔
 آج کی پہلی آیت وَ یَقُولُ الْاِنْسَانُ مِمَّنْ اَنَاسَ سے مراد صرف نافرمان انسان
 ہیں مگر یہاں پر اِنَّ مِنْكُمْ یعنی نفی اور اثبات لا کر ہر نیک و بد انسان
 کا احاطہ کیا گیا ہے۔ سب سے جہنم میں وارد ہونے والے ہیں۔ فرمایا یہ کوئی
 کچی بات نہیں ہے بلکہ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضٰیًا
 یہ بات تیسرے پروردگار پر قطعی طور پر فیصلہ کی ہوئی ہے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں
 لوگوں کے درود جہنم کی تفسیر دو طریقے سے کہتے ہیں ایک تفسیر تو یہ ہے
 کہ سب لوگ بعینہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ کافر، مشرک اور نافرمان تو
 وہاں سزا پائیں گے لیکن اہل ایمان جہنم کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اسکی

جہنم میں
 ورود

مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے کہ جب وہ آگ میں ڈالے گئے تو اللہ نے اُن کے لیے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا۔ اسی طرح مومن بھی جہنم میں جائیں گے تو ضرور مگمگہ آگ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے گی اور پھر وہ اس سے نکل جائیں گے۔ دوسری تفسیر کے مطابق مفسرین کہہ ام فرماتے ہیں کہ اس ورود سے مراد داخلہ نہیں بلکہ اس پر سے گزر جانا ہے۔ اور جلے کا پورا مطلب یہ ہے کہ جہنم میں جانے والے دوزخ پر سے گزر کر جہنم میں جائیں گے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت میں طے ہو چکی ہے۔ اس بات کی تفصیل پھر طہر والی احادیث میں موجود ہے۔ پھر طہر کا ذکر کہ تو مرفوع حدیث میں موجود ہے مگمگہ اس کی تفصیلات مرفوع روایات میں نہیں ملتیں۔ مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ کا قول ہے کہ پھر طہر تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہو گی۔ حضرت علیہ السلام نے اس پر سے گزرنے والوں کی کیفیت بھی بیان کی ہے کہ بعض لوگ بجلی کی چمک کی سی تیزی سے گزر جائیں گے۔ بعض تیز ہوا کی طرح جائیں گے، بعض تیز گھڑ سوار کی طرح، بعض اونٹ سوار کی مانند، بعض کم تیز سوار یوں کی رفتار سے اور بعض پیدل کی چال چل کر پھر طہر کو عبور کریں گے۔ تفصیلات میں یہ بھی آتا ہے کہ جل صراط کے نیچے جہنم کے کناروں پر الٹے سیدھے چمٹے لگے ہوں گے۔ جو گزرنے والوں کو اپنی طرف کھینچیں گے پھر اُن میں سے جو لوگ اپنے عقیدے اور عمل میں کمزور ہوں گے، وہ نیچے گر پڑیں گے اور ابدی سزا پائیں گے۔ اور جو اہل ایمان گناہگار ہوں گے وہ گریں گے تو ضرور مگمگہ پاک ہو کر نکل آئیں گے۔ اور بعض ایسے بھی ہوں گے جو گرتے پڑتے زخمی ہو کر پھر طہر کو عبور کر لیں گے۔ یہ سارا عمل ہر شخص کے کے عقیدہ ایمان اور عمل کی کیفیت و کمیت کے مطابق ہو گا۔ غرضیکہ اس آیت میں مذکور ورود سے جہنم کا داخلہ مراد نہیں بلکہ اس پر سے گزر جانا مقصود ہے۔ یہ بڑی تشویشناک منزل ہے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے

پھر طہر
کی منزل

قطعاً طور پر کمر رکھا ہے۔

جہنم سے
غرض

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جو اہل ایمان جہنم میں گر جائیں گے ان کے حق میں مومن لوگ سفارش کریں گے۔ پہلے درجے میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت ہوگی، پھر تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لیے سفارش کریں گے۔ شہداء اور پھر ان کے بعد عام اہل ایمان بھی اللہ کے حضور سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر سفارش کنندہ کو اجازت دیں گے کہ اتنی تعداد میں وہاں سے لوگوں کو نکال لائے۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جو جہنم کی آگ سے محفوظ ہوں گے۔ پھر سب سفارشی اپنے اپنے بھائیوں، دوستوں اور عزیز واقارب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال لیں گے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قرب قیامت میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہوگا جتنا جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑنا۔ پورا ماحول خراب ہو جائے گا۔ ہر طرف خرابی ہی خرابی ہوگی اور صراطِ مستقیم پر چلنا دشوار ہو جائے گا۔ البتہ گمراہی کے اسباب عام ہوں گے۔ بعض لوگ بعض کے ساتھ تعلقات کی بناء پر گمراہ ہو جائیں گے اور بعض حرص للچ اور اقتدار کی وجہ سے گمراہ ہوں گے۔ اور کوئی بھکانے کی وجہ سے دین سے دور ہو جائیں گے غرضیکہ ہر طرف کانٹے ہی کانٹے پکھے ہوں گے۔ کفر، شرک، بدعات اور معاصی عام ہوں گے۔ ترغیب گناہ کی چیزیں قدم قدم پر ملیں گی۔ جو ان تمام چیزوں سے بچ کر نکل جائے گا۔ وہ صراطِ مستقیم پر بھی آسانی کے ساتھ گزر جائے گا۔

آخرت کی
فکر مندی

حضرت عبداللہ بن رواحہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کا تعلق انصاریہ سے تھا، شاعر بھی تھے۔ آپ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ جب سونے کے لیے چار پائی پر آتے تو رونے لگتے۔ بیوی نے رونے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مجھے اس بات کی فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اطلاع

مے دی ہے کہ تم میں سے ہر ایک جہنم میں وارد ہوگا۔ مگر وہاں سے نکلنے کے متعلق کچھ پتہ نہیں۔ مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ایک بزرگ ابو میسرہ کا ذکر کیا کہ وہ بھی سخت متفکر رہتے تھے۔ کہا کرتے تھے لیت امح لہم تلک کاش کہ میری ماں نے مجھے بنا ہی نہ ہوتا۔ بیوی نے پوچھا، اس طرح کیوں کہتے ہو تو کہنے لگے کہ جہنم میں وارد ہونے کا ذکر تو مجھے مل گیا ہے مگر وہاں سے نکلنے کا ذکر کہاں ہے؟ اسی قسم کی فکر مند حضرت ابو ذر غفاریؓ سے منقول ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اسی فکر کی وجہ سے کہا کرتے تھے، کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا۔ جسے جانور کھا کر ختم کر ڈالتے۔ پتہ نہیں میں آخرت کی منزل میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں۔ حضرت عمرؓ جب سورۃ الدھر کی ابتدائی آیت تلاوت فرماتے ”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنْ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا“ تو کہتے ”کَیْتَهَا تَمَّتْ“ مطلب یہ کہ جب وہ اللہ کے اس فرمان پر غور کرتے تھے کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے۔ جب وہ کوئی چیز نہ تھا، تو حضرت عمرؓ کیوں کہتے کاش یہ بات پوری ہو جاتی اور میری کوئی حیثیت نہ ہوتی اور میں معدوم ہی رہتا۔ اب جب کہ اللہ نے وجود بخش دیا ہے تو پتہ نہیں ہم اس زندگی کی ذمہ داریوں سے عمدہ براہوں کیسے گئے یا نہیں۔ میری نفی میر نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

خوشا حال اُس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
نامعلوم ہمارا کیا حال ہوگا۔ اور ہم کس منزل میں ہوں گے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ ہم عدم سے وجود میں نہ آتے اور معدوم ہی رہتے۔
اللہ نے فرمایا تَمَّ نَحْنُ الَّذِیْنَ الْقَوَّامِیْنَ پھر ہم نجات

دیں گے ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے رہے اور کفر، شرک، بدعات اور
 معاصی سے بچتے رہے۔ وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًا اور
 ظالموں کو اسی دوزخ میں چھوڑ دیں گے اور اندھے منہ گمراہے۔ اگر
 کفر و شرک کی وجہ سے ظالم بنے ہیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں
 ہی رہیں گے۔ اور اس سے کم تر گناہ میں ملوث ہے تو پاک ہو کر جہنم
 سے نکال لیے جائیں گے۔ انیس بہت سی منزلیں طے کر کے ہی اللہ
 کی رحمت کے مقام میں پہنچنا ہو گا۔

قَالَ الْم

درس پانزہم ۱۵

مریم ۱۹

آیت ۴۳ تا ۶۲

وَإِذَا تُلِي عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ
 كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَا آيُ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا
 وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ ۴۳ ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ
 قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَانًا وَرِعِيًّا ۝ ۴۴ ۝ قُلْ مَنْ كَانَ
 فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا ۝ ۴۵ ۝ حَتَّىٰ إِذَا
 رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۝ فَسَيَعْلَمُونَ
 مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۝ ۴۶ ۝ وَيَزِيدُ اللَّهُ
 الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۝ وَالْبَاقِيَتُ الصَّلَاحُ خَيْرٌ
 عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ ۴۷ ۝

ترجمہ :- اور جس وقت پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان لوگوں
 کو ہماری آیتیں واضح، تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر
 کیا ایمان والوں سے کہ دونوں فرقوں (ہم اور تم) میں سے
 کون بہتر ہے مکان کے اعتبار سے اور کون اچھا ہے
 مجلس کے اعتبار سے ۴۳ اور ہم نے اس سے پہلے بہت
 سی قومیں ہلاک کیں جو زیادہ اچھی تھیں سامان (فرنیچہ) میں اور
 منظر میں ۴۴ (لے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، جو شخص گمراہی کے
 اندر ہو، پس دراز کرے گا اس کے لیے خدائے

رحمان دراز کرنا یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے اُس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ، پھر یا تو عذاب ہو گا اور یا قیامت۔ پس جان لیں گے یہ کہ کون ہے زیادہ بُرا مکان کے اعتبار سے اور کون ہے زیادہ کمزور فوج کے اعتبار سے (۷۵) اور زیادہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں کے لیے ہدایت جنہوں نے ہدایت پائی۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے (۷۶)

رابط آیات

گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جو لوگ ایمان قبول نہیں کرتے، غرور و تکبر کا اظہار کرتے ہیں، قیامت اور محاسبہ اعمال کے متعلق شک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے سرکشوں اور اُن کو گمراہ کرنے والے شیاطین کو اکٹھا کرے گا۔ پھر تمام نافرمانوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کے حالات کو بہتر جانتا ہے اور اس نے یہ قطعی فیصلہ کر رکھا ہے کہ تمام انسان جہنم پر سے گزریں گے مشرک اور کافر تو جہنم میں گر جائیں گے، لیکن اہل ایمان اسے عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اب آج کی آیات بھی گذشتہ آیات کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔ ان آیات میں بھی کفار و مشرکین اور جزائے عمل کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ منجورین اور اہل ایمان کا تعاقب کر کے ایمان والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

معنی فضیلت

اب اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر کر کے فرمایا ہے وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ جب ہماری واضح واضح آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَ أَحْسَنُ نذیباً تو کفر کرنے والے ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں مکان کے لحاظ سے کون بہتر ہے، اور مجلس کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔ اس آیت کریمہ

ہیں پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ ان کو واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔
 ان آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام، اللہ کی قدرت کے دلائل،
 معجزات، اصول اور مسائل ہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو حق و باطل کو بالکل
 واضح کرتی ہیں۔ ان آیات سے اہل ایمان کی سچائی اور کفار کا بطلان بھی
 ثابت ہوتا ہے۔ تو ایسی آیات سن کر کافر لوگ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے
 ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم واقعی اللہ کے پسندیدہ لوگ ہو تو پھر دنیا میں تمہاری
 حالت اس قدر خراب کیوں ہے۔ پھر وہ اپنی خوشحالی اور اہل ایمان کی غربت
 کا تذکرہ کر کے کہتے ہیں کہ اگر تم ہم اتنے ہی بُرے ہو تو پھر اللہ نے ہمیں اتنی
 نعمتیں کیوں دے رکھی ہیں۔

ان لوگوں نے اپنے زعمِ باطل کے مطابق اللہ کے ہاں کامیابی کے
 لیے دو چیزوں کو معیار بنایا ہے، ایک اچھا مکان اور دوسری اچھی مجلس
 ہے۔ ظاہر ہے کہ کفار میں بڑے بڑے دولت مند لوگ تھے۔ جو عالیشان
 مکانات میں رہتے تھے، ان کے پاس نوکر چاکر تھے۔ ان کے مکانات تمام
 ضروریاتِ زندگی سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کے برخلاف اہل ایمان کی
 اکثریت غریب لوگوں پر مشتمل تھی جن میں سے بعض کو معمولی جھونپڑی بھی
 نصیب نہیں تھی۔ چنانچہ کافر لوگ اپنے مکانات پر فخر کرتے تھے۔ اسی طرح
 ان کی مجلسیں بھی پُر رونق ہوتی تھیں۔ وہاں ہر طرح کا سامان موجود تھا۔
 مشرکین جبکہ نے قصی ابن کلاب کے مکان کو اپنا پارلیمنٹ ہاؤس بنا رکھا
 تھا، جہاں مجلسیں جہتی تھیں اور مشورے ہوتے تھے۔ وہاں پر قالین تھے۔
 کرسیاں اور صوفہ سیٹ تھے اور وہ وہاں تکے لگا کر بیٹھتے تھے۔
 ایمان والے بھی اپنی مجالس مشاورت قائم کرتے تھے مگر ان کے پاس نہ
 تو کوئی اچھا مکان تھا اور نہ اس میں اشیائے ضرورت تھیں۔ مجلس میں بیٹھنے
 کے لیے کچھ کے پتوں کی چٹائیاں ہوتی تھیں، قالین اور کمرسی کا نام تک

نہ تھا۔ اگر کوئی چار پائی ہے تو اس پروری تک نہ ہوتی۔ کافر لوگ اپنی چیزوں کا موازنہ کمرے کے ایمان والوں سے کہتے تھے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ تم اور ہم میں کون سا فرق مکان اور مجلس کے لحاظ سے بہتر ہے؟ اہل ایمان میں غریب غریب لوگ تھے، کچھ غلام تھے اور کچھ کمزور تھے جن کی دنیوی لحاظ سے کوئی وقعت نہیں تھی۔ چنانچہ مالدار کافر غریب مسلمانوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ گذشتہ سورۃ کہف میں گزر چکا ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ ہم آپ کی مجلس میں اس وقت بیٹھیں گے جب آپ ان غریب لوگوں کو وہاں سے اٹھا دیں گے۔ وہ اہل ایمان مگر نادار لوگوں کی ہم نشینی کو اپنی توہین سمجھتے تھے۔ مگر اللہ نے حضور علیہ السلام کو ان کی بات ماننے سے منع فرمادیا "وَلَا تَقْدُ عَيْلَتَكَ عَنْهُمْ" (الکہف - ۲۸) آپ اپنی نگاہ شفقت ان غریب اہل ایمان سے نہ ہٹائیں آپ دنیا کی زندگی کی رونق چاہتے ہیں تو ایسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایسے لوگوں کی بات نہ مانیں جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل پایا ہے۔ اور وہ سرکشی میں مبتلا ہیں۔

بہر حال کفار نے ایک بات تو یہ کی کہ مکانات اور مجلس کے لحاظ سے ہم اہل ایمان پر فوقیت رکھتے ہیں، اور دوسری یہ کہ جب ہم اس دنیا میں تم سے اچھے ہیں تو اللہ کے نزدیک بھی ہماری حالت اچھی ہے۔ ہم اُس کے محبوب ہیں وہ ہم پر خوش ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیں نواز رہا ہے۔ دنیوی لوازمات پر فخر کمزور کمال لوگوں کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے۔ فرعون اور عمرو نے بھی یہی کیا تھا اور آج کے دردت مند بھی اسی بیماری میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ نادار اور خصوصاً ایمان والوں کو کوئی وقعت نہیں دیتے، وہ کمال صرف اپنے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ ایماندار مگر کمزور لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دنیا کمال و جاہ صرف اپنا حق سمجھتے ہیں

شیطان کا یہ ذہن آج بھی کار فرما ہے۔ دولت مندوں میں کوئی سناؤ نہ ہو
 ہی ہو گا جو غریب کو حقیر نہ سمجھتا ہو بلکہ انہیں قابل احترام سمجھتا ہو۔ پرانے زمانے
 میں بھی لوگ ناداروں کو اہل ایمان کو استہزاء کرتے تھے۔ قرآن پاک میں موجود
 ہے "وَإِذَا مَرُّوا بِالْمِصْرَ يَتَفَكَّرُونَ" (المطففين ۳)
 جب اہل ایمان کے قریب سے گزرتے تو آنکھوں سے اشکے کرتے کہ
 یہ دیکھو جنت کے والی اور حوروں کے خاوند جا رہے ہیں جن کے پاس نہ ہونے
 کو مکان اور نہ پہننے کو لباس ہے۔ دو وقت کی روٹی تک نصیب
 نہیں مگر دنیا و آخرت میں کامیابی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

سابقہ اقوام
 کا انجام

بہر حال اللہ نے مشرکین کے باطل خیال کا حکیمانہ طریقے پر جواب
 دیا ہے۔ کافر کہتے تھے کہ جب ہم دنیوی اعتبار سے اہل ایمان سے آسودہ حال
 ہیں تو ہم اللہ کے بھی محبوب ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا، ذرا غور تو کرو۔ وَكَمْ
 أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِثْرًا قَرْنًا اور ہم نے اس سے پہلے بہت
 سی قومیں ہلاک کیں۔ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِعًا سوا سامان
 اور خوش منظری میں ان سے زیادہ اچھے تھے۔ مطلب یہ کہ تم اپنی خوشحالی،
 مال و دولت اور جاہ و اقتدار پر اترا ہے ہو۔ پہلی قوموں کے لوگ تم سے
 زیادہ آسودہ حال تھے مگر ان کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ نے انہیں تباہ و
 برباد کر دیا۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ہے کہ یہ تو سابقہ اقوام کے معشر عثمانیہ
 بھی نہیں۔ دنیا میں قدیم مصر لوہی، آشوری اور کلدانی تہذیبوں، پرانے رومیوں،
 اور ایرانیوں کو دنیا میں کتنا عروج حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سارو سامان
 اور لاؤشکم سمیت تباہ و برباد کر دیا۔ اگر فضیلت کا معیار یہی چیزیں ہوتیں
 تو پرانی قومیں کیوں ہلاک ہوتیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اچھائی اور
 خدا تعالیٰ کا پسندیدہ ہونے کا معیار نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا فَجَعَلْنَاهُمْ
 أَحَادِيثَ وَمَنْ قَبْلَهُمْ كُلٌّ مُتَرَقِّ (سبا۔ ۱۹) ہم نے ان

کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اب وہ افسانوں کا حصہ بن چکے ہیں۔ اور تاریخ میں ان کے حالات پڑھ جاتے ہیں۔ دنیا میں ان کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں اچھائی کا معیار ایمان اور نیکی ہے خدا کے پسندیدہ لوگ وہی لوگ ہیں جو اس معیار پر پورا اترتے ہیں۔

گمراہی میں
اضافہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں کے لیے پہلا جواب تو الزامی تھا۔ اور اب دوسرا جواب تحقیقی آرہا ہے۔ فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ جو شخص گمراہی میں بھٹک رہا ہے فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا چاہیے کہ دراز کرے اُسے خدا نے رحمان دراز کرنا۔ اس حصہ آیت میں اگرچہ امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں پھنسا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں دراز کرے گا اور اُسے مہلت دے گا۔ اُس کا قانون ہے کہ وہ دنیا میں مافرنوں کو ترقی اور عروج دے کر مہلت دیتا ہے، برائی کرنے والوں کو برائی میں بڑھاتا ہے اور انہیں سنگین سے سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے کا موقع دیتا ہے اور پھر ایسے جرائم کی سزا بھی ویسی ہی سخت دیتا ہے بعض اوقات دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے تاہم خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اگر دنیا میں نہ بھی ملے تو آخرت کی سزا تو لازماً ملے گی۔

فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی میں مزید بڑھائے گا۔ حَتَّىٰ اِذَا رَاَوْا مَا يُوعَدُوْنَ حتیٰ کہ جب وہ دیکھیں گے اُس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور وہ چیز کیا ہے؟ اِمَّا الْعَذَابُ یا تو وہ عذاب ہو گا یعنی دنیا میں ہی محاسبے کا وقت آ جائے گا۔ یہ ظاہری ساز و سامان نابود ہو جائے گا، اور ساری ترقی اور عروج زوال میں بدل جائے گا۔ صحت کی بجائے بیماری آ جائے گی، اقتدار کی بجائے ماتحتی اور آزادی کی بجائے

عذاب یا
قیامت

غلامی میں جکڑ دیے جائیں گے۔ یہ دنیا کی سزا کا نمونہ ہے جو انفرادی طور پر بھی آتا ہے اور پوری قوم بھی اس کا شکار ہو جاتی ہے۔

اگر اس دنیا میں سزا سے بچ بھی گئے تو پھر وَلَمَّا السَّاعَةُ قیامت تو ضرور آنے والی ہے۔ اس کے حساب سے تو کسی طور نہیں بچ سکتے وہاں تو یقیناً سزا میں مبتلا ہوں گے۔ اس دنیا میں کیا ہوا۔ استنزا، تکبر، توجہ کی مخالفت، شرک اور کفر کی حمایت قیامت کو ضرور رنگ لائے گی، اور اس کے مرتکبین ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ فرمایا فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا پس وہاں پر یہ لوگ جان لیں گے کہ مکان کے اعتبار سے کون زیادہ بُرا ہے۔ وہاں پتہ چلے گا کہ مکانت اور ساز و سامان کے لحاظ سے ایمان والے بُرے ہیں یا کافر زیادہ بُرے ہیں۔ اور وہاں یہ بھی پتہ چل جائے گا وَأَضْعَفُ جَنْدًا اور جتنے کے لحاظ سے کون کمزور ہے۔ اس دنیا میں تو غرباء کو مذاق کہہ تے تھے کہ ان کے پاس نہ کوئی نوکر چاکر ہے، نہ بادی گارڈ اور نہ کوئی فوج۔ مگر قیامت کے دن وہ جان لیں گے آج کس کا لشکر کمزور ہے اور کس کا طاقتور۔ اُس دن اہل ایمان یقیناً طاقتور ہوں گے اور کفار و مشرکین ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

فرمایا اس کے برخلاف وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا ہدایت میں
 ھدٰی اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے ہدایت کو زیادہ کرتا ہے
 انسان کی کامیابی کے لیے ہدایت ہی واحد ذریعہ ہے۔ اگر انسان راہِ راست
 پر گامزن ہو جائے گا۔ ہدایت چونکہ ترقی کی بنیاد ہے، اس لیے اہل ایمان
 کی ترقی ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس کے برخلاف کفر کرنے والے تنزل
 کی طرف جاتے ہیں، وہ آج نہیں تو کل ضرور تباہی کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

اہل ایمان کی ترقی اس دنیا کے بعد عالم برزخ اور حشر تک مسلسل بڑھتی رہیگی اور وہ کامیابی کی منازل طے کرتے رہیں گے مولانا رومی نے کہا ہے۔

اے بڑا درجے نہایت درگے ست

ہر کہ برے می رسی بڑے مایست

یہ بے نہایت بارگاہ ہے۔ جہاں بھی پہنچو وہاں رکو نہیں بلکہ ہمیشہ آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں۔ اسی طرح اس کے انعامات بھی غیر محدود ہیں۔ اہل ایمان کے انعام و اکرام میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (آیت ۶۹) جو شخص ہماری طرف آنا چاہتا ہے ہم اُس کے لیے ہدایت کے راستے واضح کر دیتے ہیں۔ وہ ان راستوں پر چل کر ترقی کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔

باقی رہنے
والی نیکیاں

فرمایا وَالْأَقْدَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک بہتر ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ باقی رہنے والی نیکیوں میں ایمان، اعمالِ صالحہ، عباداتِ اربعہ، تسبیح و ذکر، جہاد وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت ابو الدرداءؓ اور ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے ابو الدرداءؓ! جس طرح ہوا خشک پتوں کو گمراہیتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ انسان کی خطاؤں کو گمراہیتی ہیں۔ لہذا جب تک تمہیں موت نہ آجائے ان اوراد کو ترک نہ کرنا۔ ابو الدرداءؓ حلفاً کہتے تھے کہ میں حضور علیہ السلام کی اس نصیحت پر خود بھی عمل کروں گا اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کی افادیت اسے آگاہ

کروں گا۔ الغرض نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت، ذکر، درود شریف
 سب باقیات الصالحات ہیں جن کو اختیار کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔
 سورة الکہف میں بھی باقیات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اَلْمَالُ
 وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ
 خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ (آیت - ۴۶) مال اور اولاد تو دنیا کی زندگی کی
 رونق ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں بہتر ہیں۔ اس
 مقام پر باقیات الصالحات سے مراد انسان کی بیٹیاں ہیں جنہیں وہ ایمان
 کے تقاضوں کے مطابق پالتا ہے اور جب جوان ہو جاتی ہیں تو اچھی جگہ ان
 کا نکاح کر دیتا ہے۔ عرب کے اکثر لوگ بچیوں کو حقیر جانتے تھے۔ آج
 بعض لوگ بیٹی کی پیدائش پر یاس و حسرت کا نمونہ بن جاتے ہیں اور انہیں
 اپنی معیشت پر بوجھ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ باقیات الصالحات ہیں، ان
 کی اچھی تربیت کر دو، تعلیم دلو، ان سے پیار کرو کہ یہ تمہاری باقی رہنے والی
 نیکیاں ہیں۔ فرمایا باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے پروردگار کے پاس
 ثَوَابًا بَدَلًا سے اعتبار سے وَحَيْثُ مَسْرَدًا اور انجام کے اعتبار
 سے مَسْرَدًا کا معنی ٹوٹ کر جانا ہے۔ اور مراد انجام ہے کہ انجام کے لحاظ
 سے باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں۔ ان کا اجر عظیم حاصل ہوگا۔ اس کے برخلاف
 کافروں اور مشرکوں کے لیے وہاں کچھ نہیں ہوگا۔ وہ اس دنیا میں رہ کر دنیا
 کے ساز و سامان ہی کے دلدل وہ تھے جو انہیں یہیں حاصل ہو گیا، اب
 آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

قال الم ۱۶

مریم ۱۹

درس شانزدهم ۱۶

آیت ۷۷ آ ۸۲

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا
وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ
عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ
مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا
فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ
عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ
عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

ترجمہ :- کیا دیکھا آپ نے اُس شخص کو جس نے کفر کیا ہمارے
آیتوں کے ساتھ، اور اُس نے کہا کہ البتہ دیا جاؤں گا میں مال
اور اولاد ﴿۷۷﴾ کیا اُس نے بھانک کر دیکھ لیا ہے غیب
کو یا اُس نے پکڑا ہے خدائے رحمان کے پاس کوئی عہد ﴿۷۸﴾
خبردار! ہم ضرور نکھیں گے وہ جو کہتا ہے اور ہم بڑھائیں گے
اس کے لیے عذاب کو بڑھا ﴿۷۹﴾ اور ہم وارث ہوں گے
اُس کے جو وہ کہتا ہے۔ اور وہ آئے گا ہمارے پاس
اکیلا ﴿۸۰﴾ اور بنا یا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو
معبود تاکہ ہو جائیں وہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ ﴿۸۱﴾
خبردار! عنقریب وہ انکار کریں گے اُن کی عبادت کا اور
ہو جائیں گے اُن کے اوپر مخالف ﴿۸۲﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد فرمایا جو اہل ایمان کو طعن دیتے تھے اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے پاس زندگی کا سارا ساز و سامان ہے جب کہ مسلمانوں کے پاس کچھ نہیں۔ ہمارے گھر بہتر ہیں۔ اور ہماری مجلسیں اچھی ہیں۔ نوکر چاکر ہیں اور پشت پر دوست احباب ہیں۔ پھر وہ اہل ایمان سے کہتے کہ بتاؤ ہماری حالت اچھی ہے یا تمہاری۔ اللہ نے ایسے ہیودہ خیالات کا رد فرمایا اور اس کا الزامی اور حکیمانہ جواب بھی دیا۔ پھر اللہ نے ایمان والوں کے لیے ہدایت کے سامان کی زیادتی کا ذکر فرمایا۔ اور باقی رہنے والی نیکیوں کے اچھے بدلے کا تذکرہ فرمایا اب آج کی آیات میں کفار و مشرکین کے ہیودہ خیالات کا مزید رد فرمایا ہے۔

شانِ نزول

آج کی آیات کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کہہ ام نے صحیحین کی حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ حضور کے ایک صحابی خباب ابن ارتؓ غلامی سے آزاد ہوئے تھے۔ لوہاروں کا کام کرتے تھے اور تلواریں و خنجر بناتے تھے۔ مالی حالت نہایت کمزور تھی۔ انہوں نے عاص ابن وائل کا کچھ کام کیا اور ان سے مزدوری لینے کے لیے گئے یہ شخص قبیلہ سہم کا سردار تھا اور بڑا مغرور تھا۔ کہنے لگا کہ میں تمہاری مزدوری اس وقت دوں گا جب تم اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دو گے۔ یعنی تم دین اسلام سے مرتد ہو جاؤ۔ حضرت خبابؓ نے فرمایا کہ میں تو سچے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں اگرچہ تم مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤ۔ عاص نے کہا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گا اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ اچھا تو پھر جب میں قیامت دوبارہ زندہ ہوں گا تو تمہاری مزدوری اس وقت ادا کروں گا۔ اس طرح گویا اس نے عقیدہ بعث بعد الموت کے ساتھ استہزاء کیا۔ یہ آیات

اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

مال و اولاد
پر فخر

ان آیات کا اطلاق صرف عاص بن وائل پر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا مصداق ہر وہ شخص ہے جو مال اور اولاد پر فخر کرتا ہے اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اللہ کے نبیوں کے مقابلے میں دولت مند لوگ ہمیشہ سی کہتے ہیں ”نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا“ (سبا۔ ۲۵) ہمارے پاس مال اور اولاد زیادہ ہے۔ ”وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ“ (الشعرا۔ ۱۳۸) بھلا ہمیں کون سزا دے سکتا ہے۔ چنانچہ عاص بن وائل نے بھی حضرت خبابؓ سے ازراہ تمسخر کہا کہ اپنی مزدوری قیامت کے دن مجھ سے وصول کر لینا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا اَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا كَمَا كُنَّا نَأْتِيهِ بِالْبَيِّنَاتِ وَهُوَ كَافِرٌ لَّا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ لَأَوْ تَسِينُ مَالًا وَوَلَدًا اور اُس نے یوں کہا کہ میرے پاس قیامت والے دن مال بھی ہوگا اور میرے ساتھ میری اولاد بھی ہوگی لہذا تم اپنا حساب وہاں چکا لینا۔ اللہ نے فرمایا اَطْلَعِ الْغَيْبِ کیا اُس شخص نے غیب کو جھانک کر دیکھ لیا ہے کہ دوبارہ اٹھائے جانے پر اس کے پاس اسی طرح مال و دولت ہوگا جس طرح اس دنیا میں ہے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ غیب تو خدا نے واحد و قہار کے ساتھ خاص ہے، اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں مگر اُس شخص نے غیب کی بات کیسے معلوم کر لی۔ مطلب یہ کہ اس شخص کا دعوے غلط ہے کیا پتہ قیامت والے دن اس کی کیا حالت ہوگی۔

فرمایا کیا اُس کو غیب کا علم ہے اَمَّا اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا
یا اُس نے خدا کے ساتھ کوئی عہد کر رکھا ہے کہ وہ آخرت

میں بھی اُسے مال اور اولاد عطا کرے گا۔ فرمایا کہ لے خبردار! یہ سب
دعویٰ غلط ہیں۔ نہ تو اُس کے پاس علم ہے اور نہ وہ غیب کی بات جانتا
ہے۔ علم تو وحی کے ذریعہ اللہ کے نبیوں کو حاصل ہوتا ہے مگر یہ تو اللہ تعالیٰ
کے نافرمان لوگ ہیں، ان کو غیب کا علم کہاں سے حاصل ہو گیا۔ وشرمایا
یہ شخص اپنے دعویٰ میں تو جھوٹا ہے۔ البتہ سکتکتب ما یقول و
ہم ضرور لکھ لیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ ہمارے فرشتے اس کی ہر حرکت
اور قول کو نوٹ کر رہے ہیں۔ اُس کو ایک تو نافرمانی کی سزا ملیگی اور دوسرا وہ
غلط دعویٰ کی وجہ سے بھی مستحق سزا ٹھہرے گا کہ اس نے ایسی یہودہ بات کیوں
کی۔ انہی اکثر دکھائی اور ایک ضرور کا حق مارا، بلکہ اُسے کفر کرنے پر مجبور کیا۔
اُس نے اللہ کی توحید اور رسول کی رسالت کا بھی انکار کر دیا۔ تو اللہ نے
فرمایا کہ ہمارے فرشتے اُس کے نامہ اعمال میں یہ سب کچھ ضرور درج کریں گے
وَنَحْمَدُ لَكَ مِنَ الْعَذَابِ مَكْدًا اور ہم دراز کہیں گے اُس
کے لیے سزا کو دراز کرنا۔ ایسا شخص ہماری سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا وَنَرِثُهُ مَا یَقُولُ اور جو کچھ وہ
کہتا ہے اُس کے وارث ہم ہوں گے۔ مطلب یہ کہ یہ شخص تو عنقریب
مر جائے گا، پھر اُس کے سارے مال و دولت کے وارث ہم ہوں گے
جس پر آج یہ فخر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہی یہ ہے وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران - ۱۸۰) زمین و آسمان کی
ساری وراثت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے۔ انسان اس دنیا سے
خالی ہاتھ جاتے ہیں۔ اُن کا سارا ساز و سامان یہیں رہ جاتا ہے۔ ایمان اور
اعمال صالحہ کے علاوہ انسان کے ساتھ کچھ نہیں جاتا۔ باقی چیزیں تو وبال
جان بن جائیں گی۔ فرمایا وَاٰتِیْنَا فِسْدًا اور ہمارے پاس یہ اکیلا ہی
آئے گا۔ اس شخص کا مال اور اس کی اولاد ساتھ نہیں جائے گی جو کسی مشکل میں

بھی اس کی مدد کر سکیں۔ عاص بن وائل کے دو بیٹے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس لحاظ سے بھی یہ اکیلا رہ گیا۔ عاص بن وائل کی طرح بعض دوسرے متکبر لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں اللہ نے ان سب کا رد فرمایا ہے اگلی آیات میں پھر توحید کا بیان ہے اللہ نے شرک کا رد فرمایا ہے اور ساتھ قیامت کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنالیا ہے دون کا معنی اسوا بھی ہوتا ہے اور مرے بھی۔ گویا انہوں نے اللہ کے سوا غیروں کو اپنا کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا بنالیا ہے کہتے ہیں کہ بڑا خدا تعالیٰ تو اپنی جگہ موجود ہے اور ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں، مگر اس کے ماتحت کچھ چھوٹے چھوٹے معبود بھی ہیں جو سفارش کر کے اللہ تعالیٰ سے کام کروا دیتے ہیں کہتے تھے ہم خداوند تعالیٰ سے اپنا تعلق براہ راست نہیں جوڑ سکتے لہذا درمیان میں یہ معبود ہمارا وسیلہ ہیں جو ہماری بات کو آگے پہنچاتے ہیں۔ یہ جبری سفارش کا تعلق ہے جو بدترین قسم کا شرک ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نظام بھی دنیا کے بادشاہوں جیسا ہے اگر بادشاہ کسی سے ناراض ہو جائے تو اُسکے راضی کرنے کے لیے یا کسی مطلب براری کے لیے کسی وزیر یا بادشاہ کے مقرب کی سفارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے سامنے بھی سفارشی کام آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض یہ اس کے سفارشی ضروری اُسے منوالیتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر نادان یہ نہیں سمجھتے کہ دنیا کے بادشاہ تو مجبور ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے امیروں، وزیروں یا مصاحبوں کی طرف سے بغاوت کا خطرہ ہوتا ہے یا وہ کسی سازش کا شکار ہو جانے سے ڈرتے ہیں، اور سفارش قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق اور ہر چیز کا مقصوف ہے۔ اُسے کسی کام کے لیے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی

جبری
سفارش

اُسے اپنی مخلوق کی طرف سے کسی بغاوت کا خطرہ نہیں، بھلا وہ کسی کی سفارش قبول کرنے پر کیسے مجبور ہوگا۔ یہ تو مشرکین کی خام خیالی ہے۔ وہ اپنے شرکاء کے متعلق کہتے تھے ”هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا عِنْدَ اللَّهِ“ (یونس - ۱۸) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ پھر جب ان سے کہا جاتا کہ تم ان کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو تو یہی جواب دیتے ”مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُواكَ إِلَهُ رَبِّكَ“ (الزمر - ۲۳) ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے۔ اس قسم کا عقیدہ یہود و نصاریٰ میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور کسی غتہ شدہ یہودی کو دوزخ میں نہیں گزرنے دیں گے بلکہ جنت میں پہنچا کر چھوڑ دیں گے۔ اسی طرح عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو مان لو۔ ان کے کفارہ بن جانے کے عقیدہ کو تسلیم کر لو تو پھر تم جنت میں ضرور پہنچ جاؤ گے خواہ کچھ بھی کہتے پھرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس جبری سفارش کا رد فرمایا ہے مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ - ۲۵۵) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ پوری کائنات میں اللہ کی مخلوق میں سے مقرب ترین ہستی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مگر آپ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکیں گے۔ روایات میں آتا ہے کہ قیامت والے دن حضور علیہ السلام مقام محمود پر خدا کے سامنے دینی مدت کے اعتبار سے دس سال تک سجدے میں پڑے رہیں گے، خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے تو اُس کے بعد جا کر آپ کو سفارش کرنے کی اجازت ملے گی۔ مطلب یہ کہ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا چاہے جبری سفارش کا عقیدہ تسلیم کر لیا جائے وہ قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ وہ جو

چاہے سو کرے لَا رَادَّ لِحُكْمِهِ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔
سفارش بھی اُسی کے حق میں قبول ہوگی جس کا عقیدہ پاک ہوگا۔ مشرک
اور منافق کے حق میں سفارش نہیں ہوگی۔ اس معاملے میں اللہ کے نبی، فرستے،
اولیاء اور شہداء سب بے بس ہوں گے۔ سفارش اس کے حق میں ہوگی جو ایماندار
ہوگا مگر اپنے گناہوں کی وجہ سے نرا کا مستحق ہوگا۔

شرک کا
مذہب
فائدہ

فرمایا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنالیا ہے جس سے
ان کا مقصد یہ ہے لَبِکُمْ دُؤَالِکُمْ عَزَّ تَاکُم یہ شرک ان کے
لیے عزت کا باعث بن جائیں مطلب یہ کہ انہیں ہر کام میں کامیابی حاصل
ہو، اور ان کی مرادیں پوری ہوتی رہیں۔ چنانچہ مشرکین نے مختلف امور کے
لیے مختلف معبود بنا رکھے تھے، کہتے تھے فلاں بت کی نیاز دی جائے
تو مقدمے میں بری ہو جائے ہیں۔ فلاں معبود بیماری میں شفا دیتا ہے اور
فلاں اوناد ملانے میں پیش پیش ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ان معبودوں کی تعظیم
کرتے۔ ان کے لیے نذر مانگتے اور چڑھاتے چڑھاتے۔ کوئی اقتدار کی
خاطر کسی معبود کے آگے جھکا جاتا، کوئی محبت کا دیوتا سمجھ کر اُس کی خدمت
کرتا اور کوئی دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے نذر مانگتا۔ حضرت نوح علیہ السلام
کے زمانے کے پانچ مشہور بت ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے
ان کو مشرکوں نے خود ہی محکمے تفویض کر رکھے تھے کہ یہ اولاد دیتا ہے
یہ جنگ میں کامیابی دلاتا ہے اور یہ فلاں حاجت پوری کرتا ہے وغیرہ وغیرہ
قبر پرستوں کا بھی یہی معمول ہے۔ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں ان کی
تعظیم کرتے اور ان کی نذر دینا زیتے ہیں۔ اب تو قبر پرستی اس حد تک
پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کی قبروں پر بھی پھول چڑھاتے
جاتے ہیں۔ حکومتوں کے درمیان یہ رواج بن چکا ہے کہ باہر سے کوئی
بڑا آدمی آتا ہے تو وہ مسٹر جناب اور علامہ اقبال کی قبر پر پھول چڑھاتا ہے

اور ہمارے اکابر بیرون ملک جلتے ہیں تو پتھر کے مجسموں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ہمارے صد صاحب آج کل رنگون گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بدھ کے مجسمے پر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ یہ اسلام کے داعی ہیں۔ اگر ایسا شرکیہ فعل نہ انجام دیتے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ ہر امیر، وزیر، حضرت علی ہجویری کی قبر پر چادر بٹھانا ضروری سمجھتا ہے کہ مشرک لوگ خوش ہو جائیں کہ وزیر عجمی ہمارا ہم مسلک ہے۔ غیر آدمی کوئی ایسا کام کئے تو شور مچ جاتا ہے مگر صد صاحب کو کوئی نہیں پوچھتا کہ کیا کر رہے ہو۔ کیا یہی اسلام ہے۔ کیا یہ غیر اللہ کی عبادت ہے؟ کیا اس فعل کے بغیر غیر ممالک سے دوستی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ایسا شرکیہ رواج قائم ہو گیا ہے جس سے بچنا محال ہو رہا ہے بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہ دوسرے لوگ اس لیے معذور بناتے ہیں تاکہ ان کی عزت کا سامان ہو اور ان کی مرادیں پوری ہوتی رہیں، حالانکہ ان کے پاس مراد پوری کرنے کا کوئی انداز نہیں ہے۔

معبودوں
باطلہ انکار
کہہ دیں گے

فرمایا آج تو یہ لوگ دوسروں کو معبود بنا رہے ہیں مگر قیامت کے روز کیا ہوگا؟ وَعَلَا خَيْرٌ دَارِ السَّيْكِفُ مَوْتُ رِبِّعَادٍ قَتِيهْمُ یہ معبود مشرکین کی طرف سے عبادت کا انکار کر دیں گے۔ اللہ کے نیک بندے عرض کریں گے، مولا کہیم! ہم نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔ انہوں نے ہماری تعلیم کو پس پشت ڈال دیا۔ اور ہماری قبروں کو بچتہ بنایا، ان پر چادریں چڑھالیں اور ان پر جانور ذبح کیے۔ اسی طرح فرشتے بھی اپنی عبادت سے انکار کریں گے اور کہیں گے کہ پور دگار! ہم تو تیرے سوا کسی کو کار ساز اور مشکل گشا نہیں سمجھتے۔ ہم نے تو انہیں ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہمیں حاجت روا سمجھ کر ہماری پرستش کرو، یہ سب ان کے اپنے ذہن کی خلفشار ہے۔ پھر وہ مٹی اور پتھر کے بُت بھی انکار کر دیں گے جن کی یہ مشرکین پوجا کرتے تھے بمعنی بن کر

فرماتے ہیں کہ یہ مجسمے بھی اسی طرح ہلاک کر دیں گے جس طرح انسان کے ہاتھ
 پاؤں قیامت کے روز گواہی دیں گے۔ یہ جہت کہیں گے کہ خداوند کریم !
 ہم تو بے جان اور بے اختیار تھے۔ ہم نے تو نہیں کہا کہ ہماری پوجا کرو
 انہوں نے خود ہی ہماری ناردرینیا ز دنیا شرمع کمر دی اور مشکل میں ہمیں
 پکارنا شروع کر دیا۔ یہ خود ہی اس قبیح حرکت کے ذمہ دار ہیں۔ فرمایا
وَيَكْفُرُوا بِمَا لَمْ يُكْفُرُوا بِهِ عَلَيْهِمْ سُبْحَاتُ الْقِيَامَةِ الْكَافِرِينَ
 ان مشرکین کے مخالف ہو جائیں گے، ان کے خلاف گواہی دیں گے
 اور یہ لعنت کے مستحق ٹھہریں گے۔

قال الم ۱۶

درس ہفتم ۱۷

مریم ۱۹

آیت ۸۳ تا ۸۷

الْمَرَّتْ رَأَاً أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ
 تَوْرَهُمْ آزًا ۝۸۳ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ
 لَهُمْ عَدًّا ۝۸۴ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ
 وَفْدًا ۝۸۵ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَرْدًا ۝۸۶
 لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ
 عَهْدًا ۝۸۷

وقف لازم

وقف لازم

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک ہم نے مسلط
 کیا ہے شیاطین کو کفر کرنے والوں پر، وہ ابھارتے
 ہیں اُن کو ابھارنا ۝۸۳ پس آپ جلدی نہ کریں ان پر،
 بیشک ہم گنتے ہیں ان کے لیے گنا ۝۸۴ جس دن ہم
 اٹھائیں گے متقیوں کو رحمان کی طرف وفد کی شکل میں ۝۸۵
 اور چلائیں گے ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ۝۸۶
 نہیں مالک ہوں گے شفاعت کے مگر وہ جس نے پکڑا ہے
 خدائے رحمان کے پاس عہد ۝۸۷

گزشتہ آیات میں اللہ نے کفر اور شرک کرنے والوں کا عقیدہ اور ان کی بیہودہ گفتگو
 کا رد فرمایا۔ اس کے علاوہ اللہ نے اُن کا انجام بھی بیان فرمایا۔ اللہ نے واضح کیا کہ
 مشرکین اپنے جن معبودان کو باعث عزت سمجھتے تھے وہ اُن کے مخالف بن جائیں گے
 اور اُن کی عبادت سے انکار کر دیں گے۔ نیز مشرکین کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ربط آیت

اب اللہ نے مشرکین اور کفار کی گمراہی کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے اور بتلادیا ہے کہ جملہ اسباب ضلالت میں سے سب سے بڑا سبب انسانوں پر شیطان کا تسلط ہے۔

شیاطین کا تسلط

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِیْنَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ اے پیغمبر! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک ہم نے کافروں پر شیطانوں کو مسلط کیا ہے۔ اَرْسَلْنَا کا عام فہم معنی تو بھیجا ہوتا ہے تاہم اس مقام پر مسلط کہنا مراد ہے۔ اور پھر شیطانوں کا کافروں پر یہ اثر ہوتا ہے تَوَزَّوْاْهُمْ اَنۡ کُفُّوْاْ اَنۡ کُفُّوْاْ کہ وہ ان کو ابھارتے ہیں یعنی کافروں کو کفر اور شرک پر اکساتے ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں میں دوسے ڈالتے ہیں اور لوگ کفر، شرک، بدعات اور معاصی کو اختیار کرنے لگتے ہیں۔ ایسے افعال کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے کہ لُکَّ صُدَّ عَمَلُہُمْ اور تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کو حقیر سمجھتے ہیں کمزوروں کی تذلیل کرتے ہیں۔ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور شرکیہ رسوم کو بڑے زور شور سے ادا کرتے ہیں اور اسے کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ شیطان کے اغوا کی وجہ سے ہوتا ہے اللہ کا ارشاد ہے وَ مَنۡ یَّعِشۡ عَنۡ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نَقِیۡصٌ لَّہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡبٌ (الزحرف - ۲۶) جو شخص خدا رحمان کی یاد سے روگردانی کرتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ شیطان مقدر کر دیتا ہے جو اس کا ساتھی بن کر گمراہ کرتا رہتا ہے۔ لوگ زندگی کے آخری لمحات تک یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا اچھا اور کارِ ثواب کرتا ہے ہیں حالانکہ وہ غلط ہوتا ہے اور پھر مرنے کے بعد اس کا بڑا افسوس ہوگا۔ اللہ کی یاد سے غفلت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

تذکرہ الرحمان سے خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کا کلام یعنی قرآن پاک دونوں مراد ہیں۔ قرآن سے اعراض بھی شیطان کے تسلط کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب

انسان اپنی فطرت کو ترک کر کے اللہ کی یاد اور اس کے کلام سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ گویا گمراہی کے اسباب میں سے شیطان کا اغوا سب سے بڑا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق فرمایا ہے: ”اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ“ (البقرہ - ۱۶۸) یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ خطرناک بھی ہے کیونکہ ”اِنَّهٗ یَسْکُمُ ھُوَ وَ قَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْھُمْ“ (الاعراف - ۱۷) وہ اور اس کا سارا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے، جہاں سے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ تمہاری نگاہوں سے چھپ کر تم پر حملہ آور ہو رہا ہے اور تمہیں کچھ خبر نہیں۔ آدم علیہ السلام کو رُئے زمین پر اتارنے کے بعد اللہ نے فرمایا تھا کہ آدم! ”اِنَّکَ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ“ (طہ - ۱۱) شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے اس سے خبردار رہنا، کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوانے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: ”رَبِّ اَقْلِیْمٍ اسْتَوٰی عَلَیْہِ الشَّیْطَانُ بَعْضُ مَکِّ اِیسَے ہوتے ہیں جن پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے۔ ساری کی ساری قوم شیطان کے اغوا اور تسویل میں مبتلا ہوتی ہے۔ اور سب اُس کے کہنے میں آکر کفر، شرک، بدعات اور معاصی میں غرق ہوتے ہیں۔ شیطان کے تسلط سے یہی مراد ہے۔ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو غلط کاموں پر بھارتا رہتا ہے۔

دیکھو اسباب
ضلالت

اسباب ضلالت میں سے انسان کا نفس امارہ بھی ایک بڑا سبب ہے جو انسان کو براہیوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ”وَمَا اُبْرِئُ نَفْسِیْ اِلَّا النَّفْسَ لَا مَرَاۃَ ۚ بِالْیُسُوۡفِ“ (یوسف - ۵۳) میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس برائی کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ نفس آزادی چاہتا ہے مگر شریعت نے اس پر کنٹرول کرنے کے لیے مختلف احکام عائد

کیے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نفس امارہ کی بجائے انسان کی عقل و ضرر اور وحی الہی غالب ہو تاکہ وہ نیکی کی طرف مائل ہو سکے، اور برائی سے بچ سکے۔ بزرگانِ دین اسی نفس کے متعلق فرماتے ہیں۔ اِنَّ عَذَابَكَ الَّذِي بَيْنَ جَنَّتِكَ تَهَارَا اَكْبَرُ اَدَمْنِ وَهْ هَ جَوْتَهَارِے پہلو میں بیٹھا ہے۔ تو گویا نفس امارہ بھی انسان کے لیے گمراہی کے اسباب میں سے ہے۔ اس کے علاوہ زیب و زینت کے سامان اور لہو و لعب کے ذرائع بھی اسبابِ ضلالت میں سے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کا رجحان نیکی کی طرف بہت کم ہوتا ہے۔ مگر کھیل تماشے اور برائیوں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ بدعات بھی اسی قبیل سے ہیں جو انسان کے نفس کو خوش کرتی ہیں مگر حقیقت میں وہ گمراہی کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ مال و دولت بھی انسان کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ مالدار آدمی معزز ہو جاتا ہے اور اُس کے ہاتھ سے انصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ حکومت اور اقتدار بھی آدمی کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اقتدار کے نشے میں چور آدمی حق و ناحق کی پہچان سے عاری ہو جاتا ہے اور پھر من مانی کرنے پر آمرا آتا ہے۔ پھر ظلم و جور کا دور دورہ ہوتا ہے اور انسان خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ آج دنیا میں دیکھ لیں، بڑی بڑی سلطنتیں اپنی طاقت کی وجہ سے شدید ترین گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ ہر حکومت کے ڈکٹیٹر اور عہدیدار اقتدار کی وجہ سے ہی بے راہروی کا شکار ہو کر گمراہی کی انتہا گہرائیوں میں جا گرتے ہیں۔

بہر حال اسبابِ ضلالت میں سے شیطان کا اغواء سب سے بڑا سبب ہے جس کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کر کے انسان کو اُس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اغواء سے بچنے والے اللہ کے خاص بندے ہی ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُس کے ذکر

سے اعراض نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا تسلط قائم نہیں ہوتا۔
 ورنہ عام لوگوں کا معاملہ یہ ہے ”زَيْتٌ لَّهُمُ الشَّيْطَانُ مَكَانُوا يَعْمَلُونَ“ (الانعام-۴۳) شیطان اُن کے بدترین اعمال کو بھی مزین کر کے دکھاتا ہے۔ ان کے فوائد بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی میں تمہاری عزت، وقار اور نیک نامی ہے۔ انسان اس کے کہنے میں آجاتے ہیں اور پھر کھیل تماشے، کفر، شرک اور بدعات کی طرف مائل ہو کر شیطان کے پنجے میں جکڑے جاتے ہیں۔

منزائیں
 جلدی کی
 خواہش

بعض اوقات حضور علیہ السلام کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ نافرمانوں کو جلدی سزا ملنی چاہیے، کیونکہ جب تک اُن کو موقع ملتا ہے گا وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہیں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے سزا کی خواہش کوئی بری بات نہیں بلکہ انصاف کے عین مطابق ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا فَلَا تَجْعَلْ عَلَيْهِمْ آپ ان پر جلدی نہ کریں بلکہ برداشت کریں کیونکہ ہم نے بھی اُن کے خلاف پروگرام بنا رکھا ہے۔ إِنَّمَا نَعِدُّ لَهُمْ عَذَابًا بیشک ہم شمار کر رہے ہیں ان کے لیے شمار کرنا مطلب یہ کہ ایسے نافرمانوں کی زندگی کے دن ہم گن رہے ہیں حتیٰ کہ ان کے ایک ایک سانس کا حساب ہمارے پاس موجود ہے۔ اس وقت ہم انہیں قانونِ اعمال کے تحت مہلت دے رہے ہیں۔ انکی ایک ایک حرکت کو جانتے ہیں۔ جب ہماری مہلت پوری ہو جانے لگی تو پھر ہم ان کی رسی کو کھینچ لیں گے۔ لہذا آپ جلدی نہ کریں، اور صبر سے کام لیں۔

منتقین کی
 عزت افزائی

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین اور مجربین کے انجام کا ذکر کیا ہے کہ مرنے کے بعد جب دوبارہ اٹھیں گے تو اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا۔
يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الْوَحْشِ

وَقَدْ أَجَسَ دِينَ هُمْ مُتَّقِيُونَ كَوْرَحْمَانِ كِي طَرَف اَكٹھا كمریں گے۔ وفد كی صورت
میں۔ وفد (REPRESENTATIVE پریذینٹو) كسی قوم، برادری یا حكومت
كی طرف سے ہو، قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ وفد كے اركان كسی خاص مقصد
كے لیے آتے ہیں لہذا ان كا غیر مقدم كمرنے والے ان كی عزت افزائی كرتے
ہیں۔ ان كو اچھی جگہ اتارتے ہیں اور ان كی مہمان نوازی كرتے
ہیں۔ اسی طرح متقین بھی اللہ كے پاس وفد كی حیثیت سے جا میں گے
اور عزت و اكرام پائیں گے صحیحین كی روایت میں آتا ہے كہ قیامت كے
دین تین گروہ اللہ كی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ پہلا گروہ راغبین اور راہبین
كا ہوگا۔ یہ انبیاء اور مقربین كا گروہ ہوگا جو اللہ كی نعمتوں كی طرف رغبت كھنے
والے اور اس كے عذاب سے ڈرنے والے ہوں گے۔ دوسرا گروہ سواروں
كا ہوگا۔ ایک ایک اونٹ پر ایک ایک، دو دو، تین تین آدمی سوار ہوں
گے حتی كہ دس تاك كا ذكر بھی آتا ہے۔ پھر تیسرا گروہ ذلیل لوگوں كا ہوگا
جو پیدل چل كمر آئیں گے، یہ جہنم كی آگ كے سزاوار ہوں گے۔

نمود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بیرونی وفد كی بڑی تكريم كیا كرتے تھے
آپ نے اپنے آخری وقت میں یہ نصیحت فرمائی كہ باہر سے آنے والے
وفد كے ساتھ اسی طرح حسن سلوك كرتا جس طرح میں كرتا ہوں۔ طبقات
ابن سعد میں ہے كہ ۹ھ میں حضور علیہ السلام كی خدمت میں كم و بیش ۱۰ ہزار
وفد آئے ان میں سے اكثر و بیشتر نے اسلام قبول كیا۔ بعض نے ہدایات
حاصل كیں اور بعض محض زیارت كے لیے آئے۔ قطع نظر اس كے كہ كسی كا
عقیدہ كیا ہے حضور علیہ السلام عرب كے مختلف گوشوں سے آنے والے
وفد كے ساتھ حسن سلوك كے پیش آتے اور حتی المقدور ان كی خدمت
تواضع كرتے۔ قبیلہ ثقیف كے مشركین كا ایک وفد حاضر ہوا تو آپ نے
حكم دیا كہ ان كا خیمہ مسجد كے صحن میں لگا دیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض كیا حضور
یہ تو ناپاك لوگ ہیں، ان كا مسجد میں داخلہ كیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا

سفارش انہی کے حق میں ہوگی جن کی بات اللہ کو پسند ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایمان والی بات ہی پسند ہوگی، ایمان لاؤ گے تو اللہ راضی ہوگا اور اگر نافرمانی کرو گے تو ناراض ہوگا۔ نہ تو کسی بد عقیدہ آدمی کی بات کو اللہ پسند کرے گا اور نہ اُن کے حق میں سفارش قبول کرے گا۔ یہ بات اُٹل ہے کہ اللہ کی مرضی اور اُس کے اختیار سے ہی سفارش ہوگی۔ ”قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا“ (الزمر - ۴۴) شفاعت کا سارا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ نبی، ملائکہ اور اُس کے مقررین بھی اُس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اللہ کا واضح فرمان ہے ”مَا يَشَاءُ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ“ کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ مگر یہود و نصاریٰ اور کلمہ گو پیر پرست جبری سفارش کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ امام حسینؑ کا ماتم کہہ لینے سے ہی جنت کے حقدار ہو جائیں گے، باقی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ پیر پرست لوگ بیعت کر لینے اور عرس میں شریک ہو جانے کو ہی ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، مگر اس قسم کی جبری سفارش کا اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے۔

فرمایا مجرم تو شفاعت کے مستحق نہیں ہوں گے إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (البقرہ ۱۷۳) سفارش کا حقدار وہ ہوگا جس نے خدائے رحمان کے پاس عہد قائم کر لیا۔ جو شخص توحید رسالت کے عقیدے پر نچتے یقین رکھیگا۔ خدا تعالیٰ اُس کو ضرور جنت میں پہنچائے گا، یہی اس کا عہد ہے۔ اسی کے حق میں سفارش ہوگی۔ اور وہ نجات پائے گا۔ امام رازیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے عہد نامے والی روایت نقل کی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ہر روز صبح شام خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا عہد کرے۔

شفاعت کے
حقدار

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعْتَدُ إِلَيْكَ فِي
 هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كُنْتُ
 أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
 وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَأَنْ
 مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ
 فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي فَإِنَّكَ
 إِنْ تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرَفَةً عَيْنٍ تُفَرِّقْنِي
 مِنَ الشَّيْرِ وَتُبَاعِدُنِي
 مِنَ الْخَيْرِ وَإِنِّي لَا أَتَّقِي
 إِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِي
 عِنْدَكَ عَهْدًا تَوْفِينِيهِ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ
 (رقبى ص ۱۵۴)

اے اللہ میں اس دنیا کی زندگی میں تجھ
 سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں
 گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود
 نہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور
 میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ السلام تیرے بندے اور تیرے
 رسول ہیں۔ پس تو مجھے میرے نفس کے
 سپرد نہ فرما۔ کیونکہ اگر تو مجھے میرے نفس
 کے سپرد کر دے گا تو مجھے برائی سے قریب
 کر دے گا اور مجھے مصلحتی سے دور
 کر دے گا۔ مجھے بس تیری رحمت پر
 ہی بھروسہ ہے پس میرے لیے اپنے
 ہاں بخشش اور رحمت کا عہد فرما
 اور اس کو قیامت کے دن پورا فرما۔
 یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ یہ عہد کرتا ہے تو اس کو کچھ کر عرش کے نیچے
 رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر قیامت والے دن اعلان ہوگا کہ جن کا عہد خدائے ربان
 کے پاس موجود ہے، وہ سامنے آجائیں۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں سفارش
 مفید ہوگی اور مجرموں کے لیے کوئی سفارش نہیں ہوگی۔ ان کو پیلا سے جانوروں
 کی طرح ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اس کے برخلاف اہل ایمان
 کو عزت کے ساتھ وفاداری سے خدائی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اور
 آخر کار وہ اُس کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچ جائیں گے۔

قال الم ۱۶

مريم ۱۹

درس ہشتم ۱۸

آیت ۸۸ تا ۹۵

وَقَالُوا اخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۖ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا
 إِدًّا ۚ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ
 الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۚ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ
 وَلَدًا ۚ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ
 إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا إِلَى
 الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۚ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ
 عَدًّا ۚ وَكُلُّهُمْ أَيْتُهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۚ

ترجمہ :- اور کہا (کفار و مشرکین نے) کہ بنا لیا ہے خدائے
 رحمان نے بیٹا ۸۸ البتہ تحقیق لائے ہو تم ایک بڑی ناگوار
 بات ۸۹ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے اور
 زمین شق ہو جائے اور گہ پڑیں پہاڑ گر کر ۹۰ اس وجہ
 سے کہ پکارتے ہیں یہ لوگ رحمان کے لیے اولاد ۹۱
 اور نہیں ہے لائق رحمان کے لیے کہ وہ بنائے اولاد ۹۲
 جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین میں خدائے رحمان کے
 سامنے بندہ ہو کر آئے گا ۹۳ البتہ تحقیق ان کو گھیر رکھا
 ہے اور ان کو شمار کر رکھا ہے شمار کرنا ۹۴ اور ان
 میں سے ہر ایک آئے گا اس کے سامنے اکیلا ۹۵

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد فرمایا اور پھر ان کا انجام بھی ذکر

بطر آیت

کیا۔ اللہ نے قیامت کو پیش آئینے حالات کا تذکرہ بھی فرمایا اور ساتھ ایمان والوں کا انجام بھی بیان فرمایا کہ وہ اللہ کے حضور میں وفد کی شکل میں باعزت طور پر پیش ہوں گے۔ برخلاف اس کے کافر اور مشرک مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح ہانک کر لے جایا جائے گا اور ان کی سخت تذلیل ہوگی۔

عقیدہ
ابنیت

آج کی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے عقیدہ ابنیت کی تردید فرمائی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں اور سورۃ کہف میں بھی یہی تذکرہ ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے "لَمْ يَخْذَ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ مِّنَ الذَّلِّ وَكَيِّدًا" (بنی اسرائیل: ۱۱۱) اللہ نے کسی کو اولاد نہیں بنایا، نہ حقیقی اور نہ مجازی اس کی نہ تو جنس سے کوئی اولاد ہے اور نہ اس نے کسی کو منہ بولادیا بنایا ہے۔ حقیقی اولاد اس لیے نہیں کہ اسے نسب باقی رکھنے کا شوق نہیں۔ اور مجازی اولاد اس لیے نہیں کہ اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ قادر مطلق اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ وہ تمام نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے۔ لہذا اسے کسی قسم کی اولاد کی بھی حاجت نہیں۔ یہ بات سورۃ کہف کی ابتدائی آیات میں بھی بیان ہوئی ہے۔ اللہ نے نزول قرآن کے مقاصد میں سے ایک یہ مقصد بھی بیان کیا ہے۔ "وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا" (آیت ۷۲) تاکہ یہ ان لوگوں کو ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ پھر پیچھے اسی سورۃ میں بھی گہر چکا ہے۔ "مَا كَانَتْ لَإِلَهِ أَكْثَرُ يَتَّخِذُ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ" (آیت ۳۶) خدا تعالیٰ کی ذات اس بات سے پاک ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اس باطل عقیدے میں عیسائیوں کی اکثریت مبتلا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ

کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ اسی طرح یہودیوں کا عزیزی فرقہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتا ہے۔ یہ دونوں غلط ہیں۔ اللہ نے اس کی تردید فرمائی ہے "ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَهِهِمْ" (التوبہ - ۳۰) یہ محض ان کے مونہوں کی باتیں ہیں۔ ان میں حقیقت کچھ نہیں ہے۔ مشرکین عرب بھی اس باطل عقیدہ میں ملوث تھے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہ عقیدہ ہندوستان کے پرانے مشرکوں میں بھی پایا جاتا تھا اور آج بھی ہے۔ دیوی دیوتا کا عقیدہ کم و بیش یہی ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ نے اس باطل عقیدے کا واضح طور پر رد فرمایا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ تین قسم کے حجابات یعنی حجاب طبع، حجاب رسم اور حجاب سوء معرفت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حجاب طبع یہ ہے کہ انسان مادیت میں ہی پھنس کر اپنے جسم کو ہی منوانے میں مصروف ہے۔ اس کے پیش نظر اور کچھ نہ ہو۔ حجاب رسم سے مراد یہ ہے کہ انسان قوم، ملک، علاقہ، برادری وغیرہ کے رسم و رواج کا بندہ ہو کر رہ جائے اور آخرت سے بالکل آنکھیں بند کر دے، اس کی فکر ہی نہ ہو۔ تیسرا حجاب سوء معرفت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے مگر غلط طریقے سے۔ اسے اللہ کی صحیح معرفت نہیں ہے۔ مثلاً یہود و نصاریٰ، ہندو، سکھ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی نام سے پہچانتے ہیں مگر ان کی پہچان صحیح نہیں ہے ورنہ "قَدْ رَوَى اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ" (انعام - ۹۱) انہوں نے اللہ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح اس کو پہچاننے کا حق تھا۔ یہی حجاب سوء معرفت ہے۔

یہ اسی حجاب کا نتیجہ ہے کہ انسان یا تو شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے

حجاب سوء
معرفت

اور یا پھر عقیدہ تشبیہ میں پھنس جاتا ہے۔ شرک یہ ہے کہ اللہ کی کوئی عفت خاصہ مخلوق میں تسلیم کی جائے۔ مثلاً خدا تعالیٰ علیم کل ہے۔ اگر یہ صفت کسی نبی، ولی، فرشتے یا جن وغیرہ میں مانی جائے گی تو آدمی مشرک ہو جائے گا خدا قادر مطلق ہے اگر یہ صفت مخلوق میں مان کر کوئی یہ کہے کہ فلاں دیوی دیوتا، پیر یا بزرگ بھی مرادیں پوری کر سکتا ہے تو اس نے گویا خدا تعالیٰ کی قدرت نامہ کی صفت مخلوق میں ثابت کی اور شرک میں مبتلا ہو گیا۔

حجابِ سودِ معرفت کی دوسری شاخ عقیدہ تشبیہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی کوئی صفت اللہ تعالیٰ میں ثابت کی جائے۔ مثلاً اس سلسلہ میں کایام مخلوق کی صفت ہے۔ اگر یہی صفت اللہ میں مافی جائے کہ اُسے بقائے نسب کے لیے اولاد کی ضرورت ہے تو یہ عقیدہ رکھنے والا آدمی مشرک ہو جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت اُن کے سپرد دو کام کیے۔ اُن کا ایک فرض بطور حاکم تھا اور دوسرا بطور مبلغِ دین۔ اسی تبلیغ کے متعلق حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ کو نصیحت فرمائی کہ یمن کے یہود و نصاریٰ کو سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا۔ مسلم شریف کے الفاظ ہیں فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَحْ مَا بَيْنَكَ وَاللَّهِ تَعَالَى کو پہچان لیں تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ نے ان پر دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ سال بھر میں ایک ماہ کے روزے ہیں۔ صاحبِ نصاب پر سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہے اور زندگی بھر میں صاحب استطاعت پر ایک دفعہ بیت اللہ کا حج فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب بھی اللہ کو پہچانتے ہیں مگر اُن کی پہچان درست نہیں ہے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کی تو کیا پہچانا؟ اللہ تعالیٰ تو ہر نقص، کمزوری، بیوی، اولاد اور ایسی ہی دیگر چیزوں سے پاک ہے۔ اس قسم کے سبب عقیدہ رکھنے والے

کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ کامیابی تو جب حاصل ہوگی جب انسان مشرک اور تشبیہ سے پاک خالص توحید کا عقیدہ اختیار کرے گا۔

غدا اولاد سے پاک ہے ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ان مشرکوں نے کہا (ان میں یہود و نصاریٰ اور عرب کے مشرکین سب شامل ہیں) کہ خدائے رحمان نے اولاد دینا لی ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی نہ حقیقی اولاد ہو سکتی ہے اور نہ مجازی۔ حقیقی اس لیے نہیں کہ وہ ہم جنس ہوتی ہے۔ ہر بچہ اپنے والدین کا ہم جنس اور مرکب ہوتا ہے۔ اگر یہی تصور اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی کر لیا جائے تو پھر وہ بھی مخلوق کی طرح ہو کر بسیط نہیں ہے گا بلکہ حادث ہو جائے گا۔ اور ایسی ذات الہ ہونے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ لہذا خدا تعالیٰ کے لیے حقیقی اولاد کا عقیدہ رکھنا بالکل کافرانہ عقیدہ ہے۔

اسی طرح مجازی اولاد کا عقیدہ بھی باطل ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو اپنا پیارا یعنی بیٹا بنا لیا ہے اور پھر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ جو چاہے کرے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ اللہ کے بنی کو اللہ کا بندہ کہنے سے اس کی توہین ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بھی بالکل غلط عقیدہ ہے۔ ہر نئی انسان ہوتا ہے جو کہ اللہ کی بہترین مخلوق ہے مگر اس نے اپنی مخلوق میں کسی اعلیٰ و ادنیٰ کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ وہ ہر کام اپنی مرضی اور ارادے سے کرتا ہے۔ سورۃ الحجہ میں موجود دیکھو اَلَا هُمْ مِنْ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ رِجْنٍ (آیت ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر انتہائی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہ خود کرتا ہے جو شخص تدبیر میں کسی مخلوق کو خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے وہ مشرک یا کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ وہ خالقیت واجب الوجود ہونے، تدبیر اور عبادت میں یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں خالق اور واجب الوجود ہونے کو تو مشرک بھی مانتے ہیں کہ یہ صفات صرف

اللہ تعالیٰ کی ہیں اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ البتہ تدبیر اور عبادت میں یہ لوگ دوسروں کو بھی شریک کہہ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بھی کچھ اختیارات دے رکھے ہیں جن کی بناء پر یہ لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ چنانچہ شرکاء کو خوش کرنے کے لیے ان کی تعظیم کی جاتی ہے ان کو نذرانے پیش کیے جاتے ہیں اور ان کو پکارا جاتا ہے۔ اس طرح گویا عبادت میں بھی دوسروں کو شریک کیا جاتا ہے اور مشرک ہونے کی ہی بنیاد ہے۔

بدترین کلمہ

انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ فرمایا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا۔ یہ تم ایک نہایت ہی ناگوار بات لائے ہو۔ خدا کے لیے اولاد تجویز نہ کرنا بڑی ہی مکروہ بات ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر اور کوئی نہیں۔ دیکھو! لوگ اس کے لیے اولاد جیسا گند اعقیدہ رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ انہیں فوری طور پر گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے حالانکہ یہ سخت گستاخی کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ“ (فاطر۔ ۱۵) وہ تو غنی ہے، صمد، باقی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ فرمایا خدا کے لیے اولاد تجویز نہ کرنا اتنا برا کلمہ ہے تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ کہ قریب کہ آسمان پھٹ جائیں وَتَتَشَقَّقُ الْاَرْضُ مِنْ شِقِّهِ ہوجائے وَتَخْرُجُ الْجِبَالُ هَدًّا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کہ گھر پڑیں۔ اَنْ دَعَوُا لِلرَّحْمٰنِ فَلَدَّا اس وجہ سے کہ یہ لوگ خدائے رحمان کے لیے اولاد پکارتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس قبح کلمہ کا اتنا شدید اثر ہو سکتا ہے کہ اللہ کا غضب بھڑک اٹھے اور کائنات کی تمام چیزیں درہم برہم ہو جائیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اَلْجَاهِلُ اَنْ

يَتَّخِذَ وَلَدًا خدائے رحمان کے لیے یہ بات ہرگز لائق نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ نہ تو اُسے نسب کی ضرورت ہے اور نہ وہ (نعوذ باللہ) محتاج ہے کہ اُسے امداد کی حاجت ہو، لہذا اُس کے لیے اولاد ثابت کرنا کسی طور پر مناسب نہیں۔ تمام کائنات کی اللہ کے ساتھ نسبت باپ بیٹے کی نہیں بلکہ خالق اور مخلوق کی ہے۔ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا۔

ایک اشکال
اور اس کا
جواب

اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں خبریت کلمہ کی ایک مثال بیان کی گئی ہے: "وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ" (آیت ۲۶) یعنی خبریت کلمہ کی مثال خبریت درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین کے اوپر ہی ہوں اور اُس درخت کو کچھنی حاصل نہ ہو ایسا پودا یا درخت معمولی سی ٹھوکر یا آندھی وغیرہ سے اکھڑ جاتا ہے گویا خبریت کلمہ بالکل ناپائدار ہوتا ہے مگر یہاں اس مقام پر اس کی شدت اس قدر بیان کی ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس تعارض کے متعلق امام محمد بن ابی بکر عبد القادر رازی اور دوسرے مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ سورۃ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ توحید کے مقابلے میں کلمہ شرک کو کلمہ خبیثہ کہہ کر اُس کا ضعف بیان کیا ہے کہ شرک کی بات بالکل ناپائدار ہوتی ہے۔ اللہ نے ہر باطل بات کے متعلق فرمایا: "الْبَاطِلُ كَانَ زَهُوقًا رُبِّي اسْرِبِ" (۸) باطل تو ایک کمزور اور مٹ جانے والی چیز ہے اور استحکام حق کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ البتہ اس سورۃ میں شرکیہ کلمہ کی شدت کو بیان کر کے درحقیقت اس کی قباحت کو بیان کیا ہے کہ خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا اتنی بُری بات ہے کہ اس سے کائنات کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے مطلب یہ ہے کہ سورۃ ابراہیم میں کلمہ خبیثہ کا ایک پہلو بیان کیا گیا ہے اور یہاں

پہ اس کا دوسرا پہلو بنیاں کیا گیا ہے، لہذا دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔
 فرمایا اِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِّنْ مَّا رَزَقْنَاكَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اِلٰهُ الرَّحْمٰنِ عَبْدًا جو کچھ بھی آسمان اور زمین میں ہے سب اللہ کے
 سامنے عاجز بندہ ہو کر آئیں گے۔ بیٹے اور غلام میں فرق ہے۔ بیٹا مساوی
 اور ہم جنس ہوتا ہے جبکہ غلام عاجز اور محتاج ہوتا ہے۔ فرمایا اللہ اور
 بندے کے درمیان عابد اور معبود کی نسبت ہے۔ خدا معبود ہے باقی
 سب عابد ہیں۔ وہ قادر ہے یہ اس کے عاجز بندے ہیں۔ اور اولاد
 کا عقیدہ رکھنا اس تعلق کے منافی ہے۔

فرمایا لَقَدْ اٰخَصَّھُمْ ہِمٌّ نے تمام مخلوق کو گھیر رکھا ہے۔ اُس
 کا احاطہ کیا ہوا ہے وَعَدَّھُمْ عَدًّا اور ہر ایک کو شمار کر رکھا ہے
 مخلوق کا ہر فرد، ہر چیز، اُس کا ہر عمل اور نقل و حرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں
 ہے اور اُس نے شمار کر رکھا ہے۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو
 سب خدائے رحمان کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ اور ساتھ یہ بھی وضاحت
 فرمادی۔ وَكُلُّھُمْ اٰتِیْہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا قیامت
 کے دن اُن میں سے ہر ایک خدا کے حضور تنہا پیش ہوگا۔ اُس دن نہ خاندان
 ساتھ ہوگا، نہ برادری، نہ باندی گارڈ ہوں گے اور نہ مصاحب، بلکہ ہر شخص
 اکیلا حاضر ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ اس دنیا کے لحاظ سے ہر اعلیٰ و ادنیٰ کی
 پیشی برہنہ حالت میں ہوگی۔ لباس تو آگے چل کر قسمت نصیب ہوگا۔ وہاں
 نفسا نفسی کا عالم ہوگا، ہر ایک کو اپنی پٹی ہوگی۔ اُس وقت مسیح علیہ السلام
 کو خدا کا بیٹا ماننے والے سخت پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ بہر حال
 عقیدہ انبیت کی تردید اللہ نے مسلسل تین سورتوں میں بیان فرمادی ہے۔

رَبطَات

انہیں اس باطل عقیدے کی قیاحت کا احساس ہوگا۔ اب آگے اللہ نے اہل ایمان کی فضیلت، مرتبہ اور ان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض انعامات کا ذکر بھی کیا ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے **إِنَّ الْذِينَ آمَنُوا بِشَاكٍ وَهُمْ لَا يُلَئِي**۔ جس طرح کفر، شرک، اکھاڑ، نفاق وغیرہ قرآن پاک کی اصطلاحات ہیں اسی طرح ایمان بھی قرآن و سنت کی ایک اصطلاح ہے۔ ان سب اصطلاحات کے نیچے خاص معانی اور حقائق پائے جاتے ہیں۔ متکلمین، محدثین اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کسی ایسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے جو قرآن و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ جو چیز اجالی طور پر ثابت ہے اس پر اجالی طور پر ہی ایمان لانا ضروری ہے اور جو تفصیل کے ساتھ معلوم ہے اس کی تفصیلی تصدیق ضروری ہے۔ اسی کا نام ایمان ہے اور اس کے ارکان کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔

ارکانِ ایمان میں سے اولین رکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا ہے۔ زبان سے اس کا اقرار اور دل سے تصدیق ضروری ہے۔ بعض ایسے گمراہ لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں پروردگار بھی شامل ہے۔ ایسے لوگ لفظ اللہ کا معنی قانون کہتے ہیں حالانکہ یہ اسم ذاتی ہے اور اللہ کی ذات بے مثل ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کی صفات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے بعض لوگ اور فرقے اسی نقطہ پر آکر گمراہ ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تو موجود ہے مگر اس کی صفت کوئی نہیں ہے۔ مگر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام صفات کمال کو ثابت کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو تمام اچھی صفات سے متصف کرنا جو ایمان ہے جب کہ وہ ذات تمام بڑی صفات سے پاک ہے۔

ایمان اصطلاح
قرآن

ارکانِ ایمان
(۱) توحید

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ وہ راہ لا شرک ہے نہ تو اُس کی ذات میں کوئی شرک ہے۔ نہ اس کی عبادت میں اور نہ اُس کی صفات میں کوئی دوسرا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو بھی اُس کا ہم پلہ سمجھے یا اس کی صفات اور عبادت میں کسی کو شرک سمجھے تو وہ ایمان سے خالی ہو گیا۔ اُس نے گویا ایمان کی اولین شرط کو ہی پورا نہیں کیا۔

(۲)
رسالت

ایمان کا دوسرا رکن رسالت پر ایمان لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لیے آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سے کنبی اور رسول مبعوث فرمائے ہیں۔ یہ انبان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو معصوم بناتا ہے۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتے دیتا۔ ان پر وحی کا نزول بہت بڑا اعزاز ہے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ ”لَا نَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ“ (البقرہ - ۲۸۵) ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے۔ ہمارا سب پر ایمان ہے البتہ تفصیلی طور پر حضور نبی کریم علیہ السلام پر ایمان ہے کہ جن پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا، میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں جس کے رکھنے سے قصر نبوت مکمل ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”انْقَطَعَتِ النَّبِيُّوَّةُ وَلَا رَسُولَ بَعْدِي“۔ نبوت ختم ہو چکی ہے اب میرے بعد اور کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قرآن پاک میں بھی آپ کو ”وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ (الاحزاب - ۴۰) کا خطاب دیا گیا ہے۔ تو رسالت پر ایمان لانا بھی ارکان ایمان میں سے ہے۔

(۳)
ملائکہ

ملائکہ خدا تعالیٰ کی مجرور اور معصوم مخلوق ہے۔ خدا تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ملائکہ کا توسط ہے۔ ان میں سے بعض کا مادہ تخلیق بہت لطیف نور ہے اور بعض اس سے کم تر ہیں۔ فرشتوں کے مختلف طبقات ہیں۔ جیسے ملائکہ اعلیٰ کے فرشتے، علیین کے فرشتے، حاملین عرش

حافین حول العرش، پھر آسمانوں کے فرشتے اور پھر بحر و بر کے فرشتے، اس دنیا میں فرشتے نظر نہیں آتے، البتہ قیامت کو نظر آئیں گے۔ ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ نے ملائکہ کو بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے انسان کی پیدائش سے کروڑوں اور اربوں سال پہلے پیدا کیا۔ جبرائیل، میکائیل وغیرہ فرشتوں کی پیدائش کے متعلق تو ہم تحدید نہیں کر سکتے کہ یہ کب پیدا ہوئے۔ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ نوع انسانی کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ فرشتے وجود رکھتے ہیں۔ ان میں روح بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں کمال درجے کی عقل ہوتی ہے۔ سرسید، علامہ شرعی، اسی نکتے پر آکر گمراہ ہوئے۔ انہوں نے فرشتوں کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ اچھی صفت کا نام فرشتہ اور بُری صفت کا نام شیطان ہے۔ فرشتے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی فرائض و عبادت سے غافل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے: ”يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ“ (الانبیاء۔ ۲۰) وہ رات دن اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں مگر ٹھکے نہیں۔ ان کے مقابلے میں اللہ نے انسان کو کمزور اور تھک جانے والا بنایا ہے۔ سورۃ النساء میں موجود ہے: ”وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا“ (آیت۔ ۲۸) بہر حال فرشتے اللہ کی معصوم مخلوق ہیں جن میں نہ معصیت کا مادہ ہے اور نہ شہوت کا۔ انسانوں کی طرح فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے طالب ہوتے ہیں۔ ان پر ایمان نہ لانے والا کافر شمار ہوگا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر چھوٹے صحیفے اور بڑی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ امام شافعیؒ کے قول کے حوالے سے مفسرین بیان

لے حجة الله البالغة ص ۲۳ ج ۱ (فیاض)

کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کُل چار بڑی کتابیں اور سو صحیفے نازل فرمائے ہیں۔ کتابوں میں زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید ہیں۔ جب کہ قرآن میں ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کے صحائف کا ذکر ملتا ہے۔ بہر حال اللہ نے ابتداء سے لیکر حضور خاتم النبیین تک جتنی بھی کتب اور صحائف نازل فرمائے ہیں، سب پر ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ برحق ہیں اور اللہ نے انہیں انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ باقی کتب صحائف پر اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ جب کہ قرآن پاک کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر کلمے کو ماننا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک لفظ یا کسی ایک حکم کا انکار کرنے سے ایمان سلب ہو جائے گا۔

(۵)

یوم آخرت

اس کے بعد قیامت کے دن پر ایمان لانا بھی ارکان ایمان میں سے ہے۔ قرآن پاک میں اس کا ذکر بالکلیہ الذخیر کے نام سے بار بار آیا ہے۔ قیامت کا دن اس جہاں کا آخری دن

LAST DAY لاسٹ ڈے (ہوگا۔ جب ہم قیامت کے دن کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں، مثلاً مرنے کے بعد دوبارہ حیات، پھر طے سے گزرنا، حساب کتاب کی منزل، میزان کا قیام وغیرہ۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسان کو محلے کے عمل سے گزرنا ہوگا۔ اس کو نیکی اور بدی کا پھل ملے گا۔ جزا اور سزا کی جگہیں جنت اور دوزخ برحق ہیں۔

اگرچہ آخرت کا دن بحیثیت مجموعی قیامت کا دن ہی ہے مگر انفرادی طور پر آخرت کا سلسلہ انسان کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَمَاتٌ فَقَدْ قَامَتْ قِيَمَتُهُ جو شخص مر گیا، اسکی قیامت تو برپا ہو گئی۔ عالم برزخ میں قبر عقی کی پہلی منزل

ہے۔ آدمی کی موت کے ساتھ ہی مادی جہان ختم ہو کر دوسرا جہاں شروع ہو گیا۔ چنانچہ قبر کا عذاب بھی برحق ہے۔ مسئلہ عقیدے کی کتاب فقہ اکبر میں موجود ہے **عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ** یعنی قبر کا عذاب برحق ہے جو گنہگاروں کو ہوگا۔ ان سب چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ عذاب قبر کا انکار کرنے والے معتزلہ اور دوسرے فرقے گمراہ ہیں۔

خلاصہ ایمان یہ ہے کہ قرآن و سنت سے یقینی طور پر ثابت چیزیں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ گویا توحید، رسالت، ملائکہ، کتب سماویہ، یوم آخرت، تمام فرائض اور شریعت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔ کوئی شخص محض علم سے مومن نہیں ہو سکتا۔ اس وقت دنیا میں بڑے بڑے سکالرموجود ہیں جو بیشمار چیزوں کو جانتے ہیں مگر وہ مومن نہیں کیونکہ وہ ان کی تصدیق نہیں کرتے۔ اسی طرح محض پہچاننے سے بھی آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔ یہودی اللہ کے آخری نبی کو اس کی نشانیوں سے پہچانتے ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ قرآن کو بھی پہچانتے ہیں کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے مگر ان کی تصدیق نہیں کرتے لہذا یہ بھی مومن نہیں۔ تو ایمان قرآن کی اصطلاح ہے جو ان تمام چیزوں پر عادی ہے جن کا میں نے اجمالاً ذکر کر دیا ہے۔

فرمایا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے **وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اور اچھے اعمال وہ ہیں جن کو قرآن اور شریعت اچھا کہتی ہے اور عقل سلیم جن کو ماننتی ہے۔ مثلاً عبادت میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اچھے اعمال ہیں۔ اس کے علاوہ جہاد فی سبیل اللہ اسلام کی تبلیغ، سنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی صدقہ خیرات وغیرہ اچھے امور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان لوگوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے جو غریبوں کا کین کی مشکلات حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **الَّذِينَ**

يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ (ال عمران - ۱۳۴) جو خوشحالی اور تنگدستی میں بھی خرچ کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں غلاموں کی آزادی بنی نوع انسان کو بہ اخلاقی اور بد عقیدگی سے بچانا وغیرہ سب نیک کام ہیں۔ تاہم بنیادی طور پر عبادات اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج اعمالِ صالحہ ہیں۔ حضور کا فرمان ہے کہ ایمان کے بعد جو شخص یہ اعمال انجام دے گا۔ وہ جنت میں داخلہ کا مستحق ہے "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْلَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدِهِ" (الانبیاء - ۹۲) جو شخص نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ وہ ایمان دار ہو۔ عقیدہ فاسد نہ ہو، کفر، شرک، نفاق، اتحاد میں ملوث نہ ہو تو اس کے اعمال کی قدر کی جائے گی۔

محبت کا
انعام

فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے، اُن کا انعام یہ ہے سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا اُن کے لیے خدائے رحمان عنقریب محبت کا سامان بنا دے گا۔ وُد کا معنی محبت ہے اور اسی لحاظ سے وود خدا تعالیٰ کا صفاتی نام ہے یعنی محبت کہنے والے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کہہ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی چیزیں عطا کرے گا۔ جن سے وہ محبت کرتے ہیں یعنی جو چیزیں انہیں پسند ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے لیے دوسروں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام بھی اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ دوسرے فرشتوں کے سامنے اعلان کرتے ہیں تو وہ بھی ایسے شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہی جذبہ زمین پر آتا ہے تو زمین پر موجود تمام باصلاحیت لوگ بھی ایسے شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں بغض کا معاملہ بھی الیا ہی ہے۔ جب

اللہ تعالیٰ کسی نافرمان کو مبغوض سمجھتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں اس شخص سے بغض رکھتا ہوں لہذا تم بھی اس سے بغض رکھو۔ پھر یہی چیز نیچے زمین پر آتی ہے تو تمام باصلاحیت لوگ بھی ایسے نافرمان سے بغض رکھتے ہیں۔

بہر حال محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دیتا ہے۔ اللہ کریم نے صحابہؓ کی محبت کس طرح لوگوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ صحابہؓ جب بیرونی سفر پر جاتے تھے تو عیسائی توہین ان کے لیے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیتی تھیں مسلمانوں کی عبادت کا طور طریقہ اور ان کا عدل و انصاف دیکھ کر غیر مسلم بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ جب مصر پر مسلمانوں کا حملہ ہوا تو انہوں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ جب مسلمان کسی جگہ قیام کے بعد وہاں سے جاتے تو وہاں کے لوگ روتے تھے کہ ایسے اچھے لوگ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ غرضیکہ اللہ نے ان کے دل میں صحابہؓ کی محبت ڈال دی تھی۔ اور جن کے دلوں میں خدا کی محبت پڑ جاتی ہے وہ بھی کمال درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ میں اور میری والدہ مسلمان ہونے کے بعد چار سال تک حضورؐ کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے۔ پھر آپؐ عرصہ کیا، حضورؐ! ہمارے حق میں دُعا فرمائیں۔ آپؐ نے دُعا فرمائی اے اللہ مومنین کے دل میں ابوہریرہؓ کے لیے محبت ڈال دے۔ ابوہریرہؓ کا اپنا بیان ہے کہ حضورؐ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے جو مومن مجھے دیکھتا مجھ سے محبت کرتا۔ ہمارے لیے بھی حکم ہے کہ جب کسی بستی میں جائیں تو یوں دُعا کریں اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ صَالِحِيْہَا اِلَيْنَا وَحَبِّبْنَا اِلَيْہُمْ اے اللہ! اس بستی کے نیک لوگوں کے لیے ہمارے دلوں

میں محبت ڈال دے اور ان کے دلوں میں ہمارے لیے محبت پیدا کر دے۔ اور محبت کا معیار یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت ہو گی وہ ضرور نیک لوگوں سے محبت کریں گے۔ اور جو خدا کی محبت سے خالی ہوں گے وہ نیک لوگوں سے بغض رکھیں گے۔ کافر جو تہ خدا کی محبت سے محروم ہوتے ہیں اس لیے وہ انبیاء اور صالحین سے بغض رکھتے ہیں۔ بہر حال نیک لوگوں کے لیے محبت خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے فَالْتَمَازِیَسْرَنَہٗ بِلسَانِکَ بَشَکْہِمُ نے اس قرآن پاک کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے۔ حضور علیہ السلام عربوں میں پیدا ہوئے اور آپ کی مادری زبان عربی تھی حضور علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ مہر سال پہلے عربی زبان اپنے عروج پر تھی۔ یہ انتہائی مختصر مگر فصیح زبان ہے جس میں دستیق سے دقیق مضمون بھی ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس میں بلند درجے کی شاعری پائی جاتی ہے۔ اللہ نے بھی اس زبان کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ یہ زبان ہمارے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم اپنے آخری نبی کی مادری زبان عربی میں نازل فرمائی جس کو ہم صبح و شام پڑھتے ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عربوں سے محبت کیا کہہ دو کیونکہ میں بھی رسول عربی ہوں اور قرآن پاک بھی عربی زبان میں ہے۔

فرمایا قرآن پاک کو عربی زبان میں آسان کرنے کا مقصد یہ ہے لِتُبَشِّرَہِ الْمُتَّقِیْنَ تاکہ آپ اس کے ذریعے متقین کو بشارت سنادیں وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لَّدَا اور آپ اس کے ذریعے جھگڑا لو قوم کو ڈرا دیں۔ حضور علیہ السلام کے اولین مخاطبین کفار و مشرکین جو سخت جھگڑا لو قسم کے لوگ تھے۔ تاہم جھگڑا لو قوم میں یہودی اور عیسائی بھی داخل ہیں۔ یہ بھی گذشتہ چودہ سو سال سے جھگڑا ہی کرتے چلے آئے ہیں جو مسیح علیہ السلام

قرآن
عربی زبان
میں

بیشمار انداز

کے نزول تک جاری ہے گا۔ بہر حال دنیا کی ہر جگہ الو قوم کو قرآنی تعلیمات کے ذریعے انداز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سابقہ اقوام کی ملامت

فرمایا، یہ لوگ کس خیال میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آتی ہے تو پھر نافرمان بچ نہیں سکتے۔ ذرا پرانی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قُرُونٍ اِنْ سَلَ ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ کفر و شرک میں پڑے ہوئے تھے اور غرور و تکبر میں مبتلا تھے، لہذا ہماری گرفت سے بچ نہ سکے اور ہلاک ہوئے کھل تَحْسَبُ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ كَيْتَمُ اَنْ میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہو؟ اُن کے صرف کھنڈرات باقی ہیں یا تاریخ میں اُن کا نام آتا ہے مگر نہ اُن میں سے کوئی فرد واحد بھی باقی نہیں رہا۔ اللہ نے سب کو مٹا کر دیا۔ سورۃ سبا میں ہے فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيثَ وَصَرَّفْنَاهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ (آیت - ۱۹) ہم نے اُن کے افسانے بنادیے۔ قصے کہانیوں میں ان کا ذکر ملتے ہے اور بالکل ریزہ ریزہ کر دیا کہ ان کا نام نشان تک باقی نہ رہا۔ یہ کلانی، بالبی، قدیم مصری، قدیم چینی، ہڑپہ، مہنجو ڈرو اور سکیلا والے، الورا اور ایچنٹا کی تہذیبوں والے سب تباہ و برباد ہوئے۔ فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ذرا بھی محسوس کرتے ہیں اَوْ تَسْمَعُ لَهْمُ رِكْزًا یا اُن کی کوئی معمولی سی بھنک یا آواز بھی سنتے ہیں؟ ہم نے اس طرح فنا کر دیا ہے کہ اُن کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ جب اُن اقوام کا یہ حال ہوا تو عرب کے کفار و مشرکین کس کھاتے میں ہیں۔ اگر یہ بھی انکار پر اصرار کرتے ہیں اور اہل ایمان کو ستاتے ہیں، تبلیغ دین کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں تو ان کا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

مِجَالِ الْعُرُوفِ - دُرُوسُ الْقُرْآنِ

اقتادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مہبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

کرائچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (مکتبہ القرآن)

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دُرُوسِ الْقُرْآنِ گوجرانوالہ